(تحقیق، تشریح)

سید حسین علی ادیب رائے پوری

15- سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور
فون 7355353

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

درود تاج

(تحقیق، تشریح)

سیّد حسین علی ادیب رائے پوری

قوسین

15- سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور

فون: 7355353

بار دوم : ۲۰۰۸ء

تعداد : ۱۰۰۰

مطبع : الشغر پرنٹرز، لاہور

ناشر : محمد سلیم الرحمٰن، ریاض احمد

-/۹۰۰ روپے

ترتیب

خَاتَمِ النَّبِیّٖن

شَفِیعُ الْمُذْنِبِیْن

مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ ۲۰۹

وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ ۲۲۳

سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ ۲۲۹

یادِ یارِ مہرباں

اسمِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وِرد و وظیفہِ صاحبِ کائنات ہے۔ جملہ ملائکہ بھی پیہم اسی عمل میں مصروف رکھے گئے ہیں۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے تمام اہلِ ایمان کو بھی اس عبادت میں اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دے رکھی ہے۔

صاحبانِ ایمان، درود شریف کی فضیلت پر، بعدہٗ، کس دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟
برادرم مغیث احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل سیّد حسین علی ادیب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی، صدر و بدرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار، اپنی نوعیت کی بے مثل و بے مثال کتاب: ''درودِ تاج : تحقیق، تشریح'' کو، سیّدِ محترم کی اجازت سے، لاہور سے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کی ذمے داری راقم الحروف کو سونپی تھی ـــــ زہے نصیب!

مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دنیا و مافیہا سے دستبردار ہو چکے تھے۔ یہ محبت ان کا ازلی نصیب تھی۔ ان کی رفاقت میں یہ راز بھی کھلتا تھا کہ حبیبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں کی آن اور شان کیا ہوتی ہے اور درودِ پاک کی مشعلِ فروزاں ان کے قلوب و اذہان کو اپنی جوت سے کیسے کیسے جگمگائے رکھتی ہے۔

صاحبِ درودِ تاج و معراج صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی و روحانی وابستگی ہی کا ثمرہ تھا کہ برادرم مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ اپنی بالوجود موجودگی کے آخری ایام میں ایک جان لیوا مرض کا سامنا انتہائی ہمت اور حوصلے کے ساتھ ہنس ہنس کر کرتے رہے تھے اور ان کے معمولات میں بال برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔

ان کی ازبس آرزو تھی کہ درودِ تاج کا یہ نذرانہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ناز میں یوں بنا سنوار اور جی جان سے سجا کر پیش کیا جائے کہ اوراق زرِ ناب کے ہوں تو الفاظ لؤلؤ اور مرجان کے۔ روشنائی کی جاہ مشک و عنبر و زعفران اور عبیر و گلال کا زلال ہو۔ کتاب کیا ہو خُلدِ بریں اور جنت الفردوس کے رنگا رنگ چمنستانوں کی کوئی سدا بہار کیاری ہو جس کی آبیاری کے لیے ان کے قلبِ تپاں کا لہو روزِ ازل کی مستی میں صَلِّ علیٰ کے جاں فزا ترانے لٹا رہا تھا۔

جو وہ چاہتے تھے اسے صرف چاہا جا سکتا ہے۔ خواب صرف دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہمارے بس میں صرف یہی ہے ــــ اور یہ کیا کم ہے!

الحمدللہ! درود تاج کا لاہوری نسخہ، جو راحت العاشقین صلی اللہ علیہ وسلم سے مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت، شیفتگی اور محبت کا آئینہ بردار ہے، ہدیہ ناظرین ہے۔

شمعِ درود پاک کے پروانوں سے التماس ہے وہ برادرم مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جناب سیّد حسین علی ادیبؔ رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

میں برادرم سید امتیاز علی تاجؔ نقشبندی کی محبت اور جناب پروفیسر محمد جمیل اقبال قادری کی معاونت کے لیے ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

اس نسخے کی تزئین و آرائش کے لیے محترم حنیف رامے کے تعاون کا تذکرہ بھی لازم ہے اور ان کا شکریہ بھی واجب ہے۔

صحتِ متن کے سلسلے میں برادرم خورشید رضوی اور برادرم معین نظامی میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ اِن سب حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین!

ریاض احمد

انتساب

درود تاج کے الفاظ جن کی مِدحت ہیں
انھی کے نام سے منسوب میری ہر تحریر
دعا یہ کی تھی کہ صدقہ درود کا پاؤں
وہ میرا خواب تھا، یہ میرے خواب کی تعبیر

ادیبؔ

منظوم نذرِ عقیدت

طارق سلطانپوری
(حسن ابدال، حال کراچی)

قطعہ سال تکمیل وطباعت
کتاب موسوم بہ درود تاج

نتیجۂ فکر محترم، مکرمی جناب سیّد حسین علی ادیب رائے پوری مدظلہ العالی
صدر پاکستان نعت اکادمی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

''خُلدِ صدق وعقیدت'' (۱۴۱۸ھ)

''فضیلتِ محمد ﷺ، شاہِ جود و کرم'' (۱۹۹۷ء)

درود تاج ، حبیبِ ﷺ خدا کا ذکرِ سعید
زمانے میں ہے خواص و عوام میں مقبول
یہ ہے وظیفۂ اربابِ شوق صدیوں سے
خدائے پاک نے بخشا ہے اس کو حسنِ قبول
کیے ہیں پیش بہ غایت ادب مصنف نے
نبی ﷺ کی خدمتِ ذی شان میں خلوص کے پھول

اس اہتمام ثنائے رسولِ رحمت ﷺ کا
ضرور اس نے کیا ہوگا حق سے اجر وصول

فروغِ بزم محبانِ مصطفےٰ ﷺ ہے یہ
پڑھائی اس کی ہے عشاق خواجہ ﷺ کا معمول

جو اُن ﷺ کا شیفتہ ہے، وہ ہے ارجمند و سعید
حضور ﷺ کا جو مؤدب نہیں وہ ہے مخذول

خدا کے بعد خدا کے حبیب ﷺ ہیں افضل
یہی ہے جانِ حقایق ، یہی ہے اصلِ اصول

ادیب بھی ہے ، وہ شاعر بھی ہے ، حسین علی
ازل سے اس کو ودیعت ہوئی ہے نعتِ رسول ﷺ

درود تـــاج کی تحریر کی حسیں تفسیر
عطائے خاصِ محمد ﷺ ہے اس شرف کا حصول

یہ ہے مدارج و مشکوٰۃ سے ہویدا بات
بیانِ وصفِ نبی ﷺ میں وہ ہے سدا مشغول

اگر ہے ذہن میں راسخ محبتِ سرکار ﷺ
بدیع و پاک مضامیں کا ہوگا اس پہ نزول

کریں گے لازمی سعیِ ادیبؔ کی تحسین
جنونِ عشق سے ممتاز ہیں جو اہلِ عقول

کہا ہے یوں سنِ تکمیل اس کا طارقؔ نے
ہمیں نصیب ہوئی : ''زیبِ باغِ یمنِ رسول ﷺ''

۱۴۱۸ھ

۱۸ جون ۱۹۹۷ء

دُرُودِ تاج

درود تاج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ، نہایت رحم والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ

الٰہی! ہمارے آقا و مولیٰ محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما

صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَ

جو صاحبِ تاج و معراج اور براق والے اور

الْعَلَمِؕ دَافِعِ الْبَلَآءِ وَالْوَبَآءِ وَالْقَحْطِ

جھنڈے والے ہیں۔ جن کے وسیلے سے بلا اور وبا اور قحط

وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِؕ اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ

اور مرض اور دکھ دور ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا نام نامی لکھا گیا ، بلند کیا گیا ،

مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ فِى اللَّوْحِ وَالْقَلَمِؕ سَيِّدِ

قبول شفاعت کیا گیا اور لوح و قلم میں کھدا ہوا ہے۔ آپ ﷺ

الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ط جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ مُّعَطَّرٌ

عرب و عجم کے سردار ہیں۔ آپ ﷺ کا جسم نہایت مقدس، خوشبودار،

مُّطَهَّرٌ مُّنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ ط شَمْسِ

پاکیزہ اور خانۂ کعبہ و حرم پاک میں منور ہے۔ آپ ﷺ چاشتگاہ

الضُّحٰى بَدْرِ الدُّجٰى صَدْرِ الْعُلٰى نُوْرِ

کے آفتاب، اندھیری رات کے ماہتاب، بلندیوں کے صدر نشین، راہ ہدایت

الْهُدٰى كَهْفِ الْوَرٰى مِصْبَاحِ الظُّلَمِ ط

کے نور، مخلوقات کی جائے پناہ، اندھیروں کے چراغ،

جَمِيْلِ الشِّيَمِ ط شَفِيْعِ الْاُمَمِ ط صَاحِبِ الْجُوْدِ

نیک اطوار کے مالک، اُمتوں کے بخشوانے والے، بخشش و کرم سے

وَالْكَرَمِ ط وَاللّٰهُ عَاصِمُهٗ وَجِبْرِيْلُ خَادِمُهٗ

موصوف ہیں۔ اللہ آپ ﷺ کا نگہبان، جبریل علیہ السلام خدمت گزار،

وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهٗ وَسِدْرَةُ

براق آپ ﷺ کی سواری، معراج آپ ﷺ کا سفر، سدرۃ المنتہیٰ

الْمُنْتَهٰى مَقَامُهٗ وَقَابَ قَوْسَيْنِ مَطْلُوْبُهٗ

آپ ﷺ کا مقام اور (قربِ خداوندی میں) قاب قوسین کا مرتبہ آپ ﷺ کا مطلوب ہے

وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ

اور مطلوب ہی آپ ﷺ کا مقصود ہے اور مقصود آپ ﷺ کو حاصل ہے۔

سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ شَفِيْعِ

آپ ﷺ رسولوں علیہم السلام کے سردار، نبیوں علیہم السلام میں سب سے پیچھے آنے والے، گنہگاروں کے

الْمُذْنِبِيْنَ اَنِيْسِ الْغَرِيْبِيْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ

بخشوانے والے ، مسافروں کے غمخوار ، دُنیا جہان کے لیے رحمت ،

رَاحَةِ الْعَاشِقِيْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِيْنَ شَمْسِ

عاشقوں کی راحت ، مشتاقوں کی مراد ، خدا شناسوں

الْعَارِفِيْنَ سِرَاجِ السَّالِكِيْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِيْنَ

کے آفتاب ، راہ خدا پر چلنے والوں کے چراغ ، مقربوں کے رہنما،

مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ سَيِّدِ

محتاجوں ، غریبوں اور مسکینوں سے محبت رکھنے والے ، جن و

الثَّقَلَيْنِ نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ

انس کے سردار، حرمین کے نبی، دونوں قبلوں (بیت المقدس و کعبہ) کے پیشوا

وَسِيْلَتِنَا فِي الدَّارَيْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ

اور دُنیا و آخرت میں ہمارا وسیلہ ہیں۔ وہ جو مرتبہ قاب قوسین پر فائز ہیں۔

مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ جَدِّ

دو مشرقوں اور دو مغربوں کے ربّ کے محبوب ہیں۔ حضرت

الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ مَوْلٰنَا وَمَوْلَى الثَّقَلَيْنِ

امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے جدِّامجد اور ہمارے اور (تمام) جن وانس کے آقا ہیں

اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ

یعنی ابی القاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ علیہ السلام جو اللہ کے نور میں سے ایک نور

اللّٰهِ يَاَيُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ صَلُّوْا

ہیں۔ اے نورجمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشتاقو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

کی آل علیہ السلام پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر دُرود و سلام بھیجو جو بھیجنے کا حق ہے۔

اعتراف

ادیب رائے پوری

جن حضرات نے درود تاج کی تحقیق میں رہنمائی فرمائی ان میں کچھ وہ احباب و کرم فرما ہیں جن کی خدمت میں حاضر ہو کر درود تاج سے متعلق معلومات اور موضوعات پر بہ نفسِ نفیس تبادلۂ خیال ہوا، کار آمد اور نتیجہ خیز گفتگو ہوئی۔ ان کے علاوہ کچھ وہ کرم فرما ہیں جن سے نہ ملاقات ہوئی نہ ہی خط و کتابت، لیکن ان کی تفسیر و تصانیف نے قدم قدم پر میری رہبری کی اور بہت سے موضوعات سامنے آئے اور بہت سے ایسے جواب جن کے لیے ابھی سوال بھی قایم نہ کر پایا تھا۔ ان میں وہ تمام بزرگ و محترم ہستیاں شامل ہیں جن کی تصانیف کے حوالوں سے اس کتاب کے اوراق آراستہ ہیں لیکن ان میں ایک نام پیر محمد کرم شاہ الازہری، سجادہ نشین بھیرہ شریف، جسٹس وفاقی شرعی عدالت کا ہے جن کی مشہورِ زمانہ تفسیرِ قرآن موسوم بہ ''ضیاء القرآن'' کئی برس سے میرے مطالعے میں رہی اور نہ جانے کتنی بار میں نے اس کا مطالعہ کیا اور اپنے حلقۂ احباب میں پُر زور سفارش کے ساتھ اس کا تعارف بھی کراتا رہا۔ حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''سنّتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم'' میرے مطالعے میں بہت پہلے آچکی تھی، جب ''ضیاء القرآن'' میرے سامنے آئی تو ان کے اندازِ تحریر نے دل میں جگہ بنالی۔ ہر ہر سطر سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں ادب اور عشق میں ڈوبی ہوئی ہے۔ میری نظر سے کئی تفاسیر گزریں لیکن جیسی عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی تحریر ''ضیاء القرآن'' میں دیکھی کوئی اور تفسیر اس کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ ''ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی منظرِ عام پر آگئی جس نے میری رہنمائی میں میرا بھرپور ساتھ دیا، چنانچہ

میں نے بعض مقامات پر درود تاج میں ان کے افکار کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے اور بعض مقامات پر انھی کے الفاظ میں حوالے پیش کیے ہیں۔

چراغ سے چراغ جلنے کی یہ اعلیٰ مثال ہے۔ اکثر میں اپنے واعظینِ کرام سے کہا کرتا ہوں کہ آپ کے پُر جوش اور انقلابی اندازِ تقریر میں زبان سے نکلنے والے الفاظ ہوا میں تحلیل ہو کر گوشۂ گمنامی میں چلے جائیں گے، آپ تحقیق کے میدان میں قدم رکھیے کہ ایک عرصے سے یہ میدان شہسواروں کا منتظر ہے۔ ان چراغوں سے پھر نئے چراغ روشن ہوں گے اور اس طرح ذکرِ سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ چراغاں مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر بادِ مخالفت سے بے خوف ہو کر پوری دنیا کو روشن رکھے گا۔

میں حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ الازہری کا بے حد شکر گزار ہوں اور ان کی روشن اور ایمان افروز تحریروں کا جنھوں نے مجھ جیسے نہ جانے کتنے طالبانِ علم کو سیراب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبرِ پُر انوار پر تا قیامت رحمتوں کی بارش کرے، آمین۔

حضرت مولانا علامہ عبدالسبحان خان صاحب، مولانا محمد حسن حقانی صاحب، مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب، ڈاکٹر جلال الدین نوری صاحب، مولانا نسیم احمد صدیقی صاحب نوری قادری وہ حضرات ہیں، جنھوں نے درود تاج کی اس تحقیق پر تحقیقی نظر ڈالی، آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ سلف کا مطالعہ کیا اور جہاں ضروری سمجھا رہنمائی فرمائی۔ یہ تمام ہمارے ملک کے جید و مشاہیر علمائے کرام سے ہیں۔ ان حضرات نے میری حوصلہ افزائی فرمائی، جس کے لیے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ یہ اظہارِ تشکر نامکمل ہوگا اگر میں فیصل آباد کی عظیم شخصیت ڈاکٹر پروفیسر محمد اسحاق قریشی (پی ایچ ڈی عربی نعت) کا ذکر نہ کروں جن کا تبصرہ، جن کی پر خلوص دعائیں اور جن کی محبت میرے شاملِ حال رہی۔ ساتھ ہی ڈاکٹر پروفیسر ریاض مجید (پی ایچ ڈی نعت اردو) فیصل آباد، جن کی تحقیق نے میری راہ نمائی میں حصہ لیا۔ کراچی سے جناب انوار احمد زئی کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ نے بھی اس تحقیق پر اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ فرمایا اور حوصلہ افزائی بھی بہت کی۔

طارق سلطانپوری نے حسن ابدال سے قلمی رابطہ قائم کیا اور پھر اپنی عقیدت و محبت کو اور اس جذبۂ عالی کو، جو درود تاج سے ہے اور ان کا اثاثۂ ایمان ہے، اس کی نسبت

سے مجھ ناچیز کی خدمت کو خراجِ تحسین جس منظوم انداز میں پیش کیا میں ان کے لیے بھی دعا گو ہوں۔

کوئی نام اگر سہواً رہ گیا ہو تو ان سے معذرت خواہ ہوں اور وہ میری معذرت کو قبول فرمالیں۔

اس کتاب کی اشاعت میں کتابت، طباعت، جلد سازی اور دیگر فنی مراحل میں جن حضرات نے رہنمائی کی اور عملی تعاون کیا ان میں سیّد تجمل علی تاج، جناب عابد علی صاحب، جناب فاروق امین صاحب، جناب رؤف گاندھی صاحب کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ بعض حضرات نے اپنے ناموں کی اشاعت سے منع فرما دیا ہے۔ میں ایسے تمام مخلص احباب کا بے حد شکر گزار ہوں۔ ساتھ ہی ان محترم شخصیات کا جنھوں نے اس کتاب پر تبصرہ فرمایا۔

ولایت آباد نعت اکیڈمی نے، جس کے بانی رفیق انصاری صاحب ہیں، درود تاج کی اشاعت میں عملی طور پر جو خدمات انجام دی ہیں ان کا ذکر کیے بغیر تشکّر کا یہ باب مکمل نہیں ہوسکتا۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان کے خلوص اور خدمات کا شکر گزار ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ ان تمام حضرات کے دین و دنیا میں درجات بلند فرمائے اور اجرِ عظیم عطا کرے، آمین۔

شروح کا سرتاج، شرح درود تاج

تبصرہ از مجاہدِ ملت، پیرِ طریقت مخدوم اشرف سمنانی کے نورِ نظر، سرکار کلاں کے فرزند
علامہ سیّد محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم

حضرت ادیبؔ رائے پوری خوش عقیدہ، خوش خلق ادیب، مفکّر و محقق ہونے کے علاوہ عربی اور فارسی ادب میں بہت عمدہ درک رکھتے ہیں۔

درود تاج کی شرح میں جو مساعی ادیبؔ صاحب نے فرمائی، اگرچہ جستہ جستہ دیکھنے کا موقع ملا، مگر نہ صرف پسند آیا بلکہ ادیبؔ صاحب کے بارے میں ان کے متصوفانہ خیالات سے بھی کافی معلومات ہوئیں۔

میں یہاں (کراچی، پاکستان) آیا ہوا تھا، مولانا حسن حقانی اشرفی، ہاشم رضا صاحب اشرفی اور خود ادیبؔ صاحب کی خواہش پر صاحبِ سلسلہ بزرگ کے درود تاج اور اس کی شرح میں ان چند سطور کے ذریعے اپنا حصہ بھی بنالیا۔

شرح جامع، عمدہ اور مدلّل اور قرآن و حدیث اور اجماع امت کے حوالے سے مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس اعلیٰ کاوش پر جزائے خیر اور آخرت کے لیے ذخیرہ اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے تقرب اور فیوضِ روحانی کا سبب بنائے، آمین۔

یکے از خادمانِ مخدوم اشرف سمنانی، سیّد محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی، سجادہ نشین وجانشین سرکارکلاں، کچھوچھہ مقدسہ، یوپی، بھارت۔

درود تاج پر ایک تاریخی کارنامہ

(حامداً و مصلیاً و مسلما)

فقیر عبدالسبحان القادری

بانی و مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم قادریہ سبحانیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان

حمد وصلوٰۃ وسلام کے بعد واضح ہو کہ کاتب الحروف فقیر عبدالسبحان القادری نے پاکستان کے مشہور و معروف اور نامور ادیب ونعت گو شاعر الحاج سید حسین علی ادیب رائے پوری کی تصنیف: تحقیق و شرح درود تاج کا باقاعدہ اول تا آخر مکمل مطالعہ نہایت غور کے ساتھ کیا اور بحمد اللہ تعالیٰ بالکل صحیح پایا۔ موصوف نے درود تاج کی شرح میں نہایت عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ اپنی عقیدتوں اور جذبے کو کمال تک پہنچانے میں ان کی کاوش لائقِ صد تحسین ہے۔ یوں تو ہر تفسیر کے بعد ایک تفسیر اور شرح کے بعد ایک شرح آتی ہے لیکن فی زمانہ حضرت ادیب رائے پوری نے، جنھیں میں اپنے حج کے زمانے سے بلبلِ پاکستان کہہ رہا ہوں جب موصوف میرے ساتھ سعادتِ حج بیت اللہ شریف حاصل کرنے میں شریک تھے، درود تاج پر اتنا مواد علمی فراہم کر دیا ہے کہ مزید تحقیق نہ بھی کی جائے تو یہ مکمل ہے۔ درود تاج کے قائلین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا تعلق دیوبند سے ہے۔ مولوی حکیم محمد لیسین خواجہ دیوبندی، ساکن موضع کرم علی والا، تحصیل شجاع آباد، ملتان نے اپنی کتاب ''بیاضِ مدنی''، جو کہ عملیات کی مشہور کتاب ''شمس المعارف'' کے آخر میں ضمیمے کے طور پر دار الاشاعت، کراچی سے شائع ہوئی ہے، اس میں اکابر علماء دیوبند کے عملیات جمع کیے گئے ہیں۔ اس کے صفحہ ۶۲۷ پر لکھتے ہیں:

''مجھے ۲۹ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ/ ۳۱ اگست ۱۹۷۰ء بروز سوموار مولوی محمد عبداللہ پھلوی، شجاع آبادی (دیوبندی) نے درود تاج پڑھنے کی اجازت دی اور اُن کو قاری طیّب، مہتمم دارالعلوم دیوبند نے طالب علمی کے دورہ حدیث کے موقع پر اجازت دی اور ان کو مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے اور ان کو مولوی قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اجازت دی۔''

لیکن یہ بھی لکھا کہ درود تاج میں یہ الفاظ: ''دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم'' بعد میں کسی نے شامل کردیے ہیں، اصل درود تاج شریف میں نہیں ہیں، ان الفاظ کو نہ پڑھیں۔

(بحوالہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور درود تاج شریف)

اس وقت سے یہ اعتراض بڑے زور وشور سے چلا آرہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ حضرت ادیبؔ رائے پوری کے درجات بلند فرمائے کہ اس اعتراض کی تمام عمارت کو موصوف نے اپنی تحقیقی کاوش سے، جو مستند حوالوں پر مشتمل ہے، مسمار کردیا۔

حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر شاہ پھلواروی کے اسی اعتراض کا نہایت عالمانہ انداز میں جواب تحریر فرمادیا لیکن ادیبؔ رائے پوری نے درود تاج میں تحریر اٹھاون القاب ''سیدنا ومولنا'' سے ''نور من نور اللہ'' تک ایک ایک لفظ کی جس طرح تشریح فرمائی وہ ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی علمی و تحقیقی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آپ کی علمی و تحقیقی کوششیں جاری وساری رہیں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ نئی نئی تحقیق، جس پر موصوف مزید کام کررہے ہیں، منظرِ عام پر آئیں اور یہ کوششیں ان کی نجات کا ذریعہ بن جائیں۔

اللّٰھم آمین یا ربّ العالمین بحرمة سیّد الانبیاء والمرسلین
صلّی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ وسلّم

شرح درود تاج میری نظر میں

تبصرہ نگار: حضرت علامہ مولانا محمد حسن حقانی اشرفی

شخصیت:

محترم سیّد حسین علی ادیبؔ رائے پوری سے میری ملاقات پہلی بار قاری رضا المصطفٰے صاحب، خطیب جامع مسجد بولٹن مارکیٹ، کراچی کے یہاں ہوئی تھی۔ یہ اب سے تقریباً تیس برس قبل کی بات ہے، گویا یہ اب سے تیس سال چھوٹے تھے۔ پھر وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ میں ایک ادیب و پروفیسر سے زاید واقف نہیں تھا۔ کئی سال اس اثناء میں گزرے کہ کہیں باہمی ملاقات کی نوبت نہ آئی۔ ۸۲ء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کانفرنس کے حوالے سے ادیبؔ رائے پوری کو ایک دوسری حیثیت سے دیکھنے کا موقع ملا جب موصوف نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارنامے اور عظیم اجتہادی بصیرت کو مختلف کتبوں وغیرہ کی شکل میں نشتر پارک میں نمایش کا خوبصورت انتظام کیا تھا۔ وہ ان کا ایک اور رُخ تھا۔

اور پھر میرے مرشدِ گرامی، تاجدارِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت سیّدنا ابوالمسعود سیّد محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی (بھارت) پاکستان تشریف لاکر اپنے محبوب خلیفہ شیخ ہاشم رضا صاحب اشرفی کے یہاں قیام فرما ہوے اور ایک تقریب کے سبب ادیبؔ رائے پوری کا کلام نعت و منقبت اردو، فارسی میں سنا تو طبیعت نے ایک اور زاویہ تلاش کرلیا۔ یوں ہاشم رضا صاحب کے یہاں ہر تقریب میں میری ان کی ''مڈبھیڑ'' ہوتی رہی۔ میں نے ان کو کیسا پایا، یہ تو آیندہ تبصرہ و تاثرات کے ضمن میں آشکار ہوجائے گا، مجھے درود تاج کی تشریح پر تبصرے کے لیے جو پابند کیا تو میں حیران تھا کہ ان کو اس عظیم کارنامے پر تبصرے کے لیے کوئی اور نہ مل سکا۔ میرے خیال میں میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار یا ظاہری ٹیپ ٹاپ سے دھوکا کھاگئے۔ بہرحال جب میں نے درود تاج کی تشریح و تفسیر پڑھی تو اولاً

میرا خیال تھا کہ سرسری دیکھ کر دو چار جملے رسمی لکھ دیے جائیں گے، اور یہی کچھ توقع ادیبؔ رائے پوری صاحب کو بھی تھی، مگر جب پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا رہا، سر دھنتا رہا۔ انہماک اتنا بڑھا کہ دو چار دن کی چھٹی بھی کرنا پڑی کہ بڑے ذوق وجستجو کا سامان مل گیا بلکہ تسلی و اطمینانِ قلب کی دولت ہاتھ آگئی۔ بالاستیعاب پڑھا اور وقفے وقفے سے۔۔۔ تاکہ ہر بار ایک نئی لذت سے بہرہ ور ہوتا رہوں۔ مجھے اس بات کا کھٹکا یا خدشہ ہے کہ تبصرہ از خود کوئی متوازی کتاب نہ بن جائے اس لیے جذباتِ قلبی کو کافی باندھ کر اور قابو میں رکھ کر تاثرات لکھے ہیں۔ اس میں کوئی خود تحسینی پہلو نہیں ہے بلکہ ادیبؔ رائے پوری کی علمی وادبی، تحقیقی، تدقیقی اور شاعرانہ شخصیت کا رعب ودبدبہ ہے کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر خوب داد وتحسین دینے کے لیے اپنے آپ کو بے چین پاتا ہوں۔ بہرحال ادیبؔ رائے پوری کی شخصیت ظاہری حسن سے زیادہ باطنی اور روحانی حسن کا مرقع ہے۔ ان کی یہ کتاب دراصل اوّل خلائق رسول اللہ ﷺ کے سمندری فیض سے لے کر قادری، چشتی، سہروردی ونقشبندی دریاؤں کے فیض کا نچوڑ اور ناموسِ مصطفیٰ ﷺ، محبتِ مجتبیٰ ﷺ اور عشقِ لاثانی کا خلاصہ ہے۔ اللّٰھم زد فزد، آمین۔

درود تاج۔۔۔ تحقیق، تشریح:

یہ کسی بزرگ کے عاشقانہ قلبی واردات کا نتیجہ ہے، جذباتِ بے چین کا ثمرہ ہے۔ اس مسجّع اور مقفّٰی نثری شاعری کا کون موجد ہے؟ اس کو ادیبؔ رائے پوری صاحب نے بڑے بہترین انداز سے ثابت کیا ہے کہ قدیم زمانے سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ نایاب ونادر کتب وتصانیف کے مصنّفین کے اسمائے گرامی پردہ اخفا میں رہے ہیں کہ غالباً جس سے اجر لینا ہے وہ خوب جانتا ہے، جس کی نظرِ توجہ اور نگاہِ کرم کی ضرورت ہے وہ خوب جانتا ہے، اور جانتے ہیں کہ نام نہ بھی آئے تو پہچان لیے جاتے ہیں۔ اسی بناء پر یہ درود تاج بھی اسی لحاظ سے زیرِ بحث ہے کہ کس ذاتِ والا صفات کی کاوشوں کا ثمر ہے۔ جن کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی چنگاری بھی نہ ملی وہ تو اس پر عربی زبان وادب اور صرف ونحو کے حوالے سے تنقید وانکار کے بھالے چلاتے رہے اور فصاحت وبلاغت کے حوالے سے کوئی بھی مقام دینے کے لیے تیار نہ تھے مگر ایک طرف غزالیِ زماں، رازیِ دوراں علامہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وادبی، صرفی ونحوی تشریح اور فصاحت وبلاغت کی تفسیر سے اس درود تاج کا حسن نکھرا تو دوسری طرف ادیبؔ رائے پوری کی ''ہمہ جہت'' توضیح سے بہت سے

نادیدہ گوشے بے حجاب ہوگئے۔

ادیبؔ رائے پوری کی تحقیق کا یہ نچوڑ مجھے بہت ہی اچھا لگا کہ سیّدنا ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خصوصی درود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر کے سندِ قبولیت حاصل کی ہے۔

مثلاً آپ نے درود تاج کے لیے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو کر جو اجازت طلب کی وہ آپ کی تصنیف ہی کے لیے ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کسی طرح کمزور نہیں ہے کیوں کہ عرب کے دستور اور روایات کی ایک "طویل" داستان اس کے پیچھے رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

درود تاج کا مصنف کون ہے؟ چنانچہ یہ درود تاج کسی عام شخص کا نہیں بلکہ خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کی تشریح و توضیح ادیبؔ رائے پوری نے فرمائی ہے۔ زیرِ نظر تبصرہ کتاب میں درود تاج میں وارد ہر لفظ کی علیحدہ علیحدہ تحقیق کر کے اس کو دلایلِ قاہرہ اور براہینِ کثیرہ سے درست بلکہ فصیح و بلیغ معانی کا دریا، مطالب کا سمندر ثابت کیا ہے اور ''مقدمہِ کتاب'' اور ''بدعت'' کے لفظ کی تحقیق کے ساتھ ہی بعض الفاظ جیسے ''نور''، ''مولنا''، ''مصباح''، ''راحت العاشقین'' وغیرہ کی تحقیق بڑی پسند آئی۔

ادیبؔ رائے پوری نے اس ضمن میں بڑی کاوش، عرق ریزی اور بڑی گہرائی میں جا کر تحقیق کے موتی نکالے ہیں۔ ان موتیوں کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

استدلال:

عام طور پر درود تاج کے ہر لفظ کو برمحل، مناسب اور مدح وثناء کے لیے انتہائی تاریخی الفاظ قرار دیتے ہوئے دلایل کے انبار لگائے ہیں۔ ان سے موصوف کے علم، فہم و فراست، مہارت و ذہانت، تجربے اور گہرائی اور ہمہ گیری کا پتا چلتا ہے۔

مثلاً: (۱) ایک دلیل اردو کے مُسلّم الثبوت اساتذہ شعرائے کرام کے کلام سے، (۲) فارسی شعراء کے کلام بلاغت نظام سے، (۳) عربی شعرائے کرام کے فصاحت و بلاغت نظام اشعار سے، (۴) قرآنِ کریم کے متن، تاریخی پس منظر، شانِ نزول سے رہنمائی حاصل کر کے، (۵) احادیثِ کریمہ کے متن اور شراح کی وضاحت کی دلیل سے، (۶) عظیم صوفیاء و اتقیاء کے ملفوظات سے، (۷) عشاق اور مستانوں کی عبارات سے۔

غرض دلایل کا ایسا انبار لگا دیا کہ حقِ تفسیر و تشریح ادا کر دیا بلکہ اردو، فارسی، عربی

زبان، دینی علم سے واقفیت ہی نہیں بلکہ مہارت کا ثبوت دیا۔

پھر اس پر مستزاد ادیب صاحب کے اندر کا ''ادیب'' بھی خاموش نہ رہا اور جو دلایل ایجاد بندہ کے ضمن میں آتے ہیں ان سے بھی بھرپور مزین ہو کر حق غلامیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرنے کی کوشش کی بلکہ حقِ غلامی اور حقِ نمک ادا کر دیا۔ کاوش مقبول ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

انداز استدلال:

مثلاً لفظ ''صاحب'' (صاحب التاج) پر جو تحقیق فرمائی ہے (مقدمہ کتاب میں) اور معترض کو ''منہ توڑ'' جواب دیا ہے اس کی ایک جھلک جو مجھے بے حد پسند آئی:

> ''ہر لفظ میں عز و شرف اس کے لغوی معنی میں نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہوتا ہے، مثلاً: ''ہجرت''، جس کے معنی ترک وطن کے ہیں، یہ عمل (ترک وطن) اپنے متعلقات کے سبب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے، تجارت کے لیے بھی اور کسی عورت سے شادی کے لیے بھی۔ لفظ ہجرت میں عز و شرف لغوی معنی کے اعتبار سے نہیں اپنے متعلقات کے سبب ہوگا۔''

کیا خوب! ادیب صاحب کے طرز استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ جو لغوی معنی بھی رکھتا ہو اس کی عظمت اور وقار یا حقارت، کمتری منسوب الیہ کے حوالے سے ہی متعین ہوتی ہے۔

مثلاً لفظ ''غلام'' جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے منسوب ہوا تو معتبر، باوقار ہو گیا کہ نسبت سے غلام کو شرف مل گیا۔ اسی طرح ''عشق'' جب محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوا تو توقیر پا گیا۔ خیال رہے کہ نسبت صحیح اور معتبر، ورنہ عاشق تو کیا بوالہوس کہلائے گا۔ اسی طرح قادیانی مرتد غلام کی جعلی (غیر معتبر و غیر صحیح) نسبت (احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) لگا کر باتوقیر نہیں ہو سکتا، اس کے لیے صدیقیت، فاروقیت، سخاوت، شجاعت والی اصلی غلامی درکار ہے۔ ''ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی''۔

خلاصہ یہ کہ ہر دلیل وزنی، ہر انداز نرالا، ہر تحقیق قیمتی اور ہر ادا دلربا اور نرالی ہے۔

یہ ہے درود تاج کی تشریح و توضیح۔

ایسے ہی اچھوتے انداز آپ کو جا بجا اس کتاب میں، اس کاوش میں، اس شرح میں، اس عرضداشت میں مل جائیں گے۔ پڑھنے والا اور ہر قاری اپنے ذوق فہم اور شوق

طبع کے مطابق لذت پائے گا، لطف اٹھائے گا۔

ادیبؔ رائے پوری صاحب کی یہ کاوش بھی انشاء اللہ ''مشکوٰۃ النعت'' کی طرح مقبول ہوگی کہ وہ بھی قلم کاری، مضمون نگاری، معنی آفرینی اور عنوان کی مناسبت سے ایک روشن طاق (مشکوٰۃ) ہے جہاں سے عشق کی، عقیدت کی، طریقت کی اور حقیقت و معرفت کی روشنی پھوٹ رہی ہے اور تحقیق و فکر و نظر کے رنگا رنگ قمقمے جھلمل جھلمل کر رہے ہیں۔

ادیبؔ رائے پوری صاحب نے درود تاج کی تشریح پر قلم اٹھا کر، اپنے وقت کو اس طرف لگا کر بقیہ اوقات ماضیہ کو بھی بیش قیمت اور گراں بہا بنالیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس تشریح کے پڑھنے کے ساتھ جہاں اس کی اہمیت اجاگر ہوئی ہے وہاں اس کا ورد کرنا زندگی کا خلاصہ نظر آنے لگا۔ یہ بھی ایک کمال ہے کہ الفاظ کی تصویر اتنی عمدہ اور نمایاں ہو کہ اندر کے سارے خدوخال طشت از بام ہو جائیں۔ سو ادیبؔ صاحب اس فن میں بھی کافی کامیاب ہیں کہ ''معروف'' معانی میں عالم و فاضل نہیں مگر حقیقی اصلی معانی میں علم و فضل کا پیکر اور فہم و فراست کا مجسمہ ہیں، محقق ہیں، نقاد ہیں، ساتھ ہی کسی کے غلام ہیں، کسی کے شیدائی ہیں۔ ہر مقام کے حوالے سے جبین و نظر کی پستی و بالا قابلِ دید و قابلِ تعریف ہے۔

ہے غور طلب عشق کی پستی و بلندی
دستور جبیں اور ہے آئینِ نظر اور　　　سیماب اکبر آبادی

کچھ لوگ یہاں آ کر سیکھتے ہیں، کچھ وہاں سے سیکھے سکھائے بھی تو آتے ہیں کہ قدرت کا یہ بھی تو ایک کرشمہ ہے۔

حضرت ﷺ کا علم، علمِ لدنی ہے اے امیرؔ
حضرت ﷺ وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے　　　امیر مینائی

ان ﷺ ہی کے صدقے میں تو ولایت بھی وہبی ہوئی، فراست بھی وہبی ہوئی، تحقیق بھی وہبی، تشریح بھی وہبی، کاوش بھی وہبی، فیضان بھی وہبی، قربت بھی وہبی، محبت بھی وہبی اور عقیدت بھی وہبی۔ دینے والے کی دین، جھولی ہی اپنی تنگ ہے اس کے یہاں کمی نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا (خیبر کا دروازہ تنِ تنہا اکھاڑنے کے بعد):

ما اقتلعت بالقوۃ الجسدانیۃ بل اقتلعت بالقوۃ الروحانیۃ۔

"(یہ دروازہ) میں نے جسمانی طاقت سے نہیں روحانی طاقت سے اکھاڑا۔"

یہ کام بھی روحانی قوت اور فیضِ نورانی کا ثمرہ ہے۔

کلمات تحسین ودعا:

حق یہ ہے کہ ادیبؔ صاحب نے ایک حق ادا کر کے بہت سے حقوق ادا کر دیے اور بہت سے بلکہ بے شمار حقوق حاصل کر لیے۔ جس طرح علامہ خواجہ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ و الرضوان الف الف مرۃ نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر کے حقِ غلامی ادا کیا، اسی طرح اس بارگاہ سے شرفِ قبولیت حاصل کر کے مرضیِ نبوّت کا حق حاصل کر لیا۔ انشاءاللہ یہ کوشش اور سعی بھی بامراد، مقبول اور منظور ہو کر حضور ﷺ سے حقِ شفاعت اور مولائے کائنات علیہ السلام سے رحمتِ عمومی وخصوصی دونوں کا حق حاصل کرا دے گی۔

میں تو کہتا ہوں حق حاصل کرا دیا، رسمی کارروائی ہونا ہے۔

ہاتھ یوں تو خالی ہے، عمل کی دولت نہیں، جو کمایا سو گنوا دیا، آخری وقت میں تیرے محبوب ﷺ کے کمالات پر ڈاکا ڈالنے والوں، تیرے معجزات کے منکروں، تیرے اسمائے حسنہ میں عیب نکالنے والوں اور تجھ کو بے بس ایک سادہ سا بشر گمان کرنے والوں سے خوب قلمی بدلہ لیا، فکری مقابلہ کیا، تحقیقی مجادلہ کیا، تشریحی مناظرہ کیا، استدلالی مکالمہ کیا۔ تیری ذات، تیری صفات، تیرے حسن، تیرے جمالِ جہاں آرا کو بے حجاب کیا، بے غبار کیا، پاکیزہ کیا، صاف ستھرا کیا، سو مجھے بھی (ادیبؔ کو) صاف ستھرا بنا دے، پاکیزہ کر دے۔ اس خدمت کو توشۂ آخرت اور فلاحِ دارین بنا دے کہ تو نایب ہے، خلیفۂ اعظم ہے، خلاصۂ کائنات ہے، مظہرِ ذات ہے، مظہرِ صفات ہے اس خدائے لم یزل کا جس کا خزانہ کبھی خالی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ادیبؔ رائے پوری صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس سعیِ بلیغ کا بہترین اجر بصورت رضا و دیدار خود عطا فرمائے، آمین۔ بجاہ سیّد المرسلین و بوسیلۃ المشائخ الکرام من السلاسل الاربعۃ و اتباعھم۔

پیغامِ سرمدی

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
صدر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

''محبت'' انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ یہ ایسا قلبی تعلق اور ذہنی جھکاؤ ہے جو روابط کی متضادات حیثیت کے حوالے سے مختلف افراد کے ساتھ قایم ہوتا ہے۔ نسبی تعلق، معاشرتی اخوت، ذہنی ہم آہنگی اور مقاصد کا اشتراک اس کے محرک بنتے ہیں۔ اسلام ان محبتوں کی نفی نہیں کرتا بلکہ انھیں اپنے محدود داروں میں نشوونما دینا چاہتا ہے مگر یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ یہ اپنے حدود سے متجاوز نہ ہوں۔ اسلام کے نزدیک محبتوں کا مرکزِ اصلی اور نقطۂ عروج اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ اسلام اصرار کرتا ہے کہ اس محبت کو فوقیت اور برتری حاصل رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر صاحبِ ایمان پر فرض ہے۔ محبت اطاعت کی روح بھی ہے اور محرک بھی۔ جذبات محبت ہی اطاعت کو وقار بخشتے ہیں۔ یہ بھی کہ اطاعت ایمان کا ثمرہ ہے اور ایمان بغیر محبت متحقق ہی نہیں ہوتا۔ ارشاد نبوی ہے:

''لا یؤمن احد کم حتیٰ اکون احبَّ الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔''

ترجمہ: تم میں سے کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہے جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان، عن انس رضی اللہ عنہ بن مالک، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عن انس رضی اللہ عنہ بن مالک)

حلاوت ایمان کی حدیث میں "مما سواھما" ارشاد فرما کر دیگر ممکن مراکزِ محبت کا بھی ذکر کر دیا تاکہ فرار کی کوئی راہ باقی نہ رہے، اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں اس مطلق حکم سے کوئی جواز کی صورت نہ نکال لی جائے اور محبتِ رسول ﷺ میں کوتاہی سرزد نہ ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اظہار کے ذریعے اس کا ازالہ کرالیا، عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! بے شک آپ ﷺ مجھے ہر شے سے سوائے اپنی جان کے محبوب ہیں۔" رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لا والذی نفسی بیدہ حتیٰ اکون احبَّ الیک من نفسک۔"

"نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، حتیٰ کہ میں تمھیں تمھاری جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں۔" حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فوری عرض کیا: "واللہ لانت احبّ الیّ من نفسی۔" "اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو مجھے میری جان سے بھی محبوب تر ہیں۔" اس پر تصدیق ہوئی: "الان یا عمر۔" "اب بات بنی اے عمر رضی اللہ عنہ۔"

(صحیح بخاری، کتاب الایمان وباب کیف کان تحسین النبی ﷺ، عن عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ)

اس واضح ارشاد نے ثابت کر دیا کہ محبت شراکت برداشت نہیں کرتی۔ محبت جذبہ صادق ہے اور صدق دوئی پسند نہیں۔ حبیبِ کبریا ﷺ کی محبت ایسی یکسوئی چاہتی ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ قرآن مجید نے محبت کو ایمان کی بنیاد قرار دیا اور ایمان شرک سے منزہ ہے۔ اس لیے محبتِ رسول ﷺ نہ کوئی شراکت برداشت کرتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی مداہنت۔ محبت اپنے مظاہر میں پوری زندگی کو محیط ہوتی ہے۔ ہر لحہ اور ہر رو یہ محبت کی مہکار سے فروزاں ہوتا ہے۔ اگر دل محبت سے مخمور ہے تو زبان انھیں کے ترانے گانے میں لذت پاتی ہے۔ یہ محبت کی پرانی ریت ہے کہ وہ دل میں مسکن بناتی ہے تو زبان اس کے اظہار کے لیے عمدہ سے عمدہ انداز مدح اختیار کرنے کو بے تاب رہتی ہے۔ مولانا آزاد نے کہا تھا: "یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نام دل کو محبوب و محترم ہو وہ زبان پر گزرے اور محبت و احترام سے خالی ہو۔" (الہلال، ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء، ص ۱۱)

ایک محدّث سے جب حدیثِ نبوی ﷺ سے لگاؤ کا سبب پوچھا تو کہنے لگے:

''اس لیے کہ اس میں بار بار قال رسول اللہ ﷺ کا جملہ آتا ہے اور اس طرح اس اسمِ گرامی کے ذکر اور اس پر درود وصلوٰۃ عرض کرنے کی تقریب ہاتھ آ جاتی ہے۔''

(حوالہ مذکورہ)

درود ایک فریضہ بھی ہے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے اور اظہار محبت کا محفوظ تر ذریعہ بھی۔ دربارِ خواجہِ گیہان ﷺ کی حاضری ہو، جذبات مچل رہے ہوں، زبان کو عرضداشت کے الفاظ نہ مل رہے ہوں، باطن میں کہرام بپا ہو مگر اظہار پر پہرہ تو ایسے لمحوں میں درود وسلام کی پناہ ہی کام آتی ہے کہ جذبات کو پابندِ آداب رکھنے کا یہی ذریعہ ہے۔ درود وسلام کا فیضان ہی سکون عطا کرتا ہے۔ یہ سکون انسانی زندگی کو ہر آن حاصل رہنا چاہیے کہ اسی سے برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا در بارصدؓ یقیت سے : ''قال: الصلوٰۃ علی النبی ﷺ امحق للخطایا من الماء للنار والسلام علی النبی ﷺ افضل من عتق الرقاب۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبیِ اکرم ﷺ پر درود گناہوں کو مٹا دیتا ہے اس پانی سے بڑھ کر جو آگ بجھاتا ہے اور نبی ﷺ پر سلام قیدی آزاد کرنے سے افضل ہے۔''

(طبقات الشافعیہ، علامہ السبکی، الجزء الاول، ص ۹۲)

اسی لیے درود پڑھنے کے مواقع تلاش کیے جاتے ہیں کہ انسانی زندگی کی ہماہمی اس سے غافل نہ کر دے۔ نام مبارک آئے تو درود ضرور پڑھا جائے کہ سماعتوں کا خراج بھی ہے اور نطق کی طہارت بھی۔ ''رغم انف امرء ذُکرت عندہ فلم یصلّ علیّ۔'' ''ذلیل ہوا وہ انسان جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔''

(الترمذی جلد ثانی، ابواب الدعوات، ص ۶۱۲)

یہی نہیں، خود کلام کرنا ہو، گفتگو کی ابتداء کرنا ہو، نقلِ افکار کی منزل ہو یا ربط باہم کا کوئی مرحلہ، ابتداء درود ہی سے ہونا لازم ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ ارشادِ نبیِ رحمت ﷺ بیان فرمایا: ''کلّ کلام لا یُبدأ فیہ بحمد اللہ والصلوٰۃ علیّ فھو اقطع ابتر ممحوق من کل برکۃ۔'' ''ہر کلام جو اللہ تعالیٰ کی حمد اور مجھ ﷺ پر درود سے شروع نہ کیا جائے وہ غیر متصل، بے نشان اور ہر برکت سے بے توفیق ہوتا ہے۔''

معلوم ہوا حمد وصلوٰۃ سے ابتداء ہو تو اتصالِ معنی، ربطِ کلام اور برکات کے نزول کی حتمیت قایم ہوگی اور رحمتوں کا ہالہ ایسے کلام کی پناہ ہوگا۔ اس لیے یہ سلیقہ سمجھایا گیا کہ "اذا صلیّ احد کم فلیبدأ بتحمید ربه و الثناء علیه ثم یصلّی علی النبی ﷺ ثم یدعو بعد بما شاء۔" یعنی جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو ربّ کی حمد وثناء سے ابتدا کرے پھر نبیِ اکرم ﷺ پر درود پڑھے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔

(جلاء الافہام، حافظ ابنِ قیم، ص ۲۳)

صرف کلام پر کیا موقوف، اہلِ قلم جب کسی مضمون یا کتاب کی ابتداء کریں ان کو بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ یہ دایمی برکات کا ذریعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"من صلّی علیّ فی کتاب لم تزل صلاته جاریة له مادام اسمی فی ذلک الکتاب۔" "جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود پڑھا اس کا درود اس وقت تک لگاتار ادا ہوتا رہے گا جب تک میرا نام اس تحریر میں موجود ہوگا۔" (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، الجزء الاول، ص ۹۳) "جلاء الافہام" میں یہ خوشخبری بھی موجود ہے کہ جب تک تحریر یا کتاب میں میرا نام رہے گا فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

(ص ۳۵)

یہ بھی یاد رہے کہ اگر یہ برکت حاصل کرنے میں کوتاہی ہوئی تو نقصان بہت ہے اور اس پر تنبیہ بھی روایت ہوئی ہے، ارشاد ہے: "من نسی الصلاۃ علیّ خطئی طریق الجنۃ۔" "جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔"

(جلاء الافہام، ص ۶۵)

علمائے امت نے ہر دور میں درودِ پاک کی کثرت کا درس دیا ہے کہ یہ پیغامِ سرمدی ہے جو زبانوں کو ہم سخنی، بینائی کو ہم نظری اور قلوب و اذہان کو ہم مشربی کی دعوت دیتا ہے جس سے امت کا اتحاد اور ملت کی وحدت نمو پاتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تلقین فرمائی کہ "واحضر فی قلبک النبی ﷺ و شخصه الکریم وقل السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و برکاته۔"

''نبیِ اکرم ﷺ اور آپ کی کریم شخصیت کو دل میں حاضر پاؤ اور کہو: اے نبی ﷺ! آپ پر سلام، اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں۔'' (احیائے علوم الدین ج ۱، ص ۹۹)

ان تعلیمات کے اثرات ہی تھے کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۴۵ھ) نے حیاتِ مستعار کے آخری لمحے میں فرمایا:

''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔'' یہاں تک کہ دم چھوٹ گیا۔

(مآثرِ لاہور، منشی محمد دین فوق، نقوش، لاہور، ص ۲۸۷)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہر خطبہ، ہر کام شروع ہو تو حمد و ثناء کے ساتھ درود پڑھا جائے (مطالعہ المسرات، ص ۹)۔ اس لیے مسلمان مصنفین میں یہ عادت راسخ ہوگئی کہ وہ نثر یا نظم ہر ایک کی ابتداء حمد و صلوٰۃ یا نعت سے کرتے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں: ''کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ دینِ محمد (ﷺ) سے ایک آدمی کو کتنا لگاؤ ہے اور نعمتِ ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔''

(ماہنامہ شام و سحر، نعت نمبر، ص ۳۱۶)

صوفیائے کرام کے ہاں درود کی کثرت معمول ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر یقین رکھتے ہیں جس میں نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''من صلّٰی علیّ واحدۃ صلّی اللہ علیہ عشراً۔'' ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۷۵۔ الترمذی، ابواب الثاقب، ص ۲۲۴)

حضرت امام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن سلیمان الجزولی السملالی الشریف الحسینی ''دلایل الخیرات'' کے مصنف ہیں۔ ہمہ وقت درود و سلام میں محویت ان کا معمول تھا۔ ۸۷۰ھ کے قریب انتقال ہوا مگر مدت تک دفن نہ کیے گئے۔ لاش تابوت میں رہی، ۸۹۰ھ کے بعد دفن کیے گئے۔ پھر ستر سال بعد وہاں سے نکال کر مراکش لے جائے گئے اور ریاض العروس میں دفن ہوئے۔ اس قدر طویل عرصے کے باوجود لاش پر کوئی تغیر نہ آیا

تھا، لوگ سمجھتے تھے کہ ابھی ابھی وصال ہوا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۷، ص ۲۲۸)۔ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ جسم بالکل سالم تھا حتیٰ کہ ''اثرِ حلق از موی سر و ریش ظاہر شد گویا امروز اصلاحِ خط کردہ است۔'' مزید لکھتے ہیں کہ ''گویند از مزار او رائحہ مشک می آید بسببِ کثرتِ صلوٰۃ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔'' (اتحاف النبلاء ص ۲۸۲)

درودِ پاک کی فرضیت، استحباب اور خوش آیند اثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ صوفیاء، علماء، فقہاء حتیٰ کہ عوام الناس کے ہاں درود کی محافل کا اہتمام کیا جاتا رہا اور حسبِ استطاعت درود پیش کرنے کے انداز، کلمات اور طرز ادا میں اضافے ہوتے رہے۔ ہر صاحبِ علم اور ہر صاحبِ منزلت نے درود کے زمزمے قالب بدل کر دربارِ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیے۔

محبت کی یہ پرانی رسم ہے کہ محبوب کو خوبصورت الفاظ اور عمدہ کلمات سے یاد کیا جاتا ہے۔ عموماً اظہارِ محبت میں مروجہ اسماء اور قالب ہی کا سہارا لیا جاتا ہے مگر بعض اوقات جذبے کی شدت اور اس کی خصوصی کیفیت نئے اسماء و القاب اور جدید تر پیراہن تراشنے پر مجبور کرتی ہے تاکہ اظہار میں اپنائیت کا عنصر نمایاں ہو جائے۔ درود کی عبارات کا تنوع اسی جذبہ اپنائیت کا مظہر ہے۔ ''حزب البحر'' یا ''دلایل الخیرات'' اسی جذبے کے روشن حوالے ہیں۔ درود تاج بھی محبت کی رواں دواں آبشار ہے جس میں جذبے اور پیراہن میں پیوستگی کی بہار ہے۔ لفظ رواں، معانی گل بداماں اور اسلوب دریائے نور کا عکسِ جمیل۔

جب سے درود کا یہ آہنگ سامنے آیا ہے اہلِ محبت سے خراج وصول کر رہا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہمارے کرم فرما، راہ محبت کے آداب آشنا ادیب اور نثر و نظم میں قلم و قرطاس کے مشاق ثناخواں جناب ادیبؔ رائے پوری نے درود تاج کی تفسیر و تشریح کا کارِ عظیم سرانجام دینے کا ارادہ کر لیا اور بالفعل اس بارِ گراں سے بحسن و خوبی سبکدوش ہوئے تو دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اس مردِ درویش کو مزید قوت و ہمت عطا کرے کہ دلجمعی اور سلیقے سے کام کرنا انھی کا حصہ ہے۔

جناب ادیبؔ رائے پوری نے درود تاج کے مصنف کے حوالے سے شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''صلوٰۃ و سلام'' سے ایک خواب نقل کیا ہے اور درود تاج کی اجازت کے ضمن میں حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی دربارِ رسالت سے منظوری کا ذکر کیا

ہے اور اس ضمن میں اشارۃ النص سے اس درود کی نسبت حضرت شاذلی علیہ الرحمۃ سے جوڑی ہے جب کہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی کا انکار اور اعتراض بھی بیان کیا ہے۔ یہ ساری بحث دلچسپ ضرور ہے مگر درود تاج کی حیثیت متعین کرنے کے لیے لازم نہیں۔ نہ ماننے والوں کا اپنا مزاج ہے اور تسلیم کرنے والوں کا اپنا رویہ۔ یہ ایک ضمنی بحث تک محدود ہے۔ درود تاج کس نے تصنیف کیا؟ یہ ایک موضوع تحقیق مسئلہ ہے مگر اس کے اثرات کو متنِ درود پر وارد کرنا تحقیق نہیں۔ یہ شعر زہیر کا ہے یا نابغہ کا؟ یہ علمائے ادب کا مسئلہ ہوگا، قاری شعر کا نہیں۔ اسے تو حظ لینا ہے اور شعر یہ فرض ادا کرنے کے لیے موجود ہے، ہاں متن پسندیدہ نہ ہو اور کسی صاحبِ ارادت بزرگ کی بے ساکھی اس لیے مہیا کی جائے کہ جو کہا گیا وہ قبول کرلیا جائے تو یہ حقیقت کی دریافت کا مرحلہ نہیں پسندیدگی کو تحقیقی عمل کا سہارا دینا ہے۔ درود تاج صدیوں سے رائج ہے، علماء وصوفیاء کی محافل کی زینت ہے اور عقیدت مندی کے جذبات کی افزایش کا ذریعہ ہے۔ یہ کس کا ہے؟ ''درود'' ان لفظی موشگافیوں اور نسبت کی خیال آرائیوں سے بلند تر ہے۔ امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے یا کسی گوشہ نشیں مست الست کی قلبی پکار ہے! علماء کو اپنا کام کرنے دیجیے مگر اہلِ اسلام کو اس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے دیجیے اور ان بحثوں سے ان کے ذوقِ لطیف کو مکدّر نہ کیجیے۔

جناب ادیبؔ رائے پوری نے درود تاج کے ہر لفظ اور ہر عبارت کو واضح کرنے کا خوبصورت اہتمام کیا ہے۔ معاجم سے استشہاد، علمائے عربیہ سے استناد اور قرآن و حدیث کے متون سے استنتاج بڑی توانائیوں کا طالب ہے اور بحمد للّٰہ ادیبؔ صاحب پیرانہ سالی میں بھی جوانوں کا سا ولولہ رکھتے ہیں، بلکہ ان سے فزوں تر قوت کے مالک ہیں۔ اس محنت کا ثمر ہے کہ اب قاری ''درود'' کی برکات کو قریب تر محسوس کرے گا اور جذبوں کی حدت عقل وفکر کو بھی لَو دینے لگے گی۔ یوں یہ محافل کا وظیفہ دلوں پر بھی دستک دے گا اور عقل وخرد کو بھی جلا بخشے گا۔ ادیبؔ صاحب نے علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار استشہاد کیا ہے اور یہ خوشہ چینی عقل وفکر کے کئی باب وا کرگئی ہے۔ عربی کے ایک طالب علم کی حیثیت سے لغوی پیچیدگیوں کو جس سلاست سے حل کیا گیا اس سے علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور

زیادہ دل کے قریب ہو گئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کے تمام تحقیقی جوہر پاروں کو مکمل شکل میں درود تاج کی شرح کے ساتھ لگا دیا جائے، اس سے ایقان کی کئی منزلیں طے ہو جائیں گی۔ ادیبؔ صاحب نے درود تاج پر اعتراضات کا بار بار ذکر کیا اور عقیدتوں کی تمازت کے ساتھ جوابات دیے۔ یہ ایک علمی مباحثہ ہوا، اگرچہ میں عقیدت و محبت میں بحث و مباحثہ کا زیادہ قایل نہیں کہ اس سے محبتوں کا راستہ کٹتا ہے اور یک سوئی میں خلل پڑتا ہے۔ بیانِ عقیدت کو میدانی ندی کا خرام چاہیے مناظرانہ رنگ کے ہچکولے نہیں۔ محبت یک سوئی چاہتی ہے۔ بہر حال دل کے ساتھ ذہن وعقل کو بھی غذا ملی۔

جناب ادیبؔ صاحب نے تشریحات کو اپنے ادبی ذوق سے ادب پارہ بنا دیا ہے۔ حسنِ عبارت کی بہار بھی ہے اور ایصالِ معنی کی کاوش بھی۔ درمیان میں اشعار کی جلترنگ نے عبارت کو عطر بیز بنا دیا ہے۔ اشعار کا انتخاب عمدہ سلیقے سے کیا گیا ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر:

قبلۂ ذرّاتِ عالم روئے تُست
کعبۂ اولادِ آدم روئے تُست

کہ جتنی بار بھی پڑھا رُوح کو وجد آیا اور جب گنگنایا تو سماعت چٹخارے لینے لگی۔ مجھے امید ہے قارئین اس کتاب کے حسن سے اپنے قلوب واذہان کو بھی مہکائیں گے اور سماعت وتکلّم کو بھی حلاوتوں سے آشنا کریں گے۔ اس عمدہ کاوش پر میں جناب ادیبؔ رائے پوری کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق ارزانی فرمائے، آمین!

۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درود تاج اور شرح درود تاج

ہاتفِ غیبی نے دی آواز : لکھ ، صد مرحبا!
مرحبا، شرحِ درودِ تـــاج ، بے حد مرحبا! ریاض مجید

تبصرہ نگار: ڈاکٹر پروفیسر ریاض مجید (پی ایچ ڈی) فیصل آباد

درود فارسی کا لفظ ہے جس کے مفہوم کے بارے میں لغت ناموں میں حوالوں اور مثالوں سے تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔

درود (ز) بمعنی صلوٰت است کہ از خدائے تعالیٰ رحمت و از ملائکہ استغفار و از انسان ستایش ودعا واز حیوانات و دیگر تسبیح باشد۔ (از برہان، غیاث، آنندراج، جہانگیری) بالفظ گفتن وفرستادن ورسیدن ورساندن ودادن مستعمل است۔ (ص ۵۰، جلد ۲۲)

فردوسی سے لے کر عصرِ حاضر تک فارسی زبان وادب میں یہ لفظ کلمۂ تحسین وتعریف کے مفہوم میں مستعمل رہا ہے۔ ''شاہنامہ'' میں اس لفظ کے استعمال کی متعدد مثالیں مل جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کے علاوہ یہ لفظ اپنے عمومی مفہوم تحسین وتعریف کے معنی میں ''شاہنامہ'' ہی میں بیسیوں بار استعمال ہوا ہے۔ مختلف کرداروں کی تعریف میں، ان کے اخلاق، جرأت، شجاعت اور جسارت کے حوالے سے درود کا عمومی استعمال عصرِ حاضر تک مروّج ہے۔ حالیہ انقلاب اسلامی (ایران) میں ''درود بر خمینی'' کے الفاظ کو نعرے کا درجہ حاصل رہا ہے۔

اردو زبان وادب میں البتہ درود کا لفظ ایک اصطلاح کے طور پر مستعمل ہے اور اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے۔

سورہ احزاب کی آیت (۵۶) اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۔ (تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور پاک ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی حضور پاک ﷺ پر درود اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے) کے نزول سے آج تک ہر عہد، زمانے اور مزاج کے اہلِ حُب نے اپنے اپنے طور پر درود مرتب کیے ہیں اور درود کی عبارتوں کو زیادہ سے زیادہ منفرد، مؤثر اور دلآویز بنانے کے لیے نہایت محنت، محبت، شائستگی اور خوش سلیقگی کا ثبوت دیا ہے۔ اگر گزشتہ چند صدیوں میں دستیاب و مستعمل درود شریف کی عبارت کا توضیحی مطالعہ کیا جائے تو محبت، سرشاری اور حکمت و حیرت کے کئی دَر وا ہوتے ہیں۔ احادیثِ رسول اکرم ﷺ میں ملنے والے درود، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منسوب درود، مختلف سلاسل سے وابستہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے مخصوص درود، اہلِ علم اور اہلِ حُب کی جانب سے ترتیب دیے گئے چھوٹے بڑے درود شریف، جن کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ اہلِ مروت و محبت نے ان درودی عبارتوں کے سینکڑوں مجموعے اور ہزاروں چھوٹے چھوٹے گلدستے اور کتابچے شائع کیے ہیں تاکہ اہلِ ایمان اپنے مزاج، طبیعت اور سہولت کے مطابق اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ان سے استناد کریں اور ان عبارتوں کو اپنے معمولات کا حصہ بنالیں۔

بعض قارئین اور درود خوانوں کے لیے شاید یہ خبر انکشاف کا درجہ رکھے کہ اس باب میں (راقم کی نظر میں) سب سے ضخیم کتاب: "مجموعہ صلٰوۃ الرسول فی صلٰوتہ و سلامہ ﷺ" ہے جو اڑتالیس صفحات کے تیس حصوں (پاروں) پر مشتمل ہے، جسے علامہ عبدالرحمٰن ساکن چھوہر شریف، ضلع ہزارہ نے قرآنِ کریم کے پاروں کی طرز پر تیس جزوں میں مرتب کیا ہے۔ ہر جزو میں الگ الگ موضوعات پر درود شریف مرتب کیے ہیں، مثلاً:

پہلا جزو: فی نورہ و ظہورہ — دوسرا جزو: فی صلٰوتہ و سلامہ

تیسرا جزو: فی بدنہ و اعضائہ — چوتھا جزو: فی لباسہ و ملبسہ

پانچواں جزو: فی نسبہ و حسبہ — چھٹا جزو: فی شرفہ و شرافتہ

ساتواں جزو: فی اسمائہ و صفاتہ

اسی طرح دیگر جزو ایک تا تیس ہیں۔ آخری دو جزو اس طرح ہیں:

انتیسواں جزو: فی لواء حمدہ و مقامِ محمودہ

تیسواں جزو: فی خیر خلقہ و خیر امتہ

یہ مجموعہ دیباچہ (اردو) کے ساتھ، بقول مرتب، بارہ سال آٹھ مہینے بیس دن میں تالیف ہوا۔ مقدمے میں اس کی ترتیبی حیثیت کے بارے میں نشاندہی کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''اس میں کچھ شک نہیں کہ نفوسِ کاملہ کی خاص ترتیب وتعداد واجازت ایک کیمیائی تاثیر ہوا کرتی ہے۔ آپ (مرتب) نے اس کتاب کی ترتیب تیس پاروں پر رکھی ہے اور وصیت فرمائی ہے کہ روزانہ ایک پارہ یا نصف پارہ تلاوت کیا جائے۔ فرصت کم ہو تو ربع (چوتھائی) پارہ روزانہ ورد کیا جائے۔ اگر بلاء و مصیبت اور قحط و رجاء، طاعون و شرِّ ظالم میں خلق اللہ مبتلا ہو تو ایک مجلس میں اس کا ختم کیا جائے۔ تمام آفات و بلیات سے نجات نصیب ہوگی۔''

(ص ۲۴، جلد اول، طبع سویم، ۱۹۸۲ء، مطبوعہ رحمانیہ احمدیہ، سولہ شہر، چاٹگام، بنگلہ دیش)

اس مجموعے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں دوسرا ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔

یہ مجموعۂ درود ایک جداگانہ تفصیلی مطالعے کا موضوع ہے، فی الحال اس کا حوالہ امتِ مسلمہ کی درود شریف کے موضوع سے عقیدت و محبت اور اس باب میں اہلِ حُب کی محنت و نادرہ کاری کی نشاندہی ہے۔

درود تاج کا شمار اہم ترین درودوں میں ہوتا ہے۔ درود ابراہیمی علیہ السلام کے بعد جن چند درودوں کو معمولات کے وظیفوں کا درجہ حاصل ہے ان میں **درود تاج** اپنی ترتیب، معنویت، نفاست اور اثر پذیری و نتائج کے حوالے سے غالباً سب سے نمایاں ہے۔ خصوصاً برِصغیر پاک و ہند کے درود خوانوں میں سالہا سال سے اس کا وظیفہ و معمول تسلیم شدہ امر ہے۔ اس کے کچھ ظاہری و باطنی اسباب ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں نشاندہی کی گئی، اس کی ترتیب و معنویت وہ محاسن ہیں جن کی وجہ سے اس کو پڑھنے میں آسانی، سرور اور سرشاری کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی عبارت مسجع ہے۔ سطر در سطر قوافی کے سبب اس کا حفظ کرنا بھی سہل ہے اور اس کی قرأت میں بھی خوش آہنگی اور ترنم کا وجد آفریں تاثر نمایاں ہوتا ہے۔ کچھ قوافی کے بعد دوسرے قوافی کا حصہ (بند / ٹکڑا) شروع ہو جاتا ہے، یوں اس کی ہیئت ایک بند وار

نظم ایسی ہو جاتی ہے جس سے اس کی یاد آوری، گردان اور قرأت میں دوسرے درودوں کی نسبت سہولت کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں تک اس کی معنویت کا تعلق ہے اس میں ایسے الفاظ، ''اسمائے حسنہ''، مرکبات توصیفی اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے پہلوؤں کا تذکار مبارک ہے جس سے آپ ﷺ کے ظاہری و باطنی جمال، جلال، علوئے کمال، اخلاق حمیدہ، فضائلِ مبارکہ واثرات اور درج و مرتبہ کے انتہا اور معراج کا گہرا، مؤثر اور منفرد تاثر ابھرتا ہے۔ اگر اس عبارت کے معنوی باطنی کا بنظرِ غایر تجزیہ کیا جائے تو یہ اندازہ ہوگا کہ اس درود شریف کے اندر حضور اکرم ﷺ کی سیرت، مقام اور معراجِ کمال کا خلاصہ آگیا ہے۔ لفظ لفظ، ترکیب ترکیب، پرت پرت اس درود شریف کے باطن میں اترتے جائیے سیرت و مقام رسالت مآب ﷺ کا جہانِ معنی کھلتا جائے گا، حیرت و سرشاری کے در وا ہوتے چلے جائیں گے اور درود خواں کی روح ایک ملکوتی فضا میں تیرتی محسوس ہوگی۔

درود تاج وہ مبارک درود ہے جس نے عہد بہ عہد، نسل در نسل درود خوانوں اور اہلِ حب وولا کے اذہان وقلوب کو متاثر و روشن کیا۔ حضرت ادیبؔ رائے پوری نے اس کی اہمیت واثر پذیری کے پیشِ نظر اس کی مبسوط شرح کی ہے۔ اس سے قبل اردو میں (بلکہ شاید عربی وفارسی میں بھی) اس درود شریف کی اتنی وضاحتی تشریح نہیں کی گئی۔

نعت کے معاصر منظر نامے میں حضرت ادیبؔ رائے پوری کا نام نامی ایک خاص احترام اور اعتبار رکھتا ہے۔ آپ (ادیبؔ) ان چند شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے نعت کے باب میں کثیر الجہت خدمات انجام دی ہیں۔ نعت گو شاعروں کی تعداد تو ہزاروں تک جا پہنچتی ہے مگر عہدِ حاضر میں ایسے نعت گو چند ایک ہی ہیں جنھوں نے تخلیقِ نعت کے ساتھ ساتھ اس صنفِ مبارک کی تشہیر و تبلیغ اور تنقید و تجزیے کے ذیل میں نمایاں حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت ادیبؔ رائے پوری کا تعلق نعت کاروں کی اسی صف سے ہے۔

حضرت ادیبؔ رائے پوری نے نعت کی تخلیق، ترتیب، تنقید اور تجزیاتی مطالعات کے ساتھ ''پاکستان نعت اکیڈمی'' کے پلیٹ فارم سے فروغِ نعت کے لیے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ اردو نعت کی تاریخ میں یادگار حیثیت کی حامل ہیں۔ زیرِ نظر تالیف اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ درود شریف کو نعت کے موضوعات میں ایک بنیادی حیثیت

حاصل ہے۔ غرض و غایت اور نتائج و اثرات کے اعتبار سے بھی درود اور نعت کے درمیان حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر مشترک کارفرما ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسیع تر مفہوم میں نعت خوانی کو درود خوانی ہی کی ایک صورت سمجھا گیا ہے۔

درود تاج کی شرح کرتے ہوئے حضرت ادیبؔ رائے پوری کے درود سرشت ذہن نے جس محنت و مہارت، تفصیل پسندی، تفحص و تحقیق کا ثبوت دیا ہے وہ لائقِ صد تحسین ہے۔ درود تاج کے مؤلف کے بارے میں ان کا مؤقف ابتدائی صفحات میں واضح ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو درود شریف صدیوں سے امتِ مسلمہ کے درود خوانوں میں معمول کے وظیفے کا درجہ رکھتا ہے اور جس کے اثرات عہد بہ عہد اذہان و قلوب کو منور کر رہے ہیں اسے صرف اس لیے شکوک و شبہات میں الجھا دینا، کہ کسی شخصیت سے بحیثیت مؤلف کے اس کی نسبت واضح نہیں ہوتی، یہ درست نہیں ہے۔

ادیبؔ رائے پوری کا یہ مؤقف انتہائی مناسب، قابلِ قبول اور درست ہے۔ نعت کی تاریخ میں کئی ایسے اہم نعت پارے ہیں جن کی نسبت واضح نہیں۔ وہ جن ناموں سے منسوب و مشہور ہیں ان کی نگارشات اور دواوین میں وہ کلام نہیں ملتا اور نہ ہی تحقیق و تنقید کی روشنی میں وہ کلام ان کا قرار پاتا ہے، مثلاً:

۱- حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت سے منسوب یہ شعر:

واجمل منک لم ترقط عینی
واحسن منک لم تلد النساء
خُلقت مبرّاً من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

۲- مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب یہ نعت:

نسیما ! جانبِ بطحا گزر کن
ز احوالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم را خبر کن

۳- یا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نعت:

بلبل ز تو آموختہ شیریں دہنی را

۴- یا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نعت:

تنم فرسودہ، جاں پارہ ز ہجراں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۵- حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب صوفیانہ غزل جس کا مقطع ہے:

خدا خود میر مجلس بود اندر لا مکاں خسرو رحمۃ اللہ علیہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اسی طرح اور بہت سے نعت پارے ہیں جن کی اہمیت، اثرات، شہرت مسلّم ہے مگر جن کے مؤلفین کے بارے میں تحقیق خاموش ہے۔ یہ قطعہ بھی دیکھیے جسے قدسی رحمۃ اللہ علیہ، سعدی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ رحمۃ اللہ علیہ اور کبھی جامی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کیا جاتا ہے:

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر
من وجہک المنیر ، لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی ، قصہ مختصر

''تفسیرِ عزیزی'' میں آیہ وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ کی تشریح میں مولانا عبدالعزیز دہلوی نے اس کا حوالہ دیا ہے مگر اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ ان کا کلام ہے یا کسی اور شاعر کا۔ مولانا کے مرتب شدہ کلام میں البتہ اس کا ذکر نہیں۔ سو اس بارے میں بھی ابھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

مذکورہ بالا نعت پاروں کی اہمیت، شہرت اور تاثیر مسلّم الثبوت ہے، کئی صدیوں سے یہ نعت پارے اہلِ حُبّ وولا کے دلوں کو گرماتے اور گداز و رقّت کا سرمایہ فراہم کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں؛ نعتیہ مجالس اور نعت کے مطالعات ان کے بغیر ادھورے ہیں۔ سینکڑوں لوگوں نے ان نعت پاروں پر تضمینیں لکھیں، ان پر مثلث اور خمسے لکھے، ہم قافیہ نعتیں کہیں۔ کیا یہ سارا سرمایہ گداز اور اثاثۂ نعت، جو ان نعت پاروں کے بطن اور حوالے سے پھوٹا، اس لیے نظر انداز کر دیا جائے یا اسے متنازعہ بنا دیا جائے کہ ان کی نسبتِ تخلیق غیر واضح، مبہم، معدوم اور تحقیق طلب ہے؟

اس سے قطع نظر کہ درود تاج کے مصنف کون ہیں اور اس کی تالیف کا زمانہ کیا ہے؟ اس کی شہرت، مقبولیت اور تاثیر کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ اس کا توضیحی مطالعہ کیا

جائے، یہ کام حضرت ادیبؔ رائے پوری نے بخیر و خوبی انجام دیا ہے۔ ادیبؔ رائے پوری صاحب کا اسلوب ادیبانہ ہے۔ لغات ایسے تحقیقی مقامات سے گزرتے ہوئے ادیبؔ صاحب نے اظہارِ بیان میں دلچسپی کا عنصر شامل رکھا ہے۔ موصوف نے درود تاج کے تعارف میں بعض اہم بنیادی معلومات اور ضروری کوائف کے بعد اس کے متن کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ ان کے طرزِ اظہار میں تجزیے اور تحقیق کے ساتھ ساتھ تشریح وصراحت کی تمام خوبیاں بھی نمایاں ہیں، اور یہی اس مطالعے کی سب سے بڑی غرض وغایت تھی کہ اس درود کو عام قاری اور مراقباتی فضاء قایم کرنے والے عامل اس کے باطن میں دور تک جھانک سکیں، کہ یہ درود شریف دیگر درودوں سے مختلف اَور محاسن سے بھی بھرپور ہے۔

ادیبؔ رائے پوری نے درود تاج کے الفاظ، اسمائے توصیفی اور دیگر اجزائے متن کا ترتیب وار بہ تفصیل جائزہ لیا ہے۔ حلِ لغات اور معانی کے بعد قرآنِ کریم، احادیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کتبِ سیَر و مغازی اور ان کے تراجم وتفاسیر کی روشنی میں الفاظ کے تاریخی پہلوؤں کا سراغ لگایا ہے، نیز زیرِ بحث الفاظ کے بارے میں تحقیقی و تاریخی معلومات کی جمع آوری کے ساتھ ساتھ مختلف مثالوں سے اس کی اہمیت واضح کی ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں قرآنی آیات، احادیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، نیز اشعار (اردو، فارسی) کے حوالے بھی دیے ہیں۔ اس طرح انھوں نے نہ صرف متن کو پُر معنی اور وقیع بنایا ہے بلکہ حوالوں کی تزئین سے اس کا وقار اور اعتبار بھی بڑھایا ہے۔

درود تاج کے زیرِ نظر مطالعے میں حضرت ادیبؔ رائے پوری کی محنت اور عرق ریزی جھلکتی ہے۔ انھوں نے کسی ذیلی مبحث کو سرسری انداز میں نہیں ٹالا، بلکہ ذوق وشوق اور انہماک وتوجہ سے ہر مرحلۂ کار کو نمٹایا ہے۔ ان کے اظہارِ بیان میں کہیں گنجلک یا ابہام نہیں ہے، نہ وہ کہیں معنوی نکتہ کا شکار ہوئے ہیں حالانکہ تخریج کا یہ کام نہایت دقّت طلب اور مشکل تھا۔ انھوں نے جس آسانی سے اور جس عمدگی سے یہ مراحل طے کر لیے ہیں ان کو دیکھ کر مرزا عبدالقادر بیدلؔ کا یہ شعر یاد آیا:

بلند و پستِ خارِ راہ عجزِ ما نمی گردد
بہ پہلو قطع سازد سایہ چندیں کوہ و صحرا را

درود تاج کی زیرِ نظر تخریج و تبصرہ اور جامع تفسیر سے نہ صرف درود کی تفہیم آسان ہوگئی ہے بلکہ الفاظ کی گرہ کشائی اور ذیلی بحث میں تازہ مضامین کی فراہمی سے درود فہمی کے ساتھ درود خوانی کے ذوق کی جلاء کا سامان بھی بہم ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے اس شرح کے مطالعے کے بعد درود تاج کے عامل حضرات کے سرور و سرشاری میں اضافہ ہوگا۔

یہ شرح درود تاج کے توضیحی مطالعات میں ایک اہم پیش رفت ہی نہیں ایک رجحان ساز سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بڑے عرصے سے یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ مثنویوں، قصیدہ لامیہ: ''سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل''، مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے معروف سلام: ''مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی جدید ادبیانہ انداز میں تفسیر و تخریج کی جائے اور نئی نسل کے قارئین کے لیے آسان فہم، قابلِ قبول اور دلکش بنایا جائے تاکہ اردو ادب کے تازہ واردان نعتیہ ادب کے اس اہم سرمایے سے استفادہ کرسکیں۔

حضرت ادیبؔ رائے پوری کی اس مبارک کوشش نے اردو نعت کے باب میں بھی تفسیر و تخریج کے امکانات کا راستہ دکھایا ہے۔ اس حوالے سے بھی ادیبؔ صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

مجھے درود تاج کی تفسیر و تخریج کے مطالعے سے ذاتی طور پر بہت فایدہ پہنچا ہے۔ بہت سے الفاظ اور عبارات کی تشریح سے میں نہ صرف محظوظ ہوا ہوں بلکہ میرے لیے مستقل طور پر درود تاج کے باطن اور معنویت کی گہرائی میں پہنچنے کا ایک سلسلہ پیدا ہوا۔

ادیبؔ صاحب کے جایزے کی ایک بڑی خوبی ان کا ادبیانہ اسلوب ہے۔ وہ مناظراتی موشگافیوں میں نہیں الجھے اور نہ ہی انھوں نے اس باب میں فقہی مسایل میں الجھ کر اپنے اظہار کو زند و پازند بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ حضرت ادیبؔ رائے پوری کو صحت و تندرستی کی لمبی عمر عطا کرے تاکہ وہ درود و نعت کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ کام کرسکیں اور نعت کے معاصر منظرنامے میں رنگ بھرتے رہیں اور ہمارے قلوب و اذہان کو منور کرتے رہیں، آمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ درود تاج

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویزِ تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

قارئینِ محترم!

اپنے افکار و خیالات کو بصد پاکیزگی و احتیاط آپ تک پہنچانے میں قرآنِ کریم کی تفاسیر و تراجم، کتبِ احادیث و سیَر سے خوشہ چینی کی ہے؛ ائمہ اسلام، محدثینِ کرام و مفسّرین کی گرانبہا تحریروں سے، جو شب و روز اس ناچیز کے مطالعے کی زینت رہیں۔ جو یائے حق و طالبِ صداقت ہیچمدان کے کاسۂ علم میں جو کچھ بھی ہے یہ انھیں چیدہ و برگزیدہ صاحبانِ علم کے خوانِ کرم کا گرا پڑا ہے۔ ان حوالوں سے کسی سند میں کوئی جملہ یا خیال قابلِ گرفت نکل آئے تو متقدمین سے ہی شکایت بجا ہوگی۔ اس معذرت کا سبب یہ ہے کہ

تحقیقی امور میں قدیم کتب کی طرف ہی رجوع کرنا ہوتا ہے اور جب تجزیے کے لیے قدیم کتب کی جانب مراجعت کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے باوجود، کہ ہمارے اسلاف کا اوڑھنا بچھونا قرآن کی تفسیر اور آیات کی تعبیر ہی تھا، لیکن ان کتب میں آیات کی تفسیر و تاویل میں متعارض روایات اور متناقض افکار پائے جاتے ہیں جس کی تصدیق ہمارے عہد کے علمائے تحقیق بھی فرمائیں گے۔ متقدمین کی علمی فضیلت کے اقرار سے فرار ممکن نہیں، جن کی عدیم المثال کوشش کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اخذ کردہ نتائج کو بے چون و چرا قبول کیا جائے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم اپنی تحقیقاتی کاوش اور علمی مباحث میں ان کے بڑی حد تک دست نگر ہیں لیکن اس کا یہ مقصد ہر گز نہیں کہ علمی انوار سے مستنیر ہونے کے لیے ان پر بصورتِ تحقیق اعتراض کا دروازہ بند رکھیں۔ اس ناچیز نے باوجود اپنی کم مائیگیِ علم کے اس حق سے عہدہ برآ ہونے کی حتی المقدور کوشش کی ہے، وہی ہدیہ قارئین ہے۔

مطالعۂ تفاسیر میں بعض حوالے ایسے بھی نظر سے گزرے جو قصص القرآن میں اضافی تھے، جن کی کوئی سند نہ تھی۔ یہ واقعات اگرچہ دلچسپ تھے اور رنگینیِ تحریر کے لیے مناسب بھی لیکن میرے محتاط رویئے نے انھیں شاملِ کتاب نہیں کیا۔

درود تاج پر اگر اعتراضات نہ کیے جاتے تو یہ مقدمہ کتاب اتنا طویل نہ ہوتا۔ چونکہ درود کا تعلق قرآنی آیات، احادیثِ نبوی ﷺ اور سلف صالحین کی عبادت و ریاضت، اوراد و وظائف سے گہرا ہے، یہ کوئی ادبی قصیدہ نہیں ہے، اس کے ایک ایک لفظ میں تاریخِ اسلام اور سیرتِ نبوی ﷺ کے پہلو نمایاں ہیں۔ اس پر معترضین نے لغات، صرف و نحو، زبان و بیان پر ہی اعتراضات نہیں کیے بلکہ اس کا سب سے نازک پہلو، جس کا تعلق عقیدے اور ایمان سے ہے، اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور اس کے لیے کہیں قرآنی آیات، کہیں احادیث اور کہیں سلف صالحین کے اقوال پیش کیے ہیں۔ اس لیے درود تاج کے چہرۂ پُر انوار کو بیجا اعتراض کے غبار سے صاف کرنے اور صاف رکھنے کے لیے قرآنی آیات، احادیث اور سلف صالحین کے اقوال سے ہی رد کرنا لازم تھا۔ لیکن مشکل مرحلہ یہ بھی تھا کہ معترض نے جو سہارے لیے، وہی سہارے ہمارے بھی ہیں۔ قاری کو فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا جب ایک حدیث مخالف و معترض پیش کرتا، اس کے مقابل دوسری ہم پیش کرتے،

اس لیے بہتر یہی سمجھا گیا کہ تنقید کے بنیادی اصول، تفسیر بالرائے کی اقسام، حدیثِ مرفوع اور غیر مرفوع کا فرق اور سلف صالحین کے اقوال میں معتبر اور غیر معتبر کی تمیز سمجھائی جائے جس کے لیے امثال پیش کرنا ضروری ٹھیرا۔ چنانچہ اس ساری بحث کو سلیقے سے کم سے کم الفاظ میں پیش کرنا ایک دشوار کام تھا جس کے سبب مضمون طوالت اختیار کر گیا ہے لیکن دوسری جانب اس کی افادیت پر غور کیا جائے تو یہ طوالتِ مضمون قاری کے لیے میرے خیال میں اس لیے بے حد مفید ہے کہ اس میں مستند دلایل سے اطمینان بھی نصیب ہوگا، شکوک وشبہات، جو پیدا کیے گئے، ان سے بھی نجات ملے گی اور بعض ایسے اہم واقعات بھی سامنے آئیں گے جن پر اس نقطۂ نظر سے قارئین نے پہلے غور نہ کیا ہوگا۔ تفسیر بالرائے کیا ہے، جس کا سہارا لے کر گھات لگائی گئی ہے؟ اس کے ذریعے صرف درود پر ہی نہیں خود قرآن پر کیسے کیسے الزام عاید کیے گئے، قاری کو پڑھ کر حیرت ہوگی۔ اس طرح یہ علمی مباحثہ بہترین فواید کا حامل ہوگا۔

فنِ تنقید کے مسلّمہ اصول:

فنِ تنقید کے مسلّمہ اصولوں میں بہترین رویّہ یہ ہے کہ کسی کی ہجو یا تضحیک سے اپنی خوبی نکالنا غیر مناسب ہے۔ اس کا بڑی حد تک خیال رکھا گیا لیکن جن حضرات کی تحریروں سے امت میں اضطراب پیدا ہو گیا ہے، نہ جانے کتنے معصوم ذہن جہلِ علم کا شکار ہو گئے، ایسے حضرات کے جہاں جہاں حوالے پیش ہوے ہیں ان کا تعارف ضروری سمجھا گیا۔ اس کا افادی پہلو یہ ہے کہ ان چہروں کے بے نقاب ہو جانے کے بعد جب کسی حوالے پر ان کا نام آئے تو قاری حضرات ان کی فکری لغزشوں کے اور ان کے علمی تعصبات کے اور ان کے زعمِ علم کے گمراہ کن نتایج سے باخبر ہونے کے سبب محتاط رہیں۔ میرا یہ رویّہ تقلید ہے ان ائمۂ کرام کی جن کا بیباک قلم ایسے حضرات کے چہروں کو بے نقاب کرتا رہا ہے۔ اس بات کی دلیل میں بزرگانِ سلف کے کچھ حوالے پیشِ خدمت ہیں:

واقدی کا مقام:

واقدی، جس کا نام محمد بن عمر، کنیت ابوعبداللہ اور لقب واقدی تھا، یہ شخص اپنے عہد

کے بہت ہی ذہین، کثیر المعلومات اور فاضلِ علوم عالم کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا، لیکن اس شخص نے تاریخ کو اس طرح پیش کیا کہ وہ تاریخی ناول بن گئی۔ اپنی جانب سے مبالغہ آرائی سے واقعے کو کہانی بنانا اس کا کارنامہ تھا۔ مبالغہ آرائی میں کمال دسترس رکھتا تھا۔ ان بے اعتدالیوں نے اس کی قدر اور قیمت کو خاک میں ملا دیا۔ سلف صالحین کے دفترِ اعتبار سے اس کا نام جس طرح خارج ہوا وہ افسوسناک حقیقت ہے۔

''وہ بڑا دروغ گو تھا، حدیث کو پلٹ دیا کرتا تھا۔'' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

''اس قابل نہیں کہ روایت نقل کی جائے۔'' حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

''واقدی کی روایتیں ساری کی ساری جھوٹی ہیں۔''

''وہ اسناد گھڑ کر بیان کر دیتے ہیں۔'' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

''واقدی ایسے دروغ گویان میں سے تھا جس کے دروغ کا سب کو علم ہے۔''

حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

''اگر واقدی سچا ہے جب بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا اور اگر وہ جھوٹا ہے تب بھی اپنی مثال آپ ہے۔'' علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

ان چیدہ و برگزیدہ ہستیوں نے مسلمانوں پر اس چہرے کو بے نقاب کر کے جو احسان کیا ہے اس کے نتیجے میں واقدی کی تحریروں سے اسلامی ذہن آزاد رہے گا۔

یہ ائمہِ اسلام وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنھوں نے علمی اختلاف پر بڑی عالمانہ بحثیں کی ہیں اور معترضین کو شافی جواب دیے ہیں لیکن کسی پر اعتراض نہیں کیا۔ اندازہ کیجیے وہ کیا صورتِ حال ہوگی جب ان جیسی محتاط رویے کی حامل شخصیات نے واقدی کے متعلق اس قدر کھل کر اظہارِ خیال فرمایا؟

عطائے کبریا کو مسایل کی فہرست میں لا ڈالا:

عقاید کے اختلاف اور فکر و نظر کی ناہمواریوں نے درود تاج جیسی نعمتِ عظمیٰ اور عطائے کبریا کو مسایل کی فہرست میں لا ڈالا۔ درود کے فضایل پر نظر ڈالیے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے جود و کرم، بخشش و عطا اور عفو و درگزر کا وہ بحرِ ناپیدا کنار، جس کی امواجِ نور معصیت کی سیاہ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر رہی ہیں، مگر افسوس کہ دوسری جانب متناقض و متعارض افکار و

آراء نے مظہرِ صفات وکمال خداوندی کے شفاف آئینے کو غبار آلود کر دیا ہے۔
درود کی اقسام، ایجاد و موجد پر بحث و تمحیص اور تفسیر و تعبیر نے، فکرِ محکوم اور نیتِ مذموم کے عملِ تنقید نے، خصائص و فضیلتِ درود کو مستور و محجوب کر دیا ہے۔ طالبانِ رحمت چنیں و چناں کے گرداب میں پھنس کر مایوسی کے مریض ہو رہے ہیں جس کی ایک مثال درود تاج اور اس پر کیے گئے اعتراضات ہیں۔
اسی فکر میں میرے شب و روز گزرے کہ جذبہ عشقِ مصطفےٰ ﷺ نے جس قوم کو سورج کی شعاعوں کا گرفتار کرنے والا اور ستاروں کی گزرگاہوں کا تلاش کرنے والا بنا دیا تھا کہیں ان کی فکر کے پیمانے بدل نہ جائیں اور ستاروں پر کمند ڈالنے والے ایسی شبِ تاریک میں زندگی بسر کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں جس کی سحر نہیں ہوتی، کہ یہ اجالا تو عظمتِ مصطفےٰ ﷺ سے قلب کو منور کرنے سے ہوتا ہے جہاں عقل ناپختہ کی بیچارگی نہیں سپردگی و قبول و تسلیم کی ضرورت ہے۔
درود تاج پر تنقید تقلیدی ہے اور قاری کے ذہن کو الجھانے کے لیے، جذبہ عشق کی تپش کو ٹھنڈا کرنے یعنی اعتقاد و ایمان کو متزلزل کرنے کی متعصبانہ لیکن بے سود کوشش ہے۔ اس مقصد کے لیے ان حضرات نے تفسیر بالرائے کی پیروی کی ہے جس میں یہ گنجایش ہے کہ اپنی خواہش کا اہتمام آیات قرآنی میں پایا جاتا ہے تو یہ بہ آسانی اس کے مطابق تاویل کرتے ہیں۔

عملی تحقیق میں اختلاف جرم نہیں:

عملی تحقیق میں اختلاف کوئی جرم نہیں، یہ فکر و نظر کو شعور بخشتا ہے، جذبہ تحقیق کو بیدار کرتا ہے اگر اس کا مقصد پہلے سے متعین کردہ ذاتی خواہش اور تعصب وغیرہ نہ ہو۔ جہاں پر فکر آوارہ منزل نہ ہو، خواہشِ مذموم نہ ہو تو یہی کام جویانِ حق اور طالبانِ صداقت کا نشان ہوتا ہے۔
اس گفتگو سے جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ معترضین کسی ایک جادہ حق، کسی ایک منہاجِ صداقت اور کسی ایک صراطِ مستقیم پر نہیں، یہ گروہ بندی کا شکار ہیں۔ درود تاج کی تفسیر میں بھی ایسے مقامات آئیں گے جن میں رحمت للعالمین ﷺ کے اوصاف و کمالات

سامنے آئیں گے اور اختیارات من جانب اللہ کی مثالیں ہوں گی اور ان پر کیے گیے اعتراضات کی بحث ہوگی۔ یہاں مفسّرین کا تذکرہ دو باتوں کے پیشِ نظر آپ کے لیے مفید تصور کرتا ہوں: اول یہ کہ جس طرح واقدی سے آپ کا تعارف ہوا اسی طرح دیگر مفسّرین کی آراء اور طریقۂ استدلال کی کمزوریوں سے واقفیت درود تاج کی تمام عبارت کو بے غبار سمجھنے کے لیے کافی ہوگی۔ اس کا صحیح اندازہ ان امثال کو پیش کرنے کے بعد ہوگا۔ دویم آپ حضرات کو تفسیرِ قرآن کے آداب سے آگہی ہوگی اور جب آپ کسی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں گے یہ آگہی آپ کی راہ نمائی کرے گی۔

مفسّرین کے گروہ:

ناچیز نے درود تاج کی بحث کے حوالے سے مفسّرین حضرات کو تین گروہ میں تقسیم کیا ہے۔ اگرچہ علم تفسیر میں ان گروہوں کی تعداد زیادہ ہے جن کی گروہ بندیوں کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ جن کے تعارف کا یہ موقع نہیں۔ یہاں جن سے مراد وہ گروہ ہیں جن میں پہلا گروہ اپنی خواہشات کے مطابق آیات قرآنی کی تاویل کرتا ہے، ظن وتخمین اور شکوک و شبہات کے صحراؤں میں بھٹکتا ہے اور سراب کو دریا ثابت کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ دوسرا گروہ ان کا ہے جو اپنے زعمِ علم میں جہلِ علم کا مظاہرہ کرتے ہیں، نہ خود قایل ہوتے ہیں نہ دوسرے کو قایل کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ وہ اس شعر کے مصداق ہوتے ہیں:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند

در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

ایک تیسرا گروہ بھی ہے لیکن یہ ان مفسرین کا گروہ ہے جو علم کی سرکشی، جہل کی خود سری، تعصب کی بد صفتی اور تقدسِ فنِ تفسیر کی پائمالی سے اپنا دامن بچا کر گزر گیا، جن کا سفینۂ جستجو ظن وتخمین کے گرداب سے بسلامت نکل آیا، بالخصوص درود شریف کی بابت ان کے اپنے ایمان کی کیفیت کچھ اس طرح ہے کہ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اور اس کے ملائکہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا، درود بھیجنے والوں کی خطاؤں کا کفارہ ہونا، ان کے اعمال کو پاکیزہ بنا دینا، ان کے درجات کا بلند ہونا، خود درود کا عاصی کے لیے

مغفرت طلب کرنا، گناہوں کا معاف ہونا، اس کے نامہ اعمال میں ایک قیراط کے برابر کا ثواب لکھا جانا (قیراط وہ جو احد پہاڑ کے برابر ہو)، اس کے اعمال کا تلنا، خطاؤں کا مٹا دینا، اس کے ثواب کا غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ ثواب ہونا، خطرات سے نجات پانا، حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا درود پڑھنے والے کے لیے روز قیامت شاہد و گواہ بننا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا واجب ہونا، اللہ کی ناراضگی سے امن حاصل ہونا، حوضِ کوثر پر حاضری نصیب ہونا، جہنم کی آگ سے نجات، حشر کی گرمی میں پیاس کی شدت سے امن نصیب ہونا، نادار کے لیے صدقے کا قایم مقام ہونا، اس کی بدولت آئینۂ قلب سے کدورتوں کے غبار کا صاف ہونا، مخلوق کے دلوں سے نفاق کا مٹ جانا، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ذریعہ، لوگوں کی غیبت سے محفوظ رہنا، درود کو دنیا و آخرت میں بے حد نفع دینے والا عمل سمجھنا، افضل ترین عمل سمجھنا اور وہ تمام نعمتیں، جو میرے اور آپ کے علم میں نہیں، دینے والا جانے، دلانے والا جانے اور درود کی فضیلت پر تمام احادیث پر ایمان ان مفسّرین کا طرّہ امتیاز ہے۔

درود تاج میں جتنے بھی القاب ہیں وہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، کمالات اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو جو اختیارات عطا فرمائے، اگرچہ وہ بے شمار ہیں جن میں سے کچھ عقلِ انسانی کے دائرے میں آئے اور اس کچھ میں سے بھی چند صفات جلیلہ کا ذکر شامل ہے، یہ تمام مقامات بلند، درجات اعلیٰ، صفاتِ خاص، عظمت و بزرگی، مراتب و شان کو درود کا حصہ سمجھتے ہیں۔

یہ ان مفسّرین کے ایمانِ کامل کی دلیل ہے، اگرچہ یہ حضرات محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے احساناتِ عظیم کا بدلہ تو نہیں دے سکتے لیکن ان احسانات کے تشکّر میں جن اہلِ محبت نے قلم اور روشنائی سے صفتِ بلالی رضی اللہ عنہ کا کام لیا وہ اپنی تحریروں میں ان کو شامل کر لیتے ہیں۔

یہ تھا ایک سرسری جایزہ درود تاج کے سلسلے میں اس گروہ مفسّرین کے تعارف کا جس کے بغیر اعتراضات کی نوعیت اور اس کے پسِ پردہ عوامل کو سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ ابھی مثالیں پیش نہیں کی ہیں۔ مثال کا فایدہ یہ ہوتا ہے کہ جو بات ذہن میں الجھ رہی ہو وہ الجھن دور ہو جاتی ہے اس لیے چند مثالیں شاملِ بحث ہیں۔

تعصب پر ماتم کیجیے:

اس تعصب پر ماتم کیجیے، اس ہٹ دھرمی پر آنسو بہائیے کہ یہ باتیں دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعتراف حق اور قلم سے اظہارِ صداقت کی جرأت سلب کرلیتی ہیں۔ انسان، علم ودانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود، دیوانہ پن کی باتیں کرتا ہے جنھیں سن کرشرم آتی ہے۔درود تاج پر کیے گیے اعتراضات اس بات کی دردناک مثال ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہاتھ کھینچ لیتی ہے تو معقول اور غیر معقول کی تمیز جاتی رہتی ہے۔اس کے ثبوت میں چند ایک مثالیں، کہ یہ مفسّرین آیات قرآنی کی شرح وتفسیر میں کس طرح تاویل کرتے ہیں جس میں ان کے قلب میں ''پوشیدہ افکار'' ہوتے ہیں، لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کی توفیقِ خاص سے ہم جیسے ہیچمدان کے ہاتھوں ان کا راز فاش ہوجاتا ہے تو ہمارے اسلاف کے معتبر اہلِ علم، جن کا تعارف مندرجہ بالا سطور میں ہوا، تفسیر میں ان کا کیا مقام ہوگا!

تعصب کی پہلی مثال:

کسی صاحب نے قرآنِ کریم میں لفظ ''صاحب'' کی تشریح میں اپنے دل کا غبار اس طرح نکالا، کہتے ہیں: لغت کے اعتبار سے ''صاحب'' کے معنی ساتھی کے اور رفیق کے ہیں یا ہم نشین کے ہیں۔اس لفظ میں نہ کوئی شرف ہے نہ فضیلت، ایک کافر مومن کا اور ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی، رفیق اور ہم نشین ہوسکتا ہے۔

یہ اعتراض سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت اور بزرگی پر کیا گیا ہے۔قرآنِ کریم میں سورہ توبہ میں چالیسویں آیت ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ترجمہ: اگرتم مدد نہ کروگے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔آپ دوسرے تھے دو سے، جب وہ دونوں غار میں تھے (غار ثور میں) جب وہ فرمارہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس ذہن کے پیچھے کیا ہے، ذرا ملاحظہ کیجیے:

''لغت میں صاحب کے معنی ہیں ساتھی، رفیق، ہم نشین جس میں کوئی شرف اور فضیلت نہیں کہ یہ لفظ کسی کافر کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے، ایک فاسق کے لیے بھی کہ یہ دونوں کسی مومن اور کسی پارسا کے دوست ہو سکتے ہیں۔''

ذہن میں چونکہ فتنہ تھا، اس نے ایسی آیات کی جستجو کی جن کے ذریعے وہ قاری کو مزید گمراہ کر سکے، اس لیے ایک اور آیت پیش کی:

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

(۱۸-۳۸)

ترجمہ: یعنی اس نے جب اپنے ساتھی (صاحب) سے کہا، جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا، کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا۔

اس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور یہاں اس سے مراد کافر ہے۔ مزید اس حوالے کی مضبوطی کے لیے ایک اور مثال دیتا ہے:

يَصَاحِبَيِ السِّجْنِ (اے قید خانے کے دو ساتھیو)۔ (۱۲-۴۲)

تاویلِ باطل کرنے والے کو آیات کا حوالہ دے کر بھی تشفی نہیں ہوئی تو لغت کا سہارا لیا:

ان الحمار مع الحمار مطیة
واذا خلوت بہ فبئس الصاحب

ترجمہ: اور اہلِ عرب تو حیوان کو بھی انسان کا ساتھی کہہ دیا کرتے ہیں۔

قاری حضرات! بتائیے آپ اس شدّ و مد سے حوالے پر حوالے سے کیا سمجھے؟ جو صاحبانِ ایمان ہیں وہ ایسے کینہ پرور اور بد باطن شارحین سے کبھی گمراہ نہیں ہوتے لیکن عام مسلمان کے ایمان میں تشکیک ڈال سکتے ہیں۔

ان تمام حوالوں میں نیّتِ مذموم اور افکارِ فاسدہ کا مقصد سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس پر تہمت سازی ہے۔ اگرچہ موصوف ایسا تو نہ کر سکے لیکن اپنے جہلِ علم کو ضبطِ

تحریر میں لا کر سند حاصل کر لی اور ان دلایل کو اپنے حق میں نہیں بلکہ اپنی علمیت کے خلاف استعمال کیا اور یہ بتایا کہ ان کا مطالعہِ قرآن ہے ہی نہیں۔ دوئم وہ کسی لفظ کے معنی لغت تک محدود رکھتے ہیں حالانکہ اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ الفاظ کے ایک لغوی معنی ہوتے ہیں اور ایک اصطلاحی۔ ایسے تو قرآنِ کریم میں اور بھی کئی الفاظ ہیں جنھیں لغوی معنی تک ہی محدود رکھا جائے تو ان کا بھی یہی حشر ہوگا جو موصوف نے لفظ ''صاحب'' کا کیا ہے۔

سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر تہمت سازی کا جواب:

ہر لفظ میں عزّ و شرف اس کے لغوی معنوں سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہوتا ہے، مثلاً: ''ایمان''۔ اس کے لغوی معنی ہیں تصدیق کرنا۔ اب اگر یہی لغوی معنی لیے جائیں تو یہ تصدیق اللہ جل شانہٗ کی توحید کی بھی ہوسکتی ہے اور طاغوت کی بھی۔ اس کی مثال قرآن سے ہی پیش کرتا ہوں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴-۵۱)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا حصہ کتاب سے (وہ اب) ایمان لائے ہیں جبت اور طاغوت پر۔

ایک لفظ ''عبادت'' ہے۔ اس کی مثال دیکھیے: عبادت اللہ کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور بتوں کی پوجا کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوسکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ

ترجمہ: وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی پوجا (عبادت) کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔

ایک مثال لفظ ''ایمان'' کی دی دوسری لفظ ''عبادت'' کی۔ اب اس کا اندازہ ہر ذی ہوش لگا سکتا ہے کہ لفظ عبادت جب اللہ تعالیٰ کے لیے آیا تو باعثِ عزّ و شرف ہوگیا اور وہی لفظ جب پوجا کے لیے آیا تو کسی عزّ و شرف کا مستحق نہیں ہوا۔ لفظ ''ایمان'' کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ ایک اور لفظ ہے ''ہجرت'' جس کے معنی ترک وطن ہیں۔ یہ عمل (ترک

وطن) اپنے متعلقات کے سبب اللہ کی رضا کے لیے بھی ہوسکتا ہے، تجارت کے لیے بھی اور کسی عورت سے شادی کے لیے بھی۔ لفظ ہجرت میں عزّو شرف لغوی اعتبار سے نہیں اپنے متعلقات کے سبب ہوگا۔

دوسری تہمت اور اس کا جواب:

مثالوں کا یہ سلسلہ اسی لیے پیش کیا، جیسا کہ آغاز میں کہا، کہ مفسرین کا ایک گروہ زعمِ علم میں جہلِ علم کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے ذہن میں جو تعصب ہے اس کا مظاہرہ کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت و بزرگی کو داغدار کرنے کا ارادہ رکھنے والا ابھی مطمئن نہیں ہوا لہٰذا اس نے اسی آیت (سورہ توبہ) سے ایک اور نکتہ اس کے لیے دریافت کیا: ان آیات میں ارشاد ہوا ہے: اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ۔ "جب وہ فرما رہے تھے اپنے فریق (ساتھی) کو کہ مت غمگین ہو۔" موصوف نے یہ نکتہ دریافت کیا کہ یہ حزن، جس سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو منع کیا جا رہا ہے، یہ طاعت تھا یا معصیت؟ طاعت تو ہو نہیں سکتا ورنہ طاعت سے منع نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نیک کاموں سے روکا نہیں کرتے، لازماً یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عاصی اور گنہگار ہونا (نعوذ باللہ) ثابت ہے نہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔

اس پیکرِ جہلِ مرکب نے جس طرح اپنی بدنیتی، بغض اور تعصب کا بھونڈا طریقہ اختیار کیا اور یہ بتایا کہ اس کی بصیرت ہی بیمار نہیں ضعفِ بصر کا عارضہ بھی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے کیا خوب کہا:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
مَیلش اندر طعنۂ پاکاں زند

یعنی جن کے دلوں میں خدا کے نیک بندوں سے چھپا ہوا عناد ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو ان کی پردہ دری منظور ہوتی ہے تو وہ (اللہ) انھیں (ایسے لوگوں) اپنے نیک بندوں کے حق میں طعنہ زنی پر مایل کر دیتا ہے۔ اس بدباطن نے اپنے قلب کی تسکین کے لیے اللہ کے کلام کو جس طرح غلط معنی پہنائے، اور یہ سمجھا کہ وہ کامیاب رہا، اس کا فریبِ نظر تھا اس لیے "ضعفِ بصر" کا لفظ آیا۔ یعنی اس آیت میں جو حقیقتیں پنہاں تھیں وہ اللہ نے اس کی

نظر سے پوشیدہ کردیں۔ آپ تردید ملاحظہ فرمائیں:

قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر انبیائے کرام اور مرسلین کو حزن اور خوف سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

ترجمہ: اے موسیٰ علیہ السلام! خوف نہ کرو تم ہی سربلند ہوگے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں نے کہا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ

ترجمہ: اے لوط علیہ السلام! حزن نہ کرو۔ ہم تمھیں اور تمھارے اہل وعیال کو نجات دینے والے ہیں۔

پھر ایک مقام پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: لَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کی باتیں آپ کو حزیں (غمگین) نہ کریں۔

ایک اور مقام پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم خوب جانتے ہیں کہ کفار کی باتیں آپ کو غمزدہ کردیتی ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ اگر معصیت (خاکم بدہن) کے سبب منع فرماتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور پھر تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن سے روکا گیا تو کیا یہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی معصیت کے سبب روکے گئے؟

اب ضعفِ بصر کی بات کرتا ہوں۔ جس شخص نے سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت وبزرگی کے دامن کو داغدار کرنا چاہا تو حق تعالیٰ نے اسے اندھا کردیا اور اسے یہ نظر نہیں آیا کہ جس آیت کریمہ کا سہارا لے کر دو لفظوں "لِصَاحِبِهٖ" اور "لَا تَحْزَنْ" کی مذموم مقاصد کے لیے تاویل کی اسی آیت کے درمیان اور آخر میں سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مراتب کو کلامِ الٰہی سے مزید بلند کیا جارہا ہے۔

اسی آیت میں "ثَانِیَ اثْنَیْنِ" اور "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" بھی ہیں۔ کسی اور آیت میں ہوتے تو عذر تھا کہ وہاں ہم نے نہیں دیکھا لیکن یہ ایک ہی آیت ہے جس میں چار لفظ جدا

جدا ہیں: "لِصَاحِبِہٖ"، "لَا تَحْزَنْ"، "ثَانِیَ اثْنَیْنِ" اور "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دو الفاظ پر تو موصوف کی محققانہ اور عالمانہ نظر پڑی اور دو الفاظ پر نظر گئی نہیں۔
بات وہی ہے جو پہلے کہہ آیا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کے نیک بندوں پر طعنہ زن بنا دیتا ہے۔ وہ اندھا کر دیا گیا تا کہ دو الفاظ نظر نہ آئیں، بالکل اسی طرح جس طرح ہجرت کی شب سردارانِ قریش کو اندھا کر دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کے درمیان سے نکل گئے بلکہ ایک ایک چٹکی خاک کی ان کے سروں پر ڈال گئے۔ اس شخص کی پردہ دری کا وقت آیا تو سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر طعنہ زن ہو گیا۔

تفسیر بالرائے اسی کو کہتے ہیں۔ یہ تفسیر بالرائے کی مختلف اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ تعارف ان اقسام کا بعد میں کراؤں گا، جو ضروری ہے، کیونکہ یہی ایک راستہ ہے جہاں بیٹھ کر گھات لگائی جاتی ہے، جس کی مثال آپ کی نظر سے گزری۔ جو آیت زیرِ بحث آئی اس کا پس منظر بھی جان لیجیے:

غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ طائف اور حنین سے فرصت پا کر مدینہ منورہ پہنچے تو ملک شام سے خبریں آنے لگیں کہ قیصرِ روم اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ادھر عربی النسل مگر عیسائی مذہب غسان کا بادشاہ بھی قیصرِ روم کے ناپاک ارادے میں شامل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اس کا انتظار کرنے کی بجائے خود اس کے ملک پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا اور اس عزم کے ساتھ مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ جو منافق تھے وہ تمام بہانے بنا بنا کر نکل گئے، مسلمان چونکہ بہت تھکے ہوئے تھے آمادۂ جہاد ہونے میں مشکل محسوس کر رہے تھے۔ اس بات کو دیکھ کر کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کوتاہی اور اتنی، اللہ جل جلالہٗ نے پُر جلال انداز میں جہاد کی دعوت دی اور پھر اہلِ ایمان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ربّ تعالیٰ کا انداز دیکھیے کتنا پُر جلال تھا۔ سورہ توبہ کی آیات یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تک (آیت ۳۸-۳۹-۴۰)۔ یہاں صرف ترجمہ دے رہا ہوں:

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ جب کہا جاتا ہے تمھیں کہ نکلو راہ
خدا میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی

ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں۔ سو نہیں ہے سروسامان دنیاوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل۔ (آیت ۳۸)

(اب آیت ۳۹ میں جلال وغضب ہے کہ میرے محبوب ﷺ کا ساتھ دینے سے کترا رہے ہو۔)

اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمھیں، دردناک عذاب۔ اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمھارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اب وہ آیت ہے جو زیرِ بحث آچکی ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ترجمہ: اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم ﷺ کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے، جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے۔ جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق (ساتھی) کو کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

جب غار ثور میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے قدموں کی آہٹ سنی کہ کفار کی جماعت غار کے دہانے پر کھڑی ہے تو اللہ کے محبوب ﷺ کو یوں خطرے میں محسوس کر کے بے چین ہو گئے۔ اس وقت اللہ کے محبوب ﷺ نے شانِ رسالت کے شایاں، توکل علی اللہ کے مقام سے، یہ جملہ ارشاد فرمایا:

یا ابا بکر ما ظنک باثنین، اللہ ثالثهما۔

ترجمہ: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! ان دو کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت نے اس واقعے کو اپنی شاعری میں الفاظ کا جامہ پہنا کر حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے جب دریافت فرمایا کہ حسان رضی اللہ عنہ! کیا تم نے شانِ صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا:

جی ہاں۔ میں نے آپ ﷺ کے یارِ غار کی مدح سرائی کی ہے۔ فرمایا: سناؤ، میں سننا چاہتا ہوں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو بہ اذ صعّد الجبلا

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے گرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔

و کان حِبّ رسول ﷺ اللہ قد علموا
من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

ترجمہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور ﷺ ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلّہ نہیں سمجھتے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ شعر سن کر اللہ کے محبوب ﷺ نے تبسم فرمایا اور پھر فرمایا: اے حسان رضی اللہ عنہ! تم نے سچ کہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے ہی ہیں۔

(ابنِ عساکر، ابنِ زہرہ عن انس رضی اللہ عنہ)

کے عقل تواں رسد بہ پایاں
ہم عشق ہنوز نا رسیدہ

(جگر مرادآبادی)

سرسیّد احمد کے افکار:

درود تاج پر اعتراض میں ایسے ہی عناصر شامل ہیں جو تفسیر بالرائے کے ذریعے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق تاویل کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں ایک گروہ وہ ہے جو تعصب، بغض و عناد کا شکار ہے اور مقاصدِ مذمومہ کی تکمیل کے لیے تفسیر بالرائے کا سہارا لے کر تاویل کرتا ہے، جن کا احوال اور مثالیں گزشتہ اوراق میں گزریں۔ دوسرا گروہ اگرچہ بغض و عناد کی لعنت میں گرفتار نہیں لیکن بزعم خود مدعیانِ علم میں شامل ہے اور اپنی عقل کے ترازو میں ہر قول کو تولتا ہے اور یہی زعمِ علم ان کے لیے حجاب علم بن جاتا ہے۔ ایک گروہ کو

مثال کے ذریعے متعارف کرادیا گیا، دوسرے گروہ سے بھی تعارف ہونا ضروری ہے۔ اس میں صرف ایک ہی شخصیت مثال کے لیے کافی ہے اور وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ زمانہ انھیں سرسیّد احمد کہتا ہے۔ یہ خواہشِ نفس کے مطابق نتیجہ اخذ کرنے والے متعصب گروہ سے جدا ہیں، البتہ اپنے علم پر اتنا بھروسہ کر بیٹھے کہ یہی ان کے لیے حجاب علم بن گیا۔ ان کے اقوال اور ان کی تحقیق بڑی عجیب اور دلچسپ بھی ہے جسے یہاں مثال کے ذریعے سمجھاتا ہوں، پھر آپ خود اس دوسرے گروہ کے متعلق اپنی رائے قایم کرسکیں گے۔

قرآنِ کریم میں نزولِ عذاب کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اگر اشارۃً بھی بتایا جائے تو ایک فہرست ترتیب پا جائے اس لیے صرف ایک ہی واقعہ پیشِ خدمت ہے۔ قومِ ثمود کی بربادی کے ذکر میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝۶۱ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۶۲ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝۶۳ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝۶۴ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝۶۵ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِىٕذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝۶۶ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۶۷ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝۶۸

(سورہ ہود، آیت ۶۱ تا ۶۸)

ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔
آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، نہیں ہے کوئی
تمھارا معبود اس کے سوا، اس نے پیدا فرمایا تمھیں زمین سے اور بسا دیا
تمھیں اس میں، پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل و جان سے)
رجوع کرو اس کی طرف، بیشک میرا ربّ قریب ہے اور التجائیں قبول
فرمانے والا ہے۔ انھوں نے کہا: اے صالح علیہ السلام! تم بھی ہم میں کے
(ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے۔ کیا تم
روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی
عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا، اور بیشک اس امر کے بارے میں،
جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، ایک بے چین کر دینے والے شک میں
مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں
روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے
اپنی رحمت، تو کون ہے جو بچائے گا مجھے اللہ (کے عذاب) سے اگر میں
اس کی نافرمانی کروں؟ تو تم نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لیے سوائے
نقصان کے۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تمھارے لیے نشانی
ہے، پس چھوڑ دو اسے، کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ
لگاؤ اسے برائی سے، ورنہ پکڑے گا تمھیں عذاب بہت جلد۔ پس انھوں
نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح علیہ السلام نے فرمایا: لطف اٹھا لو تین دن
تک اور اپنے گھروں میں، یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔
پھر جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے بچا لیا صالح علیہ السلام کو اور جو ایمان لائے
تھے انھیں ان کے ساتھ، اپنی رحمت سے، نیز بچا لیا اس دن کی رسوائی
سے، بیشک (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) تیرا رب ہی بہت قوت والا، عزت والا
ہے اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے اور صبح کی انھوں نے اس
حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں اپنے گھٹنوں کے بل اوندھے گر پڑے تھے

(انھیں اس طرح نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہیں تھے۔

سورہ ہود سے یہ طویل اقتباس ختم ہوا۔ اس کی طوالت کا ایک سبب تھا۔ غالبًا مستشرقین نے قرآنی آیات پر جتنے اعتراض جڑے ان کے مدلل جواب دینے میں سرسیّد احمد، بالخصوص ''عذاب الٰہی'' کی شرح میں، مستشرقین سے مرعوب ہوگئے اور اسی حال میں انھوں نے قرآن کے مطالب بیان کیے۔ شاید اسی کو حجابِ علم کہتے ہیں (حجاب علم اور ان کی اقسام آیندہ اوراق میں بیان ہوں گی)۔

قرآنِ کریم کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اپنے نبی کی دعوت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ایسے مشاغل جاری رکھے جو ظلم اور جہل پر مبنی ہوں تو ان کی بداعمالیوں پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ ایسے واقعات کا قرآنِ کریم میں بار بار ذکر آیا ہے چنانچہ سورہ ہود ہی میں اس کی تفصیل ہے۔ حقیقتاً یہ عذاب ان قوموں کے جرم کی سزا ہے۔

لیکن سرسیّد کی نگاہ میں یہ واقعہ اللہ کی طرف سے ان کے جرایم کی سزا نہیں ہے بلکہ یہ وہ حادثات ہیں جو طبعی اسباب مہیا ہو جانے کے نتیجے میں ظہور میں آتے ہیں یعنی ایسے واقعات کا کسی کی نیکی یا بدی سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ چنانچہ میں یہاں سرسیّد کی ہی تحریر سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

> ''آندھی اور طوفان، پہاڑوں کی آتش فشانی، ان سے ملکوں کا اور قوموں کا برباد ہونا، زمین کا دھنس جانا، قحط کا پڑنا، کئی قسم کے حشرات کا زمین میں، پانی میں، ہوا میں پیدا ہو جانا، کئی قسم کی وباؤں کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہو جانا سب طبعی امور ہیں جو ان کے اسباب جمع ہو جانے پر ''موافق قانونِ قدرت'' کے واقع ہوتے رہتے ہیں، انسانوں کے گنہ گار ہونے یا نہ ہونے سے فی الواقع اس کو کوئی تعلق نہیں اگرچہ توراۃ میں اور دیگر صحفِ انبیاء میں اس قسم کے ارضی وسماوی واقعات کا سبب انسانوں کے گناہ قرار دیے گئے ہیں، مثل ایک پوشیدہ بھید کے سمجھ سے خارج ہے۔ اس سے ہم کو بحث نہیں ہے مگر قرآنِ پاک میں بھی ایسے واقعات کو

انسانوں سے منسوب کرنا بلاشبہ تعجب سے خالی نہیں۔"

اس تعجب کو دور کرنے کے لیے وہ اگلے صفحے پر کہتے ہیں:

"پس قرآنِ پاک کے اس قسم کے بیانات کو، جن میں حوادثِ ارضی و سماوی کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کیا ہے، یہ سمجھنا کہ وہ ایک حقیقتِ اشیاء "علی ماھی علیہ" (جیسا کہ بتایا ویسا ہی) کا بیان ہے، ان سمجھنے والوں کی غلطی ہے نہ قرآنِ پاک کی۔"

(مقالات سر سیّد احمد، جلد چہاردہم، ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۰)

سر سیّد احمد کے بیان پر تبصرے سے پہلے سورہ ہود کی آیات میں دو مقام پر خط کشیدہ ہے اور سر سیّد احمد کے بیان میں بھی دو جگہ پر خط کشیدہ ہے۔ ایک نظر انھیں دیکھ لیں۔ اگر سر سیّد احمد حیات ہوتے تو ہم ان سے سوال کرتے، اب جو ان کے معتقدین ہیں ان سے کہتے ہیں، کہ قرآنِ کریم نے کسی ارضی و سماوی حادثے یا واقعے کا، جو بقول ان کے موافق قانونِ قدرت واقع ہوتا ہے یا ہوا ہے، کب انکار کیا ہے یا خالقِ ارض و سماء نے کب یہ ارشاد فرمایا کہ ارض و سماء میں کوئی بھی حادثہ ایسا نہیں جو انسانوں کے گناہ کا نتیجہ اور انبیاء کی نافرمانی ہے۔ یقیناً ارض و سماء میں طبعی امور کے سبب ہونے والے ہر سیلاب، ہر آندھی اور ہر زلزلے کے لیے تو قرآن کا خطاب نہیں ہے۔ دویم یہ بتایئے کہ جس لفظ کا سہرا یعنی "قانونِ قدرت کے مطابق" تو یہ قانون کس کا ہے اور وہ کون ہے جس کی قدرت کا ذکر کیا گیا ہے؟ نعوذ باللہ کیا یہ کسی اور طاقت کا نام ہے جو غیر اللہ ہے؟ قرآنِ کریم نے جن واقعات کا ذکر کیا ہے بحث انھیں واقعات کی تصدیق پر ہے اور یہ واقعات قرآنِ کریم میں حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قوموں سے متعلق ہیں۔

سر سیّد احمد کا جواب:

سر سیّد کے اس طویل بیان میں، جس میں انھوں نے ایک شبہے کے ازالے کی کوشش کی ہے، جو طریقہ اپنایا اس نے اعتراضات کی راہ ہموار کر دی۔ سر سیّد کے اس بیان پر جتنا بھی افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے، جس کے نتیجے میں ہم کتنی باتوں سے انکار

کرنے کی طرف راغب کیے گئے ہیں۔ اول تو انبیائے کرام علیہم السلام کا خدا کے فرمان کے مطابق تبلیغِ اسلام کرنا، گناہوں سے روکنا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا یہ تمام کا تمام بے مقصد اور لغو تسلیم کیا جائے (نعوذ باللہ)۔ اِس کے ایک اور معنی یہ ہوے کہ انبیاء علیہم السلام ان طبعی اسباب اور قانونِ قدرت کے عمل سے ناواقف تھے جب کہ جس کے قبضے میں ان کی جان تھی اس نے اپنے نبیوں کو غیب کی باتیں بتانے والا کہا تھا اور وہ حکمِ ربی سے غیب کی خبر دیتے تھے لیکن سر سیّد کے نزدیک انبیاء جس عذاب کو وحی کیے گیے وعدے کا نتیجہ سمجھ رہے تھے ویسا نہ تھا۔ اس طرح قرآنِ کریم پر کیا اعتقاد رہ جاتا ہے؟

رہ گئے طبعی اسباب تو حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں ان تین دنوں میں تم پر یقینی عذاب آئے گا، تو کیا ان تین دنوں میں ہی وہ تمام طبعی اسباب فراہم ہو گئے جو عذاب الٰہی کی بجائے کڑک اور زلزلہ بن کر رونما ہوے۔ اگر یہ طبعی اسباب ہی تھے تو پھر اس سوال کا جواب کون دے گا کہ اس کی زد میں صرف کافر اور اپنے نبی علیہ السلام سے بغاوت کرنے والے ہی کیوں آئے اور اہلِ حق کس لیے محفوظ رہے؟ بتایئے! کیا ان طبعی اسباب میں نیک و بد کی تمیز کی اہلیت بھی ہوتی ہے؟ قرآن واضح الفاظ میں جگہ جگہ کہہ رہا ہے:

وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

ترجمہ: ہم نے ان کو غرق کیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔

اب اگر آپ اس غرقابی کا سبب عذاب الٰہی کو نہیں بلکہ طبعی اسباب کو تصور کریں تو قرآن کی آیت سے انکار لازم آجائے گا۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے احوال کا آپ مطالعہ فرمائیں جن کی قوموں پر عذاب اسی طرح اطلاع فراہم کر کے آیا، اور ان تمام سے انکار کے بعد آپ کس مقام پر اپنے کو پائیں گے؟ ایک آخری حوالہ قرآنِ کریم کا سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۴ اور نمبر ۵ سے جس میں عذاب کے تمام واقعات کو یکجا کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ

ترجمہ: اور کتنی بستیاں تھیں، برباد کر دیا ہم نے انھیں، پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔

سر سیّد نے واقعۂ معراج پر بھی اسی طرح کی قیل و قال کی ہے جس کے لیے آپ

"مقالاتِ سرسیّد احمد" کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ محوِ تماشائے لبِ بام ہی رہ گئے، انھیں رومی رحمۃ اللہ علیہ تو ملا، پیرِ رومی رحمۃ اللہ علیہ نہ ملا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

سرسیّد احمد ذی علم انسان تھے، ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، قدیم وجدید علوم دونوں پر گہری نظر تھی اس کے باوجود وہ مغربی افکار سے متاثر بھی تھے اور خوفزدہ بھی۔ سرسیّد کا عقیدہ کیا تھا؟ یہ جاننا ضروری ہے کیونکہ جب کوئی شخص اوروں سے مختلف کوئی خیال پیش کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ اوروں کے خیالات کی ضد ہوتا ہے، تو اس کے پس منظر میں کوئی فلسفہ، کوئی نظریہ ضرور ہوتا ہے جسے منوانے کے لیے وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ ان کے بنیادی نظریے کے تعارف سے قارئین کو یہ آسانی ہو جائے گی کہ انھیں دیگر مدعیانِ علم کو، جو مفکرین کی فہرست میں ہیں، سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی۔

عقایدِ سرسیّد احمد (اختصار کے ساتھ)، تفصیل کے لیے "مقالات سرسیّد احمد" دیکھیے۔ اِن کا بنیادی مسئلہ قانونِ قدرت (نیچر) کا ہے جو ان کے اپنے خیال میں کسی طرح بھی تبدیل نہیں ہوسکتا۔ (یعنی زلزلے، سیلاب، آندھی، کسی طرح کی بھی آفات ارضی وسماوی قانونِ قدرت کی پابند ہیں حتیٰ کہ بن باپ کے بیٹا پیدا ہونا، سورج کا پلٹ آنا، چاند کا ٹکڑے ہونا، ابابیل کا کنکریاں اٹھا کر لانا، مارنا اور ہاتھیوں کا ہلاک ہو جانا اور دیگر بے شمار واقعات خلاف وعدہ ہیں۔) وعدہ کیا ہے؟ یہ بھی سمجھ لیجیے:

وہ کہتے ہیں ورک آف گاڈ (خدا کا عمل) اور ورڈز آف گاڈ (خدا کا کلام: قرآن) دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہو نہیں سکتے۔ اگر کہیں، کسی مقام پر، کسی وقت پر جدا ہو گئے، مختلف ہو گئے تو ورک آف گاڈ چونکہ پہلے سے موجود ہے، ورڈز آف گاڈ، جس کو قرآن کہا جاتا ہے، اس کا (نعوذ باللہ) جھوٹا ہونا لازم آئے گا اس لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں یعنی ورک آف گاڈ اور ورڈز آف گاڈ متحد ہوں اور دونوں میں کہیں بھی اختلاف نہ ہو۔ اب وہ (سرسیّد احمد) خود مزید اس کی تشریح میں کہتے ہیں:

ورک آف گاڈ کیا ہے؟ یہ قانونِ قدرت ہے جو خدا کا ایک ''عملی عہد'' ہے اور ورڈز آف گاڈ کیا ہے؟ یہ خدا کا ''قولی عہد'' ہے یا ''قولی معاہدہ'' ہے۔ وعدہ اور وعید، ان دونوں عہد (عملی اور قولی) میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خدا کو قانونِ قدرت کا پابند کہتے ہیں یعنی زلزلے، بجلی، سیلاب یا وبا یہ تمام قانونِ قدرت کے مطابق طے شدہ امور ہیں جو طبعی اسباب کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ ورک آف گاڈ، خدا کا عملی عہد، ہے تو انبیاء علیہم السلام کی امت پر بغیر کسی طبعی امور کے زلزلے یا سیلاب آنا (عذابِ الٰہی کی صورت میں) قانونِ قدرت کا، ورڈز آف گاڈ کے سبب، تصادم ہے جو ناممکن ہے۔ بنیادی اعتقاد جب یہ ہوں تو قرآنی آیات کی تاویل بھی اسی طرح ہوگی، واقعہِ معراج، شق القمر، آفتاب کا پلٹ آنا، ابابیل اور ابرہہ وغیرہ انھیں افکار کی زد پر آئیں گے۔

سرسیّد کے عہد میں مغربی تعلیم کا رخ برِصغیر کی طرف تھا۔ مغربی افکار کی یلغار کا زمانہ تھا۔ مستشرقین قانونِ قدرت کے نظریے کی بنیاد پر قرآنی آیات پر بھی اعتراضات کر رہے تھے۔ سرسیّد مستشرقین کی تحریک سے واقف تھے۔ انھوں نے ان اعتراض کو باطل قرار دینے کے لیے یہ راستہ اختیار کیا کہ ایسے تمام واقعات کو، جو قانونِ قدرت سے متصادم تھے، ان کی تفسیر وتعبیر میں مستشرقین کے نظریہِ قانونِ قدرت کے مطابق ڈھالنے کی علمی کوشش کی جو ان کی تصانیف اور نامکمل تفسیر قرآن سے ثابت ہے۔ اس کوششِ خام میں سرسیّد نے ماضی کی تمام تفسیروں کو، خواہ وہ کتنی ہی معتبر ہوں، محض فضول اور مملو بروایاتِ ضعیف وموضوع اور قصصِ بے سروپا قرار دیا۔ اس کے باوجود قرآنی آیات کو نیچر کے مطابق ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

تفسیر بالرائے:

چونکہ عام قاری علم تفسیر کے اصولوں سے واقف نہیں، وہ بس تفسیر کو تفسیر سمجھتا ہے اس لیے اسے تفسیر بالرائے سے واقف ہونا ضروری ہے۔ گزشتہ اوراق میں سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت وشان کو غبار آلود کرنے کی کوششِ ناکام کی جو مثال پیش کی وہ تفسیر بالرائے کی قسمِ مذموم کی کامیاب مثال ہے، اب ذرا اسے غور سے سمجھ لیں:

اس کی بعض قسمیں ممدوح اور بعض مذموم ہیں۔ اگر یہ تفسیر قرآنی ہدایت کے قریب ہوتو ممدوح ہے اور اگر بعید ہوتو مذموم ہے۔

تفسیر بالرائے کے بارے میں علماء نے مختلف افکار و آراء کا اظہار کیا ہے۔ بعض اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض جائز، مگر ان کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کی وہ قسم حرام ہے جس میں بلا دلیل و برہان وثوق کے ساتھ کہا جائے کہ خدا کی مراد یہ ہے، یا یہ کہ مفسّر قواعدِ لغت اور اصولِ شرع سے بیگانہ ہونے کے باوجود تفسیرِ قرآن کی جسارت کرے یا بدعات اور اہواء کی تائید میں توڑ مروڑ کر قرآنی آیات کو پیش کرے۔ لیکن اگر مفسّر میں شروطِ مطلوبہ موجود ہوں تو تفسیر بالرائے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، قرآن خود تدبّرِ آیات کی دعوت دیتا ہے، تعلیمات کے فہم و ادراک میں اجتہاد کی دعوت دیتا ہے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا: "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا"

(آیا قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔)

نیز فرمایا: "کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ"

(یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اتارا تاکہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں۔) (علوم القرآن ص ۲۱۷)

تفسیر بالرائے کی قسمِ مذموم بیان کی گئی جس میں مفسّرِ قرآن اجتہادِ صحیح سے کام لیے بغیر اپنی خواہشِ نفس کے مطابق "فاسد رائے" سے تعبیرِ آیات کرے خواہ دانستہ کرے یا غیر دانستہ کرے۔

تفسیر بالرائے میں لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں، کیا آپ جاننا پسند کریں گے؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اگر شیاطین قلوب بنی آدم کے گرد چکر نہ لگاتے تو وہ ملکوت کو دیکھ لیتے۔"

معلوم ہوا کہ معنیِ قرآن بھی ملکوت ہیں۔ ہر وہ چیز جو اس سے غایب ہو اور نورِ بصیرت کے سوا کسی چیز سے اس کا ادراک نہیں ہوسکتا، شیطان نے اگر پردے ڈال رکھے ہوں دلوں پر تو ان حجابات کی وجہ سے وہ اسرار و رموزِ قرآن سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

صاحبِ قرآن کی حدیث کے مطابق فہمِ قرآن میں جو حجابات ہیں علمائے تفسیر نے

فرمایا وہ چار ہیں۔

حجابِ علم کی چار اقسام

پہلا حجاب:

یہ ہے کہ قاری کی ہمت صرف تصحیحِ مخارج اور مخارج سے حروف ادا کرنے کی تحقیق میں مصروف ہو۔ اس پر کوئی شیطان مقرر ہے جو قاری کو معانیِ کلام اللہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے، جو انھیں صرف اسی خیال میں الجھائے رکھتا ہے کہ حرف اپنے مخرج سے ادا ہوا یا نہیں چنانچہ قاری کا غور اور تامل صرف اسی میں منحصر ہوتا ہے پھر بھلا اس پر معنی کا انکشاف کیوں کر ہو۔

دوسرا حجاب:

ظاہر پر طبیعت کا جم جانا باطن پر غور سے مانع ہوتا ہے۔ ہم اسے آسان لفظوں میں سمجھاتے ہیں۔ قاری اس مذہب کا پابند ہو جو اس نے سن رکھا ہے تقلید کے باعث اور پھر اسی پر جما رہے اور محض سنی سنائی باتوں کی اتباع کے باعث اس (قاری) کے نفس میں تعصب پیدا ہو گیا ہو، اب اس کے لیے یہ ممکن نہ رہے کہ اس کے اپنے معتقدات کے خلاف کوئی خطرہ گزرے۔ پھر اس پر کوئی ایسے معنی واضح ہوے جو اس کے سنے سنائے معنی سے مختلف ہوں یعنی اس کے معتقدات کے خلاف ہوں تو یہاں شیطان ورغلاتا ہے اور تقلید کا حوالہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان معنی کا خیال دل سے نکال دے، یہ تیرے عقیدے اور تیرے باپ دادا کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ پھر وہ شیطان کی باتوں پر یقین کر لیتا ہے، اسی لیے صوفیائے کرام نے کہا: علم حجاب ہے یعنی صوفیاء ''علم'' سے ایسے ''عقاید'' مراد لیتے ہیں جن پر اکثر لوگ تقلید کی وجہ سے قایم ہیں۔ علم کو حجاب صوفیاء نے انھیں معنی میں فرمایا۔

تیسرا حجاب:

کسی گناہ پر اصرار، خواہشاتِ دنیا میں گرفتار اور یہ بات قلب پر ظلمت و زنگاری کا سبب ہے۔ یہ ایسا آئینہ ہے جس پر میل آجائے۔ قلب کے لیے یہ زبردست حجاب ہے اور اکثر لوگ اس حجاب سے محجوب ہو گئے ہیں۔ جتنی شدت خواہشاتِ نفسانی اور شہوت میں بڑھتی جائے گی اتنے ہی معانیِ کلامِ الٰہی مخفی اور پوشیدہ ہوتے جائیں گے اور جس وقت

دل سے یہ بوجھ جس قدر ہلکے ہوتے جائیں گے تجلیِ معنیٰ اتنی ہی قریب ہوتی جائے گی۔ یعنی قلب مثل آئینہ ہے اور شہوات مثل زنگ کے ہیں۔ معانیِ قرآن وہ صورتیں ہیں جو آئینے میں دیکھی جاتی ہیں۔

حضور نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب میری امت کے نزدیک دینار و درہم باعظمت ہوتے جائیں گے تو ہیبتِ اسلام دل سے جاتی رہے گی اور جب لوگ اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں کی ممانعت چھوڑ بیٹھیں گے تو وحی کی برکت سے محروم ہو جائیں گے۔''

(حدیث کے اس جملے ''وحی کی برکت'' کے معنی میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ بن عیاض فرماتے ہیں: قرآن سمجھنے سے محروم ہو جائیں گے۔)

چوتھا حجاب:

قاری ایک تفسیر پڑھے اور اعتقاد کرے کہ اس کے معنی وہی ہیں اور حقیقی ہیں جو حضرت ''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ'' اور ''مجاہد'' وغیرہ سے مروی ہیں اور اس کے سوا تمام معنی تفسیر بالرائے۔ اور جس نے تفسیر بالرائے کی (یعنی اپنی رائے سے تفسیر کی) اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے (یہ بھی حجاب ہے) اس لیے وہ شخص تفسیرِ ظاہری پر ہی اکتفا کر لیتا ہے حالانکہ قرآنِ کریم میں بکثرت ایسے رموز و اشارے اور دلالتیں (نشانیاں) ہیں جن کا ادراک اہلِ فہم و بصیرت کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: ''تم قرآن پڑھو اور اس کے غرایب کی جستجو کرو۔'' اس کے علاوہ اور بہت سے امور ایسے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ معانیِ قرآن کے فہم میں بڑی وسعت ہے اور جو باتیں ظاہری تفاسیر سے نقل کی جاتی ہیں وہ منتہائے ادارک و عمل نہیں۔

واقعۂ غرانیق اور مفسّرین کا فتنۂ عظیم:

اگرچہ اس سے قبل کچھ مثالیں تفسیر پر دے چکا ہوں، آخر میں سب سے اہم حوالہ بطور مثال پیش کرنے جا رہا ہوں جو اپنی اہمیت کے ساتھ ساتھ اتنا ہی نازک بھی ہے۔ ضروری نہیں کہ اس میں ملوث مفسّرین سارے بدنیت ہوں۔ چونکہ اعتراض کے جو

اسباب پیدا ہوئے ان میں مفسّرین کی وہ قسم بھی شامل ہوئی جو بزعمِ علم مدعیِ علم ہے، جس کی مثالیں گزشتہ اوراق میں گزریں۔ یہ واقعہ، جسے میں پیش کر رہا ہوں، اسلامی تاریخ کا بہت ہی نازک واقعہ ہے۔ اسے تاریخ میں ''واقعۂ غرانیق'' سے موسوم کیا گیا ہے، تفسیر بالرائے مذموم اور حجابِ علم کے لیے اس سے بہتر کوئی مثال نہیں۔ سورہ الحج میں ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(سورہ الحج، آیت ۵۲)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک)۔ پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے، پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بہت دانا ہے۔

اس آیت شریفہ میں خدائے ذوالجلال جس طرح گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات اور ان کی قوموں کا احوال سناتا رہا ہے، کبھی عذاب کا ذکر ہے، کہیں انبیاء کے ساتھ کفار و مشرکین کے ظلم اور زیادتیوں کا تذکرہ ہے عین اسی طرح اس سورہ میں بھی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ شیطان کس طرح اپنے چیلوں کے دلوں میں فرمانِ الٰہی کے خلاف وسوسے ڈالتا ہے، کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ مثلاً: ایک اور آیت میں ارشاد ہوا:

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـــِٕـهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ

ترجمہ: (شیطان) اپنے چیلوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمھارے ساتھ بحث و مباحثہ شروع کر دیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

ترجمہ: اس طرح ہم نے ہر نبی کے لیے سرکش انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا اور وہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو بظاہر بڑی دلکش ہوتی ہیں۔

پہلے جو آیت پیش کی، سورہ الحج کی، وہی زیرِ بحث ہے۔ یہ آیات شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے متعلق تھیں تاکہ شیطان کے اس عمل کو بحث کا حصہ بنایا جا سکے کہ شیطان وسوسہ ڈالتے ہیں۔ ان آیات میں جو ذکر ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کفار و مشرکین کو سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو، شیطان کے شر سے بچو۔ لیکن بعض مفسرین نے آیت کی تفسیر میں اتنی دیدہ دلیری دکھائی کہ خود نبیِ کریم ﷺ کو شیطان کے وسوسے کا شکار بنا دیا (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ شیطان کسی امتی کے خواب میں بھی محبوب ﷺ ربّ کے بھیس میں نہیں آسکتا اور دھوکا نہیں دے سکتا۔ مقام حیرت و افسوس ہے کہ خود نبیِ کریم ﷺ کی ذات کو اس میں ملوث کر دیا کہ وہ ہستی فریب میں آ گئی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ والنجم میں ایسے ہی جھوٹے الزامات لگانے والوں کی تردید میں اعلان فرمایا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

ترجمہ: یعنی تمھارا ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا ہے نہ بہکا ہے اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے، نہیں ہے یہ مگر وحی، جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔

اصل واقعہ کیا ہے، وہ پیش کرتا ہوں:

کہا یہ گیا ہے کہ اس آیت (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ) کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حرم شریف میں کفار و مشرکین کے ایک اجتماع میں وہ نبی ﷺ، جس کی زبان سے کلمۂ حق کے سوا کبھی کچھ اور نہ نکلا اور جس کی رفتار و گفتار، ہر ادا کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا رہا، سورہ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے:

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى

ترجمہ: (اے کفار) کبھی تم نے لات و عزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے...." ابھی پیکرِ صدق و صفا یہیں تک پہنچے تھے کہ شیطان نے (العیاذ باللہ) زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے: تلک الغرانیق العُلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔" یعنی یہ بت،

مرغانِ بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔'' یہ سن کر مشرکین کی تو خوشی کی حد نہ رہی اور حضور ﷺ کا اسمِ گرامی لے کر کہنے لگے: ''وہ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آیا۔ آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہوگئی'' اور جب رحمت للعالمین ﷺ نے سورہ النجم کی سجدہ والی آیت تلاوت فرمائی تو حضور ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ سے کہا کہ ''میں نے آپ ﷺ کو یہ سورۃ اس طرح وحی نہیں کی تھی جس طرح آپ ﷺ نے پڑھی۔''

یہ سن کر حضور ﷺ کو از حد رنج ہوا، اس رنج وغم کو دور کرنے کے لیے یہ آیت (سورہ الحج) نازل ہوئی کہ ''آپ غم نہ کریں، پہلے بھی جتنے رسول اور نبی گزرے سب کے ساتھ ایسا ہوا'' (ضیاء القرآن، جلد سویم)

مندرجہ بالا بیان میں آیت کا یہ ٹکڑا ''سب کے ساتھ ایسا ہوا'' کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر اس دروغ گفتہ روایت کے مطابق معنی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر نبی اور ہر صاحبِ کتاب کے ساتھ وحی کے نزول میں ایسا ہوتا آیا ہے، اور یہ بات بیانِ قرآن کے قطعی خلاف ہے۔

اس بے ہودہ روایت کی جتنی شد و مد سے تردید ہوئی ہے یہاں اتنی گنجایش نہیں کہ اس کی تفصیل بیان ہو۔ جسے حضور ﷺ کی بابت تھوڑا بہت بھی علم ہو اس کے قلب و ذہن پر یہ روایت بجلی بن کر گری ہے جسے پڑھ کر توبہ کی ہے۔ علمائے حق نے اپنی تحقیقی مساعی کے ذریعے مسلمانوں میں اس فتنے کے زہریلے اثرات کو قدم جمانے سے پہلے ہی اکھاڑ پھینکا اور اس طرح اس روایت کی کوئی اہمیت نہ رہی (حجاب علم اور تفسیر بالرائے کی قسمِ مذموم ذہن میں رہے)۔ اس واقعۂ ''غرانیق'' پر ہمارے محققین نے جس طرح حق و صداقت کا پرچم بلند کیا اور باطل نظریے کا ابطال فرمایا ان کے دلایل:

علامہ ابنِ حیّان غرناطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو رحمتِ عالمیان ﷺ کی طرف منسوب کی جا سکے بلکہ اس میں صرف پہلے نبیوں اور رسولوں کا ذکر ہے اس لیے اس آیت: اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ سے یہ اخذ کرنا، کہ حضور ﷺ سے کوئی فعل سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، سرے سے ہی غلط ہے۔

ابن محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سیرت کے انتہائی معتبر سوانح نگار ہیں، وہ فرماتے ہیں: ھذا من وضع الزنادقه (یہ روایت زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہے) چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت ایمانی جوش میں آگئی اور انھوں نے اس کے رد میں ایک پوری کتاب تصنیف فرمائی جس کے مطالعے سے اس فتنے کی اصل حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح تردید فرمائی: یہ قصہ صحیح نقل سے ثابت ہی نہیں ہے، جن راویوں نے اسے نقل کیا ہے یہ سب مطعون ہیں۔

''اس کے جھوٹ ہونے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ صحاح ستہ (حدیث کی مشہور چھ کتابیں) اور دیگر کتبِ حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔'' (ضیاء القرآن)

صحاح ستہ میں تو اس وقت اس کا حوالہ آتا جب خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سے اس واقعے کو کسی کے سامنے بیان فرماتے۔ پھر یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار و مشرکین کو خطاب فرمار ہے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حرم شریف میں موجود ہوں گے۔ ان حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سنی ہوگی یقیناً ان میں سے کسی نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر حیرت انگیز واقعے پر ضرور دریافت کیا ہوگا۔ صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اس کا چرچا ہوا ہوگا کہ آج حرم شریف میں یہ عجیب وغریب واقعہ رونما ہوا ہے۔ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مطہر و حق گو سے اس واقعے کا کسی سے ذکر نہیں فرمایا اور یہ خود ایک دوسرا الزام پیدا کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اگر ایسا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پوشیدہ رکھا جب کہ بات عیاں ہو چکی، پوشیدہ نہ رہی۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آیتِ کریمہ میں جو وحی نازل ہوتی، خواہ اس کا مضمون کتنا ہی سخت بیان ہوتا، آپ اسے چھپاتے نہ تھے۔ سورہ الحاقہ میں دیکھیے، ارشاد باری ہو رہا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ

ترجمہ: اور اگر (ہمارا پیغمبر) کوئی بات اختراع (اپنی طرف سے) کر لیتا

تو ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی رگ جاں کو کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک سکتا ہے؟

اس آیت میں بھی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کی ہی تصدیق ہو رہی ہے۔ کفار و مشرکین کے علاوہ یہودی علماء کے لیے یہ ایک حربہ بن جاتا کہ تمھارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کچھ کہتا ہے پھر مخالفین کے خوف سے بدل دیتا ہے۔ کیا یہ ثبوت نہیں ہے اس بات کا کہ ان پر وحی نہیں اترتی، بلکہ یہ ضرورت کے پیشِ نظر جو کہتے ہیں اسے بدل بھی دیتے ہیں؟

ایک اور مقام پر علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسی لیے میں نے اپنی تفسیر کو اس کے بیان سے آلودہ نہیں کیا۔ مجھے تو ان لوگوں پر حیرت ہے کہ انھوں نے اپنی تالیفات میں اس واقعے کو لکھنے کی جسارت کیسے کی حالانکہ قرآنِ کریم کی ان آیات کو وہ تلاوت کرتے ہیں جو سورہ النجم کے آغاز میں ہیں:

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ۚ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

''اِن روشن آیات کی موجودگی میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں ایسے قبیح کلمات زبانِ پاک سے نکلے ہوں؟'' دوسری جگہ اللہ پاک نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا:

قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآیِٔ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی مرضی سے ردّ و بدل کر سکوں، میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔

علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ ۟

(اگر وہ ہم پر ایک بات بھی اپنی طرف سے بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے اور ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔)

کیا اس ارشاد کے بعد اس بات کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے؟ علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ نے متواتر کئی آیات پیش کی ہیں، طوالتِ مزید کے سبب وہ تمام یہاں پیش نہ کر سکا، پھر لکھتے ہیں:

"یہ وہ قرآنی نصوصِ قطعیہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔"

مزید فرماتے ہیں:

"عقلی طور پر بھی یہ روایت من گھڑت ہے کیونکہ ایسا ہونا اگر ممکن ہوتا تو تمام احکامات و آیات اور سارا دین مشکوک ہو جاتا۔" (بحوالہ البحرالمحیط، ابنِ حیان)

حضرت امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی نہایت پُر زور الفاظ میں تردید فرمائی ہے اور امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کیا ہے۔ علمائے محققین کے کئی حوالے پیش کر کے عقلی دلایل کے بعد یوں فرمایا:

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کے بارے میں تعریفی جملے کہے وہ کافر ہے کیونکہ اس طرح تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، نیز شریعت، قرآن اور دین اسلام کی کسی بات پر یقین نہیں رہتا۔"

اس مبنی بر دروغ روایت پر جو مختلف تاویلیں اس کے راویان نے کی ہیں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی جڑیں اکھاڑ دی ہیں اور فرمایا:

"اس روایت کی کوئی تاویل درست نہیں، اس کا کوئی صحیح مصداق تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ روایت اپنی تمام تاویلات اور اختلافِ الفاظ کے ساتھ مسترد کر دینے کے قابل ہے۔"

(تفسیرِ کبیر، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ)

عقل را در خلوت او راه نیست
علم نیز از وقتِ او آگاه نیست (عطار رحمۃ اللہ علیہ)

آخری حوالہ جس پر یہ تمام بحث اختتام کو پہنچتی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، "شفاء شریف" کے مصنف، فرماتے ہیں (یہ حوالہ علامہ ابو عبداللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا):

ان الامة اجمعت ما فی طریقة البلاغ انه معصوم فیه من

الاضمار عن شئی بخلاف ما هو علیه لا قصداً و لا عمداً و لا سهواً و لا غلطاً۔

ترجمہ: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغِ کلام میں (کلام الٰہی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز غلطی نہیں ہو سکتی نہ قصداً نہ عمداً نہ سہواً۔

''روح المعانی'' میں سیّد محمد آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے نقل کیا ہے: ''قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ جب تفسیر کرنے بیٹھے تو اس روایت کو دیکھ کر آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس روایت کو باطل کرنے میں مستقل فصل لکھ ڈالی۔''

(روح المعانی، علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

درود تاج پر اعتراض بھی فتنۂ عظیم ہے:

اندازہ کیجیے کہ اگر ہمارے ان بزرگوں نے، صالحین نے، مفسّرین و محققین نے اُس وقت اس شدّ و مد کے ساتھ اس فتنے کا قلع قمع نہ کیا ہوتا تو آج بات کہاں تک پہنچتی اور اسلام کو کتنا شدید نقصان پہنچتا؛ شرار بولہبی کی یہ ستیزہ کاریاں کیا رنگ لاتیں؟

درود تاج پر اعتراضات کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ یہ بھی ایک فتنۂ عظیم ہے۔ مجھے اپنی کم مائیگیِ علم کا احساس ہے لیکن اعتراضات کو دیکھ کر قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح میری آنکھوں میں بھی خون اتر آیا۔ وہاں بھی عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تار تار کرنے کی کوشش کی گئی اور یہاں بھی یہی کوشش جاری ہے۔ الحمدللہ! میں اپنے رب کی بارگاہ میں شکر گزار ہوں کہ مجھ عاجز سے یہ کام لیا گیا۔

علمائے سلف کی محنت میری راہبر ہوئی۔ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے امکانی حد تک میری یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ فنِ تنقید، فنِ تفسیر اور حجاب علم کی تشریحات میں متقدمین کی روشن تحریروں نے راستہ دکھایا۔ اپنی اس کاوشِ مخلصانہ میں جس زاویہ نگاہ کی دعوت دی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اسے میرے لیے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا موجب بنائے، میری نجاتِ اُخروی اور شفاعتِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ ہو، آمین!

سیّد حسین علی ادیب رائے پوری

درود تاج کا مصنّف کون ہے؟

یہ ایک تحقیقی مسئلہ ضرور ہے لیکن اس کی بنیادی حیثیت نہیں ہے۔ تحقیق کا عمل صدیوں سے زندگی کے مختلف شعبوں میں جاری ہے۔ انسانی تاریخ و تمدن کی کہانی ہو، مذاہبِ عالم کی داستان ہو، آسمانی صحائف کی بات ہو، جڑی بوٹیوں پر تحقیق ہو یا ادب و شاعری کا مسئلہ ہو اپنے اپنے عہد میں ہر محقق نے ان مختلف شعبوں میں کام کیا، جو کچھ حاصل ہوا اس کے نتائج پیش کر دیے اور آنے والے عہد کے محققین کے لیے راہ ہموار کر دی۔ زمین ''چندا ماما'' سے اب ہماری زمین کی طرح ایک زمین ثابت ہوگئی لیکن تحقیق نامکمل ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ عربی شاعری اور ادب میں بھی بہت کام ادھورا ہے، جس پر تحقیق جاری ہے۔ خود ہمارے عہد اور ہماری صدی کے بہت سے علمی ادبی مرحلے ایسے ہیں جو محتاجِ تحقیق ہیں۔

یہاں ایک مثال سے اس بات کو واضح کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنّت، شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت مذہبی، روحانی، علمی، ادبی ہر حیثیت سے مکمل ہے لیکن آج سے پچاس برس پہلے تک ان کی تحقیق اور ان کی تصانیف کے نام سے بھی پوری طرح ملت باخبر نہیں تھی۔ ہماری موجودہ نصف صدی میں وہ تمام علمی، ادبی، مذہبی اور روحانی مواد، تحریر میں جو پوشیدہ تھا، آہستہ آہستہ تحقیق کے ذریعے منظرِ عام پر آرہا ہے اور آج بھی یہ دعویٰ محال ہے کہ ان کی شخصیت کے تمام پہلو سامنے آچکے ہیں۔ چنانچہ تمام دنیا میں ان کے علمی کارناموں پر تحقیق کا یہ سلسلہ جاری ہے اور امید یہی ہے کہ ان کی تحقیقی کاوشوں سے مزید ایسے رازِ سربستہ کھلیں گے جو ابھی پردہ حجاب میں ہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تحقیق کا عمل نامکمل ہے تو کیا ان کی شخصیت نامکمل ہے؟ یہی ایک جواب

ہے اس سوال کا کہ درود تاج کے مصنف کی تلاش اور جستجو میں ملک اور بیرونِ ملک تحقیق جاری ہے لیکن درود تاج کی علمی، ادبی، روحانی حیثیت اپنے مضمون کے باعث مکمل ہے اور اس کی اہمیت مصنف کے نا معلوم ہونے سے متاثر نہیں ہوتی۔ جس طرح اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہر اعتبار سے مکمل ہے اور وہ کسی تحقیق کی مرہونِ منت نہیں یا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مکمل ہے اگر چہ یورپ اور ایشیاء کے دیگر ممالک میں ان پر بھی برق رفتاری سے تحقیق کا عمل جاری ہے۔

ہمارا دوسرا قول یہ ہے کہ مصنف کا معلوم ہونا یا نا معلوم ہونا مضمون یا عبارت کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کی نہ تو دلیل ہے نہ جواز ہے، اس لیے کہ علم حدیث میں ایسے کتنے راویانِ حدیث ہیں جن کے علمی تبحر کی دنیا قایل ہے لیکن راوی کی شخصیت سے واقفیت کے باوجود اگر حدیث کی روایت ضعیف ہے تو قبول نہیں کی گئی۔ اگر وہ نصوصِ قرآنی سے متصادم ہے تو مصنف کی علمی حیثیت کا کوئی شمار نہیں ہوتا۔

درود تاج کے لیے بھی ہمارا یہ اصول ہے کہ اگر اس کی عبارت کا ایک ایک لفظ قرآن کی روشنی میں اور حدیث کے حوالوں پر معتبر ہے تو مصنف کے نام کا معلوم نہ ہونا اس پاکیزہ اور بے غبار عبارت کو متاثر نہیں کرتا۔ اغلاط سے مبرّا ہونا، شریعت سے متصادم نہ ہونا اس کی صداقت کے لیے کافی ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آج سے تین ساڑھے تین سو سال قبل کا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ متعدد کتب کے بھی مصنف ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت ہر زمانے میں رہی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گم ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے جید عالم اور صاحبِ کشف روحانی بزرگ ہیں۔

درود تاج پر سخت تنقید کرنے والی شخصیت علامہ شاہ محمد جعفر شاہ پھلواروی کے والدِ بزرگوار مولانا قاری شاہ سلیمان شاہ پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ، جو اپنے اس معترض فرزند کے والد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے روحانی پیشوا بھی تھے اور وہ خود بھی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اسی جذبے کے تحت شاہ سلیمان شاہ صاحب پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب ''صلوٰۃ وسلام'' تصنیف فرمائی۔ اسی کتاب میں وہ حضرت خواجہ سیّد ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک

اہم تاریخی واقعہ پیش فرماتے ہیں اور صرف یہی ایک واقعہ اہلِ ایمان کے لیے تسکین و تسلی کا باعث ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں **درود تاج** کو زیارت کے وقت پیش کیا اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس درود کے لیے منظوری عطا فرمائیے کہ یہ ایصال ثواب کے وقت ختم میں پڑھا جا سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا، یعنی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اے شاذلی رحمۃ اللہ علیہ! یہ بدعت ہے، تم کیا یہ بدعت لے کر ہمارے پاس آئے ہو۔ الحمدللہ! اس واقعے سے ایک نہیں دو نتیجے سامنے آئے: ایک یہ کہ **درود تاج** جائز اور درست ہے اور یہ بدعت نہیں، دوئم ایصال ثواب کے لیے ختم پڑھا جانا چاہیے۔ مقام افسوس ہے کہ ایسی بزرگ ہستی حضرت شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نے **درود تاج** سے اختلاف کے نتیجے میں جن الفاظ میں اپنے والد جیسی عظیم ہستی کی شان میں گستاخانہ کلمات ادا کیے، جو نہ صرف ان کے والدِ بزرگوار بلکہ ان کے روحانی پیشوا بھی تھے، وہ عبارت پیشِ خدمت ہے:

''غلطی بہرحال غلطی ہے خواہ کسی سے اس کا صدور ہو۔ حضرت قبلہ شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ میرے مرشد بھی ہیں اور پدر بزرگوار بھی۔ مجھے ان سے بے حد عقیدت ہے لیکن ایسی اندھی عقیدت بھی نہیں کہ انھیں معصوم عن الخطاء بھی سمجھنے لگوں۔'' (**درود تاج** پر اعتراضات اور جوابات) پھلواروی نے بھی مصنف کے سوال کو اٹھایا ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں ابھی تک **درود تاج** کے مصنف کا اصلی نام معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔'' فنونِ عربیہ میں ایسی کئی کتابیں ہیں جو مروّج ہیں اور مقبول بھی۔ مثال کے طور پر ''میزان الصرف''، ''شرح مائۃ'' اور ''پنج گنج'' وغیرہ، اِن کا مقام فنونِ عربیہ میں بہت بلند ہے اور بعض جگہ یہ نصاب میں شامل ہیں لیکن ان کے مؤلفین کا نام کسی کو نہیں معلوم۔ پھلواروی صاحب کی نگاہ میں بھی حضرت خواجہ سیّد ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بہت بلند ہے اور وہ ان کی عظمت و بزرگی کو تسلیم کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ جملہ بھی لکھتے ہیں:

''ایسی ''بے سروپا'' عبارت کے مصنف حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہو سکتے۔''

وہ اپنے والد کے اس قول کی تردید نہ کر سکے کہ حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ''بے سروپا عبارت'' کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور بوقتِ زیارت پیش فرما کر اجازت

حاصل فرمائی۔ جہاں تک لفظ ''بے سروپا'' کا تعلق ہے انشاءاللہ تعالیٰ تشریح **درود تاج** اس الزام کو دور کردے گی۔

تحقیق ایک فن ہے، مشکل فن ہے اور اس کا تعلق اہلِ علم سے ہے۔ جو حضرات جانتے ہیں وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ تحقیق کبھی ایک ہی نشست میں مکمل نہیں ہوتی یا کوئی ایک شخص ہی اس کی تکمیل نہیں کر پاتا۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور اس میدان میں خدمت انجام دینے والے اس کو بھی تلاش کرلیں گے۔ میں نے احتیاط کی ہے اور کوئی نام غیر تحقیقی نہیں دیا کہ اگر بعد میں تردید ہوتی ہے تو میری تحقیق پر حرف گیری آسان ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے مستقبل قریب میں یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

اس کے باوجود حضرت خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی **درود تاج** سے یہ نسبت اور یہ واقعہ فکر و نظر کو دعوت دیتا ہے کہ ممکن ہے یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تصنیف ہو۔ اس ضمن میں چند باتیں عرض کرتا ہوں:

عرب میں شعراء اور اہلِ علم حضرات کا یہ دستور ابتداء سے رہا ہے کہ جب وہ کسی بارگاہ میں استغاثہ، فریاد یا کسی فنی کمال کو پیش کرتے ہیں تو وہ مستعار نہیں ہوتا بلکہ ان کی اپنی تخلیق ہوا کرتی تھی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جس نے بھی جو کچھ پیش کیا وہ اس کا اپنا ہی کلام یا ترتیب ہوتی تھی، مثلاً: اپنی جان بخشی اور معافی کے لیے مشہور قصیدہ بانت سعاد (پہلا قصیدہ بردہ)، جس کے اشعار کی تعداد ابنِ اسحاق نے اکیاون بتائی ہے لیکن ابنِ ہشام کی تحقیق میں سات شعر کا اضافہ ہو کر اٹھاون شعر ہیں، مشہور صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر کا ہے۔ حضرت امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور استغاثہ بحضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پیش ہوا، جسے قصیدہ نعمانیہ کہا جاتا ہے، ''یا سیّد السادات'' اور پھر حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ قصیدہ، جسے ''قصیدہ بردہ'' کے نام سے شہرت ملی، وہ بھی خود مصنف کا ہی کلام تھا۔ ہماری اردو نعتیہ شاعری کا مزاج بھی اسی روش میں ڈھل گیا اور جب کوئی فریاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہے، کوئی عرض و معروض ہوتی ہے تو شاعر اپنا کلام پیش کرتا ہے۔ بعض مصنفین نے اپنی تصانیف پیش کرتے ہوئے ان کی قبولیت کی

دعائیں مانگی ہیں۔ الغرض یہ چند ہی نہیں ایسی بے شمار مثالیں پیش ہوسکتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے پیشِ نظر حضرت خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم واقعے پر، جو تاریخ کا ایک مستند حوالہ بن گیا ہے، یقین کیا جاسکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درود تاج کے لیے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوکر جو اجازت طلب کی وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصنیف ہی کے لیے ہوسکتی ہے۔ یہ خیال کسی طرح کمزور نہیں ہے کیونکہ عرب کے دستور اور روایات کی ایک طویل داستان اس کے پیچھے رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

علامہ شاہ محمد جعفر شاہ پھلواروی کے مخالفانہ بیان سے بھی اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کیونکہ وہ عالم تو تھے اور درود تاج کی مخالفت میں انھوں نے وہ تمام طریقے اختیار کیے جو اس درود کی مخالفت میں کام آسکیں اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ اس کے مصنف حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو ان کی عظمت و بزرگی اور ان کے مراتب و مقام کو دیکھتے ہوئے یہی ایک راستہ رہ گیا کہ وہ یہ اعلان کردیں کہ (نعوذ باللہ) ''ایسی بے ہودہ عبارت امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہوسکتی'' اور یہ انکار ہی تصدیق کی جانب ذہن کو لے جاتا ہے۔
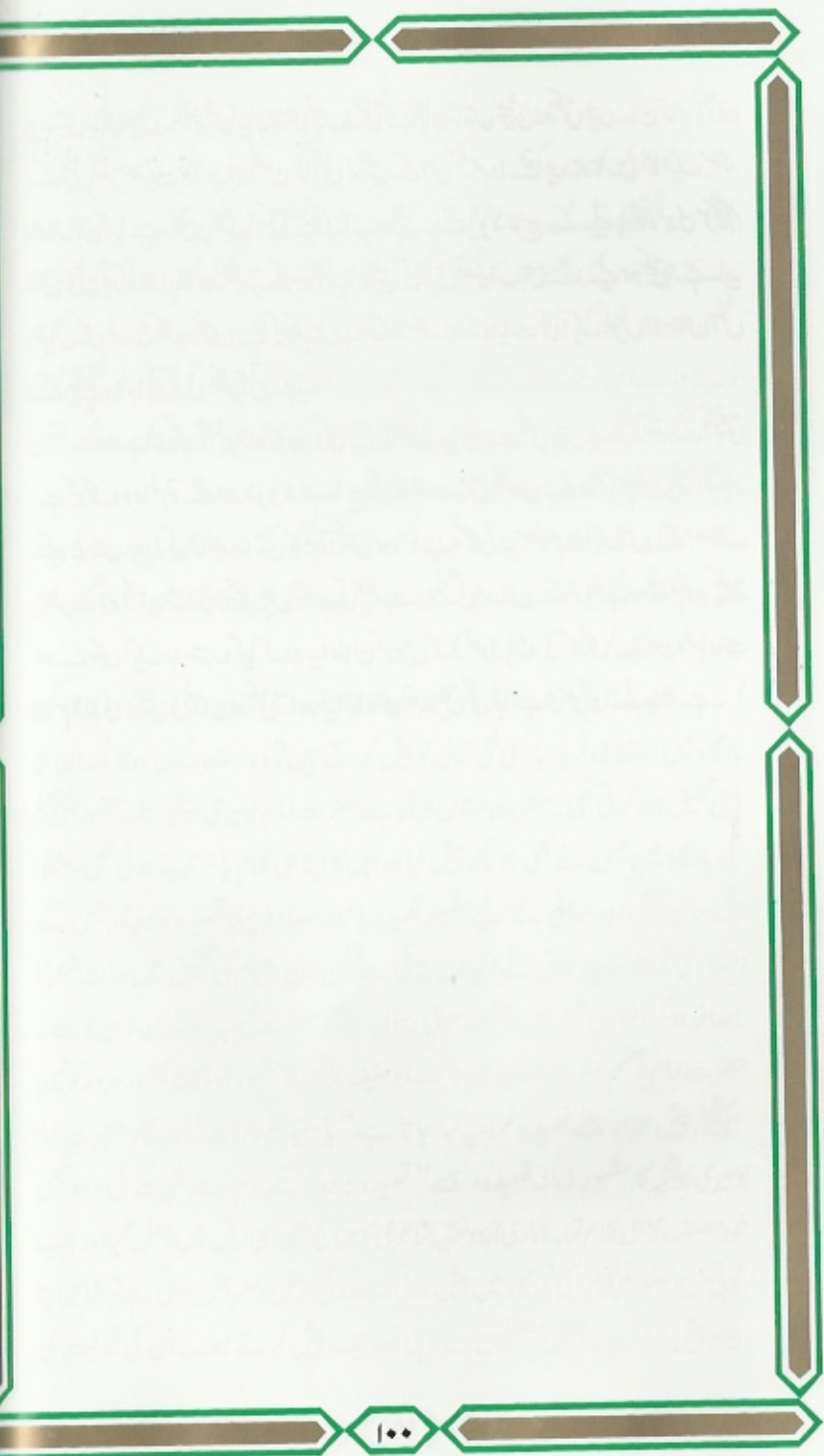
بدعت

کیا درود تاج بدعت ہے؟

درود تاج پر کیے گئے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ بدعت ہے، اس لیے ہم بدعت کی تشریح مستند حوالوں سے پیش کرتے ہیں کہ بدعت ہے کیا اور اس کا اطلاق درود تاج پر بھی ہوتا ہے؟ تاکہ اس قسم کے اعتراض کے ذریعے معصوم ذہنوں میں شکوک وشبہات کی لہر دوڑا کران کے جذبات اور عقیدت کو مجروح کیا جائے۔

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ، جن کی تصنیفات مقبولِ حلقۂ علم تحقیق ہیں، کی ''ریاض الصالحین'' دوجلدوں میں بہت مقبول ہے۔ شیخ الاسلام آپ کا لقب ہے۔ آپ نے ''شرح مسلم'' اور'' تہذیب الاسماء واللغات'' میں لفظ بدعت پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کے مطالعے کے بعد اس لفظ کا مفہوم اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جو شبہات پیدا ہوتے ہیں اور پیدا کیے جاتے ہیں وہ کافور ہو جاتے ہیں۔ تمام بحث تو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں البتہ چند سطور اس کی پیشِ خدمت ہیں:

البدعة بکسر الباء فی الشرع ھی احداث مالم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی منقسمة الیٰ حسنة وقبیحة قال الشیخ الامام المجمع علی امامته و جلالته و تمکنه فی انواع العلوم و براعته ابو محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمة اللہ تعالیٰ علیه فی اخر کتاب القواعد البدعة منقسمة الی واجبة و محرمة و مندوبة و مکروھة ومباحة۔

(القسم الثانی من تہذیب الاسماء، صفحہ ۲۲)

ترجمہ: شریعت میں بدعت اس کو کہتے ہیں کہ ایسی نئی چیز پیدا کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں تھی۔ اس کی دو قسمیں ہیں: بدعتِ حسنہ و بدعتِ قبیحہ۔ علامہ ابو محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ، جن کی امامت پر اور جلالتِ شان پر ساری امت متفق ہے اور تمام علوم میں ان کی مہارت ہے اور براعت کو سب تسلیم کرتے ہیں، انھوں نے اپنی تصنیف ''کتاب القواعد'' کے آخر میں بیان کیا ہے کہ بدعت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں: حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔

کچھ لوگ اس حدیث ''کل بدعة ضلالة'' کے حوالے سے مندرجہ بالا حقایق کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہے کا ازالہ حدیث کی روشنی میں، مندرجہ بالا قول کی تشریح میں، صحیح مسلم کی شرح میں جو آپ نے خود تحریر فرمائی ہے، (کل بدعة ضلالة) فرماتے ہیں:

هذا عام مخصوص والمراد غالب البدع قال اهل اللغة هي كل شئي عمل على غير مثال سابق قال العلماء البدعة على خمسة اقسام واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة فمن الواجبة نظم ادلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين و شبه ذالك و من المباح التبسط فى الوان الاطعمة و غير ذالك والحرام والمكروه ظاهران۔

(شرح مسلم الامام النووی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۵۸۲)

ترجمہ: ''کل بدعة ضلالة'' اگرچہ عام ہے لیکن یہ مخصوص ہے یعنی ہر بدعت ضلالت نہیں، بلکہ غالب بدعت ضلالت ہوتی ہے۔ لغت میں اُس چیز کو بدعت کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو اور علمائے کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: ۱- واجب ۲- مستحب ۳- حرام ۴- مکروہ ۵- مباح۔ پھر واجب کی مثال یہ دی ہے: جیسے متکلمین کا ملحدوں اور اہلِ بدعت پر رد کرنے کے لیے اپنے دلایل کو منظم کرنا۔ مستحب کی

مثال یہ دی ہے: مختلف علوم وفنون پر کتابیں تصنیف کرنا، مدرسے تعمیر کرنا، سرائے وغیرہ بنانا۔ مباح کی مثال یہ دی ہے: جیسے طرح طرح کے لذیذ کھانے پکانا۔ حرام اور مکروہ ظاہر ہیں۔

بدعت کی تمام اقسام کے حوالے پیشِ خدمت کیے گئے جسے ہر ذی عقل اور صاحبِ فہم سمجھ سکتا ہے۔ درود تاج بھی بدعت ہے اور بدعتِ حسنہ ہے جس میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد و بے شمار بلند صفات میں سے چند صفات کا انتخاب کر کے القاب کے جواہرات کو لوحِ محبت پر جڑ دیا ہے۔ اس لوح کے وسط میں وہ نام ہے جو اپنے محبّ کے نام کی طرح غیر منقوط ہے اور اپنے محبّ کے نام کے حروف کی تعداد کے برابر ہے۔ درود ابراہیمی علیہ السلام کے بعد درود کی مختلف اقسام عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرماتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مختلف درود تعلیم فرماتے۔ بعض کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درود سکھایا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کا ذکر شامل ہے۔ آیئے بدعت کے واقعات کی تاریخی حیثیت پر بھی ایک نظر ڈالیے جس کے بغیر فیصلہ کرنا دشوار معلوم ہو رہا ہو۔ جنگِ یمامہ میں ستر حفاظ قرآن شہید ہو چکے تھے۔ یہ جنگ مسلمانوں اور مسیلمہ کذّاب کے درمیان ہوئی تھی۔ سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ بے حد فکر مند تھے۔ سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اب قرآن کو جمع کر لیا جائے۔ صحیح بخاری میں بھی اسی طرح ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے طلب فرمایا کہ سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کا اصرار ہے کہ جنگِ یمامہ میں بڑی تعداد میں حفاظ قرآن شہید ہو چکے ہیں اس لیے قرآن کو یکجا کر لیا جائے۔ میں نے (زید رضی اللہ عنہ بن ثابت نے) حضرت عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟'' سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا یہ کام بہتر ہے۔'' سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ نے بار بار اصرار کیا، جس پر زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کہتے ہیں: ''بخدا اگر جناب صدّیق رضی اللہ عنہ نے مجھے کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے نقل کرنے کا حکم دیا ہوتا تو وہ میرے لیے اس ذمے داری سے آسان ہوتا (آسان ترین ہوتا)۔'' میں نے کہا: ''آخر آپ ایسا کام کیوں کریں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: ”بخدا یہ کام بہتر ہے، اور پھر میں نے یہ کام کیا۔“

(صحیح بخاری، کتاب الفضائل باب سویم و چہارم)

حضرت علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہٗ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، وہ اولین شخص تھے جنھوں نے قرآنِ کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا۔“

(البرہان جلد اول، ص ۲۳۹، المصاحف لابن ابی داؤد)

یہ تاریخ کا موڑ تھا، حالات کا تقاضا تھا، تحفظِ قرآن کا تصور بدعتِ حسنہ کی صورت میں سامنے آیا۔ کسی کج فہم کی جانب سے یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو ہم یہی عرض کریں گے کہ عذاب الٰہی جب جب نازل ہوا کسی نہ کسی کو اس کا سبب بنا دیا گیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے لیے سیلاب سے کام لیا، ابرہہ کی موت کے لیے ابابیلوں سے کام لیا۔ خدا کے دین کی اور خدا کے گھر کی حفاظت جس طرح اسباب سے کی گئی قرآن کی حفاظت کا وعدہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سبب بنا کر پورا کیا۔

بدعت کی مزید تاریخی مثالیں:

قرآنِ کریم کو مصحف کا نام دیا گیا یعنی جب قرآنِ کریم شانوں کی ہڈیوں، چمڑیوں، لکڑیوں اور کاغذ کی ٹکڑیوں پر لکھا جارہا تھا پھر ان سے منتقل ہو کر اوراق پر لکھا گیا تو سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا کوئی نام تجویز کریں۔ بعض نے ”السفر“ (پیغامات) تجویز کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے۔ بعض لوگوں نے ”المصحف“ تجویز کیا، یہ نام حبشہ میں رائج تھا، اس پر اتفاق ہو گیا اور قرآنِ کریم کو ”المصحف“ کہا جانے لگا۔

(جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، الاتقان جلد اول، ص ۸۹

المصاحف ابنِ اشتہ، محمد بن عبداللہ بن محمد بن اشتہ)

جسے مصحفِ عثمانی کہا جاتا ہے اس کا واقعہ تفصیل سے یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ قرآن کی تلاوت میں لوگ اختلاف کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، جو اُمّ المومنین بھی تھیں، حافظِ قرآن بھی اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد تک کے تمام مصاحف ان کی نگرانی میں سپرد کر دیے تھے، اختلافِ قرأت کے خوف سے آپ (سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ) نے اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ تمام مصاحف منگوائے اور انھیں ترتیب دے کر تمام ممالک میں بھجوا دیا اور جو اصل امانت تھی وہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کو واپس بھجوا دی۔ اس کے علاوہ جو مصحف لکھے گئے تھے وہ نذرِ آتش کرا دیے۔

(صحیح بخاری، کتاب الفضایل القرآن باب دوئیم وسوئیم، الاتقان جلد ششم، ص ۱۰۲)

اس بدعت کے متعلق حضرت علی ابنِ ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد بھی دیکھیے، آپ کرّم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

> عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو۔ بخدا آپ رضی اللہ عنہ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا ہمارے مشورے کے مطابق کیا اور ہماری موجودگی میں کیا۔ (الاتقان جلد اوّل، ص ۱۰۳)

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے یہ بھی فرمایا: ''اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا مسندِ خلافت پر تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔''

(البرہان جلد اوّل، ص ۱۰۳)

اس زمانے میں اکثر صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس ذاتی مصاحف تھے، مثلاً: حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ذاتی مصحف تھا جسے آپ نے جلانے سے انکار کر دیا تھا۔ (کتاب المصاحف لابن ابی داوٗد، ص ۱۲)

اعراب اور نقطوں کا عبارتِ قرآن پر لگانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں نہیں ہوا لہٰذا یہ بھی بدعت ہے اور کون ہے جو اسے بدعت ماننے سے انکار کر سکتا ہے؟ خلیفہ عبد الملک کے زمانے تک بغیر نقطوں کا قرآن پڑھایا جاتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مرتب کردہ نسخوں کو چالیس برس ہو چکے تھے۔ اس دور میں غلطیاں عام ہو رہی تھیں جو عراق تک پھیل گئی تھیں۔ (وفیات الاعیان جلد اول، ص ۱۲۵، طبع قاہرہ ۱۳۱۰ء)

یہاں بھی اسی طرح خطرہ محسوس ہوا جو حفاظِ قرآن کی جنگِ یمامہ میں شہادت کے باعث ہوا تھا: عجمیوں سے اختلاط کے سبب غیر منقوط عبارت میں تغیر و تبدّل نہ ہو جائے۔

یہ بحث کہ کسرہ، فتح، ضمہ پھر تشدید اور تنوین کا رواج کب سے ہوا؟ تاریخ کا حصہ ہے۔ اس کے لیے تفصیل آپ کو جہاں مل سکتی ہے وہ ''کتاب النقط'' لابی عمرو لدانی، ''الاتقان''، ''کتاب المصاحف''، ابو عبداللہ حسن بن حسین حلمی جرجانی کی ''المنہاج'' ہیں۔

اس تمام عمل کو اپنے نقطۂ آغاز سے اعراب ونقوط کی تکمیل تک آنے میں ہر موقعے پر اس عہد کی انتہائی مستند ہستیوں کے الزامات کا سامنا کرنا پڑا جس میں انھوں نے اس تمام عمل کو بدعات قرار دیا اگر چہ زود پشیماں ہو کر بعد میں اسے درست تسلیم کر لیا۔

جن علماء نے پہلے پہل جن ''بدعات'' کو کراہت کی نظر سے دیکھا پھر ان کے مباح یا مستحب ہونے کے قایل ہوئے ان میں سے چند امور یہ ہیں:

۱- ہر سورۃ کے آغاز میں اس کا عنوان تحریر کرنا بدعت قرار دیا گیا۔

۲- آیات کے اواخر میں اختتامی علامات دینا۔

۳- قرآن کو اجزاء (پاروں) میں تقسیم کرنا۔

۴- پھر اجزاء کو احزاب میں اور احزاب کو ارباع میں بانٹنا (احزاب بمعنی منزل)۔

۵- مذکورہ صدر جملہ امور کو واضح نشانات لگا کر واضح کرنا۔

غالباً یہ اس لیے تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کا قول پیشِ نظر تھا: ''قرآن کو خالص رہنے دو، اس میں کسی چیز کو مت ملاؤ۔''

''امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ، جن کا حوالہ اسی مضمون میں ان کی تصانیف ''تہذیب الاسماء واللغات'' اور ''شرح مسلم شریف'' سے دے چکا ہوں، اپنی مشہور تصنیف ''التبیان'' میں فرماتے ہیں:

''علماء کا قول ہے کہ قرآن پر نقطے اور اعراب لگانا ایک پسندیدہ فعل ہے کیوں کہ اس طرح قرآن غلطیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے میں اس فعل کو اس لیے مذموم قرار دیا تھا کہ قرآن میں تغیر اور تبدل نہ ہو۔ اگر اس کو بدعت بھی قرار دیا جائے تو یہ بدعتِ حسنہ ہوگی اور یہ اسی طرح ممنوع نہ ہوگی جس طرح علمی کتب تصنیف کرنا، مدارس تعمیر کرنا، سرائے بنانا اور اس قسم کے دیگر امور اور افعال ممنوع نہیں ہیں۔''

ان عبارتوں سے آپ اندازہ کیجیے کہ اس عہد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے لے کر امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ تک معترضین کا مقصد بھی وہی تھا جو غیر منقوط بنانے اور اعراب لگانے والے تھے۔ ایک ہی خوف دو شکلوں میں دونوں جانب تھا۔ وہ یہ سوچتے تھے کہ قرآن میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہو جائے۔ دونوں ہی قرآن کے تحفظ کا تصور رکھتے تھے لیکن بعدازاں مدعیانِ علم نے جہلِ مرکب ہونے کا ثبوت دیا اور جب چاہا، جہاں چاہا لفظ بدعت چسپاں کر دیا۔

درود تاج کو بھی انھیں حضرات نے بدعت قرار دیا جن کے لیے کیا خوب کسی نے کہا:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

آخری حوالہ:

ناچیز اس بحث کو آخری حوالے پر ختم کرتا ہے:

جہاں تک قرآنِ کریم کی سورتوں کی ترتیب کا تعلق ہے، یعنی ہم اور آپ جس ترتیب سے سورتوں کو پڑھتے ہیں، ان کی ترتیب کسی کے اجتہاد کا نتیجہ نہیں، نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا، نہ تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا، یہ ترتیبِ توقیفی ہے (توقیفی بمعنی بحکمِ خداوندی، خدائے عزّ وجل کے آگاہ کرنے پر موقوف و مبنی ہے) حتیٰ کہ ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ کی تحریر بھی توقیفی ہے۔ قرآنی آیات اور سورتوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ترتیب دیا جاتا تھا اور اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اس ضمن میں اقوال و امثال ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں ابو جعفر بن زبیر کی کتاب ''کتاب المناسبات'' سے نقل فرماتے ہیں:

''قرآنی سورتوں میں آیات کی ترتیب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قایم کی گئی ہے، مسلمانوں کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔''

(الاتقان، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، جلد اول، ص ۴)

''اس بات کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے کہ بعض علماء نے قرآنِ کریم کی اس آیت وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کی تفسیر ہی یہ کی ہے کہ قرآن کو اس ترتیب کے مطابق بلا تقدیم وتاخیر پڑھیے جو حضور علیہ الصلوٰة والتسلیم نے بحکمِ خدا (توقیفی) ترتیب فرما دی ہے، جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ مورد الزام ہے۔'' (الاتقان)

''الاتقان'' کا ایک اور اہم حوالہ پیشِ خدمت ہے:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسنادِ حسن کے ساتھ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھائی اور پھر نیچے کر کے فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے کہا کہ آیتِ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وفلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھو۔''

(الاتقان جلد اول، ص ۱۰۴)

اب اس کی دلیل میں بخاری شریف کی حدیث دیکھیے:

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آیتِ قرآنی وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا (سورہ بقرہ، آیت ۲۲۴) کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے پھر آپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) نے اس کو قرآنِ کریم کے نسخے میں باقی کیوں رکھا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

(صحیح بخاری جلد ششم، ص ۲۹، الاتقان جلد اول، ص ۱۰۵)

چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ جبریل علیہ السلام سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ترتیبِ آیات سے آگاہ کر چکے تھے اس لیے اب کوئی شخص اس میں تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس ترتیب

سے آگاہ فرما دیا تھا۔

ان جید، مستند اور معتبر علمائے اسلام کے اقوال کے حوالوں کے ساتھ بدعت کی اس بحث کے اختتامی حصے میں ہم چند ایسے امور کا حوالہ پیش کرتے ہیں جن کا تعلق قرآنِ کریم کی آیات کے تحفظ کی بحث سے ہٹ کر ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری سمجھا گیا کہ مبادا گمان پیدا نہ ہو کہ تحفظِ آیاتِ قرآنی کے سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو کارنامے انجام دیے اس کے علاوہ ادیبِ رائے پوری کے پاس تاریخ سے اور کوئی حوالہ میسر نہیں آیا، اس لیے قارئین کی نذر کرتا ہوں چند ایک حوالے۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تبدیلی:

''حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ قوی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام (وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہے) نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت اللہ شریف کے ساتھ متصل تھا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے فاصلے پر رکھ دیا اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اتفاق کیا۔''

(بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی، باب اوّلیاتِ عمر رضی اللہ عنہ، ص ۱۳۷، دیگر حوالہ فتح الباری جلد اول، ص ۳۸۷، ۳۹۶)

جمعے کے دن پہلی اذان کا اضافہ:

صحیح بخاری شریف میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعے کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے پہلی اذان کا اضافہ کیا۔ (بخاری جلد اوّل، مطبوعہ مصر، ص ۱۶۲)

''جمعے کی پہلی اذان یعنی اذانِ ثانی اور تکبیر سے پہلے والی اذان۔''

(بحوالہ صحیح بخاری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد اول، ص ۱۲۴)

ہدیہ صلوٰۃ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ:

''سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ نے درودِ پاک کے چند کلمات لکھوائے، وہ یہ کلمات لوگوں کو تعلیم فرمایا کرتے تھے (سکھایا کرتے تھے)۔ اِس درودِ پاک کا ذکر امام سعید بن منصور نے اور ابنِ جریر نے، ''تہذیب الآثار'' میں ابنِ ابی عاصم نے اور یعقوب بن شیبہ نے ''احبارِ علی'' میں اور طبرانی وغیرہم نے حضرت سلامہ کندی کے حوالے سے کیا۔''
(بحوالہ المعجم الاوسط للطبرانی جلد ۹، ص ۱۱۶، حدیث نمبر ۹۰۸۹)

درود تاج کے آخری حصے میں جہاں "نور من نور اللہ" کے بعد "یا ایھا المشتاقون بنورِ جمالہٖ" آیا ہے وہاں صلوا علیہ وآلہٖ کی بحث ہے، اس میں تفصیل سے درود اور اقسام درود کی بحث، امثال اور حوالے پیش ہوں گے جس پر اس تحقیق، تشریح کا اختتام ہوگا۔

تشہد میں اضافہ:

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تشہد میں و رحمۃ اللہ و برکاتہ کے بعد کہا کرتے تھے: السلام علینا من ربنا (ہمارے رب کی طرف سے ہم پر سلامتی ہو)۔ اسے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں روایت کیا۔ اس کے راوی حدیثِ صحیح کے راوی ہیں جیسا کہ ''مجمع الزوائد'' میں ہے۔ (بحوالہ مجمع الزوائد، باب التشہد والجلوس جلد دویم، ص ۱۴۳)

ان چار حوالوں کے علاوہ مزید حوالے بہت ہیں۔ جن کو خدا نے عقلِ سلیم اور حق و باطل کی تمیز دی ہے ان کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ تمام بدعات حسنہ ہیں۔ ان حضرات نے یہ نئی باتیں نکالیں جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھیں اور یہ عبادات میں سے ہیں۔ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ حضرات، نعوذ باللہ، گمراہ اور بدعاتِ سیئہ کے مرتکب تھے؟ نہیں تو پھر وہ کیا تھے؟

نَبِّـُٔوۡنِىۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (سورہ انعام، آیت ۱۴۳)

مزید بدعات کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ایمان: کون نہیں جانتا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار اور دل سے

تصدیق کا نام ایمان ہے لیکن بعد میں علمائے کرام نے اس کی تقسیم اس طرح کر ڈالی کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں: ایک ایمانِ مجمل اور دوسرا ایمانِ مفصّل ۔ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں یہ تقسیم نہیں تھی چنانچہ یہ بھی بدعت ہے۔

(بحوالہ اصل الاشیاء الاباحتہ، علامہ فیض احمد اویسی)

نماز کی نیّت: نماز کے لیے نیّت الفاظ سے کرنا بھی بدعت ہے جسے ہم سب زبان سے ادا کرتے ہیں، مثلاً: نیّت کی میں نے نماز کی وغیرہ وغیرہ۔ ''فتح القدیر، شرح ہدایہ'' میں ہے کہ زبان سے کہنے کا ثبوت حضرت سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح نہیں ملتا۔ نہ حدیثِ صحیح سے اور نہ ضعیف سے اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے اس کا ثبوت پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا منقول ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہوے تو تکبیر کہی۔ زبانی نیّت کہنا بدعت ہے، حتیٰ کہ نماز میں دو سنتوں کے بعد نفل دوگانہ پڑھنا بھی بدعت ہے۔

(عین الہدایہ ص ۳۲۴، جلد اوّل، کتاب الصلوٰۃ)

اب درود تاج کو بدعت کہنے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ ان تمام بدعات کو بدعات حسنہ صمیم قلب سے تسلیم کر لیں یا نہیں تو ان تمام بدعات کو ترک کر دیں، خواہ وہ ایمانِ مفصّل و مجمل ہو یا کلمہ کی چھ اقسام ہوں، یا نیّتِ نماز ہو یا نفل دوگانہ یا جمعہ کی پہلی اذان اور وہ تمام بدعات جن کا ذکر کتابوں میں منقول ہے۔

ہر اک جہاں کے لیے ہے جو سیّدالسّادات
جہان جس پہ ہے قرباں، درود تاج میں ہے

سَیّدِنَا

سیّدنا: معنی ہمارے پیشوا، سردار، بزرگ۔ (لغات کشوری)

السیّد (عربی): سردار۔ ج

اسیاد وسیادۃ وسیائد: حضرت فاطمہ کی اولاد، نسل والے۔

السیّدان: حضرت امام حسن علیہ السلام وحضرت امام حسین علیہ السلام۔ السیّدہ حضرت مریم علیہا السلام کا لقب بھی ہے۔

(المنجد ص ۵۰۰)

اصل عربی لفظ سیّد ہے، ''نا'' عربی میں ''ہمارے'' کے لیے آتا ہے جیسے رؤفنا، رحیمنا ودیگر۔

سردار کے معنی میں جو فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے وہ کسی بشر کو نہیں۔ لوگ قبیلے کے سردار ہوتے ہیں۔ بہت سے قبایل پر ایک امت ہوتی ہے۔ اس امت کا سردار نبی ہوتا ہے جو ان قبایل کی طرف بھیجا گیا ہو لیکن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کے پیشواؤں (سرداروں) یعنی انبیاء علیہم السلام کے بھی سردار ہیں۔

یہ لفظ مخصوص معنی میں بحرِ بے کنار ہے۔ آئیے پہلے قرآنِ کریم سے مراتب و درجات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ

(سورہ بقرہ، آیت ۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان

میں سے کسی سے اللہ نے (بلا واسطہ) کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب
پر درجوں میں بلند کیا گیا۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو ایک کمال سے متصف کیا اور کسی کو دوسرے کمال کا شرف عطا فرمایا لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو کمالات و درجات ایک ایک کر کے دیگر انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بخشے گئے وہ تمام کے تمام اپنی اعلیٰ ترین صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے جو کسی نبی علیہ السلام یا رسول علیہ السلام کو نہیں ملے۔ مثلاً حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی خاص وقت اور مدت، کسی خاص ایک زمانے کے لیے، کسی ایک جہان کے لیے بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ تمام جہانوں کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے، جب کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام و مرسلین علیہم السلام کسی مخصوص قوم، کسی خاص خطے اور کسی خاص زمانے کے لیے بھیجے گئے۔ شبِ اسریٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ یہی فضیلت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین نے تمام سابقہ ادیان کو منسوخ فرمادیا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قیامت تک کے لیے ہوگا جو کبھی منسوخ نہیں ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب (قرآن) بھی باقی اور قیامت تک ہر تحریف سے محفوظ رہے گی۔ یعنی ہر زمانہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لیے بھی رحمت ہیں
جو زمانے ابھی نہیں آئے

قرآنِ کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر زمانے کی رسالت کا واضح اعلان فرمادیا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّد الکونین اور سیّد العالمین کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا:

شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کی قطار دیکھی جو غیر منقطع یعنی لاانتہا تھی۔ دیکھا کہ ہر اونٹ پر دو صندوق لدے ہوئے ہیں۔ ہر صندوق میں اس عالم کی مثل ایک عالم ہے اور ہر عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی شان سے رونق افروز ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلِ امین علیہ السلام سے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول

اللہ ﷺ! جس وقت سے میں ہوں، دیکھتا ہوں کہ یہ اونٹوں کی قطار صندوقوں کے ساتھ چلی جارہی ہے، میں خود نہیں جانتا یہ کیا ہے۔

یہ اشارہ ہے عالم کی بے نہایتی کا اور اُن تمام کے سردار (سیّدنا) احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔ انھیں مراتب و درجات کو پیشِ نگاہ رکھتے ہوئے حضرت نعمان بن ثابت، امام اعظم، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور قصیدہ نعمانیہ کا آغاز اسی لفظ سے فرمایا:

یا سیّد السّادات جئتک قاصداً

ارجو رضاک واحتمی بحماک

ترجمہ: اے سرداروں کے سردار، میں (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) آپ ﷺ کے حضور آیا ہوں۔

آپ ﷺ کی خوشنودی کا امیدوار ہوں۔ آپ ﷺ کی پناہ کا طالب۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (سورہ ضحیٰ، آیت ۵)

ترجمہ: اور بے شک آپ ﷺ کا ربّ آپ ﷺ کو اتنا دے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔

یہ آیتِ کریمہ ارفع درجات کے ضمن میں پیش کی لیکن اس رتبے کے بارے میں، جو اس آیت میں بیان ہو رہا ہے، علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

حرب بن شریح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیّدنا امام باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جس شفاعت کا ذکر اہلِ عراق کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟

آپ (امام باقر علیہ السلام) نے فرمایا: بخدا حق ہے، مجھ سے محمد بن حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قال اشفع لامتی حتیٰ ینادی ربی ارضیت یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فاقول نعم یا رب رضیت۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ حضور علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا: یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ راضی ہوگئے؟ میں عرض کروں گا: ہاں، میرے پروردگار! میں راضی ہوگیا۔

اس طویل بیان کے بعد امام باقر علیہ السلام نے حرب بن شریح رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

اے اہلِ عراق! تم یہ کہتے ہو کہ قرآنِ کریم کی سب سے امید افزا آیت یہ ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا

لیکن ہم اہلِ بیت علیہم السلام یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی

اس آیت پر مزید تفصیل آیندہ اوراق میں ''شفیع المذنبین'' کے زیرِ عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنا محبوب بنالیا تو اب جتنی بھی نعمتیں افضل سے افضل ترین ہیں وہ پہلے اپنے محبوب کو دے گا اور پھر انھی کے ہاتھوں سے دوسروں تک پہنچائے گا۔ جہاں عالم یہ ہو کہ سارا جہان تو رضائے الٰہی کا طالب ہو اور خدائے عزّوجل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا۔ تحویلِ قبلہ کا ہی واقعہ دیکھیے، ارشاد کس طرح ہوا، یہ قابلِ غور ہے:

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (سورہ بقرہ، آیت ۱۴۴)

تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں۔

(اس آیت کے سیاق وسباق پر تفصیل سے غور فرمائیے کہ یہ حکم ربی ضرور ہے لیکن جس انداز سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے ''امام القبلتین'' کے زیرِ عنوان یہ بحث دیکھی جاسکتی ہے۔)

حدیثِ قدسی کا ارشاد:

کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاک یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

سارے تو میری رضا کے طالب ہیں اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا چاہتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سیّدنا کی تشریح میں آپ یہاں تک پہنچے، واقعہِ معراج ہی ایک واحد حوالہ کافی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مراتب کا لیکن قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر ان بلند درجات کا ذکر عجیب انداز میں بیان ہو رہا ہے۔ سورہ آل عمران کی ۸۱ ویں آیت میں بیان ہوتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ

ترجمہ: اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و دانائی عطا فرماؤں پھر (جو کچھ تمھارے پاس ہو) اس کی تصدیق کے لیے ایک (عظیم الشان) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائیں تو تم ان پر ضرور ضرور ایمان لانا۔ اور ضرور ان کی مدد کرنا۔ کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا تو سب نے کہا (تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح نے): ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا آیات سے ''سیّدنا'' کی تشریحات میں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے جو عہد لیا اس کی عملی توثیق

کا وہ دلکش نظارا مسجدِ اقصیٰ میں شبِ معراج کے دوران سفر کا ہے۔ تمام انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیت المقدس میں جمع ہو کر وجہِ وجودِ کائنات، فخرِ موجودات، سیّد السادات صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا۔ ''او ادنیٰ'' کی منزل سے پہلے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی قیادت و سرداری کے شرفِ خاص سے نوازا جا رہا ہے یعنی وہ ہر زمانے میں سرداروں کے سردار ہیں۔ ظہورِ قدسی سے پہلے انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارواح سے عہد لیا گیا، واقعہِ معراج میں تمام انبیاء علیہم السلام کی نماز میں امامت کا شرف بخشا گیا اور پھر وہ روزِ محشر، کہ جانگداز ہوگا، جب ساری مخلوق خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہوگی اور مصطفےٰ علیہ والتحیۃ والثناء ''لواء الحمد'' ہاتھ میں لیے ''مقامِ محمود'' پر فائز ہوں گے۔ (ضیاء القرآن)

دیکھیے اہل اللہ کیا فرماتے ہیں:

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال المجدد للالف الثانی کان مبدا تعین الکلیم صلوات اللہ علیہ المحبیۃ الصرفۃ ومبدا تعین الحبیب المحبوبیۃ الصرفۃ ولا جل ذالک کان الکلیم علیہ السلام "راس المحبین" والحبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم راس المحبوبین۔

(مظہری)

ترجمہ: حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا مبداء محبیۃ محضہ تھا اور حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعین کا مبداء محبوبیۃ کاملہ تھا۔ اسی لیے کلیم علیہ السلام عاشقوں اور محبوں کے سردار تھے اور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار تھے۔

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیّد السادات ہونے پر جو دلیل قایم کی وہ دراصل سورۃ طٰہٰ میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی روشنی میں ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ

ترجمہ: اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی جب ہم نے وہ بات الہام کی تھی تمھاری ماں کو جو الہام ہی کیے جانے کے قابل تھی، یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں، پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں، پھینک دے گا دریا اسے ساحل پر، پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے، اور ڈال دی ہم نے تجھ میں محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پالا جائے تو ہماری آنکھوں کے سامنے۔

(خلاصۃ التفاسیر جلد سویم، ص ۱۴۹)

حضرت پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ، سجادہ نشین بھیرہ شریف نے اپنی تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں اس جملے کو اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''اے موسیٰ علیہ السلام میں نے پرتو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے، تاکہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے۔'' (ضیاء القرآن جلد سویم میں ۱۱۲)

مفسّر ''خلاصۃ التفاسیر'' فرماتے ہیں:

اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے آپ علیہ السلام پر اپنے حکم اور فضل سے محبت ڈال دی یعنی محبوب خلق بنا دیا، دشمن دوست ہو گئے اور قاتل محافظ ہو گئے تاکہ تمھاری پرورش اور پرداخت ہمارے سامنے اور ہمارے حفظِ خاص میں ہو (معالم)۔ کہا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے: مراد یہ ہے کہ اپنا اور اپنی مخلوق کا محبوب بنا دیا۔ کہا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے: جو دیکھتا عاشق ہو جاتا۔ کہا قتادہ رضی اللہ عنہ نے: آپ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی گردن سے وہ حسن و ملاحت ظاہر تھی کہ دیکھنے والے بے اختیار فریفتہ ہو جاتے۔

(خلاصۃ التفاسیر جلد سویم)

فرعون کی بیوی آسیہ آپ علیہ السلام کی فریفتہ ہو گئی اور اس طرح فرعون کے گھر میں آپ علیہ السلام کی پرورش ہوئی۔ ''موسیٰ'' کے معنی ان کی زبان میں اس طرح تھے: ''مو''

بمعنی پانی اور ''سی'' درختوں کو کہتے تھے کیونکہ آپ علیہ السلام نیل دریا کے کنارے درختوں میں پائے گئے تھے۔ اس تفصیل کے بعد ایک مرتبہ پھر حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملے پر غور فرمائیں:

''کلیم علیہ السلام عاشقوں اور محبوں کے سردار (سیّد) تھے اور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار۔''

اعتراض اور اس کا جواب:

معترضین نے اس لفظ پر بھی اعتراض کیا اور اس طرح گزشتہ اوراق میں جو فضیلت و درجات بیان ہوئے، ان کی قدر و قیمت پر تعصب اور جہلِ علم کے دروازے کھول دیے لہٰذا میں ایسے تمام اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔

درود شریف میں سیّدنا کا اضافہ کیوں ہے؟

درود شریف میں ''سیّدنا'' کا لفظ بڑھا دینا علمائے حق کے نزدیک مستحب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیز کی زیادتی، جو واقع میں ہو، وہ عین ادب ہے (دُرِ مختار)۔ جیسا کہ املی شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا ہے، یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ''سیّد'' ہونا ایک امرِ واقعی ہے لہٰذا درود شریف میں اس لفظ کے اضافے سے کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔ بعض حضرات جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اور منع کرتے ہیں انھیں غالباً ابوداؤد کی ایک حدیث سے اشتباہ ہو رہا ہے، یعنی ابوداؤد شریف میں ایک صحابی ''ابومطرف رضی اللہ عنہ'' سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ میں ایک وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کی: انت سیّدنا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سردار ہیں۔) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السیّد اللہ۔ یعنی حقیقی سیّد تو اللہ ہی ہے۔ علماء کہتے ہیں یہ ارشاد بالکل صحیح ہے، یعنی حقیقی سیادت اور کمالِ سیادت اللہ ہی کے لیے ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''سیّدنا'' کا لفظ بڑھانا جائز نہیں جب کہ بخاری شریف میں بروایتِ شیخین رضی اللہ عنہما حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

انا سیّد الناس یوم القیٰمۃ۔ (الحدیث)

میں لوگوں کا سردار ہوں گا روزِ قیامت۔

مسلم شریف کی ایک اور روایت ہے (حدیث ہے):

انا سیّد ولد آدم یوم القیٰمة ۔

میں روزِ قیامت اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔

بخاری اور مسلم کی احادیث کے حوالوں کے بعد اب ترمذی شریف سے بھی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں جس کے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے:

انا سیّد ولد آدم یوم القیٰمة ولا فخر

یعنی میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔

یہ بحث بہت طویل ہے۔ میں یہاں اختصار کے ساتھ چند اہم اور مستند اقوال پیش کرتا ہوں (اس سے قبل ایک اور اہم نکتہ بیان کرتا چلوں کہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سردار ہونے پر فخر نہیں فرمایا)۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجداد، قبیلے اور نسب کا بیان فرمایا، لواء الحمد اور مقام محمود کا ذکر فرمایا وہاں بھی اسی طرح فخر کی نفی فرمائی ہے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کا ذکر کیا ہے تو وہاں اپنے فقر پر بار بار فخر فرمایا ہے۔ (یہ تفصیلی بحث آیندہ اوراق میں زیرِ عنوان ''محبّ الفقراء'' پیش کی گئی ہے۔)

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام عالی مقام سیّدنا حسن علیہ السلام کے لیے فرمایا:

ابنی ھذا سیّد (میرا یہ بیٹا سردار ہے)۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بابت ارشاد فرمایا اور ان کی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا: قوموا الیٰ سیّدکم (کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کے لیے)۔

حضرت امام نسائی کی کتاب عمل الیوم واللیلة میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود جلیل القدر صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس درود شریف کا ورد فرماتے اس میں ''اللّٰھم سیّد المرسلین'' کا لفظ وارد ہے۔ ان تمام امور میں دلالت واضح ہے اور دلایل روشن ہیں۔ لفظ ''سیّدنا'' کے جواز میں، جس کے انکار کے لیے دلیل قایم کرنا لازم ہے، ہم خود اس بات کو دہراتے ہیں کہ کمالِ سیادت اللہ ہی کے لیے ہے لیکن کوئی دلیل ایسی نہیں جس کی وجہ

سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر ناجائز معلوم ہو۔ مزید برآں قرآنِ کریم ہمارے لیے تمام دلیلوں پر حجت ہے۔ حضرت یحییٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سیداً و حصوراً کا لفظ وارد ہوا۔ نیز بخاری شریف میں حضرت سیدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، وہ فرمایا کرتے:

ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدنا و اعتق سیدنا یعنی بلالاً رضی اللہ عنہ

(ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا)

حضرت علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انصار کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں قوموا الیٰ سیدکم (یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ) فرمایا تو اس سے استدلال کیا جاتا ہے اس بات پر کہ اگر کوئی شخص سیدی و مولائی کہے تو اس کو نہیں روکا جائے گا۔ دلیل کیا ہے؟ ملاحظہ کیجیے:

سیادت کا مرجع اور مآل اپنے ماتحتوں پر بڑائی ہے اور ان کے لیے حسنِ تدابیر، اسی لیے خاوند کو بھی سید کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے: وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا: کیا کوئی شخص مدینہ منورہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہے کہ اپنے سردار کو سیدی کہے تو جواب میں امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی نہیں الخ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "من سیدکم" سے بھی استدلال کیا ہے جو ایک حدیثِ مبارکہ کا ٹکڑا ہے جس کا خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ادب المفرد" میں ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلمہ سے دریافت کیا: من سیدکم (تمھارا سردار کون ہے)؟ انھوں نے عرض کیا: جد بن قیس۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: سیدکم عمرو بن جموح (بلکہ تمھارا سردار عمرو بن جموح ہے)۔

اس کے علاوہ مشہور حدیث ہے جو متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے اور بخاری شریف میں ہے:

اذا نصح العبد سیدہ

اب اس آخری حوالے پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری شریف میں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوئی شخص اطعم ربک وفضیٔ ربک نہ کہے یعنی اپنے آقا کو ربّ کے الفاظ سے تعبیر نہ کرے۔ ولیقل سیّدی و مولائی یعنی یوں کہے کہ میرا سیّد اور مولیٰ۔ یہ حکم سیّد اور مولیٰ کہنے کے لیے اتنا واضح ہے کہ اس کے بعد کسی حجت کی گنجایش نہیں رہتی۔

(فضایلِ درود)

مفسّرین اور محدّثین نیز اولیائے کرام کے حوالوں کے درمیان قرآنِ کریم سے لفظ ''سیّد'' کا ایک حوالہ بھی گزشتہ اوراق میں آیا ہے، اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ ان سطور میں عرض کر چکا ہوں، کہ قرآنِ کریم تمام دلایل پر حجتِ تمام ہے، ممکن ہے کسی معترض کو یہ خیال آئے کہ جس آیت کا حوالہ دیا جا رہا ہے وہاں یہ لفظ کسی نبی علیہ السلام کی عظمت کے لیے نہ ہو، کسی اور مفہوم کو ادا کرتا ہو، اس خیالِ باطل کی تردید کے لیے سورہ آلِ عمران کی وہ آیاتِ جلیلہ پیش کرتا ہوں:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

ترجمہ: پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بیشک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ علیہ السلام کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور وہ ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے۔

میں اپنے قارئینِ کرام سے یہی گزارش کروں گا کہ وہ قرآن کی آیات پر غور کریں۔ تلاوت کا ثواب ضرور ہے لیکن تفسیر کے مطالعے سے عجیب و غریب واقعات، ان کا پس منظر، مصلحت و مشیّتِ خداوندی سے حجابات اٹھتے ہیں۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر کافی ہو چکی تھی لیکن اولاد کی آرزو بیدار ہو گئی اور عرض کرنے لگے: اے ربّ! اگرچہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے، اولاد پیدا ہونے کا عام وقت گزر چکا ہے، لیکن تو وہ کریم و قادر ہے جو اس مقفل حجرے میں مریم

علیہ السلام کو بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے۔ تیرے کرم سے کیا بعید ہے اگر تو مجھے نیک بخت اور پاک اولاد عطا فرمادے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو فرشتوں کے ذریعے ان کی دعا کی مقبولیت کی خوشخبری سنادی۔ اہم بات یہ ہے کہ بچے کا نام بھی، اس کی عزت و پاکبازی کی خبر بھی دے دی اور یہ بھی بتادیا کہ وہ ایک پیغمبر ﷺ کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ مِن کلمۃ اللہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بن باپ کی پیدائش کے سبب ان (حضرت مریم علیہا السلام) پر طرح طرح کی الزام تراشی ہونے والی تھی چنانچہ ان کی پاکدامنی اور تقدس کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مقرر فرمادیا۔ انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو "یوحنا" کہتے ہیں اور انگریزی میں John۔

وَمَولٰنَا

وہ دستگیر ، مددگار اور مولٰنا
وہ بیکسوں کا نگہباں، درود تاج میں ہے

وَمَولٰنا

مولی عربی کا لفظ ہے۔ فارسی میں الف سے بھی لکھا جاتا ہے۔ مولی بمعنی آزاد غلام کے بھی لیے جاتے ہیں لیکن اس کے معنی ہمسایہ دار، مدد کرنے والا، مددگار اور بمعنی خداوند، سردار اور مالک و بزرگ قوم کے بھی ہیں۔ (لغات کشوری مطبع نول کشور)

المولٰی (عربی): مالک، آقا، سردار، آزاد کرنے والا، انعام دینے والا، محبت کرنے والا، ساتھی، حلیف، پڑوسی (کئی رشتوں کے لیے بھی مستعمل ہے)۔ اس کی جمع الموالی ہے۔
(عربی لغت المنجد)

جہاں تک الفاظ کے لغوی یا اصطلاحی معنوں کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن ہم اس سے قبل یہ بحث کر چکے ہیں کہ الفاظ کا شرف ان کے متعلقات سے بھی ہوتا ہے جس کی مثالیں قرآنِ کریم کی آیات سے پیش کی جا چکی ہیں۔ مالک، آقا یا سردار کی فضیلت کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ "سیّدنا" کی شرح میں گزرا۔

مولنا کے جو بھی لغوی یا اصطلاحی معنی ہوں لیکن حضور رحمتِ عالم ﷺ کی شان و عظمت کے دروازے پر آکر یہ لفظ باعثِ عزّ و شرف ہو گیا، یعنی جب تاجدار مدینہ کے وصف کے لیے استعمال ہوا تو خود اس لفظ کی حرمت میں اضافہ ہو گیا۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ الفاظ کس قدر عاجز و بے بس ہیں محبوب ﷺ خدا کی عظمت و بزرگی بیان کرنے میں۔ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ ان کی مدح و ستائش میں جہاں بھی جو لفظ گزرا وہ اپنے مراتب بلند کر گیا۔

لفظ مولٰنا پر بھی اعتراض:

جو اعتراض لفظ ''سیّدنا'' پر درود میں شامل کرنے پر تھا بدقسمتی سے یہی اعتراض لفظ مولٰنا پر بھی ہے۔ وہ اسے درود شریف میں جائز قرار نہیں دیتے، اور وہی بات ہے کہ دلیل کوئی پیش نہیں کی جاتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان اعتراضات کا جواب بھی دیا جائے۔

ایک امتی ہونے کے ناطے پہلا فرض تو یہ ہے کہ معترضین نے، زعم علم میں یا جہلِ علم میں، جس حال میں رہ کر محبوب ربّ العالمین ﷺ کے وصف میں لیے گیے الفاظ پر اعتراض کیا ہے اللہ ان کی اس خطا کو اسی ذات اقدس کے طفیل درگزر فرمائے اور انھیں صراط مستقیم دکھائے، کہ یہ لوگ محبوبِ ﷺ ربّ کی توصیف وثنا میں رطب اللسان ہو جائیں۔

اس لفظ کی ناپسندیدگی اور ممانعت کے لیے ایک دلیل پیش کی جاتی ہے کہ غزوہ احد کے موقعے پر ابو سفیان کو جواب دیتے ہوے رحمتِ عالم وعالمیان ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ مولانا ولا مولی لکم ۔ اور پھر یوں بھی کہا گیا کہ قرآنِ کریم میں سورہ محمد میں یوں بھی ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ

اب اس آیت کا ترجمہ دیکھیے:

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں۔

(سورہ محمد، آیت ۱۱)

اعتراض کے جواب:

اس آیت سے غیر اللہ پر لفظ مولیٰ کے اطلاق کی ممانعت لازم نہیں آتی، اس آیتِ مبارکہ میں کمالِ ولایت کا بیان ہے، بلکہ اعلان ہے کہ حقیقی مولیٰ وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (البقرہ: ۱۰۷)

ترجمہ دیکھیے: کہ تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا: وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔)

(سورہ آلِ عمران، آیت ۶۸)

مزید سورہ بقرہ میں مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (بقرہ: آیت ۱۲۰)
ترجمہ: نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور کوئی مددگار۔

سورہ بقرہ ہی کی آیت اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

ترجمہ: اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا۔ نکال لے جاتا ہے انھیں اندھیروں سے نور کی طرف (سورہ بقرہ: آیت ۲۵۷)۔ اعتراض کرنے والے صاحبان نے صرف دو آیات پیش کی تھیں ہم نے اپنی جانب سے لفظ ولی یا مولیٰ کے لیے سورہ انعام کی آیت ۱۵، ۷۰، سورہ توبہ آیت ۷۴، ۶۱، سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۱۱، الکہف آیت ۱۲۶، عنکبوت آیت ۲۲، سورہ سجدہ آیت ۴، سورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۴، سورہ شوریٰ کی آیات ۸-۹-۲۸-۳۱ اور ۴۴، اسی طرح سورہ الجاثیہ آیت ۱۹ و دیگر مقامات پر اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ ان مندرجہ بالا تمام آیات میں لفظ ''ولی'' مددگار ہی کے معنی میں آیا ہے لیکن کہیں بھی اس سے مراد یہ نہیں کہ مخلوق کے لیے اس کے استعمال کی ممانعت ہے۔

ان آیات کو پڑھ کر ایک تاثر تو یہ ہی بنتا ہے کہ شاید کسی بشر کو اس لفظ کے استعمال کی اپنے لیے یا کسی دوسرے بشر کے لیے اجازت نہیں لہٰذا اب ہم چند حوالے پیش کرتے ہیں، پہلے ان حوالوں پر نظر ڈالیے پھر تشریح ہوگی۔

سورہ یونس میں ارشاد ہوا: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (آیت ۶۲)

ترجمہ: سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جس بنیاد پر اعتراض کی عمارت کھڑی تھی وہ قرآنِ کریم کی ہی آیت سے منہدم ہو گئی، لیکن کچھ لوگ کج بحث ہوتے ہیں جو اپنی ہٹ دھرمی اور کج بحثی سے سادہ لوح انسانوں کے آئینۂ قلب پر تردد کا غبار بن جاتے ہیں۔ ولی، مولا، اور مولنا کے مصحفِ معنی سے ہر طرح کے غبار کو دور کرنے کے لیے عارف باللہ علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خوبصورت حوالے پیش کرتے ہیں۔

لفظ ولی کی لغوی تحقیق

ولی کے معنیٰ قرب اور اقسامِ قرب:

لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے: "الولی القرب والدنو" یعنی ولی کا معنیٰ قرب اور نزدیکی ہے۔ ولی اس سے اسم ہے، اس کا معنیٰ ہے: قریب، محب، صدیق، مددگار۔
لغت کے الفاظ اس طرح ہیں:

وفی القاموس الولی القرب والدنو والولی اسم بمعنی القریب والمحب، والصدیق والنصیر۔ پھر فرماتے ہیں: قرب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کو اپنے خالق سے ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے۔ آیت: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہو، اسے قربِ محبت کہتے ہیں۔ قرب کی ان دو قسموں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی وجہِ اشتراک نہیں۔ قربِ محبت کے بے شمار درجے ہیں: ایک سے ایک بلند، ایک سے ایک اعلیٰ۔ ایمان شرطِ اوّل ہے۔ دولتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اہلِ عزم و ہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس مقامِ بلند پر فائز ہو جاتے ہیں جس کی وضاحت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی:

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببته فاذا احببت کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به۔

(رواۃ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

(بخاری شریف)

اور اس قرب و محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) فائز ہیں۔ حضور پرُ نور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائرِ ہمت جہاں محوِ پرواز ہے ان رفعتوں کو کوئی جان نہیں سکتا سوائے اس ذاتِ بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بندے کو یہ ہمتیں اور حوصلے ارزانی فرمائے۔

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر نبودی روئے تو ، می بود در کتمِ عدم
ہم ولی و ہم نبی و ہم سمٰوٰت و سمک

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوئے انور نہ ہوتا تو کیا ولی اور کیا نبی، کیا آسمان اور کیا بلندیاں، یہ سب کتمِ عدم یعنی وجود سے قبل عدم کے پردہ راز میں ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعلوء مرتبت میں حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال
زد رقم بر جبہۂ عرشِ بریں

اے میرے آقا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو خدائے ذوالجلال نے جبہۂ عرشِ بریں پر تحریر فرمایا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''تفسیرِ مظہری'' میں فرماتے ہیں:

واعلیٰ درجاتہ نصیب الانبیاء و نصیب سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ترقیات لا تتناھی الی ابدالابدین ۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح:

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ''ولی'' اسے کہتے ہیں جس کا دل ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز وہ تہلیل و تسبیح میں رہے۔ اس کا دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔ وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ (نفرت کے لفظ کی تشریح ضروری ہے کیوں کہ اولیائے کرام محبت کے سفیر ہیں۔ انسانوں کے اندر جو نفرت کے جذبات ہوتے ہیں وہ ان کے قلوب سے نکال کر ان کی جگہ محبت بھر دیتے ہیں پھر وہ خود کس طرح نفرت کر

سکتے ہیں؟ دراصل وہ ان افعال انسانی سے نفرت کرتے ہیں جو انسان کو اس کے بلند مرتبہ سے گرا کر قابلِ مذمت بنا دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر انھیں بے حد قلق ہوتا ہے اور یہ نفرت بھی اللہ کے لیے ہے کہ خود اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو، جو اس کی بہترین اور احسنِ تقویم مخلوق ہیں، گرفتارِ معصیت دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ان کی اصلاح اور ان کے اپنے مقام بلند پر واپس لانے کے لیے انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجتا رہا ہے۔

یہی وہ مقام ہے اولیاء اللہ کا جسے فنافی اللہ کا مقام کہتے ہیں۔

''تفسیرِ مظہری'' کے الفاظ یوں ہیں:

الولی فی اصطلاح الصوفیة من کان قلبه مستغرقا فی ذکر الله يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ممتليا بحب الله تعالیٰ لا یسع فیه غیره لَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ فلا یحب احدا الا لله ولا یبغض الا لله الخ ۔

مرتبہِ ولایت کی تشریح:

اب مرتبہِ ولایت کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اور اس کے اسباب بیان کرتے ہیں۔

مرتبہِ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ آئینۂ دل پر آفتابِ رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے اور پرتوِ جمالِ محمدی علیٰ صاحبہ اجمل الصلوات واطیب تسلیمات قلب و روح کو منور کر دے اور یہ نعمت انھیں کو بخشی جاتی ہے جو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین یعنی اولیائے امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔ مسنون طریقہ سے کثرتِ ذکر اس نسبت کو قوی کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لکل شیئ وصقالة القلب ذکر الله۔ (اوکما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم) (رواہ البیہقی)

ترجمہ: ہر چیز کے زنگ کے دور کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوتی ہے۔ دل کا زنگ ذکر اللہ سے دور ہوتا ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے اولیاء اللہ کی قسمیں بیان کی ہیں، مثلاً:
ایک وہ جو طالب اور مرید ہیں۔
دوسرے وہ جو مطلوب و مراد ہیں۔ (اس کی تفصیل ''ضیاء القرآن'' میں دیکھیے)
اب میں چند احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے پوچھا گیا:
من اولیاء اللہ؟ اولیاء اللہ کون ہیں؟
الذین اذارء وا ذکر اللہ عزوجل۔ وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آ جائے۔
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید سے بھی یہی روایت منقول ہے۔
اب مزید تحقیق کی جانب قدم بڑھاتا ہوں۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بخاری شریف میں حدیث۔ حضور رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اطعم ربک وقضی ربک نہ کہے یعنی اپنے آقا کو ربّ کے لفظ سے تعبیر نہ کرے۔ ولیقل سیّدی و مولائی بلکہ یوں کہے: میرا سیّد، میرا مولیٰ۔
(اس حدیث کو ''سیّدنا'' کی بحث میں بھی نقلِ روایت کر چکا ہوں، یہاں مزید پیش کر دیا ہے۔) بخاری شریف کی اس حدیث اور قرآنِ کریم کی آیت الا ان اولیاء اللہ کے بعد کسی صراحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اپنے قارئین کے علم میں اضافے کے لیے پیش کرتا ہوں، اور وہ بات پیش کرتا ہوں جس میں حضور پُرنور، فخرِ موجودات، سیّد السادات صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے لیے ''ولی'' کا لفظ استعمال فرما کر اس لفظ کو عزّ و شرف بخشتے ہیں۔
من ترک مالا و ضیاعا فانا ولیہ۔ یہاں لسانِ افصح العرب خود کو ولی بتا رہی ہے جو زبانِ نبوّت بھی ہے۔
بروایت شیخین رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کی ہے۔ حضور اکرم، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ بن حارث کے متعلق فرمایا: انت اخونا و مولانا۔ (مشکوٰۃ)

من کنت مولاہ:
اب وہ حدیثِ مبارکہ پیش کرتا ہوں جو اہلِ تصوف و طریقت کی جان ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

''جس کا میں مولیٰ ہوں علی (کرم اللہ وجہہ) اس کے مولا ہیں۔''

شاید آپ کے علم میں یہ بات نہ ہو کہ اس حدیث کو کمزور، ضعیف اور موضوع قرار دیا جائے لیکن شدّ و مد کی مخالفت، مخاصمت اور متعصّبانہ جدوجہد کے نامرادی ان کا نصیب بن گئی۔ یہ حدیث شریف بروایت مسند احمد بھی ہے اور ترمذی شریف میں بھی متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کی گئی ہے۔ آپ بھی اپنی چشمِ تمنا کو اس کا دیدار کرا دیں۔ اس کی سند میں، کہ یہ حدیث کن کن سے روایت ہوئی، عربی عبارت ہے:

قال صاحب تحفة الاحوذی الحدیث الترمذی اخرجه احمد و نسائی و الضیاء و فی الباب عن بریدة اخرجه احمد و عن البراء بن عازب اخرجه احمد و ابن ماجه و عن سعد بن ابی وقاص اخرجه ابن ماجه و اخرجه عن احمد اھ و قال قاری بعد ذکرِ تخریجه والحاصل ان هذا حدیث لا مریة بل بعض الحفاظ عده متواترا اذفی روایته لاحمد انه سمعه من النبی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم ثلاثون صحابیا و شهدا وبه العلی لما توزع فی خلافته۔

من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ والی حدیثِ مبارک کی تحقیق میں حاصل کردہ مستند روایات اور کتبِ احادیث کے حوالہ جات کا اندازہ مندرجہ بالا عبارت سے ہو گیا ہوگا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (آپ اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین، بے شمار کتب کے مصنف و محقق، جن میں ''شرح شفاء''، ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' اور ''جمع الوسایل'' نہایت مقبول اور ریفرنس کی کتابیں شامل ہیں) اس حدیث کی شرح میں ''نہایہ'' سے لکھتے ہیں۔

''مولیٰ کا اطلاق بہت سے معنی پر آتا ہے جیسے ربّ اور مالک اور سیّد اور منعم یعنی احسان کرنے والا اور معتق یعنی غلام آزاد کرنے والا اور ناصر (مددگار) اور محب اور تابع اور پڑوسی اور چچازاد بھائی اور حلیف وغیرہ۔ ان کے علاوہ بھی دیگر مطالب ہیں اس لیے

ہرایک کے معنیِ مناسب مراد ہوں گے۔ جہاں "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم" آیا ہے وہاں اس کے معنی ربّ تبارک وتعالیٰ کے ہوں گے اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر آیا ہے جیسا کہ من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ وہاں ناصر اور مددگار کے معنی میں ہے۔ یہی نہیں بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شانِ ورود بھی بیان کی ہے۔

اس حدیث کی شانِ ورود:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تم میرے ''مولیٰ'' نہیں ہو، میرے ''مولیٰ'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''میں جس کا مولیٰ ہوں علی کرّم اللہ وجہہٗ اس کے مولیٰ ہیں۔''

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قولِ بدیع'' میں، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مواہب لدنیہ" میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں بھی لفظ ''مولیٰ'' کا شمار کرایا ہے۔

وہ نام ، سن کے جسے جاں نثار کرتے ہیں ،
وہ جاں نثاروں کا ارماں درودِ تاج میں ہے

مُحَمّدٌ

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ مرحلہ بہت دشوار ہے کہ اس چار حرفی اسم کی، جو اپنے معبودِ حقیقی کے چار حرفی اسم کی طرح غیر منقوط ہے، تشریح یا تفسیر میں کچھ لکھا جا سکے کہ یہاں دانائے راز کے پروں کی پرواز اُس بلند آشیانِ معرفت سے بہت نیچی ہے جہاں اس ہمائے اسرار و رموز کی نشست مستور ہے۔ علمِ ظاہری کے دعویدار اور علومِ باطنی سے سرشار آج تک دریائے معرفت کی غواصی میں غوطہ زن رہے اور تلاشِ بسیار سے جو گہر ہائے معنی نکال سکے کیا خبر کہ حقیقتِ منتظر لباسِ مجاز میں نظر آئی ہو، کیا خبر کہ یہ عشرِ عشیر بھی نہ ہو اس حقیقت کا جو قبۂ عرش پر تحریر ہے وہ غیر منقوط اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہاں تو اسمِ محب بھی غیر منقوط، اسمِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بھی بار نقطہ سے آزاد رکھا گیا۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی چشمِ جویائے حق حجاباتِ معرفت سے جس درجے پر متصادم ہوئی اسی مقام کا احوال بیان کر دیا، پھر خاموش ہو رہے۔ نور من نور اللہ کے نظارے کی تاب کہاں؟ اہل اللہ کو علومِ باطنی سے جو کچھ معلوم ہوا تو وہ قیودِ اظہار کے سبب مہر بر لب ہیں۔ جسے اجازت ملی اور جتنی ملی اس حد سے آگے کوئی بیان نہ کر سکا۔

یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف مفسّر و محقق کے لیے باعثِ عار نہیں بلکہ مرتبہ عجز ہے۔ ان تمہیدی کلمات کی روشنی میں یہ فقیر، سراپا تقصیر اپنے قلمِ جویائے کرم کے فرقِ شوق کو بصد عجز و نیاز قرطاس پر سرنگوں کرتا ہے اس دعا کے ساتھ کہ اس عاجز کے دامانِ طلب میں بھی صدفِ معرفت سے کوئی گوہرِ مقصود آئے جسے میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں اور شمع

رسالت کے پروانوں کو دکھا سکوں:

اگر خموش رہوں میں تو تُو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

محمد ﷺ: اہلِ لغت اس اسمِ مبارک کی جامع تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

قال اھل اللغة کل جامع بصفات الخیر یسمی محمداً ﷺ۔

ترجمہ: اہلِ لغت کہتے ہیں کہ جو ہستی تمام صفاتِ خیر کی جامع ہو اسے محمد ﷺ کہتے ہیں۔

امام ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ اسمِ محمد (ﷺ) کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ان صیغة التفضیل تدل علی تجدد الفعل و حدوثه وقتا بعد آخر بشکل مستمر متجدداً آنا بعد أن وعلیٰ ذالک یکون محمد (صلی اللہ علیه وآله وسلم) ای یتجدد حمده آنا بعد آن بشکل مستمر حتیٰ یقبضه اللہ تعالیٰ الیه۔

ترجمہ: تفضیل کا صیغہ کسی فعل کے بار بار ہونے اور لحہ بہ لحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں استمرار پایا جاتا ہے یعنی ہر آن وہ نئی آن بان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق محمد (ﷺ) کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جس کی بصورتِ استمرار ہر لحہ، ہر گھڑی نو بہ نو تعریف و ثناء کی جاتی ہو۔ (خاتم النبیین جلد اول، امام محمد ابوزہرہ، ص ۱۱۵)

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اس نام مبارک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالحمد فی اللغة ھو الذی یحمد حمدا بعد حمد ولا یکون مفعّل مثل مضرّب و ممدّح الالمن تکرر فیه الفعل مرة بعد مرة۔

ترجمہ: لغت میں محمد ﷺ اس کو کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے کیونکہ مفعل کے وزن میں اس فعل کا تکرار موجود ہوتا ہے۔ مضرب اور ممدح ان کا وزن بھی مفعل ہے اور ان کے معنی میں بھی تکرار ہے۔

(الروض الانف جلد اول، ص ۱۲۸)

ز لفظِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گر آگہ شوی
ادا فہمِ الحمد للہ شوی
(مرزا بیدل)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف نام:

ممتاز عالمِ دین، محقق و مفسرِ قرآن حضرت پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ امام ترمذی کی روایتِ حدیث، جو جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم کے حوالے سے ہے، اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں رقم کرتے ہیں:

قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لی اسماء انا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب الذی لیس بعدی نبی۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے کئی نام ہیں: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، میں الماحی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا، میں الحاشر صلی اللہ علیہ وسلم ہوں لوگ حشر کے دن میرے قدموں پر جمع ہوں گے، میں العاقب صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (بحوالہ عیون الاثر جلد اول، لابن سید الناس، ص ۳۱)

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح فرمایا ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا ہے۔

اب میں آپ کی خدمت میں عقلی دلیل، شرعی دلیل اور عملی دلیل پیش کرتا ہوں۔

تعریفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلی دلیل:

جب کسی شخص کی تعریف کی جاتی ہے، جو شخص تعریف کرتا ہے اگر وہ اس کے متعلق پوری معلومات رکھتا ہے جس کی تعریف کی جا رہی ہے تو وہ تعریف کے حق سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ جس طرح ایک مؤرخ کو ایک مؤرخ سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے، ورنہ وہ کس طرح اس کی مکمل تعریف کر سکتا ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر یا ان سے زیادہ اگر کسی

کو علم ہو، معرفت ہو تو وہ نبیِ کریم ﷺ کا تعارف کرا سکتا ہے، لیکن اگر کسی شخص کو نبوت کا علم ہی نہ ہو تو ان کے درجات و مراتب تک اس کی نظر جا ہی نہیں سکتی۔ تو وہ اگر صدیق ہو یا روسائے صدیقین ہوں وہ بھی اللہ کے محبوب ﷺ کی تعریف سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ نبیِ کریم ﷺ کی تعریف یا خدا کر سکتا ہے یا خود نبی ﷺ کر سکتے ہیں، یہاں انبیاء علیہم السلام، صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہل اللہ دم بخود ہیں۔ اہلِ علم "بہ یزداں گزاشتیم" کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور اہل اللہ فرماتے ہیں:

عقل را در خلوتِ او راہ نیست
علم نیز از وقتِ او آگاہ نیست (عطارؒ)

اہلِ لغت ــــ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ ــــ کی ان تشریحات میں سے ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کس قدر واضح اور حقیقت پر مبنی ہے کہ محمد ﷺ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جس کی بصورتِ استمرار ہر لحہ، ہر گھڑی نو بہ نو تعریف و ثناء کی جاتی ہو۔ اس کی عملی دلیل آپ ﷺ کی توصیف کا وہ تاریخی پہلو ہے کہ صحائفِ سماوی میں بھی یہ ذکر پہلو بدل بدل کر اپنے جمالِ جہاں آرا کی دید کرا رہا ہے۔ عہدِ نبوت یعنی ظہورِ قدسی سے قبل بھی آپ ﷺ کی مدحت کے گلِ صد رنگ ریگستانِ عرب پر نمودار ہوئے اور چودہ سو برس میں دنیا کی ہر زبان آپ ﷺ کے مدحیہ اشعار سے آراستہ ہو کر مفتخرِ زمانہ ہوئی۔ پھر جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ انسانی چہروں کی طرح ایک دوسرے سے فرق کے ساتھ نئے نئے مضامین میں ڈھل کر سماعتوں کو لذت آشنا کر رہا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا لیکن سمندر سیاہی بن کر ختم ہو جائیں گے تو بھی آپ ﷺ کی مدحت کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ نہ معانی و معارف کے موتی ختم ہوں گے نہ مشکبار گلدستوں کی ترتیب میں کمی ہوگی۔

امام محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں جو خیال پیش کیا ہے اس کی تصدیق سورہ کہف کی آیات سے اس طرح ہو رہی ہے۔

سورۂ کہف کی آیات کی تشریح:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ

وَلَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (سورہ کہف: آیت ۱۹)

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر بحر کو روشنائی قرار دیا جائے کلماتِ ربّ کو رقم کرنے کے لیے تو بحر ختم ہو جائے بحرِ کلماتِ ربّ ختم ہونے سے پہلے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ﷺ فرما دیجیے کہ سمندر میرے ''ربّ کی باتوں'' کے لیے سیاہی ہوں تو ضرور ختم ہو جائیں گے اور میرے ربّ کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

پہلے اس آیت کی شانِ نزول کو جان لیجیے۔ اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہود نے ایک بار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن میں حکمت ہے اور ہم کو حکمت دی گئی ہے لیکن قرآن تو یہ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت ہی خوبی مل گئی۔

اب یہودیوں نے اپنا اعتراض پیش کیا:

آپ ﷺ کس طرح یہ فرماتے ہیں کہ ''تم کو نہیں دیا گیا مگر تھوڑا علم۔'' یہاں باہم مقابلہ ہے دو آیات میں اور یہ کس طرح ممکن ہے؟ یعنی علم کو تھوڑا بھی کہا گیا ہے اور بہت بھی، چنانچہ یہودیوں کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ قرآنِ کریم میں بے شک ہر چیز کا علم ہے اور یہ علم واقعی بہت ہے مگر علمِ الٰہی کے مقابل اس کی وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے کیونکہ اس میں انتہا ہے اور خدا کے علوم بے انتہا ہیں۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اہلِ تحقیق کے نزدیک ''ربّ کے کلمات'' سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضایل و کمالات ہیں اور اگر حضور ﷺ کے علوم ہیں تو اس آیت کے معنی ہوں گے: اگر دنیا بھر کے نعت گو اور نعت خواں، واعظین

اور کاتبین سمندروں کے پانی روشنائی بنا کر صفات و کمالاتِ مصطفیٰ ﷺ
لکھیں تو یہ روشنائی ختم ہو جائے گی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
اوصاف ختم نہیں ہوں گے۔" (مدارج النبوت جلد اول، باب سوم)

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے جو شرح کی ہے وہ ہر شبہے سے بالاتر ہے کیوں کہ شیخ کا جو مقام اسلامی علوم میں ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں، صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے مطالعے کے بعد کافر شانِ نبوت سے متحیر اور مسلمان عظمت و جلال نبوت سے مفتخر ہوتا ہے۔

شیخ نے اس تشریح میں جو تحریر فرمایا ان کے پیشِ نگاہ قرآنِ کریم کی وہ تمام آیات تھیں جن میں اللہ جل جلالہ نے اپنے محبوب ﷺ کے ذکر کی وسعت اور بلندی کا ذکر بار بار فرمایا ہے۔

سورہ کہف کی آیات کا جو مفہوم شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اس پر اعتراض بھی ہوا ہے کہ یہ "کلمت" ربی آیات بینات کے لیے ہے، آپ نے اس کے معنی توصیفِ رسول ﷺ میں کیسے ڈھال دیے؟ اس کا جواب ہم نہیں دے سکتے۔ چلیے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ معرفتِ علم سے خوشہ چینی کرتے ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں ایک باطنی، ظاہری معنی کی تحقیق علمائے شریعت فرماتے ہیں اور باطنی معنی کی صوفیائے کرام۔

(احیاء العلوم باب ہشتم)

بعض معترضین نے کہا کہ قرآن سرچشمۂ ہدایت ہے ہر دور اور ہر زمانے کے لیے۔ اگر یہ پیچیدہ یا سربستہ راز ہے تو پھر یہ ہدایتِ عام کی کتاب کیوں کر ہوئی؟ اگر یہ ہر خاص و عام اور ہر عہد کے لیے ہے تو اس کا پڑھنا اور پڑھ کر سمجھنا یعنی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا سب کے لیے یکساں ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن کی ہر سورۃ سے ثنائے رسول ﷺ ثابت کرنے کے لیے "اسرار و رموز قرآنی" کا "پردہ" بنایا گیا ہے۔

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے یعنی قرآنِ کریم کی تمام سورتیں محامد و محاسنِ ذات گرامی ﷺ کی واقعتاً مظہر ہیں۔ "پردہ" اسرار و رموز کے نام پر ڈالا نہیں گیا بلکہ جو پردہ

ڈالا گیا اسے اٹھا دیا۔ رہ گئی یہ بات کہ قرآنِ کریم کو پڑھ کر بہ آسانی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا سب کے لیے یکساں ہے، یہ زعمِ علم کی گمراہی تو ہو سکتی ہے معرفتِ علم نہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے غیر مطمئن ہونے کا کوئی علمی جواز نہیں لیکن یہ فقیر اسرار و رموزِ قرآنی پر تمام تو نہیں دو ایک قول ایسی بلند پایہ ہستیوں کے پیش کرتا ہے جن کے قول سے منحرف ہونا یا اختلاف صریح گمراہی اور محرومیٔ ایمان کی نشانی ہوگی۔

''تفسیر روح البیان'' کے مصنف و مفسّر علامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جبریل علیہ السلام قرآنِ کریم کی آیت الف، لام، میم لے کر حاضر ہوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: ''الف۔'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''میں نے جان لیا۔'' جبریل علیہ السلام نے عرض کی: ''لام۔'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''یقین کر لیا۔'' حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: ''میم۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا کرم ہے۔'' حضرت جبریل علیہ السلام حیران ہوگئے، عرض کی: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے کیا جانا اور کیا سمجھا، میں تو کچھ بھی نہ سمجھا؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ میرے اور ربّ کے درمیان راز ہے۔'' (تفسیر روح البیان)

میں تجزیہ کروں جو الف لام میم کا
قرآن بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصیدہ دکھائی دے

(برگ یوسفی)

جن حضرات کو اپنی فہم و دانش پر ناز ہے وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے الفاظ سے روشنی حاصل کریں۔ جیسا کہ شاعرِ مشرق، عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، درویشِ خدا مست علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں

جہاں اقبال اپنے لیے عجز کا اظہار کرتے ہیں کہ نفسِ جبریل کے بغیر اسرار و رموزِ مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بیان کروں وہاں وہ ایسے حضرات کے لیے بھی، جو اپنی ظاہر بینی پر

نازاں لیکن واقفیتِ اسرار سے محروم ہیں، فرماتے ہیں:

تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

اصغر گونڈوی نے اس نظریے پر کیا خوب کہا:

عظمتِ تنزیہ دیکھی ، شوکتِ تشبیہ بھی
ایک حال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ، ایک قال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اے صاحبانِ علوم ظاہری! اے مدعیانِ فہم ودانش، ذرا بیہقی کی اس روایت پر بھی نظر ڈالو جس میں وہ تحریر کرتے ہیں:

''امیر المومنین حضرت سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ سال میں سورہ بقرہ پڑھی۔'' (بیہقی)

حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عرب میں با اعتبار سیاست وفراست ہی نہیں بلکہ بحیثیت ماہرِ لسانیات، زبان، لغات عرب اور عربی شاعری پر جو قدرت حاصل تھی اس کی تفصیل کے لیے علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی الفاروق رضی اللہ عنہ دیکھیے یا اس فقیر کی تصنیف ''مشکوۃ النعت'' پھر اپنے کلمۂ اعتراض پر غور کیجیے کہ ''قرآنِ کریم کو پڑھ کر بہ آسانی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا سب کے لیے یکساں ہے۔''

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسا شاگرد اور مقصودِ کائنات، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ جیسا استاد، کیا کچھ نہ لیا ہوگا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اور کیا کچھ نہ دیا ہوگا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اعتراض پر جواب کے اس طویل مباحثے کو اس آخری مثال پر ختم کرتا ہوں۔ یہ حوالہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی علوم القرآن پر مشہور تصنیف سے لیا ہے جس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

خلافتِ عثمانی میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنِ کریم مرتب کر رہے تھے تو ان کے مابین ایک لفظ ''التابوت'' کے بارے میں اختلاف ہوگیا کہ کس طرح لکھا جائے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''التابوۃ'' لکھا جائے، قریش نے ''التابوت'' تجویز کیا۔ جب یہ معاملہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''التابوت'' لکھیں، اس لیے کہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔

(البرہان فی علوم القرآن، زرکشی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول، ص ۳۷۶)

اسی لیے مثنوی میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ز نورِ چشمِ سر بینی نیاید
دلت را نورِ چشمِ دل بباید

سر والی آنکھ کی روشنی کوئی کام نہیں دے سکتی، تجھے دل کی آنکھ کی روشنی کی ضرورت ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

کہ عیسیٰ علیہ السلام را و خر را چشمِ سر بود
ولے چشمِ دل عیسیٰ علیہ السلام دگر بود

بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور خرِ عیسیٰ علیہ السلام کی سر والی آنکھیں تھیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دل کی آنکھ کچھ اور ہی تھی۔

بعثت سے پہلے نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

علامہ ابنِ سیّد الناس نے اپنی تصنیف ''عیون الاثر'' میں ان بچوں کے نام تحریر کیے ہیں جن کے والدین نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہانِ رنگ و بو میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے اس مقدس نام کو اپنایا، وہ یہ ہیں:

۱- **محمد** بن اوحیحہ بن الجلاح الاوسی۔
۲- **محمد** بن مسلمہ انصاری۔
۳- **محمد** بن براء البکری۔
۴- **محمد** بن سفیان بن مجاشع۔
۵- **محمد** بن حمران الجعفی۔
۶- **محمد** بن خزاعی السلمی۔

(عیون الاثر جلد اول، ص ۳۱: بحوالہ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دویم، ص ۲۳)

ان ناموں کا پہلی بار اس طرح کثرت سے رکھا جانا اس وجہ سے تھا کہ عرب میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ عنقریب ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اس خطے میں ہوگا اور اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ اسی آرزو میں کچھ لوگوں نے اپنے بچوں کے لیے اس مقدس نام کا انتخاب کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ بن عبدالمطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں فرماتے ہیں:

الم تران اللہ اکرم احمد صلی اللہ علیہ وسلم
بتفضیلہ واللہ اعلیٰ و امجد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ
فذوا العرش محمود وھذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ پر کئی تحقیقاتی مضامین شایع ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں جن میں عصرِ حاضر اور عہدِ قدیم کی تحقیق بھی شامل ہے جو غالباً سینکڑوں سے تجاوز کر گئے ہیں۔ خود قرآنِ کریم کی ترانوے آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ شامل ہیں۔ سورہ احزاب، سورہ انعام، سورہ بقرہ، سورہ نمل، سورہ انبیاء، سورہ کوثر، سورہ صف، سورہ فتح، سورہ یٰس، سورہ طٰہٰ، سورہ مدثر، سورہ اعراف، سورہ زمر، سورہ نحل، سورہ انشراح، سورہ بنی اسرائیل، سورہ قلم، سورہ توبہ، سورہ حج، سورہ سباء، سورہ المائدہ، سورہ ابراہیم، سورہ نساء یعنی سورہ احزاب سے سورہ نساء تک چھبیس سورتوں کی چالیس آیات کریمہ سراپا نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اختصار ملحوظ ہے ورنہ تمام آیات بطور حوالہ پیش کی جاتیں، البتہ دو حوالے نقل کرتا ہوں:

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (سورہ توبہ)

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (سورہ ابراہیم)

ان کے علاوہ صفاتی اسمائے مبارکہ، جو قرآنِ کریم میں شامل ہیں، ان کی فہرست بہت طویل ہے، مثلاً: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ (کریم)، وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (المرفوع)۔ ''مدارج النعت'' میں اس ناچیز نے یہ طویل فہرست ان آیات کے ساتھ شایع کی ہے۔ (مدارج النعت، ادیب ۱۰۴)

سورہ کہف کی آیت: قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا کی تفسیر میں جو بات حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مدارج النبوت'' کے حوالے سے پیش کی مندرجہ بالا آیات مقدسہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہی نعت میں بطور مثال پیش کی گئیں۔ ان کے علاوہ قرآنِ کریم میں واقعی کوئی سورۃ ایسی نہیں جس میں اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ کیا ہو، خواہ

کسی حوالے سے۔ یہ خوشبو، جو آیات کا عطر ہے، عاشق کی قوت شامہ اسے پالیتی ہے تو ان کی یہ تفسیر بجا ہے کہ آیاتِ بیّنات، اور انھی آیاتِ بیّنات کے گلہائے رنگ رنگ میں ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے۔ وہ پھول کی قسم کو، اس کی رنگت کو، اس کی بناوٹ کو تو چشم بینا سے دیکھ سکتا ہے لیکن جو خوشبو اس میں چھپی ہوئی ہے اسے دیکھنا قطعی ممکن نہیں۔ ایک عطر ساز آتا ہے، وہ ان پھولوں سے عطر کشید کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ یہ وہ جوہر ہے جو ظاہری آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا تھا، جب کہ عطار اسے کشید کر لیتا ہے۔

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح میں لغت کا وہ پہلا حوالہ امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ کا سامنے رکھیے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات کہ جس کی بصورت استمرار ہر گھڑی، ہر لحظہ نو بہ نو تعریف وثناء کی جاتی ہو۔''

اور لغت کی اس تشریح کے بعد سورہ کہف کی آیت ۱۹ کو سامنے رکھیے:

''کہہ دو کہ اگر بحر کو روشنائی قرار دیا جائے کلمات ربّ کو رقم کرنے کے لیے تو بحر ختم ہو جائے گا کلمات ربّ ختم نہیں ہوں گے۔''

اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پھیلاؤ زمان ومکاں کی قید سے آزاد ہے:

پھر شیخِ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر غور کرنے سے پہلے یا اعتراض کرنے سے پہلے اس فقیر نے جو چھبیس سورتوں سے چالیس نعتیں پیش کی ہیں اور صفاتی اسماء کی فہرست کا حوالہ دیا ہے ان کے علاوہ کوئی ایک سورۃ تلاش کرکے دکھائی جائے کہ یہ سورۃ ہے جس میں کسی طور پر محبوب ربّ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات صاف اور واضح ہوگئی کہ اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پھیلاؤ زمان ومکاں کی قید سے آزاد ہر زمانے اور ہر مقام پر نو بہ نو انداز میں ہوتا رہے گا، تلاش و جستجو کرنے والوں کو یہ موتی ملتے رہیں گے اور وہ اسے پرو کر ہار بناتے جائیں گے اور جو اسرار آیاتِ الٰہی تک نہ پہنچ سکے اس کا سبب ان کا زعمِ علم یا خدانخواستہ تعصب کا پہلو ہے۔

رموز واسرار کے لیے آخری حوالہ پیش کرتا ہوں، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

ترجمہ: پھر اگر تمھارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو۔

قابلِ غور فقرہ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ہے یعنی اگر مسلمانوں کے درمیان نزاع کی صورت میں حَکَم بنانا ہو اور صرف قرآن ہی مرجع ہو (اور اس کے فہم کے دعوے دار بھی ہوں کہ "قرآنِ کریم کو پڑھ کر بہ آسانی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا آسان ہے") تو پھر فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ کہنا کافی ہے وَالرَّسُوْلِ سے کیا مراد لی ہے؟ وَالرَّسُوْلِ اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ اگر تم تنہا قرآن کو حَکَم بنالو گے لیکن اس کی حکمت اور آیات کے رمز سے واقف نہیں ہو اس لیے بھٹک جاؤ گے، قرآن کے فہم میں تمھیں میرے محبوب ﷺ کی ہی رہبری کی ضرورت ہے۔

اگر اشعار کی صورت میں اسمِ محمد ﷺ کی تعریف و توصیف میں مختلف زبانوں کے شعراء کا کلام جمع کیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل اشعار کا ذخیرہ بن سکتا ہے۔ عربی زبان میں جو کچھ لکھا گیا اس کا عشرِ عشیر بھی اردو میں منتقل نہ ہوا۔ میں اس کا ذمہ داران کو ٹھہراتا ہوں جن کو خدا نے یہ توفیق دی کہ وہ عربی زبان کے قادر الکلام شاعر یا عربی کتب کے مترجمین میں بلند پایہ کہلائے لیکن ہماری قومی زبان عربی کی نعتیہ شاعری کے تراجم سے محروم ہے۔ فارسی زبان چونکہ برِ صغیر کی کسی زمانے میں سرکاری زبان رہی تھی اس لیے بہت کچھ ذخیرہ ہاتھ آگیا اگرچہ یہاں بھی کلی طور پر صدقِ دل اور صدق نیت سے تلاش و جستجو اور اشاعت کی کمی اسی طرح باقی ہے۔ فارسی زبان میں مدحِ رسول ﷺ میں جو بھی شعر کہے گئے ان کا معیار بہت بلند ہے، بالخصوص صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے جو کچھ کہا وہاں زبان و بیان کی چاشنی کے ساتھ ساتھ علمِ باطنی کے نور اور معرفت کی جھلک بھی شامل ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحر میں جو کہا واقعتاً دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔ تفسیر درود تاج میں اپنے اپنے مقام پر آپ ان اشعار سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، یہاں ایک مثال:

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

شاعر کہتا ہے جو خوبی، جو کمال، جو وصف اپنے ظاہر میں نظر نہیں آتا وہی وصف و خوبی اپنے حدِ کمال پر ہے۔ آپ ﷺ اُمّی ہیں جو آپ ﷺ کا حسین ترین لقب ہے، لیکن جو علم ان کو عطا ہوا، اسرار و رموز کا ہر حجاب، سرِّ خفی کی ہر نقاب الٹ کر رکھ دی، جو دستورِ زندگی نسلِ

انسان کو دیا وہ چودہ صدیوں بعد اقوامِ عالم کے ترقی یافتہ صاحبانِ فکر و دانش بھی نہ دے سکے۔ یعنی اُمّی لقب اور علم کا یہ کمال! اسی طرح سایے کے لیے دوسرے مصرعے میں کس اختصار کے ساتھ کہتا ہے کہ جس کا سایہ نہ تھا وہ تمام عالم کے لیے سائبانِ رحمت ہے۔ فیضی نے بھی اُمّی لقب پر کوزے میں دریا بند کرنے کی مثال دی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

خاکی و بَر اوجِ عرش منزل

اُمّی و کتاب خانہ دَر دل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی لقب پر اس سے بہتر شعر میری نظر سے نہیں گزرے۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دیکھیے، چشمِ ولایت جو دیکھ رہی ہے وہی بتا رہی ہے:

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال

زد رقم بر جبہہِ عرشِ بریں

عرشِ بریں یا عرشِ بریں کے پایے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا لکھا ہوا پایا جانا حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیتِ دعا اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قولِ صادق کی مشہور روایتوں میں شامل ہے۔ اس دوسرے مصرعے میں ”جبہہِ عرشِ بریں“ کہہ کر حضرت نے شعر کی لطافت کو دوبالا سے بھی بالا کر دیا ہے۔

چونکہ یہاں عنوان اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے میرے عہد کے ایک نوجوان شاعر صبیح رحمانی کی ایک نظم ”اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ کے حوالے سے چند شعر پیش کرتا ہوں جو انگریزی شاعری کی ایک قسم ”سانٹ“ کی شکل میں ہیں:

باعثِ کون و مکاں ، زینتِ قرآں یہ نام

ابرِ رحمت ہے جو کونین پہ چھا جاتا ہے

دردمندوں کے لیے درد کا درماں یہ نام

لوحِ جاں پر بھی یہی نقش نظر آتا ہے

اک یہی نام تو ہے وجہہِ سکوں ، وجہہِ قرار

اک یہی نام کہ جلتے ہوے موسم میں اماں

ہے اسی نام کی تسبیح فرشتوں کا شعار

فخر کرتی ہے اسی نام پہ نسلِ انساں
ہے یہی نام تو میری شبِ یلدا کی سحر
جسم و جاں میں جو چراغاں ہے اسی نام کا ہے
بس اسی نام کی خوشبو ہے مرے ہونٹوں پر
بس یہی نام دو عالم میں بڑے کام کا ہے
عطر آسودہ فضا اور فضاؤں میں درود
خوشبوئے اسمِ محمد ﷺ کی حدیں لا محدود

یہ ناچیز ''اسمِ محمد ﷺ'' پر اپنے جذباتِ عقیدت کو اشعار کی صورت میں یوں پیش کرتا ہے:

وہ روح میں جو مہکتا ہے رات دن اک نام
اسے گلاب لکھوں یا کہ شب دلہن لکھوں
انھی کے نام کو لکھوں حیاتِ نو کا پیام
حیاتِ نو کے جو مضمون کا متن لکھوں
وہ ایک نام جو تشبیہہ کا نہیں محتاج
میں اس کی شرح میں کیا، ربِّ ذوالمنن، لکھوں؟

ایک اور مقام پر کہا:

سن کے جس نام کو جھک جائے عقیدت کی جبیں
جس کی نعلین کہ اتری نہ سرِ عرشِ بریں
نقطۂ نور، خطِ نور، سرِ خامۂ نور
ہے یہی نام اندھیروں میں اجالوں کا شعور
جس کے احساس کی خوشبو سے مہک جائیں دماغ
جس کو آواز دو ظلمت میں تو جل جائیں چراغ
جس نے دنیائے تمدن کے سجائے در و بام
جس پہ تہذیب نے بھیجا ہے درود اور سلام

نعتیہ شاعری میں ایک اور معتبر نام غیور احمد کا ہے۔ وہ بصد ادب و احتیاط شعر کہتے ہیں۔ دیکھیے یہاں نام کے بغیر کیا خوبصورت شعر کہا ہے:

وہ جس کا واسطہ دے کر دعائیں مانگی تھیں
ابوالبشر علیہ السلام سے تو پوچھو وہ نام کس کا ہے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کے متعلق متعدد راویانِ حدیث سے متعدد روایات ملتی ہیں، مثلاً: حضرت جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم کی ایک روایت پیش کی جا چکی، ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ سے بھی ملتی ہے جسے طبرانی نے ''اوسط'' میں اور ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے بھی تحریر کیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ معمر اور بزرگ ترین صحابیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم نے ان سے بھی روایت بیان کی ہے۔ ان کے علاوہ مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے، ابنِ ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شمایل'' میں بیان کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام علیہم اجمعین نے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جن لمحات مبارکہ میں جیسی مبارک بات سنی اسے بیان کرتے گئے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

میں یہاں حضرت علامہ حافظ عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''الخصائص الکبریٰ'' سے اسمائے گرامی سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی تحقیق پیش کر رہا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام یہ ہے کہ ''الخصائص الکبریٰ'' کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ تصنیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' ہے نیز تفسیرِ قرآن پر ان کی تصانیف کی تعداد بتیس بتائی جاتی ہے لیکن مشہورِ زمانہ تصانیف میں ''الدر المنثور فی تفسیر ماثور''، ''ترجمان القرآن'' (پانچ جلدوں میں)، ''الناسخ والمنسوخ''، ''مفہمات القرآن فی مبہمات القرآن''، ''تفسیر جلالین'' وغیرہ۔ ان کے علاوہ احادیث پر، مفسّرین پر اور تاریخ الخلفاء پر متعدد کتابیں لکھیں جن سب کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف ''الخصائص الکبریٰ'' بے مثال ہے۔ اس پر علمائے حق، محققین نے اس قدر تبصرے فرمائے

ہیں جو بے شمار ہیں۔ ان سب کا اجتماعی نتیجہ یہی ہے کہ ''الخصائص الکبریٰ'' اپنے تحقیقی انداز میں بدرجہ کمال ہے اور واقعی بے مثل ہے۔

یہ ان کا علمی مقام تھا اور ان کا مقام عشق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ رویا میں ''یا شیخ السنہ یا شیخ الحدیث'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔ حضرت شیخ شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ بہجت آثار سے کتنی بار مشرف ہوئے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ستر مرتبہ سے زیادہ۔ یہ روایت حضرت علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الخصائص الکبریٰ'' پر تبصرے میں تحریر فرمائی ہے لیکن ایک روایت، جو اس فقیر کو علماء کی خدمت سے میسر آئی، وہ اس طرح ہے:

حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، جو خود بھی بلند پایہ عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے، حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بابت فرماتے ہیں کہ انھیں (امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) کو ایک سو سے زاید مرتبہ زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی اور بیشتر عالمِ بیداری میں ہوئی۔ چونکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ محدّث بھی تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر زیارت کے موقع پر احادیث کی سند بھی حاصل فرمائی۔ یہ اہل اللہ اس مرتبے اور مقام پر فائز ہوئے تو ان کی تحقیق کا مقام کیا ہوگا؟

حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تفصیلی تعارف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ درود تاج کی شرح و تحقیق میں اکثر مقامات پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے حوالے پیش کیے ہیں جو آپ کی نگاہ سے آپ کا ذوقِ مطالعہ گزارے گا۔ کثرت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالوں کو پیش کیے جانے کے سبب ناچیز نے ضروری سمجھا کہ اس عظیم المرتبت ہستی کا تعارف کرادوں کیونکہ میری نظر سے ایسی محققانہ کتب بھی گزری ہیں جہاں ہمارے جذبۂ حُبِّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرد و غبار ڈالنے کی کوشش میں ان بزرگوں کے متعلق ایک جملہ یہ تحریر کر گئے کہ یہ حضرات معتبر راویان میں بہت کمزور مقام رکھتے ہیں اور قابلِ اعتبار نہیں۔

''الخصائص الکبریٰ'' کی پہلی جلد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً اپنے تیس ناموں سے مخصوص فرمایا، وہ اسماء یہ ہیں:

الاکرم۔ الامین۔ الرحیم۔ الشہید۔ البشیر۔ الجبار۔ الحق۔ الخبیر۔ ذوالقوۃ۔ الرؤف۔ الشکور۔ الصادق۔ العظیم۔ العفو۔ العالم۔ العزیز۔ الفاتح۔ الکریم۔ المبین۔ المہیمن۔ المقدس۔ المولیٰ۔ الولی۔ النور۔ الہادی۔ طٰہٰ۔ یٰس۔ الاول۔ الآخر صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ نام تیس نہیں، اس میں ایک نام کتاب میں غالباً رہ گیا۔ واللہ اعلم۔ (ادیب)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ کی شرح میں ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں تین سو چالیس ناموں کو قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور کتبِ سابقہ سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔

یہ تیس نام (جس میں ایک نام غالباً کتابت کی غلطی سے رہ گیا)، جو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کیے، تمام قرآن سے لیے گئے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان تیس ناموں کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماء قرآن میں ملتے ہیں جو یہ ہیں:

الاحد۔ الاصدق۔ الاحسن۔ الاجود۔ الاعلیٰ۔ الآمر۔ الناہی۔ الباطن۔ البر۔ البرہان۔ الحاشر۔ الحافظ۔ الحفیظ۔ الحسیب۔ الحکیم۔ الحلیم۔ الحیّ۔ الخلیفہ۔ الداعی۔ الرفیع۔ الواضع۔ رفیع الدرجات۔ السلام۔ السیّد۔ الشاکر۔ الصابر۔ الصاحب۔ الطیّب۔ الطاہر۔ العدل۔ العلیٰ۔ الغالب۔ الغفور۔ الغنی۔ القایم۔ القریب۔ الماجد۔ المعطی۔ الناسخ۔ الناشر۔ الوفی۔ حٰم اور نون صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام سے مشتق ہے، اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے یہ اشعار بہت شہرت رکھتے ہیں:

اغر علیه للنبوة خاتم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مہرِ نبوت ہے۔

من الله من نور یلوح و یشهد

جو اللہ کی جانب سے ہے وہ مُہرِ نور ہے، جو چمکدار ہے اور گواہی دیتی ہے۔

وضم الاله اسم النبی الی اسمه

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

اذا قال فی الخمس الموذن اشهد

ہیں جو بے شمار ہیں۔ ان سب کا اجتماعی نتیجہ یہی ہے کہ ''الخصائص الکبریٰ'' اپنے تحقیقی انداز میں بدرجہ کمال ہے اور واقعی بے مثل ہے۔

یہ ان کا علمی مقام تھا اور ان کا مقام عشق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ رویا میں ''یا شیخ السنۃ یا شیخ الحدیث'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔ حضرت شیخ شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار بہجت آثار سے کتنی بار مشرف ہوئے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ستر مرتبہ سے زیادہ۔ یہ روایت حضرت علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الخصائص الکبریٰ'' پر تبصرے میں تحریر فرمائی ہے لیکن ایک روایت، جو اس فقیر کو علماء کی خدمت سے میسر آئی، وہ اس طرح ہے:

حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، جو خود بھی بلند پایہ عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے، حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بابت فرماتے ہیں کہ انھیں (امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) کو ایک سو سے زاید مرتبہ زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی اور بیشتر عالمِ بیداری میں ہوئی۔ چونکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ محدث بھی تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر زیارت کے موقع پر احادیث کی سند بھی حاصل فرمائی۔ یہ اہل اللہ اس مرتبے اور مقام پر فائز ہوئے تو ان کی تحقیق کا مقام کیا ہوگا؟

حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تفصیلی تعارف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ درود تاج کی شرح و تحقیق میں اکثر مقامات پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے حوالے پیش کیے ہیں جو آپ کی نگاہ سے آپ کا ذوقِ مطالعہ گزارے گا۔ کثرت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالوں کو پیش کیے جانے کے سبب ناچیز نے ضروری سمجھا کہ اس عظیم المرتبت ہستی کا تعارف کرادوں کیونکہ میری نظر سے ایسی محققانہ کتب بھی گزری ہیں جہاں ہمارے جذبہ حُبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرد و غبار ڈالنے کی کوشش میں ان بزرگوں کے متعلق ایک جملہ یہ تحریر کر گئے کہ یہ حضرات معتبر راویان میں بہت کمزور مقام رکھتے ہیں اور قابلِ اعتبار نہیں۔

''الخصائص الکبریٰ'' کی پہلی جلد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً اپنے تیس ناموں سے مخصوص فرمایا، وہ اسماء یہ ہیں:

الاکرم۔ الامین۔ الرحیم۔ الشہید۔ البشیر۔ الجبار۔ الحق۔ الخبیر۔ ذوالقوۃ۔ الرؤف۔ الشکور۔ الصادق۔ العظیم۔ العفو۔ العالم۔ العزیز۔ الفاتح۔ الکریم۔ المبین۔ المہیمن۔ المقدس۔ المولیٰ۔ الولی۔ النور۔ الہادی۔ طٰہٰ۔ یٰس۔ الاول۔ الآخر صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ نام تیس نہیں، اس میں ایک نام کتاب میں غالباً رہ گیا۔ واللہ اعلم۔ (ادیب)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ کی شرح میں ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں تین سو چالیس ناموں کو قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور کتبِ سابقہ سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔

یہ تیس نام (جس میں ایک نام غالباً کتابت کی غلطی سے رہ گیا)، جو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کیے، تمام قرآن سے لیے گئے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان تیس ناموں کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماء قرآن میں ملتے ہیں جو یہ ہیں:

الاحد۔ الاصدق۔ الاحسن۔ الاجود۔ الاعلیٰ۔ الآمر۔ الناہی۔ الباطن۔ البر۔ البرہان۔ الحاشر۔ الحافظ۔ الحفیظ۔ الحسیب۔ الحکیم۔ الحلیم۔ الحیٔ۔ الخلیفہ۔ الداعی۔ الرفیع۔ الواضع۔ رفیع الدرجات۔ السلام۔ السید۔ الشاکر۔ الصابر۔ الصاحب۔ الطیب۔ الطاہر۔ العدل۔ العلی۔ الغالب۔ الغفور۔ الغنی۔ القایم۔ القریب۔ الماجد۔ المعطی۔ الناسخ۔ الناشر۔ الوفی۔ حٰم اور نون صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام سے مشتق ہے، اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے یہ اشعار بہت شہرت رکھتے ہیں:

اغر علیه للنبوة خاتم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مہرِ نبوت ہے۔

من الله من نور یلوح و یشهد

جو اللہ کی جانب سے ہے وہ مُہرِ نور ہے، جو چمکدار ہے اور گواہی دیتی ہے۔

وضم الاله اسم النبی الی اسمه

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

اذا قال فی الخمس الموذن اشهد

جب مؤذن پانچوں وقت اشہد ان لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اشہد ان محمداً رسول اللہ کا بھی اظہار واعلان کرتا ہے۔

وشق لہ من اسمہ لیجلہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے حضور ﷺ کا نام نکالا، تاکہ آپ ﷺ کی عزت وعظمت کا اظہار ہو۔

فذو العرش محمود و ھذا محمد ﷺ

تو مالکِ عرش کا نام محمود ہے اور آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ۔

یہ اشعار بارہا آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے کہ اکثر لوگ انھیں برکت کے لیے بھی شایع کراتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ یہاں ان کے پیش کرنے کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک روایت بہت اہم ہے اور تاریخی ہے جسے ''الخصائص الکبریٰ'' میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا ہے۔

بیہقی وابنِ عساکر رحمۃ اللہ اجمعین نے سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن زید بن جدعان سے روایت کی، انھوں نے کہا: لوگوں نے ایک اجتماع میں مذاکرہ کیا کہ عرب میں کون سا شاعر بہتر ہے اور اس کے کلام میں وہ کون سا بہترین شعر ہے جو اس شاعر نے حضور ﷺ کی منقبت میں کہا ہے؟ چنانچہ متفقہ طور پر کہا گیا کہ ''وشق لہ من اسمہ'' سب سے بہتر ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۱۸۸)

قارئینِ کرام کو یاد ہوگا کہ آغازِ کتاب میں ایک بحث ''صاحبکم'' (سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے متعلق) کی گئی ہے جس میں قرآنِ کریم کی مختلف آیات کے حوالوں سے کسی لفظ کے عزّوشرف کے لیے متعلقات کی اہمیت سمجھائی گئی ہے، لفظ مولیٰ کے لیے بھی یہی اصول متعلقات کا وارد ہوتا ہے۔ ہماری اردو زبان نے لغت کا عربی لفظ اپنے اندر سمو لیا، عربی میں اس کے جتنے بھی معنی ہیں وہ اس عزّوشرف کو نہ پا سکے جب تک یہ لفظ توصیفِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے مختص نہ ہوگیا۔ اس لیے لفظ سیّد اور لفظ مولیٰ کو حضور رحمتِ عالم ﷺ کے دامانِ عطا سے وابستگی نے عزّوشرف بخشا ہے اور جب کوئی لفظ ان کی صفات کے بیان کے لیے چنا جاتا ہے تو وہ خود جھوم اٹھتا ہے اپنے انتخاب پر۔

صَاحِبِ التَّاجِ

وہ صلی اللہ علیہ وسلم بانٹتے ہیں غلاموں کو تاجِ عزّ و شرف
اسی سبب سے یہ عنواں درود تاج میں ہے

صَاحِبِ التّاج

سرِ عرش را نعلینِ او تاج
امینِ وحی و صاحبِ سرِ معراج (نظامی گنجوی)

تاج علامت ہے شرفِ خاص کی:

بحر و بر، کوہ و دمن، سبزہ و گل، ابر و باد، مہر و ماہ، طیور و وحوش، چرند و پرند، اشجار و انہار تمام مخلوقاتِ ارضی و سماوی میں جو شرف انسان کو ملا وہ کسی اور کا مقدر نہ بن سکا، انسان خود اپنی تعریف کیا کرتا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ کہہ کر حق تعالیٰ نے شرفِ انسانی کی مہر ثبت کر دی۔ انسان کو جو یہ جسم عطا کیا، اس کی موزونیتِ اعضاء میں جو حسنِ تناسب رکھا وہ اس قدر موزوں تھا کہ ہر حسن پر غالب آ گیا اور کیوں نہ آتا کہ اسی تناسبِ حسنِ اعضاء میں وہ قدِ رعنا، وہ پیکرِ حسنِ دو عالم آنے والا تھا جس کے استقبال کے لیے یہ بزمِ کائنات سجائی اور آراستہ کی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیقِ جسمانی میں اللہ تعالیٰ کا اپنا ہاتھ بھی شامل تھا۔ جن لمحات میں یہ قدِ ابوالبشر علیہ السلام ترتیب پا رہا تھا درحقیقت اس پیکرِ آدم علیہ السلام کو حسن و جمال بخشنے والا، اس کے خدوخال کو سنوارنے والا، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ سانچہ بنا رہا تھا جس میں حسنِ یوسف علیہ السلام، دمِ عیسیٰ علیہ السلام اور یدِ بیضا کی صفات کا حامل آنے والا تھا۔ صانعِ حقیقی نے جسم کے ایک حصے کو دوسرے پر فضیلت بخشی؛ بہ اعتبارِ حسن، بہ اعتبارِ تناسبِ اعضاء ان میں چہرہ سب سے افضل قرار پایا کہ مرکزِ دلربائی تھا۔ لب و دنداں، چشم و ابرو، گوش و بینی، رخسار و جبیں تمام مظہرِ جمال بصد کمال، پھر ان سب پر وہ مقام جو اس قدِ رعنا کی بلندی، کلاہ و کج کلاہی کا ساماں، بجہ و دستار کی منزل جسے کسی نے سرِ پُرغرور کہا اور کسی نے سرِ عجز و نیاز:

اے کہ ترا سرِ نیاز حدِّ کمالِ بندگی
اے کہ ترا مقام عشق قربِ تمام عینِ ذات
(نواب بہادر یار جنگ)

عبدیت کو آدابِ عبودیت کی جو تعلیم دی گئی، اس عبادت کی قبولیت کے لیے جو شرط رکھی وہ سر بسجود ہونا۔ پھر جو جتنا جھکا اتنا بلند و سرفراز کر دیا گیا۔ سجدہ ریز ہو کر سرفراز ہونے کی داستانیں ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ سر جھکا کر یا سر کٹا کر انسان نے جو مراتب پائے وہ ملائکہ کو نصیب نہ ہوے۔ یہی سر ہے کہ جب انسان نے حکمرانی اور ملوکیت کا آغاز کیا، متمدن یا غیر متمدن ادوار میں حاکمِ وقت بنا، عناں گیرِ سلطنت ہوا اپنی فرمانروائی کی علامت کے لیے اپنے سر پر تاج رکھا۔ حکمرانوں اور فرمانرواؤں کی شان و شوکت اور عظمت و جلال کے لیے تاج ایک علامت بن گیا، پھر رفتہ رفتہ یہ تاج خود ایک تاریخ بن گیا۔ وہ تصورات میں، حوالوں میں، داستانوں میں، شاعری میں رفتہ رفتہ ایک جاندار اور مضبوط روایت بن گیا۔

تاج الاولیاء، تاج الاصفیاء، تاج المشائخ، تاج العارفین اور تاج العلماء جیسی دنیائے علم و ادب میں روایت عام ہوئی، اس طرح لفظ کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا یہاں تک کہ علمِ ظاہری اور علمِ باطنی دونوں میں ایک علامت کی جگہ بنالی۔

صاحبِ تصنیفِ **درود تاج** نے اس لفظ کا جو انتخاب کیا وہ موتیوں اور جواہرات سے جڑاؤ کام کے تاج کا حوالہ ہرگز نہیں بلکہ آدمیت کے عزّ و وقار، شرف انسانیت کے لیے بطور علامت پیش کیا، یعنی اس تاجدار کا مقام ہی کچھ اور ہے:

سب تاجدار سامنے اس تاجدار کے
آتے ہیں تاج اپنے سروں سے اتار کر
(حسرت حسین حسرت)

دلوں کی زمین پر حکمرانی کا تاج:

موتیوں اور جواہرات سے جڑا تاج ان حکمرانوں کے لیے تھا اور ہے جو طاقت ور بن کر حکمرانی کرتے ہیں اور زمین پر ان کا اقتدار ہوتا ہے، لیکن ان میں بیشتر وہ تاجدار ہیں جو زمین پر تو حکمراں ہیں لیکن دلوں پر کبھی حکومت نہ کر سکے کہ دل کی زمین ہی اور ہے اور

ان پر حکومت کرنے والی قوتیں اور ہی ہیں۔ لفظ تاج کے ساتھ سلطان کا لفظ بھی ہم رکاب رہا، دونوں کا تعلق گہرا تھا لہٰذا دنیائے معرفت میں بھی ان دونوں الفاظ کا استعمال اپنی اپنی جگہ بطور علامت کے آتا ہے۔ دنیائے روحانیت میں اولیائے کرام کے لیے سلطان کا لفظ بار بار آیا لیکن حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے یہ لفظ موزوں ہوا ''سلطان الہند''، کسی اور کے لیے نہیں ہوسکا۔

ایک خوبصورت شعر لفظ سلطان کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

اے دل ! بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین علیہ السلام ابنِ علی علیہ السلام ، جانِ اولیاء

(شاہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ)

اسی طرح لفظ تاج نے عربی، فارسی اور اردو شاعری میں بطور علامت جگہ پائی۔

علامہ اقبال نے اس لفظ کا استعمال کس طرح کیا ہے:

نہ تخت و تاج میں ، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ اہل اللہ، یہ صاحبِ کرامات، یہ عارفانِ حق بھی ان الفاظ کو اپنے مطالب کا جامہ پہنا کر کس طرح پیش کرتے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

یک کفِ خاک از درِ پُر نُور اُو
ہست ما را بہتر از تاج و نگیں

شاہ شرف الدین بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی، کرنالوی فرماتے ہیں کہ ان کے در پُر نُور کی خاک کی ایک مٹھی میرے لیے تاج و نگیں سے کہیں بہتر ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:

اے خاکِ رہِ تُو عرش را تاج
یک پایہ ز قدِ تست معراج

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو وہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی خاک عرش کے لیے تاج ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کا ایک قدم واقعۂ معراج

کا عکاس ہے۔"
علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ تو بڑی رعایت سے کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی ایک مٹی خاک عرش کا تاج ہے یعنی درِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک کا مقام عرش سے بھی اعلیٰ ہے مگر نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ ان سے بہت آگے نکل گئے، وہ کہتے ہیں عرش ایک تخت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعلینِ مبارک اس کا تاج ہے۔ کمال یہ ہے کہ اتنے وسیع مضمون کو پہلے مصرعے میں ہی مکمل کرلیا ہے۔

سریرِ عرش را نعلینِ اُو تاج
امینِ وحی و صاحبِ سرِ معراج

سریرِ عرش را نعلینِ اُو صلی اللہ علیہ وسلم تاج:

سریر عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں تخت، ملک، بادشاہی نعمت اور وسعتِ عیش کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ وہ (نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ) اپنے تصور کو حرکت دیتے ہیں تو معراج کے واقعے میں داخل ہو جاتے ہیں اور محبوب ربّ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین پہنے عرش پر جلوہ گر پاتے ہیں، ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ نعلینِ پاک کو تاجِ عرش قرار دیتے ہیں۔

یعنی حضور نبی کریم، رحمت للعالمین، وجہِ وجودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلینِ مبارک عرش کے لیے تاج کا مقام رکھتی ہے۔ جس ہستی کی یہ نعلینِ مبارک ہے اس کے سرِ اقدس پہ عزّو شرف کا، رحمتِ بیکراں کا، مغفرت عاصیاں کا اور شفاعت کا تاج ہی موزوں ہوسکتا ہے۔

جوشِ عقیدت میں صاحبِ تصنیفِ درود تاج نے یہ بات کہہ دی ہے یا دنیائے علم و ادب کی بلند پایہ ہستیوں نے بھی اسے قبول کیا اور خود بھی ایسا کہا ہے؟ ایک نثری شہ پارہ ملاحظہ کیجیے۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آپ کی تحقیقی تصانیف میں "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ایک عظیم کارنامہ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہِ معراج اور معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جلد سویم مختص ہے، اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں:

"عرصہِ دار و گیرِ محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہ گار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہ ملے گا اس وقت سب سے پہلے فخرِ

موجودات، باعثِ خلقِ کائنات، سیّدِ اولادِ آدم، خاتم الانبیاء، رحمتِ عالم ﷺ ہاتھوں میں لواء حمد لے کر اور فُرقِ مبارک پر 'تاجِ' شفاعت رکھ کر گناہ گاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔''

(''سیرت النبی ﷺ''، سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، جلد سویم، ص ۸۶۲)

دیکھیے، تاجِ شفاعت کے حسین لفظ کو علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے حسین لفظوں کے جھرمٹ میں رکھ کر پیش کیا ہے۔ اسے پڑھ کر ایسا تصور قایم ہوتا ہے گویا روزِ محشر، کہ جاں گداز ہے، عریض و طویل میدان ہے، انبیاء علیہم السلام اور ان کی اپنی اپنی امتیں بے قراری کے اور اضطراب کے عالم میں منتظر ہیں، تمازتِ آفتاب نے سخت امتحان میں ڈال رکھا ہے، اچانک ایک جانب سے شور اٹھے گا، مایوسیوں کے بادل چھٹ جائیں گے، امید آفتاب کی کرنوں میں شامل ہو جائے گی۔ آپ ﷺ کی امت کے گناہ گار اور شفاعت کے طالب ایک طرف کھڑے ہوں گے۔ ایک گوشے سے جامی رحمۃ اللہ علیہ نمودار ہوں گے اور تاجِ شفاعت کو فُرقِ اقدس پر دیکھ کر انھیں یاد آجائے گا کہ جب انھوں نے کہا تھا:

اے بر سَرت از نورِ قِدَم تاج لعمرک
خاکِ قدمت بردہ ملایک بہ تبرک

اے وہ ذاتِ اقدس جن کے سرِ اقدس پر اولیت کا نور اور العمرک کا تاج ہے۔
آپ کے قدموں کی خاک وہ ہے جسے ملائکہ تبرک بنا کر لے جاتے ہیں۔

پھر ان کے لبِ شیریں کلام کو جنبش ہوگی اور وہ فرمائیں گے:

چوں تو گیسوئے شفاعت بنہی بر کفِ دست
من بیک موئے تو بخشم بہ جہاں ہر چہ کہ ہست

آپ ﷺ کی ذات تو وہ ہے کہ ربِّ کریم آپ ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے حبیب ﷺ! اگر آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک پر گیسوئے شفاعت رکھ لیں تو آپ ﷺ کے ایک بال کے بدلے جہاں میں جو کچھ ہے اسے تول دوں۔

پھر جامی رحمۃ اللہ علیہ آبدیدہ ہو جائیں گے، آنسو حلقۂ چشم سے نکل کر رخسار پر اور رخسار

سے دامن پر آجائیں گے، لب ہل رہے ہوں گے اور آواز آ رہی ہوگی:

مذنب چوں من نباشد در تمامی اُمت
رحم کن بر حال ما یا رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت میں سب سے زیادہ گناہ گار جامی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہی رحمت ہیں۔ اس گناہ گار کے حال پر رحم فرمایئے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال دیکھ کر اپنے جدِّ امجد کے حضور تمام امت کے لیے عرض کریں گے:

نامہائے عاصیانِ اُمتِ خود را ببیں
پس بفرما تا گناہاں راکنند از نامہ حک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمت کے عاصیوں کے ناموں کو دیکھیے اور حکم فرمایئے کہ نامۂ عصیاں سے ان کے نام نکال دیے جائیں۔ (حک: بمعنی کھرچنا، کھرچ کر نکال دینا۔)

اس ہجوم میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بھی کھڑے ہوں گے۔ یہ شعر سن کر ان کا حوصلہ بڑھے گا اور وہ اس طرح لب کشا ہوں گے:

بر اُمم از عونِ تو رحمتِ حق بیش باد
ہشت در خلد باز ، ہفت درک بیش باد
مایہ عصیانِ ما ہست ز اندازہ بیش
در حقِ ما عاصیاں عونِ تو زاں بیش باد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے امتوں پر رحمتِ حق میں اضافہ ہو اور ان پر جنت کے آٹھ (تمام) دروازے کھل جائیں اگرچہ ہمارے گناہوں کا ذخیرہ اندازے سے بہت زیادہ ہے۔ اے (پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم گناہ گاروں کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اچانک ایک جانب سے حضرت حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ بڑھ کر قدموں سے لپٹ جائیں گے

اور دامن تھام کر عالمِ گریہ میں کہیں گے:

بخشوانا مجھ سے عاصی کا روا ہوگا کسے
کس کے دامن میں چھپوں دامن تمھارا چھوڑ کر

یقیناً روزِ محشر ہر وہ شخص، جس نے دنیا میں رہ کر سفید و سیاہ کیا ہے، پریشان و بد احوال ہوگا اور اس کی نگاہیں رحمتِ عالم ﷺ کی منتظر و متلاشی ہوں گی؛ حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا انبیاء علیہم السلام اور کیا ان کی امتیں، طلب گارِ رحمت ہوں گی۔ اس عرصۂ محشر میں عظمت و بزرگی، شفاعت و رحمت کا سب سے بڑا اعزاز اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ پہلے وہ سرِ اقدس۔۔۔ جس نے ۲۳ برس کی زندگی میں اپنے ربّ کے حضور جھکنے کا وہ شعار اپنی امت کو بخشا کہ روزِ قیامت تک زمانہ اللہ اکبر کی صدا سن کر سربسجود ہو جاتا ہے۔۔۔ وہ سرِ اقدس اپنے رب کے حضور ایک طویل سجدہ کرے گا اور اپنے رب کی حمد و ثناء کا حق ادا کر دے گا تو ادھر خالق بھی سر اٹھانے کا حکم دے کر اپنا وعدہ پورا کر دے گا جو اس دارِ فانی میں یہ کہہ کر کیا تھا: وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔ حضرت امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کے نزول پر فرمایا تھا: اے عراق والو! تم کہتے ہو کہ قرآن میں یہ آیت لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ گناہ گاروں کے لیے خوشخبری ہے لیکن ہم اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ اب ہمارے لیے سب سے بڑی خوشخبری یہ آیت ہے: وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔

پھر آپ ﷺ کے ہاتھ میں لواء حمد دیا جائے گا، سر پر تاجِ شفاعت رکھا جائے گا اور مقامِ محمود پر فائز کر دیا جائے گا۔ اسی موقعے کے لیے حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

آتا ہے وہ جو صاحبِ تاج و سریر ہے
رونقِ فضا ہے، خلق کا جو دستگیر ہے
دربارِ عام گرم ہوا، اشتہار دو
جنّ و ملک سلام کو آئیں، پکار دو

اور آنے کے بعد جو لطف و کرم گناہ گارانِ امت پر ہوگا حافظ پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف دو مصرعوں میں اس کی ایسی تصویر بنائی ہے، یہ تصویر بھی دیکھیے:

وہ ہی اچھے رہے ، محشر میں ، جو رحمت برسی
بے گناہوں سے کھڑے تھے جو گناہ گار جدا

زبان کی وضاحت کے لیے محاورے اور استعارے جسمِ الفاظ میں جان کی حیثیت رکھتے ہیں، تشبیہ کا بھی یہی عالم ہے۔ ''تاج'' درحقیقت اردو، فارسی ہی نہیں عربی زبان کی فصاحتِ کلام کا حصہ ہے، اس سے مراد عزّ و شرف ہے کہ ایک تو وہ قیمتی جواہرات سے مزین ہوتا ہے اور ایسا ہونے کے سبب وہ ہر کس و ناکس کی دسترس میں نہیں ہوتا، پھر اس کی جو تاریخی حیثیت بن گئی تو یہ بھی لازم قرار پایا کہ جو اس کو پہنے وہ کسی اعتبار سے اس کا موزون و مستحق بھی ہو۔ کسی دکاندار، کسی شاعر، کسی کارخانہ دار کے سر پر رکھ دیں تو اس شاعر، تاجر یا صنعت کار کی قدر و قیمت تو نہیں بڑھے گی البتہ تاج اپنی وقعت کھو بیٹھے گا۔ ان امور کو پیشِ نظر رکھیں تو تاج کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔''

صاحبِ التّاج سے مراد:

صاحب التاج سے مراد ہے کہ شبِ معراج، مراتب و بلندی کا تاج حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے سر پر رکھا جو تھا ہی ان کے لیے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے قلوب میں کیا کیا نہ تمنائیں اور آرزوئیں مچلتی ہوں گی لیکن جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے، یعنی پاسِ ادب سے بات بھی دل کی نہ کہہ سکے، کیوں کہ بارگاہِ خداوندی کے جلال اور آداب سے واقف تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بصارت نے تقاضا کیا اور ضد کی حد تک چلے گئے، رَبِّ اَرِنِیْ کی تکرار کر ڈالی۔ لیکن یہ مرتبہ، یہ شان ـــ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندے کو ایک رات سیر کرائی آسمانوں کی، اپنی نشانیاں دکھائیں اور آسمان کی مخلوق سے کہا کہ لو دیکھ لو آج تم سب میرے محبوب ﷺ کو ـــ یہ رتبہ کسی پیغمبر کو نصیب نہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وادی طور تھی اور سیّد الوجود ﷺ کی وادی قَابَ قَوْسَیْنِ تھی۔ آپ ﷺ کا طور شبِ معراجِ نور، آپ ﷺ کا رفرف وہ حرف آخر تھے جو انبیاء علیہم السلام کے دیوان میں لکھے گئے اس رات جس کا ذکر سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی میں فرمایا۔ ربّ تبارک و تعالیٰ نے جن خلعتوں سے اپنے محبوب ﷺ کو نوازا۔ اوّل یہ کہ محبوب ﷺ نے

محب کی نشانیوں کو دیکھا۔ آپ ﷺ کے وجود کی جبینِ سعادت پر اس رات شرف کا وہ تاج رکھا جو اس سے قبل نہ کسی کو میسر ہوا نہ اس کے بعد کسی کا حصہ بنا۔ انبیاء علیہم السلام میں کسی نے قَابَ قَوْسَیْنِ کی سیر نہیں کی۔ اس باغ کی عطرِ معرفت میں بسی ہوا کسی کو میسر نہ آئی نہ کسی سے کہا گیا: السلام علیک ایھا النبی (اے نبی سلام ہو)۔ اور پھر قیامت تک اللہ کے حضور جھکنے والوں پر اسی سلام کی شرط لگا دی۔

تمام انبیاء علیہم السلام اَوْ اَدْنٰی کے حجاب سے پیچھے رہ گئے، ادھر دَنَا فَتَدَلّٰی کا مالک آگے بڑھا یعنی قریب ہوا، پھر زیادہ قریب ہوا۔ ایسا قرب کسی کو نہ ملا جسے دیکھ کر تمام ارواحِ انبیاء علیہم السلام زبانِ معرفت سے بول اٹھیں: آپ ﷺ ختم الرسل ہیں، آپ ﷺ کے تاجِ شرف پر وحی کے موتی سجائے گئے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

ترجمہ: اور اللہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ (سورہ بقرہ: آیت ۵)

اسی فضلِ خاص کا ذکر بار بار اپنے محبوب ﷺ کے لیے فرماتا ہے، چنانچہ سورۃ النساء میں فرماتا ہے:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

ترجمہ: اے حبیب ﷺ! اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر فضلِ عظیم ہے۔ (النساء: آیت ۱۱۳)

بنی اسرائیل کی سورۃ میں فرمایا: اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا
اے حبیب ﷺ یقیناً اس کا فضل و کرم آپ ﷺ پر بے حد ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل: آیت ۸۷)

شاہنشہِ اصفیاء محمد ﷺ
تاجِ سرِ انبیاء محمد ﷺ

والمعراج

وہ شان و شوکتِ شب دیکھتا کوئی اُس شب
تھی رات صبح پہ خنداں، درود تاج میں ہے

وَالمِعرَاج

بس ایک رات کا مہماں انھیں بنانے کو
زمیں سے عرش نے کی ہوں گی منتیں کیا کیا

(ادیبؔ)

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی:

پہلے اصل واقعے کا اختصار کے ساتھ ذکر۔ سورہ بنی اسرائیل میں قرآنِ کریم کی آیات میں اس عظیم الشان واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا

"پاک ہے (ہر عیب سے) وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گردونواح کو، تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔"

اس واقعے سے کون ایسا کلمہ گو ہے جو واقف نہیں، کس دل میں اس کی عظمت نہیں؟ لیکن اس خاص لطفِ خداوندی کا تاریخی پس منظر بھی عجیب ہے۔ جب بھی اللہ کے محبوب ﷺ کو شدید امتحان، مصایب اور سختیوں سے گزرنا پڑا اللہ تعالیٰ نے ایسی نویدِ مسرت سنائی کہ وہ آیاتِ مقدسہ اس کی عظمت و بزرگی کے ساتھ اس کی رحمتِ بے پایاں کی مظہر ہو گئیں۔ سورہ کوثر کا نزول اور سورہ والضحیٰ اس کی گواہ اور مثالیں ہیں۔ اسی طرح اس واقعے کا پس منظر بھی ایسا ہی ہے کہ جسے پڑھ کر آنکھ نم ہو جاتی ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

اللہ کے محبوب ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر جس دن قریشِ مکہ کو توحید کی دعوت
دی اسی دن سے آپ ﷺ پر مصایب، مخالفت، مخاصمت اور سختیوں کا دور شروع ہو گیا
جب تک آپ ﷺ کے مشفق چچا حضرت ابو طالب حیات تھے، اُم المومنین حضرت خدیجہ
الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی حیات رہیں کفارِ مکہ کو کھلی چھوٹ نہ تھی، ہر نازک مرحلے پر تسکین
طمانیت کا سامان تھا لیکن ان کے بعد انسانیت سوز کارروائیوں کا آغاز ہو گیا اور ان کی
ایذاء رسانیاں حد سے بڑھ گئیں۔ اہلِ مکہ کی جفاکاریوں سے مایوس اور دل برداشتہ ہو کر
آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا اور توحید کا پیغام پہنچایا لیکن وہاں جس طرح آپ ﷺ
کے زخموں پہ نمک پاشی ہوئی وہ واقعہ بڑا دردناک منظر پیش کرتا ہے۔ ایک جانب حالات
کی ناسازگاری دوسری جانب ظاہری سہارے جو ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ یہی و
وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر خاص کرم فرمایا۔

اللہ کے محبوب ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریل
امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور خداوندِ کریم کے ارادے سے آگاہی بخشی۔ چاہِ زمزم کے قریب
سینۂ اقدس چاک ہوا، قلبِ اطہر میں حکمتِ خداوندی بھر دی گئی، سواری میں براق پیش ہو
اور آپ ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا۔ آپ ﷺ کی اقتداء میں تمام انبیاء علیہم السلام نے
نماز پڑھی، پھر درجہ بدرجہ منزلوں سے گزرتے، انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات
کرتے ہوئے انوارِ ربانی کی تجلی گاہ تک پہنچے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَ
أَدْنٰى کا بیان کسی بشر سے ممکن ہی نہیں، عقل کی رسائی سے جو بالاتر ہے علامہ سیّد سلیمان ندوی
رحمۃ اللہ علیہ نے جن الفاظ میں بیان کیا وہ یوں ہیں:

> ''پھر شاہدِ مستورِ ازل نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہِ راز میں
> راز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بارِ الفاظ کی
> متحمل نہیں ہو سکتی: فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى۔''

(''سیرت النبی ﷺ'' جلد سوم

واقعۂ معراج کی جتنی شد و مد سے مخالفت ہوئی ہے ایسی کسی اور واقعے کی نہیں
ہوئی۔ یہ مخالفت عہدِ رسالت مآب ﷺ سے ہمارے زمانے تک چلی آ رہی ہے

بالخصوص مغربی مفکرین نے اس کے ہونے اور اس کے نہ ہونے کے علاوہ جسمانی طور پر ہونے کے کسی دلیل کو تسلیم نہیں کیا اور اس طرح ہونے کو قانونِ قدرت کے خلاف قرار دیا۔ یہاں مقام افسوس ہے کہ مستشرقین کے افکار کی تقلید میں ہمارے اپنے احباب نے بھی ہمارے عقیدے پر ضرب لگائی۔ ان اعتراضات کی اور ان کے جوابات کی تفصیل بہت ہے لیکن میں اپنے قاری تک وہ چند بنیادی باتیں پہنچا دینا چاہتا ہوں جو ان اعتراضات میں پوشیدہ ہیں کیونکہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی دوربین نگاہوں نے دیکھا تو اپنی قوم کو اس طرح آگاہ کر دیا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرار بولہبی

اعتراض اور اس کا پہلا حوالہ:

کونسٹانس جیور جیو سابق وزیرِ خارجہ رومانیہ نے سیرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا عربی ترجمہ حلب یونیورسٹی سے ہوا ہے۔ ترجمہ ڈاکٹر محمو التونجی نے کیا ہے جو ''نظرۃ الجدیدہ فی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے بیروت سے شایع ہوا ہے۔ اس میں وزیرِ موصوف نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس واقعے پر علوم طبیعیات کی رو سے دو اعتراض وارد ہوتے ہیں: پہلا اعتراض رفتار کی سرعت کے متعلق ہے۔ دوسرا یہ کہ کیا جسمِ خاکی کے لیے ممکن ہے کہ فضاء میں روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر پرواز کر سکے؟ معراج کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے افقِ اعلیٰ تک تشریف لے گئے، پھر واپس بھی تشریف لے آئے حالانکہ مشہور عالم سائنسدان اور ریاضی دان آئن اسٹائن کے نزدیک کائنات کے دائرہ کے قطر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اگر روشنی سفر کرے تو اس کو یہ مسافت طے کرنے کے لیے تین ہزار ملین نوری سال کا عرصہ درکار ہے جب کہ روشنی کی اپنی رفتار تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ ہے جسے ہندسوں میں یوں لکھا جا سکتا ہے: 3000000000=3000x1000000 یعنی تین ارب نوری سال۔

(نظرۃ الجدیدہ، صفحہ ۱۴۳، مطبع بیروت)

علمائے طبیعیات کی نظر سے جب یہ مضمون گزرے گا تو یقیناً ان کے دل و دماغ میں یہ شبہات پیدا ہوں گے کہ واقعی جسدِ خاکی کا اس رفتار سے سفر کرنا عقلی طور پر ناممکنات سے ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ بیشک عقلی طور پر بظاہر یہ ممکنات سے نہیں لیکن جب منزل ایمان میں قدم رکھتے ہیں تو ہر صاحبِ ایمان اس کی نفی کرنے کو اس کے قبول کرنے پر ایمان کی دلیل گردانتا ہے، مثلاً: خود کونسٹانس جیور جیو (اس کتاب ''نظرۃ الجدیدۃ'' کا مصنف) اسی کتاب میں آگے چل کر اپنے ہی مضمون میں اس اعتراض سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ بھی اہلِ کتاب (عیسائی) ہے، کہتا ہے:

''اگرچہ علمِ طبیعیات کے نزدیک یہ امر ممکن نہیں کہ اتنی مسافت رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہو لیکن مذہبی نقطۂ نظر سے ہمیں اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کہ ہم عیسائی بھی ہیں جو بہت سی ایسی چیزوں کو اپنے مذہبی عقاید میں شمار کرتے ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہمیں مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔''

(نظرۃ الجدیدہ فی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۴۳، مطبع بیروت)

اتنے قوی اعتراض کے باوجود، جو سائنسی نقطۂ نگاہ سے مضبوط بھی ہے اور مدلّل بھی، اپنے بیان کے آخری حصے میں مسلمانوں کے عقیدے پر اعتراض نہ کرنے کی طرف کس لیے لوٹ آیا کہ اس نے اپنے عقیدے کی بات وہاں شامل کر لی اور وہ یہ جانتا تھا کہ اگر طبعی امور کی بنیاد پر اس واقعے سے انحراف کیا جائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے لیے ہم (عیسائی) کہاں سے دلیل لائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا ان کے عقیدے کی بنیادی باتوں میں سے ایک ہے خواہ وہ انجیلِ مرقس ہو یا انجیلِ لوقا۔ میں یہاں ان دونوں کا حوالہ بھی پیش کرتا ہوں:

انجیلِ مرقس اور انجیلِ لوقا:

''غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا۔'' (انجیلِ مرقس: باب سولھواں، آیت ۱۹)

''پھر وہ انھیں بیتِ عیناہ کی طرف لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انھیں برکت دی۔ جب وہ انھیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ وہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔'' (انجیلِ لوقا: باب ۲۴، آیت ۵۰-۵۱)

کیا قرآنِ کریم میں صرف یہی ایک واقعۂ معراج ایسا بیان کیا گیا جو علمِ طبعیات کی رو سے قابلِ قبول نہ ہو؟ ایک تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے جو قرآن ہی میں بیان ہوا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر سورۃ النمل میں بڑی شان اور اہتمام سے کیا گیا ہے جس میں ایسے ہی سفر کا بیان ہے جو طویل فاصلے کو پلک جھپکتے میں طے کرنے اور قدرتِ خداوندی کی کرشمہ سازی کا نہایت دلچسپ واقعہ ہے۔ ''سیّد الثقلین'' کے زیرِ عنوان اس واقعے کی جھلک آپ کو آیندہ اوراق میں ملے گی جو جنّہ (مخلوق جنّ) کی تفصیل میں بیان ہوا ہے۔

چونکہ بات طبعیات کے علم کے حوالے سے ہے اور واقعۂ معراج پر اس کی ضرب لگائی گئی ہے میں ایک حوالہ اور پیش کرتا ہوں کہ قرآنِ کریم کے کس کس واقعے کو عقلی دلایل سے رد کریں گے؟

سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہ واقعہ پندرھویں آیت: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا سے وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تک پھیلا ہوا ہے۔ کل تعدادِ آیات چالیس ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے:

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تحایف قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے قاصد اسے واپس لے گئے اور سارا ماجرا اپنی ملکہ (بلقیس) سے کہہ سنایا۔ وہ سمجھ گئی کہ آپ علیہ السلام بادشاہ نہیں ہیں اور ان سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے لیکن ایمان لانے سے قبل وہ آپ علیہ السلام کے احوال کا خود مشاہدہ کرنا چاہتی ہے چنانچہ شاہی تزک واحتشام کے ساتھ وہ (بلقیس) آپ علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی۔ جب وہ قریب پہنچ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے ربّ کی قدرتِ کاملہ کا ایک بیّن ثبوت بلقیس کو دکھائیں اور اس پر یہ امر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (سلیمان علیہ السلام) کو کتنی عزت و کمال عطا کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کے غلاموں میں ایسے باکمال موجود ہیں جو کرشمے دکھا سکتے ہیں چنانچہ

آپ علیہ السلام نے درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تم میں سے کون بلقیس کے شاہی تخت کو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے لاسکتا ہے؟'' جنوں میں سے ایک طاقتور جن اٹھا اور دست بستہ عرض کی کہ اگر اس خادم کو حکم ہو تو اس مجلس کے برخواست ہونے سے قبل اسے (تخت) یہاں پہنچادوں۔ (اگر چہ وہ بڑا بھاری بھر کم ہے اور مسافت بھی پندرہ سو میل سے زیادہ ہے لیکن) میں قوی ہوں، ایسا کر سکتا ہوں اور امین ہوں۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اتنا انتظار گوارا نہیں تھا چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا، اس نے مؤدبانہ عرض کی کہ اگر مجھے اجازت مرحمت فرمادی جائے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے ''قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ'' تخت کو وہاں سے اٹھا کر آپ علیہ السلام کے قدموں میں لاکر رکھ دوں گا۔ آپ علیہ السلام نے اجازت مرحمت فرمائی اور جب آپ علیہ السلام نے آنکھ اٹھائی تو تخت وہاں موجود تھا۔

اس تذکرے میں قابلِ غور بات ایک اور بھی ہے، وہ یہ کہ عفریت یعنی طاقتور جن نے یہ خواہش ظاہر کی مگر آپ علیہ السلام نے ایک ایسے شخص کو اجازت مرحمت فرمائی جو انسانوں میں سے تھا اور کمال اس میں ''علمِ کتاب'' کی وجہ سے تھا جس کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا: ''قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ'' (عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا)۔ قرآنِ کریم میں اس آدمی کی جانب سے صرف اجازت طلب کرنا کافی تھا پھر کتاب سے اس کے تعلق کا ذکر کیوں فرمایا؟ یہ ہم بعد میں بتائیں گے۔ یہاں یہ بات، کہ پندرہ سو میل کا سفر جسدِ خاکی نے کیا اور جو چیز وہ لایا (تخت) وہ بھی مادی اشیاء سے بنی ہوئی تھی، قابلِ غور ہے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کا ایک شخص، ان کا ادنیٰ غلام، علمِ طبیعی کے تمام قوانین، اصول وحدود کو توڑ کر جا سکتا ہے، آسکتا ہے اور سامان لاسکتا ہے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین سے افلاک کی بلندی پر اٹھائے جا سکتے ہیں تو جو

سیّد البشر ﷺ ہیں، وجہِ وجودِ کائنات اور محبوب ﷺ ربّ ہیں وہ کیوں کر جسدِ اطہر کے ساتھ معراج کا سفر نہیں کر سکتے؟ جو اعتراض سائنسی اور ریاضی کے اصول پر سفرِ معراج پر ہوتا ہے وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی ہوتا ہے لیکن مستشرقین نے ضرب لگائی تو واقعہِ معراج پر کیونکہ انھیں قرآن کو، نعوذ باللہ، جھٹلانا تھا تاکہ وہ اپنی کتابوں، توریت اور انجیل، کے محرّف ہو جانے کا بدلہ لے سکیں۔ اگر وہ دیگر انبیائے بنی اسرائیل یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسے اعتراض کرتے تو ان کا مذہبی تقدس مجروح ہوتا۔ اس نکتے کو ہمارے احباب نہ سمجھ سکے اور ان کے ہمنوا بن گئے اور خود ہی Law of Nature کے حوالے سے معراج کے جسمانی ہونے سے منکر ہو گئے۔

یہ سائنس اور ریاضی ایسے خشک مضامین ہیں جن کے حوالوں سے گفتگو لذتِ گفتار سے محروم ہو جاتی ہے، گویائی کا حسن چلا جاتا ہے اور قاری بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ دیکھیے وہ فقیرانِ درِ دربارِ کرم، وہ گدایانِ کوچہِ رحمت، وہ عاشقانِ رسول ﷺ واقعہِ معراج کو جب دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا کہتے ہیں:

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی، وہ کیا فرماتے ہیں:

شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گزشت
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ ﷺ کی بلندی مرتبہ تو افلاک کی بلندیوں سے بھی گزر گئی۔ آپ ﷺ اس مقام تک جا پہنچے جہاں کسی نبی علیہ السلام کو پہنچنے کا شرف حاصل نہ ہوا۔

فیضی زبانِ فارسی کا عظیم و بلند پایہ شاعر ہے۔ چھوٹی بحر میں بڑے لطیف خیال کو، دریا کو کوزے میں جیسے، بند کر دکھاتا ہے۔ یہاں بھی صرف دو مصرعوں میں دو علیحدہ علیحدہ مراتب کو کس خوبی کے ساتھ بتا رہا ہے:

خاکی و بہ اوجِ عرش منزل
اُمّی و کتاب خانہ در دل

اگرچہ آپ ﷺ بہ اعتبارِ جسم خاکی ہیں لیکن اپنی منزلت کے اعتبار سے عرش کی

بلندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و منزل ہے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ظاہر میں امی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ایک کتاب خانہ ہے کیوں کہ پہاڑ تو ریزہ ریزہ ہو جاتے اگر قرآن ان پر نازل ہوتا یہ تو قلبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھا جو دنیا کی سب سے عظیم کتاب کو اپنے اندر جذب کر گیا۔ درود تــــاج کا نام تاج اس لیے رکھا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے صفاتی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام الاکلیل ہے (بمعنی تاج)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے سر کا تاج ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور علو کے سبب سے یہ نام ہے۔ تاج کا نام اکلیل رکھا گیا کہ کل سر کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ تحقیق امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو ''المواہب اللدنیہ'' میں اسمائے صفاتی کی بحث میں منقول ہے جسے زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المواہب اللدنیہ میں پیش کیا ہے۔ گزشتہ اوراق میں زیرِ عنوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسمائے مبارکہ کا ذکر تفصیل سے گزر چکا ہے لیکن اس موضوع پر مزید عالمانہ بحث اور تفصیل، جو بہت دلچسپ ہے، زیرِ عنوان ''اسمہ مکتوب مرفوع مشفوع منقوش فی اللوح والقلم'' پیش کی ہے۔ آپ کی نظر سے گزرے گی جو آپ کے ذوق مطالعہ کی تسکین و تشفی کا باعث ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ المواہب اللدنیہ جلد دوئم کے صفحہ ۲۱۳ پر امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اسمِ شریف ''صاحب التاج'' ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت انجیل میں ہے۔ صاحب التاج سے مراد صاحبِ عمامہ ہے۔ بطریق استعارہ عمامے کو اس تاج سے تشبیہ دی گئی ہے جو ''اکلیل'' ہے۔ عرب عمامے سے زینت کیا کرتے تھے جیسے کہ عجم کے لوگ تاج سے۔

وَالبُراقِ

نظر اٹھائی جو مرکب نے جانبِ راکب
ہوا ہے جتنا وہ نازاں، درود تاج میں ہے

والبُراقِ

رکھا ہے زین روحِ امیں علیہ السلام نے براق پر
جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گنبدِ نیلی رواق پر

براق کی تعریف:

براق اس سواری کا نام ہے جس کا ذکر معراج شریف کے واقعے میں آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں براق کا تذکرہ نہیں ہے۔ براق کے ہونے اور نہ ہونے کی بحث بھی تاریخ کا ایک حصہ ہے اور اس پر اعتراض بھی کیا گیا ہے کیوں کہ دنیا میں سب سے آسان کام اعتراض ہے، جب چاہا جہاں چاہا اور جس پر چاہا کر دیا، اب دلیل اور حجت کے لیے کچھ پاس ہو کہ نہ ہو۔ چونکہ قرآنِ کریم میں براق کا ذکر نہیں ہے اس لیے کتبِ احادیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے ہی اس پر تحقیق کی جا سکتی ہے۔ اس مرکبِ ہمایوں کی تصدیق کے لیے ایک ہی واقعہ ایسا ہے جو حجت ہے اس کے وجود پر۔

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب ''انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون'' میں، جو سیرت حلبیہ کے نام سے بھی مشہور ہے، مستند حوالوں کے ساتھ اس واقعے کو پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی جب ہرقل، قیصرِ روم کو ملا وہ اس وقت ایلیا میں تھا۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ شہر میں تلاش کرو اگر مکے کا کوئی باشندہ یہاں آیا ہوا ہو تو اسے میرے پاس پیش کرو۔ اتفاق سے ابوسفیان، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا، اپنے تجارتی کارواں کے ہمراہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اسے اس کے ساتھیوں سمیت قیصر کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ قیصر نے ان لوگوں سے پوچھا: مکے کے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے اس کا قریبی رشتے دار کون ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ میں ان صلی اللہ علیہ وسلم

کا سب سے قریبی رشتے دار ہوں۔ قیصر نے ابوسفیان کو اپنے سامنے بٹھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کرنا شروع کر دیے۔ باتوں باتوں میں موقع پا کر ابوسفیان کہنے لگا: اے بادشاہ! کیا میں تمھیں ایک ایسی بات بتاؤں جس سے تمھیں پتا چل جائے کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم شخص جھوٹا (العیاذ باللہ) ہے۔ قیصر نے کہا بتاؤ: اس نے (ابوسفیان نے) کہا: وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایک رات حرم مکہ میں مکہ کی سرزمین سے روانہ ہو کر یہاں تمھاری اس مسجد میں آیا اور یہاں سے ہو کر اسی رات مکہ واپس پہنچ گیا۔ ابوسفیان کا تو یہ خیال تھا کہ اس بات کو سن کر قیصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا سمجھنے لگے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر ہو جائے گا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ بات سن کر پادریوں کا ایک سردار اٹھا اور کہنے لگا کہ میں اس رات کو پہچانتا ہوں جب وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں آئے۔ قیصر نے پوچھا: تمھیں کیسے اس کا پتا چلا؟ بطریق بولا: میرا معمول تھا کہ سونے سے پہلے میں مسجد کے تمام دروازے بند کر کے سویا کرتا تھا۔ اس رات بھی میں نے سارے دروازے بند کر دیے لیکن ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے سب حاضرین کو بلایا تا کہ سب مل کر اس دروازے کو بند کر سکیں۔ ہم نے مل کر زور لگایا لیکن ہم اسے بند نہ کر سکے، آخر یہ طے پایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، شاید ساری عمارت کا بوجھ اس ایک دروازے پر آپڑا ہے، آج رات اسے یوں ہی رہنے دو، صبح کسی معمار کو بلا کر دیکھیں گے اور اسے درست کرائیں گے۔ ہم سب چلے گئے۔ صبح سویرے جاگ کر میں اس دروازے کی جگہ پر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ دروازے کے ایک کونے میں جو پتھر تھا اس میں تازہ تازہ کسی نے سوراخ کر دیا تھا۔ وہاں ایک چوپائے کے بندھنے کے نشان بھی تھے۔ میں نے جب کواڑ بند کیے تو آسانی سے بند ہو گئے۔ اس سے مجھے اُس بات کی تصدیق ہوئی، جو میں نے قدیم کتابوں میں پڑھی تھی، کہ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس سے آسمان کی جانب عروج فرمائے گا۔

(''انسان العیون'' جلد اول، ص ۳۵۳)

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' جلد سویم میں اس واقعے پر روشنی ڈالی ہے۔ تین حوالوں سے براق کا ذکر کیا ہے۔ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، ترمذی شریف اور ابنِ جریر طبری لکھتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق پر سوار

ہونے کا قصد کیا تو براق نے شوخی کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیوں شوخی کرتا ہے؟ تیری پشت پر آج تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص طرزِ بیان میں خوبصورت جملوں میں اس واقعے کو اس طرح لکھا ہے:

''الغرض جب اسلام کی سخت اور پُر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان وسکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شبِ مبارک آئی اور اس شبِ مبارک میں وہ ساعتِ ہمایونی آئی جو دیوانِ قضاء میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرِ ملکوت کے لیے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہِ ربانی سے احکامِ خاص کا اجراء اور نفاذِ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوانِ جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہدِ عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ روح الامین علیہ السلام کو پیغام پہنچا کہ وہ سواری، جو بجلی سے تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لیے مخصوص ہے، حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔

''کارکنانِ عناصر کو حکم ہوا کہ مملکتِ آب و خاک کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیے جائیں اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب و کلام کی تمام پابندیوں کو اٹھا دیا جائے۔'' (''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' جلد سویم، ۴۰۶)

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انسان العیون'' میں جس طرح اس واقعے کی تصدیق فرمائی ہے اسے اب تک کوئی دروغ یا خلافِ واقعہ ثابت نہیں کر سکا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ براق کے متعلق بھی تحقیق کا سلسلہ قایم ہوتا، کیونکہ واقعۂ معراج سے اس کا تعلق ہے۔ جہاں واقعۂ معراج پر شدّ و مد سے اعتراضات ہوئے براق پر بھی کیے جا سکتے تھے۔ سیرت کی تمام کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا کہ کہیں کوئی نئی بات مل جائے لیکن ہر کتابِ سیرت میں

ایک ہی طرز کا بیان ملتا ہے اور کہیں کہیں تو نہایت اختصار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک آدھ جملے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

حضور ﷺ ایک رات خانۂ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضور ﷺ اٹھے، چاہ زمزم کے قریب لائے گئے، سینۂ مبارک کو چاک کیا گیا، قلبِ اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا، پھر سینۂ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقے سے انبیاء علیہم السلام کی سواریوں کو باندھا جاتا براق کو باندھ دیا گیا۔ حضور ﷺ مسجدِ اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ سابقین انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کے لیے چشم براہ تھے۔ حضور ﷺ کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے روز ازل جو وعدہ لیا گیا تھا، کہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: آیت ۸۱) تم میرے محبوب ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، کی تکمیل ہوئی۔ ازاں بعد مرکبِ ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ یہاں ختم ہوا۔

امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس منظر کو اس طرح اپنے شعر میں پیش کیا اور بہت خوب کیا:

آپ ﷺ بالائے براق آتے ہیں اور روحِ امیں علیہ السلام
بوسہ دیتے ہوئے بالائے قدم آتے ہیں

وَالْعَلَمِ

وہ روزِ حشر ، وہ دستِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، لواءُ الحمد
کرم جو ہوگا پھر ارزاں، درود تاج میں ہے

وَالعَلَمِ

ترمذی شریف کی حدیث اور مناقبِ رسول ﷺ:

فخرِ کون و مکان، رحمتِ عالم و عالمیان، وجہِ وجودِ کائنات، باعثِ ایجادِ کل، شبِ الست کا بدرالدجیٰ، صبحِ کائنات کا شمس الضحیٰ، سیدِ اولادِ آدم ﷺ کی زبانِ گہربار نے اپنا قصیدہ یوں سنایا:

> قیامت کے دن میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام اور ان کی شفاعت کا پیرو کار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں۔ اور میرے ہی ہاتھ میں ''لواء الحمد'' (علم) ہوگا اور اس پر فخر نہیں۔ اور قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور تمام پیغمبر علیہم السلام میرے علم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں۔ اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ (لوگ) خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا۔ اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھوں میں ہوگا۔

(ترمذی شریف، مناقبِ نبوی ﷺ)

اس حدیثِ مبارکہ میں واضح طور پر لواء الحمد کا ذکر شاہکارِ موقلمِ کبریا کی زبان سے ہو رہا ہے۔ اس تاجدارِ سلطنتِ دوسرا اور شہریارِ مملکتِ انبیاء علیہم السلام کی بلندی درجات

کے جتنے بھی اعلیٰ وارفع مقامات شمار کرائے گئے، اگرچہ ان کا شمار ممکنات سے نہیں، ان
تمام میں روزِ محشر لواء الحمد مظہرِ جمالِ خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ وہ مرتبۂ اعلیٰ ہے کہ تمام
انبیاء علیہم السلام اس روز اسی علم کے نیچے ہوں گے۔

یہ قرآنِ کریم ہی ہے جس میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں مالک ومختارِ مطلق،
خالقِ ارض وسما، حریمِ غیب کے پردہ کشا کے لیے اہلِ جہاں کو بتا رہا ہے کہ جو اس کا
محبوب ﷺ ہے وہ افتخارِ مسندِ مجد وعلا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے عہد اسی کے
لیے لیا اور گواہی میں خود کو شامل کیا۔ مسجدِ اقصیٰ میں صفِ پیشیناں میں پیش سردارِ ساجدین
کو رکھا۔ سورہ کوثر اتاری۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى بھیجی۔ کبھی غمگین دیکھنا گوارہ نہ
کیا۔ پھر لنریہ من 'ایتنا فرما کر اپنی نشانیاں دکھائیں۔ پھر لحظہ بہ لحظہ درجات کی بلند سے
بلند منزلوں سے دانائے کامل کو گزارا۔ یہاں ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى کی منزل آئی جہاں سے فَكَانَ
قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کا مقام عطا ہوا۔ جو کسی کو نہ ہوا وہ انھی کا نصیب ہوا، جو کسی کو نہ ملا
وہ انھیں ملا۔ انتہائی قرب اور ہم کلامی۔ نہ فکرِ انسانی وہاں تک پہنچ سکتی ہے نہ تصور اس
مقام تک لے جاتا ہے جو مالکِ بزمِ کون ومکاں نے صاحبِ لولاک لما کے لیے
فرمایا: فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۔

سرِ عرش پر ہے تری گزر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

لواءُ الحمد کی شان:

اور پھر ترمذی شریف کی اس حدیث کی طرف واپس آجائیے جہاں لواءُ الحمد کا ذکر
فرمایا گیا۔ دارمی، مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے جس میں سرورِ کشورِ رسالت ﷺ نے
فرمایا:

اذا یئسوا الکرامة والمفاتیح یومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی
(دارمی، مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۴)

ترجمہ: قیامت کے دن جب لوگ مایوس ہوں گے عزت وکرامت کی کنجیاں

میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد کا جھنڈا بھی اس دن میرے ہاتھ ہی ہوگا۔

روزِ محشر، وہ یومِ حساب کہ جس کے تصور سے بڑے سے بڑے عابد و زاہد، متقی و شب زندہ داروں کے بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے، جس روز کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا، وہ ایسے امتحان کا دن ہوگا جس دن لوگ خدا سے التجا کریں گے کہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ ہم جو نہ کر سکے اب جا کر وہ کریں، لیکن اس روز کسی کی نہ سنی جائے گی اور اس لیے وہ دن مختص ہوگا شنوائی کے لیے اپنے محبوب ﷺ کی زبان سے جو عرش کے سایے میں جلوہ فرما ہوگا اور تمام نیک و بد، اولیاء و اصفیاء، صدیقین و شہداء، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و انبیاء علیہم السلام اس علَم کے گرد جمع ہوں گے جو عالمِ ظہور کے فرماں رواء اور حریمِ غیب کے پردہ کشا کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہی اس روز دوزخ سے نجات کا ذریعہ اور بخشش کا سہارا ہوگا۔ اور کیوں نہ ان کے دستِ اقدس کو لواء الحمد مرحمت فرمایا جاتا کہ آپ ﷺ نے مکّے کی سرزمین پر توحید کا جو علَم بلند کیا اسے قیامت تک سرنگوں نہ ہونا تھا، جس کی سربلندی کے لیے بدر کے میدان سے لے کر میدانِ کربلا تک رگِ جاں کا خون شامل رہا، اسی بہتے خون کے لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

یعنی اس کے خون کی بوند نے قیامت تک کے لیے استبداد کا راستہ منقطع کر دیا۔ یہی وہ خون ہے جو کبھی طائف میں، کبھی کربلا میں بہا اور جس کی موج سے ایک ایسا چمن ایجاد ہوا کہ قیامت تک خزاں اس کے قریب سے نہ گزرے گی۔ انشاء اللہ!

دافع البلاء

بلا کو پھر نہ ملا ٹھیرنے کو کوئی مکاں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ احساں درود تاج میں ہے

دافعِ البلاء

کاشفِ سرِّ ازل کی بارگاہ کے آداب:

کاشفِ سرِّ ازل، پردہ کشائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادہ تمام انبیاء و مرسلین میں جو مقام ارفع و اعلیٰ عطا فرمایا اس پر صاحبانِ تحقیق نے جو کچھ لکھا وہ بصد ادب و احترام لکھا۔ ادب و احترام کا مقصد صرف یہی نہیں کہ مناسب الفاظ میں تحریر ڈوبی ہو بلکہ ادب و احترام کا مقصد یہاں اس طرح ہے کہ جو بات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں صداقت سے دور ہو گی اس کے راوی کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ محدثین نے واقعات کی چھان بین اور روایتوں کی تصدیق حد درجہ احتیاط سے کی ہے۔ یہ احتیاط، ادب و احترام کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ تحریر و تحقیق میں اس ادب و احترام، بالفاظ دیگر اس احتیاط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اگر روایت غلط بیان کی اور احتیاط سے کام نہ لیا اور مستشرقین کو مخالفت کا مواد ہاتھ آ گیا تو پھر وہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیغام کا مذاق اڑانے میں دیر نہیں لگائیں گے۔

دافعِ البلاء کے ضمن میں جو احادیث اور مستند اقوال، اگر وہ شکوک و شبہات سے بالاتر ہیں، تو کھلے دل سے ان کا اعتراف کرنا ہوگا، انکار سے بحث کے دروازے کھلیں گے۔ یہی ہماری تاریخ کا وہ حصہ ہے جب صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ ربانی پیش فرمائیں اور بت پرستی چھوڑ کر توحید کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اگرچہ یہ آیات بینات تمام شکوک سے بالاتر تھیں لیکن ہوا یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی کرم اللہ وجہہٗ نے دل سے قبول کر لیا، ابوجہل، شیبہ، ابوسفیان اور عتبہ نے اس کی حقانیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔ تو کیا ان کا انکار کر دینا کوئی وزن رکھتا تھا؟

بعض صاحبانِ ایمان معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمانِ کامل رکھتے ہیں، ایسا ایمان جو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہو لیکن بعض انھی معجزات کو جادو کہتے ہیں، جیسا کہ عہد رسالت میں ہوا، اور پھر قرآن میں ان باطل تصورات کے خلاف آیات کا نزول ہوا۔ بات ساری ایمانِ کامل کی ہے۔

دافعِ البلاء کی تفسیر سے پہلے ان کلمات کا پیش کرنا بھی ضروری تھا کیونکہ معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین اور شک دو مختلف و متضاد تسلیمی و انکاری کیفیات کا نام ہے: وہ دافعِ البلاء ہیں، وہ دافعِ البلاء نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو کھوٹے اور کھرے، حق اور باطل میں تمیز کرنے کی خوبی اور صلاحیت بخشتا ہے انھی کو اس کا فیض پہنچتا ہے۔ پانی اپنی شکل میں صاف اور شفاف ہوتا ہے لیکن ایسا نظر آنے کے بعد وہی میٹھا بھی ہوتا ہے اور وہی نمکین بھی۔ سونا جب تک کسوٹی پر نہ رکھا جائے سونا نظر آتا ہے، کھرا یا کھوٹا معلوم نہیں ہوتا۔ خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھ دی ہے وہ یقین اور شک میں تمیز کر لیتا ہے۔ جب دل بیماری سے پاک ہو تو وہ صدق اور کذب کے ذائقے کو جان لیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معجزہ غیر ذی روح اشیاء پر، مثلاً: چاند کا شق ہو جانا، جب اثر کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ روحِ انسانی کو متاثر کرنا ہوتا ہے، مقصود یہ ہوتا ہے کہ روحِ انسانی اثر پذیر ہو، اب روحِ انسانی میں جیسی روح ہو۔ معجزہ کی مثال دریا کی سی سمجھ لیں اور روحِ ناقص کو خشکی کا پرندہ تصور کریں، جب یہ خشکی کا پرندہ دریا میں جائے گا تو ڈوبنا اس کا مقدر بنے گا، اس کے مقابل روحِ کامل آبی پرندہ ہے، وہ موت سے بے پروا ہوتے ہوئے دریا کی موج اور آبِ رواں کا دوست ہوگا۔ مچھلی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر وہ دریا کو چھوڑ کر خشکی پر آجائے تو تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔

مخلوق کی حاجت روائی کا ذریعہ:

دافعِ البلاء کے ضمن میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس بندے سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔ جب وہ کسی ایک بندے سے اس کے ہی جیسے بہت سے بندوں کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے تو

جس کو ساری کائنات کے لیے اپنے اذنِ خاص سے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا اس کے لیے بلاؤں کا، وباؤں کا، قحط کا، مرض کا یا رنج والم کا دور کر دینا کیا کوئی مشکل بات ہے؟ (رحمت کا مفہوم کیا ہے اور اس لفظ کے مفہوم میں کتنی وسعت ہے، یہ زیرِ عنوان رحمت للعالمین میں ملاحظہ فرمائیے گا۔)

اب یہ بات کہ کیا بندہ حاجت روا ہو سکتا ہے؟ تو قول رسول اللہ ﷺ سے اس کی سند پیش کرتا ہوں، فرمایا رحمتِ دوجہاں، حامیِ بیکساں ﷺ نے:

اذا اراد اللہ بعبد خیرا استعملہ علیٰ قضاء حوائج الناس

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔ (بیہقی فی الشعب عن ابی عمر رضی اللہ عنہ)

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بندہ بندوں کی حاجت روائی بحکمِ ربی کرتا ہے۔ ضرورت اس بات کی نہیں، کہ اللہ عام بندے کے مقابل نبی کو کیا کچھ دیتا ہے، اس پر احادیث پیش کی جائیں ورنہ ایک دفتر پیش کیا جا سکتا ہے۔ محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اختیارات مصطفیٰ ﷺ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الامن والعلیٰ" میں ان تمام احادیث کو یکجا فرما دیا ہے جو قابلِ مطالعہ ہیں۔

بلاء کا مفہوم جن، بھوت، پریت یا آسیب ہی نہیں بلکہ مصائب کو بھی بلاء ہی کہا جاتا ہے۔ کرب وبلاء کا مفہوم آپ کیا لیتے ہیں؟ وہ مصیبت جیسے آگ، جو انسان کو یا کسی بھی شے کو جلا دیتی ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا واقعہ:

وہ مصائب، جن کا ذکر قرآنی آیات میں بھی آیا ہو، ان تمام کو بلاء ہی کہا جائے گا، مثلاً: ایک واقعہ، جسے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن میمون نے فرمایا، کہ جب مشرکینِ مکہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کو آگ میں ڈال دینا چاہا تو تیار تھے کہ انھیں آگ میں پھینک دیتے، اتنے میں وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ﷺ آ گیا، اپنا دستِ کرم حضرت

عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیا اور دُعا فرمائی:

یا نار کونی بردا و سلما علیٰ عمار کما کنت علیٰ ابراھیم تقتلک الفئة الباغیة۔(اوکما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

فرمایا: اے آگ عمار رضی اللہ عنہ پر ٹھنڈی ہو جا جیسے کہ تو ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی۔اے عمار رضی اللہ عنہ! تیرے مرنے کا یہ وقت نہیں بلکہ باغیوں کا ایک گروہ تجھے قتل کرے گا۔

(طبقات ابن سعد، کنز العمال، خصائص الکبریٰ جلد دوئم، ص ۸۰، زرقانی جلد پنجم، ص ۱۹۳)

آپ کا فرمان سن کر آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ بعد ازاں امیر المومنین حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر نے شامی باغیوں کے ہاتھوں شہادت پائی اور واقفِ اسرار کون ومکاں کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

قانونِ قدرت کی بحث ابتدا میں گزر چکی ہے، اس فلسفے کے پیروکار اس واقعے پر غور کریں کہ آگ کا فطری عمل جلانا ہے، اگر کوئی آگ کی خوشامد کرے تو کیا وہ جلانا چھوڑ دے گی؟ وہ اپنی فطرت کو بدلنے پر قدرت نہیں رکھتی لیکن اہلِ ایمان کا عقیدہ یہ ہے کہ آگ مخلوق ہے جس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں جلانے کی تاثیر بھی اسی نے بخشی ہے۔ جو خدا اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس کی صفت (جلانا) کو مٹا دینے کی بھی طاقت رکھتا ہے۔ نمرود نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہی کیا تھا لیکن آگ نے وہاں بھی وہی کیا جو اس کے خالق نے اس وقت چاہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر دعوت کا واقعہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر پر ایک دعوت میں جس دستر خوان پر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا اور جس رومال سے ہاتھ پونچھے تھے وہ دستر خوان اور رومال آگ میں ڈالے گئے اور وہ نہ جلے، اس واقعے کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے خوبصورت اشعار میں پیش کیا ہے اور نتیجہ بھی خوب نکالا:

اے دل ترسندہ از نار عذاب
با چناں دست و لب کن اقتراب

چوں جمادے را چنیں تشریف داد
جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد

ترجمہ: اے وہ دل، جس کو نارِ جہنم یعنی عذاب دوزخ کا ڈر ہے، ان پیارے پیارے ہونٹوں اور مقدس ہاتھوں سے نزدیکی کیوں نہیں حاصل کر لیتا جب کہ بے جان چیز نے دستر خوان کو ایسی فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی کہ وہ آگ میں نہ جلے تو جوان کے عاشقِ صادق اور بندہ بارگاہ بیکس پناہ ہیں ان پر جہنم کیوں نہ حرام ہو۔

بلاء کا مفہوم اور الخصائصِ الکبریٰ کا حوالہ:

بلاء کا مفہوم، جیسا کہ آغاز میں بیان کر چکا ہوں، صرف جن اور بھوت پریت کا ہی نہیں ہے، لیکن دافعِ بلاء پر شدید اعتراض کرنے والوں کو یہ گمان نہ ہو کہ بلاء کے معنی جو اصل ہیں اسے تبدیل کر دیا گیا اور نئے معنی پہنا کر ان کا جواب دیا جا رہا ہے تو یہاں ان کے بنیادی اعتراض کا جواب دیتا ہوں اور بلاء کا جو محدود تصور وہ اپنے ذہن میں رکھتے ہیں ان کے لیے یہ جواب کافی ہوگا ورنہ اگر دل تمیزِ حق و باطل سے محروم ہے تو ایک نہیں ستر امثال بھی ان کی تسلی نہیں کر سکتیں۔

"حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ کے مقام پر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمرۃ العقبیٰ کے پاس ارکانِ رمی ادا فرما رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا تھا، واپس تشریف لائے ایک خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا تھا جو آسیب زدہ تھا۔ اس کی ماں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس لڑکے پر بلاء مسلط ہو گئی ہے، کہ یہ بات ہی نہیں کر سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ وہ ایک برتن میں پانی لے آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (عورت) سے پانی لے کر اس برتن میں کلی فرمائی اور دُعا بھی فرمائی اور (پانی) اسے دے کر فرمایا: یہ پانی اس لڑکے کو پلاؤ اور اس پانی میں اسے غسل دو۔ اُم جندب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب وہ عورت چلی گئی تو میں بھی اس کے پیچھے گئی اور اس عورت سے کہا کہ

اس میں سے تھوڑا پانی مجھے بھی دے دے۔ اس عورت نے کہا: لے لو۔ میں نے وہ لے کر اپنے بیٹے عبداللہ کو پلا دیا تو ماشاء اللہ وہ زندہ رہا اور بہت نیک بخت ہوا۔ پھر میں اس عورت سے ملی تو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اچھا ہو گیا تھا اور اپنے ہم عمر لڑکوں میں ایسا ہو گیا کہ اس سے بہتر کوئی لڑکا نہیں تھا۔ وہ عقل و فراست میں اوروں سے بڑھ گیا تھا۔''

(تفسیرِ بیہقی، احمد، خصائصِ کبریٰ جلد دویم، ص ۳۸)

دُنیا والوں پر عذابِ الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی بلاء نہیں ہے کیونکہ جب یہ آتا ہے تو انبیاء علیہم السلام سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اب آپ علیحدہ ہو جائیں۔ اس کی کئی مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں کہ جب بھی عذاب آیا کوئی بچانے والا نہ تھا۔ اب اگر کوئی قوم اپنے بداعمال کے نتیجے میں عذاب کی مستحق ہو جائے تو عذاب آنا یقینی ہے لیکن اس رحمت للعالمین کا یہ معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا حالانکہ جن اُمتوں پر عذاب اُترا نبیوں سے فرمایا گیا کہ آپ اس شہر سے باہر نکل جائیں لیکن یہاں فرماتا ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کافروں پر عذاب نہ فرمائے گا جب تک اے محبوب ﷺ آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

آپ نے غور فرمایا اس آیت کے مفہوم پر کہ کافروں پر بھی عذاب روک دیا گیا صرف اس لیے کہ اس کا محبوب ﷺ ان میں تشریف فرما ہے۔ جو ذات ﷺ کفار پر عذاب کو ٹالنے والی ہے ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے طفیل کیا کچھ نہ ٹالے گا؟ بلاء کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں، یہ تو ان کے اولیاء اللہ بھی دور کر دیتے ہیں، حضور ﷺ کے غلاموں نے یہ کام کیا ہے اور آفتوں اور بلاؤں کو ٹالا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان امرأة جاء ت بابن لها الیٰ رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فقالت یا رسول الله ان ابنی به جنون و انه لیاخذه عند غدائنا و عشائنا فمسح رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم صدره فثعّ ثعة و خرج من جوفه مثل الجر و الاسود یسعی۔

ترجمہ: ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس بیٹے کو جن چمٹا ہوا ہے اور اسے صبح و شام پریشان کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، اسے فی الفور قے شروع ہوگئی اور اس کے پیٹ سے کالے پلّے جیسی ایک چیز نکلی جو اِدھر اُدھر دوڑتی پھرتی تھی۔

(دارمی، مشکوٰۃ شریف، شفا شریف ص ۲۱۴ جلد پہلی، زرقانی علی المواہب جلد پنجم، ص ۱۸۵)

اس ضمن میں متواتر احادیث ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ فیض رساں سے لوگوں کو فیض پہنچا اور بلاؤں کا رد ہوا۔ ان احادیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے اپنے لیے قاسمِ نعمت کے الفاظ کہے اور اپنے اختیارات کا اعلان بھی کبھی کبھی فرمایا۔ آئندہ اوراق میں جہاں ضرورت ہوگی قرآنِ کریم کی آیات اور احادیث پیش کی جائیں گی، انشاءاللہ!

کیا دافعِ البلاء کہنا شرک ہے، بدعت ہے؟

یہ شرک و بدعت کی بحث بہت طویل ہے۔ اس عقیدہ فاسدہ اور نظریہ فسادیہ کی مکمل بیخ کنی امام اہلِ سنت الشاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تفصیل کے ساتھ مستند احادیث اور آیات کے حوالوں سے مختلف تصانیف میں رقم فرمادی ہے اور میں دعوے سے یہ بات سپردِ قلم کررہا ہوں کہ اگر ان تصانیف کا صرف ایک بار مطالعہ کرلیا جائے تو تمام شکوک و شبہاتِ شرک و بدعت کا غبار چھٹ جائے گا اور تمام عقیدہ فاسدہ کے داغ سے حضور دافعِ البلاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کا دامن صاف نظر آئے گا۔ ناچیز نے اس تصنیف کے مقدمے میں بھی اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جن لوگوں کو درود تاج سے والہانہ محبت اور عقیدت ہے وہ دیگر کتب کے مطالعے سے گریز کرتے ہیں۔ جب آپ ایسی کتب کے مطالعے سے محروم رہیں گے، جن میں آپ کے عقائد پر اعتراض کے مدلل جواب دیے گئے ہیں، تو آپ کی سادہ دلی ان اعتراضات کا شکار ہوجائے گی۔ اس ناچیز سے کئی حضرات نے دافعِ البلاء پر بار بار استفسار کیا کہ ان لفظوں پر اعتراض کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور اسے شرک کہا جاتا ہے۔

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اعتراض سنا، اس کے جواب تک نہ پہنچے اور اپنی متاع ایمان لٹا بیٹھے، چنانچہ درود تاج کی تشریح میں دافع البلاء کا موضوع بہت اہم قرار دے کر اسے تفصیل سے بیان کررہا ہوں۔

یہ بات حیرت واستعجاب کا سبب ہے کہ ان معترضین نے یہ کیسے تصور کرلیا کہ جو چیز اللہ کی قدرت میں ہے اسے غیر کے لیے بعطائے الٰہی ماننا شرک ہوگیا؟ آیئے پہلے اس بات کو خود اچھی طرح آپ (قاری صاحبان) سمجھ لیجیے جسے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملے میں بہ آسانی سمجھا دیا ہے۔ ایک حقیقتِ ذاتیہ ہے اور ایک حقیقت عطائیہ، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نسبت واسناد کی دو قسم ہے: حقیقی کی سند الیہ حقیقتاً سے متصف ہو اور مجازی کی کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کردیں جیسے نہر کو جاری یا جالس کہتے ہیں اور سفینے کو متحرک کہتے ہیں حالانکہ حقیقتاً آب وکشتی جاری ومتحرک ہیں۔

پھر حقیقی بھی دو قسم ہیں: ذاتی، کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقتاً متصف کردیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو (یہ بحث طویل ہے، آگے چل کر فرماتے ہیں)، یعنی حقیقتِ ذاتیہ یہ ہے کہ وہ کسی کی عطا کے بغیر اپنی ذات سے عالم ہے، جیسا کہ وہ اپنے نفسِ کریم کو ''عالم'' کہتا ہے اور حقیقتِ عطائیہ یہ ہے کہ قرآن میں، جیسا کہ وارد ہوا، انبیائے کرام کے ضمن میں اولو العلم و علموا بنی اسرائیل یعنی لفظ علیم انبیاء علیہم السلام کی نسبت وارد ہوا تو یہ حقیقتِ عطائیہ ہوئی۔ وہ لوگ سخت احمق ہیں جو ان اطلاقات میں فرق نہ کرسکیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''الامن والعلیٰ'' میں یہ حوالہ پیش فرماتے ہیں:

''امام، علامہ، سیّدی، تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی، جن کی امامت وجلالت محلِ خلاف وشبہات نہیں، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری مصدق فتوے میں انھیں بالاتفاق امام مجتہد مانتے ہیں، کتاب مستطاب ''شفاء السقام شریف'' میں فرماتے ہیں:

لیس المراد نسبة النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الی الخلق و الاستقلال بالافعال ھذا لا یقصدہ مسلم فصرف الکلام الیہ و

منعه من باب التلبيس فی الدين و التشويش علیٰ عوام الموحدين۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالق وفاعلِ مستقل ہیں۔ یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

تقی الملت کے ان کلمات پر خوش ہو کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صدقت یا سیدی جزاک اللہ عن الاسلام و المسلمین خیراً آمین۔

ان کلمات نے افکار شرکی تمام عمارت کو مسمار کر دیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ایک نظر "الامن و العلیٰ" کا مطالعہ کریں اور علمائے حق سے مزید اپنے مطالعے کے لیے رہنمائی حاصل کریں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہے گی جب آپ کے علم میں یہ بات آئے گی کہ ان کے (معترضین کے) پیشوا اور "صراطِ مستقیم" کے مصنف نے چھ سو سال کے تمام علماء کو کافر قرار دے دیا ہے، پھر اسی کتاب کے مطالعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ انھی کے بعض جید علماء و پیشوا نے حضور دافعِ البلاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مدد مانگنے اور مشکلات کے حل کے طریقے سکھائے ہیں۔ اسی کتاب سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضور رحمتِ عالم و دافعِ البلاء کو اللہ نے اس قدر اختیار عطا فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس شرع کے حکم سے جس کو چاہتے مستثنیٰ فرما دیتے۔

آپ کی نظر سے اس کتاب کے آغاز میں حضرت قبلہ مولانا عبدالسبحان قادری کا تبصرہ گزرا ہوگا جس میں حضرت علامہ نے ان حضرات کے ان بزرگوں کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے، جنھوں نے درود تاج کا بطور وظیفہ ورد کرنے کی اجازت دی البتہ اتنا اضافہ کیا کہ اس میں دافعِ البلاء، والوباء، والقحط، والمرض، والالم کو درود شریف میں کسی جانب سے اضافہ قرار دے کر پڑھنے سے منع کیا ہے، گویا درود تاج کے دیگر القابات سے تعرض نہیں، جو ہے وہ

دافعِ البلاء سے ہے اوروہ بھی ان کی اپنی کم علمی کا نتیجہ ہے جسے اس فقیر نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ مزید حوالے حضور دافع البلاء کے ان واقعات سے پیشِ خدمت ہیں جو دافعِ البلاء، وباء، قحط، مرض اور الم سے متعلق ہیں۔ اتنی بات یادرکھنی چاہیے کہ جو دل بیماری سے پاک نہ ہو وہ صدق اور کذب کے ذائقے کو نہیں جانتا اور اپنے ربّ کے حضور یہ دُعا مانگتے رہیں کہ حق وباطل کی تمیز جو تونے بخشی ہے اس کی حفاظت فرما، آمین!

وَالْوَبَآء

وبائے شہرِ مدینہ نے شہر چھوڑ دیا
گئی کدھر وہ پریشاں، دورِ دتاج میں ہے

والوباء

مدینہ دار الہجرہ بننے سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ یثرب کا ماخذ ثرب ہے یا تثریب۔ ثرب کے معنی فساد کے ہیں، یعنی وہاں کی ہر چیز فاسد تھی، جو وہاں آتا وہ وہاں کی آب و ہوا میں شدید امراض میں مبتلا ہو جاتا۔ وہاں زہریلے بخار کی وباء بھی تھی، جو کوئی بیمار ہوتا لوگ اسے ملامت کرتے کہ تو یہاں زہریلے بخار میں مبتلا ہونے کے لیے آیا تھا۔

مکے والوں نے اہلِ ایمان پر جب ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تو ہجرت کا عمل شروع ہوا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو وہ اس زہریلے بخار میں مبتلا ہو گئے، اس دم انھیں مکہ بہت یاد آیا یہاں تک کہ دافعِ البلاء رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سرزمینِ یثرب میں جلوہ افروز ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس حال میں پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کی برکت سے مدینے کی بیماریاں دور ہو گئیں۔

غبار مدینہ میں شفاء ہے:

غبار المدینة شفاء من الجذام۔

ترجمہ: مدینے کا غبار جذام سے شفاء ہے۔

(الوفاء لابن الجوزی جلد اوّل، ص ۲۵۳، الوفاء الوفاء جلد اوّل، ص ۶۷)

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بلاء، وباء، قحط، مرض اور الم کے دفع ہونے کی صداقت پر مندرجہ ذیل احادیث شاہد عدل ہیں۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ دونوں کو سخت بخار ہوگیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی:

اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکة او اشد حباً و صححھا و بارک لنا فی صاعھا و مدّھا و انقل حُمّا ھا فاجعلھا بالجحفة۔

ترجمہ: یا اللہ! مکّے کی طرح مدینے کو ہمارا محبوب بنادے، بلکہ مکّے سے زیادہ اور مدینے کی آب وہوا ہمارے لیے درست فرمادے اور اس کے صاع اور مد یعنی غلّے اور پھلوں میں ہمارے لیے برکت فرما اور مدینے کی بیماریاں جُحفة (یہودی بستی) کی طرف منتقل فرمادے۔

(بخاری شریف جلد اوّل، ص ۵۵۹)

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے ایک سیاہ فام پراگندہ سر عورت کو دیکھا خواب میں جو مدینے سے نکل کر جُحفة میں پہنچ گئی۔''

فاولت ان وباء المدینة نقل الیھا۔

ترجمہ: میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ مدینے کی وباء جُحفة کی طرف چلی گئی۔

(بخاری جلد دویم، ص ۱۰۴۲)

قبیلہ بنی اسد اور نظرِ بد:

بنی اسد قبیلہ تھا جس میں کئی ایسے افراد تھے جن کی نظرِ بد کبھی خطا نہ جاتی تھی۔ اگر وہ کسی شخص کو ہلاک یا کسی جانور کو مارنا چاہتے تو تین دن فاقہ کرتے اور پھر اس چیز کے پاس جاتے اور کہتے: یہ کتنی خوبصورت اور عمدہ ہے، ایسی چیز تو ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔ بس اتنا کہنے کی دیر ہوتی اور وہ چیز تڑپ کر جان دے دیتی۔ اگر کوئی موٹی گائے یا اونٹنی ان بدنظر

والوں کے پاس سے گزرتی تو ان کی بدنظر فوراً اپنا کام دکھاتی، پھر وہ اپنی لونڈی کو حکم دیتے کہ جا اور جا کر اس جانور کا گوشت خرید لا۔ وہ جاتی تو معلوم ہوتا کہ وہ جانور ذبح کر دیا گیا ہے۔ قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے دشمن تھے، وہ ہر چیز کر گزرتے جو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلاکت کے لیے ممکن ہوتی چنانچہ انھوں نے بنی اسد میں سے ایک ایسے ہی کسی نظر باز کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس کام پر مقرر کیا۔ لیکن جس کی خدا حفاظت فرمائے اسے کون اذیت پہنچا سکتا ہے؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں نواسوں (حسنین کریمین علیہم السلام) کو یہ کلمات دم فرماتے:

اعوذ بکلمات اللہ التامات من کل شیطان و ہامۃ و من کل عین لامۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بلا کا رد ہیں:

بلا ہو، نظرِ بد ہو، بیماریاں ہوں، رنج والم ہو، شدید ضرب ہو، گہرے زخم ہوں، الغرض دُنیا میں رہ کر جو ظاہری تکالیف ہوں، فاقہ ہو یا اور کچھ ان سے زیادہ مصائبِ آخرت ہیں کہ دُنیا میں رہ کر آخرت کی طرف سے غافل رہنا، کفر اور شرک، بت پرستی اور تمام عیوب جو انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام ظاہری و باطنی عیوب و امراض سے انسانوں کو نجات دلائی۔ اس لیے یہ سوچنا کہ آپ دافعِ البلاء، والوباء، والقحط، والمرض، والالم نہیں ہیں جہلِ علم کا طرّہ امتیاز ہے۔ آپ غور کریں تو خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت لقب بنایا اور رحمت بھی بنایا تو کسی ایک عالم کے لیے نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہی ہیں تو یہ شانِ رحمت کیسی کہ وہ بلاء کے آگے اپنی سپر ڈال دے، وباء کے سامنے معذور ہو جائے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سال پر نظر ڈالیے تو لمحہ لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف قبول کرنے والوں پر رحمت بن کر گزرا بلکہ اس آیت پر ذرا غور کیجیے کہ وہ کفار، جو عذاب کے مستحق ہیں، جہنم جن کا مقدر بن چکی ہے، عذاب کے فرشتے اپنے پر تول رہے ہیں لیکن ربِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہا ہے کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں ان پر عذاب نہیں اترے گا۔ یہ کیا فلسفہ ہے؟ کیا عذاب اور

رحمت کی جنبش اور دستِ رحمت کے اٹھنے کے بعد بلاء، وباء، قحط، مرض اور الم کو کہیں ٹھہرنے کی جگہ مل سکتی ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ، جن کی بارگاہ نبوت میں قدسی ارمغانِ صلوٰت لے کر آتے ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام بلکہ تمام مخلوق میں واحد ہیں کہ خدا جن کی رضا چاہتا ہے:

ثانیِ مصطفےٰ ﷺ نہیں وسعتِ کائنات میں
نہ کہیں ہفت چرخ میں، نہ کہیں شش جہات میں
ان ﷺ کے غلام کو نہیں خوف و خطر، غم و ملال
حشر کے واقعات میں، دہر کے حادثات میں

(علیم ناصری)

وَالقحطِ

فلک پہ ابر رہا منتظر کہ حکم تو دیں
چلا وہ سُن کے خراماں، درود تاج میں ہے

وَالقحط

لب ایسے جن پہ جھوٹی بات کوئی آ نہیں سکتی
دُعا گر کوئی فرما دیں تو خالی جا نہیں سکتی

(احسان دانش)

صحیحین ودیگر کتبِ احادیث میں یہ مضمون بہ اسانیدِ کثیرہ وارد ہے کہ عہدِ رسالت میں مدینے میں قحط پڑا، خطبۂ جمعہ کے موقع پر حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بارانِ رحمت کے لیے دُعا کی درخواست کی گئی، ابرِ رحمت خود انتظار میں تھا کہ ہمیں بھی ان کے قدموں تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ بنے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں بارش کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی۔

اِدھر اٹھائے نہ تھے ہاتھ التجا کے لیے
اُدھر سے دستِ کرم بڑھ گیا عطا کے لیے

(ادیبؔ رائے پوری)

اور بارانِ رحمت شروع ہوگئی۔ چشم عالم نے دیکھا کہ بارش اس کثرت سے ہوئی کہ دوسرے جمعہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں لوگ حاضر ہوے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب تو بارش کی کثرت کے سبب مکان گرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمائیں کہ بارش رک جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر چاروں طرف اشارہ فرمایا اور دُعا فرمائی:

اللّٰھم حوالینا و لا علینا

ترجمہ: یااللہ ہمارے اطراف پانی برسا ہمارے اوپر نہ برسا۔

رحمتِ عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے ساتھ بادل چھٹ گیا اور صاف آسمان گول دائرے کی طرح نظر آنے لگا۔ مدینے میں بارش رک گئی، آس پاس جاری رہی۔ قحط دفع ہوا، خشک سالی خوشحالی میں بدل گئی۔

(بخاری شریف جلد اوّل، ص ۱۴۰-۱۴۱-۵۰۶)

قحطِ عام الرمادہ کے موقع پر سیدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر بارش کے واسطے اس طرح دُعا فرمائی:

''خدایا پہلے ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لے کر حاضر ہوتے تھے اور اب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل ہمیں سیراب کر دے۔'' (بخاری شریف جلد پہلی، ص ۵۲۶)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بارش کے لیے دُعا:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابنِ عبد المطلب منبر پر تشریف لائے اور منبر شریف پر رونق افروز ہو کر دُعا کے لیے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ پھیلا دیے۔ یکا یک آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بارانِ رحمت نے سارے علاقے کو سیراب کر دیا چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت نے اسی واقعے کو اس طرح نظم فرمایا:

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار واقعہِ بارش پر:

۱- امام کے دُعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی ہی گئی لیکن عباس رضی اللہ عنہ کے شرف و عزت کے طفیل ابر نے سیراب کر دیا۔

۲- وہ (عباس رضی اللہ عنہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے حقیقی بھائی ہیں، انھوں نے تمام لوگوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت پائی ہے۔

۳- ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور نا اُمیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے۔

''استیعاب'' میں تذکرہِ عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب میں درج ہے کہ یہ بارش اتنی غیر متوقع ہوئی کہ لوگ خوشی میں ڈوب کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیتے اور ساتھ ساتھ کہتے: یا ساقی الحرمین، یا ساقی الحرمین، مبارک، مبارک۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور ابنِ ہشام:

اسی واقعے کو ابنِ ہشام نے اپنی "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں پیش کیا ہے۔ جس کا اندازِ تحریر جداگانہ ہے لیکن بات عشق کی ہے، محبت کی ہے، تعظیم کی ہے، نسبت کی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے بھتیجے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجے محبت تھی۔ ایک تو یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نذر کیا جسے میں نے تفصیل اور تبصرے کے ساتھ "مشکوٰۃ النعت" میں شامل کیا ہے، فی الواقع "قصیدہ نور" ہے۔ دوئم ان کی باہمی محبت کا اندازہ اس طرح لگایئے کہ جب قیدیوں کو لباس تقسیم کیے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑی قد آور شخصیت کے مالک تھے، کسی کا لباس آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر موزوں نہ ہوا۔ عبداللہ بن اُبَیّ جو منافق اور شدت پسند تھا اور جس کی منافقت کی داستان طویل ہے اس وقت وہ بھی موجود تھا۔ اس کا قد بھی طویل تھا۔ اس نے اپنا کرتا اتار کر پیش کیا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہم قد تھا۔ جب عبداللہ بن اُبَیّ فوت ہوا تو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں یہ واقعہ محفوظ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتا مبارک اتار کر عبداللہ بن اُبَیّ کی لاش کو پہنانے کے لیے عطا فرمایا اور اس طرح اس کے احسان کا بدلہ یا معاوضہ ادا کر دیا۔

اسی طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقعے پر خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو روکتے ہوئے ایسا جملہ زبانِ مبارک سے ادا فرمایا جسے تاریخ نے محفوظ کر لیا اور قیامت تک تاریخِ اسلام کا حصہ رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "آپ رضی اللہ عنہ کا مکّے میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ پر ہجرت ختم کرے گا۔"

ابن ہشام اس واقعۂ قحط اور ابرو باراں کو اس طرح بیان کرتا ہے:

بارانِ رحمت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا رضی اللہ عنہ کو یاد کرنا:

مدینے والوں پر قحط کی بلا نازل ہوئی تو وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جا کر بارش کے لیے دعا فرمائی۔ پھر

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اتنی بارش ہوئی کہ آس پاس کے لوگ ڈوبنے کے ڈر سے شکایت لے کر پہنچے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰھم حوالینا ولا علینا

(یا اللہ ہمارے اطراف پانی برسا ہمارے اوپر نہ برسا)

پھر مدینے پر سے ابر پھٹ کر اس کے اطراف میں بصورت دائرہ ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو ادرک ابو طالب ھذا الیوم لسرّہ

اگر آج ابو طالب علیہ السلام ہوتے تو اس سے انھیں خوشی ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ابوطالب کے) اس شعر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامیٰ، عصمۃ للارامل

ترجمہ: جو ایسے روشن چہرے والا ہے کہ اس کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔یتیموں کی سرپرستی کرنے والا اور بیواؤں کی پناہ گاہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: اجل (ہاں)۔

(ابنِ ہشام جلد اول، ص ۳۰۰)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا:

انا فی عطش وسخاک اتم، اے گیسوئے پاک، اے ابرِ کرم

برسن ہارے، رم جھم رم جھم، دو بوند ادھر بھی گرا جانا

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی تحقیق:

عربی کے فاضل محقق ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، جنھیں عربی لغات کا وسیع مطالعہ اور نعتیہ عربی ادب میں ان کی تحقیق ایک مقام رکھتی ہے، ویانا کی مختلف یونیورسٹیوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ ''عربی میں نعتیہ کلام'' کے زیرِ عنوان اردو میں ایک

کتاب تصنیف فرمائی جس کے مطالعے کے بعد ان سے ملاقات کا اشتیاق بڑھ گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد حرم شریف (کعبہ) میں عبادت میں مصروف تھا کہ اچانک محترم جناب ابوالامتیاز ع س مسلم (حمد و نعت کی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں) تشریف لائے اور اسی شب بعد نماز عشاء ایک عرب بزرگ کی قیام گاہ پر ڈاکٹر صاحب سے شرف نیاز بھی حاصل ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے مندرجہ بالا شعر پر جو مزید تحقیق کے گل کھلائے اس سے یہ اور بھی مہک اٹھے اور میں اس مہک کو آپ تک پہنچائے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس تشریح کا پورا پورا لطف آپ بھی حاصل کریں، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

اس شعر میں دو لفظ ''ثمال'' اور ''عصمۃ'' آئے ہیں جن کا مفہوم ایک لفظ میں بیان کرنا مشکل ہے، دوسرے اس شعر میں کچھ اور حسن بھی ہے اس کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ ''ثمال'' (بالکسر) فریاد رس، سہارا، جس پر شدت اور مصیبت کے وقت بھروسہ کیا جائے، کو کہتے ہیں۔ ''لسان العرب'' میں اس کی مثال یوں دی ہے: ''فلاں شخص فلاں قوم کا ثمال ہے'' یعنی وہ اس کا ایسا ستون ہے جس پر اس کی عمارت قایم ہے۔ ابو طالب علیہ السلام کے شعر میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ثمال الیتامیٰ'' کہا گیا ہے یعنی ''یتیموں (بے سہارا افراد) کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سرپناہ ہیں۔'' آگے چل کر ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں:

اسی طرح ''عصمۃ'' کا لفظ ہے۔ جس کے عربی میں معنی روک، بچاؤ، حفاظت کے ہیں۔ عرب کہتے ہیں فلاں عورت اپنے باپ کی عصمت میں ہے یا اپنے شوہر کی عصمت میں ہے، اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس عورت کے لیے ڈھال اور سپر ہے، کوئی بری نگاہ سے اس کو دیکھ نہیں سکتا، اس کی ضروریات کا وہ کفیل ہے اور اس کے ناموس کا وہ محافظ ہے۔ بیوہ عورت، جو اپنے عاصم سے محروم ہو چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عاصم ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ

''آج اللہ کے حکم سے بچانے والی کوئی شے نہیں البتہ وہ شخص بچے گا جس پر اللہ نے رحم کیا ہو۔''

ڈاکٹر عباس ندوی کا بیان یہاں ختم ہوا۔

ابنِ نباتہ مصری کا تذکرہ:

ابنِ نباتہ مصری، جن کا پورا نام جمال الدین محمد بن محمد ہے، نہایت ہی پر گو شاعر تھے اور آپ نے قصیدہ ''بانت سعاد'' کے وزن پر اور اسی قافیے میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ ''بانت سعاد'' وہ مشہور قصیدہ ہے جسے کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر بن ابی سلمٰی بن رباح نے لکھا تھا اور جسے سن کر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر مبارک عطا فرمائی تھی، اسی لیے اسے قصیدہ بردہ (چادر) بھی کہا جاتا ہے لیکن حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدے اور اس میں تمیز کے لیے کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر کے قصیدے کو ''بانت سعاد'' کہا جاتا ہے۔ یہ مقبول بارگاہ ہوا اور عرب میں شیوخ و صوفیاء اپنی مجالس کا آغاز ہی اس قصیدے سے کرتے ہیں۔ بات آگے جا رہی ہے لیکن میرا ذوق چاہتا ہے کچھ اور عرض کردوں۔ ڈاکٹر زکی مبارک اور ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں یہ حوالہ شامل کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر کا قصیدہ صوفیاء اور مشائخ کے حلقوں میں کافی مقبول ہے۔ میں نے سنا ہے اسکندریہ میں ایک صوفی بزرگ، جن کا حلقہ بہت وسیع ہے، اپنی مجالس کا افتتاح ہمیشہ اس قصیدے سے کرتے ہیں۔ ان سے جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو کہا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کعب کے قصیدے کی کیا حقیقت ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ میں اس کو اور اس کے پسند کرنے والوں کو عزیز رکھتا ہوں۔ چنانچہ اس روز سے میرا معمول ہے کہ ایک بار دن رات میں اس کو پڑھ لیتا ہوں۔''

(ڈاکٹر زکی مبارک: المدائح النبویہ فی الادب العربی، ص ۸۵)

ابنِ نباتہ مصری کے ذکر میں اس مقدس اور بابرکت قصیدے ''بانت سعاد'' کا ذکر نکل آیا، یقیناً اس کا فیضان ہمیں اور آپ کو اپنے دامانِ کرم میں لے گا۔ ابنِ نباتہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اس شعر کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں اس شعر میں **یستسقی الغمام** کو بجائے مجہول صیغے کے معروف صیغے میں پڑھتا ہوں یعنی **یستسقی الغمام** جس کے یہ معنی ہوئے خود بادل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہِ انور کے صدقے برسنے کی اجازت چاہتا ہے۔

وہ حسنِ دو عالم ہیں، ادیبؔ ان کے قدم سے
صحرا میں اگر پھول کھل آئیں تو عجب کیا

حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اس شعر کی قبولیت کی بھی یہ سند ہے جس پر اتنے حوالے گزرے۔ ''مشکوٰۃ النعت'' میں یہ قصیدہ اردو ترجمے کے ساتھ اسی لیے پیش کیا کہ اس کا مطالعہ اہلِ علم اور شاعری کی لذت سے آشنا حضرات کرسکیں۔ عربی ادب میں یہ بلند پایہ قصیدہ ہے جس کے اشعار کی تعداد چورانوے ہے۔ عربی شاعری کے دیگر محاسن کے ساتھ ساتھ ان اشعار کی تعداد سولہ ہے، جو خالص نعت کے ہیں اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے مہک رہے ہیں۔

وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قانونِ قدرت کے مطابق یہ نظام فطرت چل رہا ہے، جس کا کوئی عمل بھی فطرت کے خلاف نہیں ہوسکتا ہے اور کوئی واقعہ قابلِ قبول نہیں ہے، وہ اس بارش کے واقعے پھر بادل چھٹ جانے اور اطراف میں برسنے پر کیا نظریہ پیش کریں گے؟ یا وہ سرے سے اس کا انکار کردیں یا اپنے فلسفے سے دست بردار ہوجائیں۔

دادا علیہ السلام نے پوتے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر بارانِ رحمت کی دعا مانگی:

تاریخ ابنِ ہشام اور سیرت کی مستند کتب اٹھا کر دیکھیے اس چہرہ والضحیٰ کی عظمت و شان کا منظر جب مکے میں بارش کے لیے حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم سن تھے، خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑے کردیا، پھر اس چہرہ انور کی طرف دیکھا اور اس حسین چہرے کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگی اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابرِ کرم بھیج دیا۔ سبحان اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کم سنی کا عالم کہ خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ خاموش کھڑے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نہ تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہ زبان سے کچھ کہا لیکن بادل آئے اور بارش ہوگئی۔ شاید میر حسن دہلوی کے پیشِ نگاہ یہی واقعہ ہو جو یوں بیان کرتا ہے:

بغیر از لکھے اور کیے بے رقم
چلے حکم پر اس کے لوح و قلم
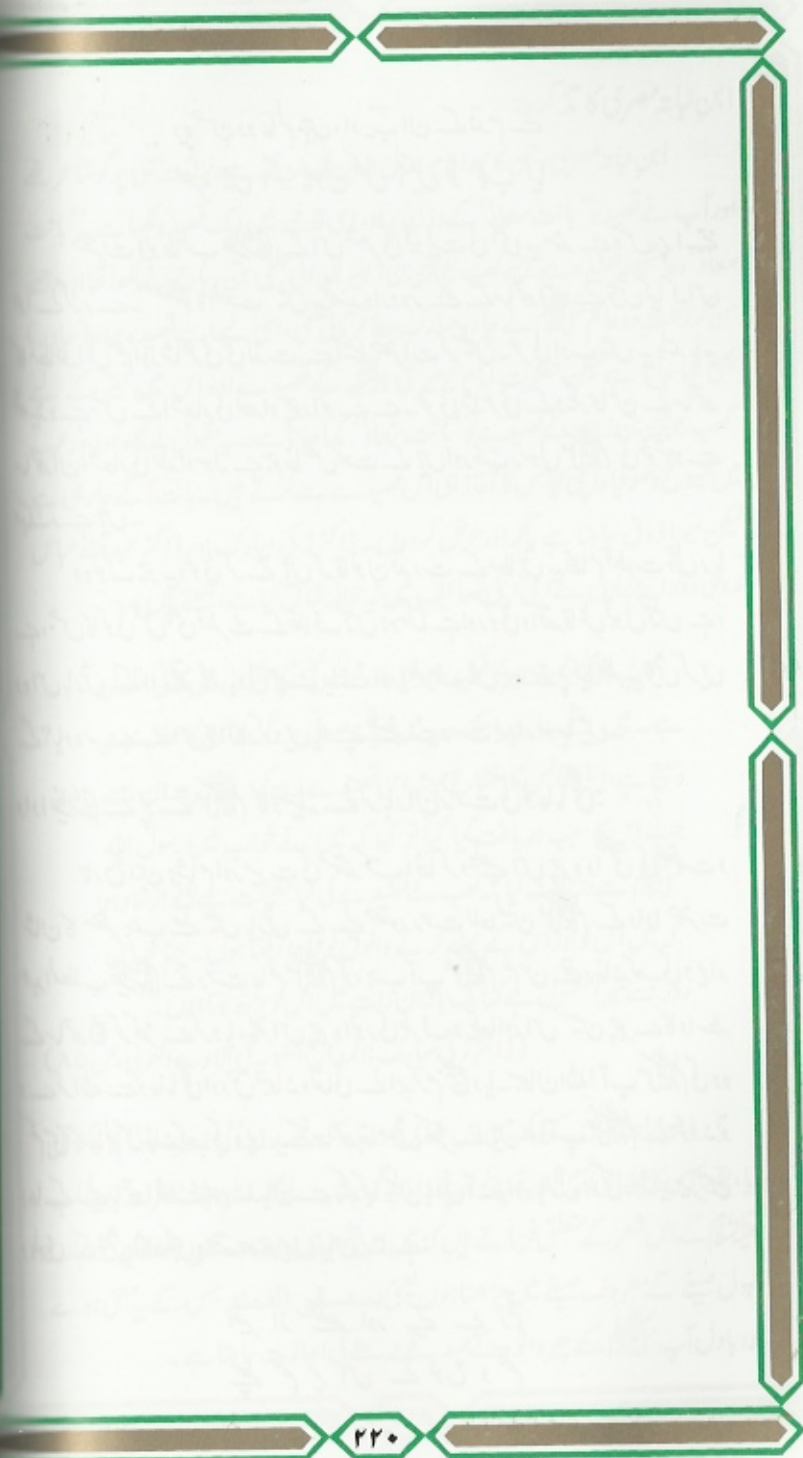
وَالْمَرَضِ

لعابِ دہن سے اندھے بھی ہوگئے بینا
شفاء جو اس میں تھی پنہاں درود تاج میں ہے

والمرض

بر دامنِ طیبہ است دعائے تو گہر ریز
آب است وصفاہا و تراب است وشفاہا (محمد افضل فقیر)

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن سعد کا بیان:

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن سعد فرماتے ہیں کہ فتحِ خیبر کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ابن ابی طالب کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مسیحاؤں کے مسیحا نے انھیں بلایا۔

"فبصق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فی عینیہ و دعالہ فبرء حتیٰ کان لم یکن بہ وجع۔"

"اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈال دیا اور دعا فرمائی تو وہ فوراً تندرست ہوگئے، گویا درد چشم ہوا ہی نہ تھا۔" (بخاری شریف، ص ۶۰۶)

حضرت نعمان بن ثابت، امام اعظم، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو اپنے اشعار میں یوں بیان کرتے ہیں:

وعلی من رمد بہ رویۃ
فی خیبر فشفی بطیب لماک (قصیدہ نعمانیہ)

"اور خیبر کی لڑائی میں جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو آشوب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک لگانے سے اسی وقت شفاء ہوگئی۔"

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کا بیان:

رُمیت بسھم یوم بدر ففُقعت عینی فبصق فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم و دعالی فما آذانی منھا شیئی۔

"بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ڈال

دیا اور دعا فرمائی، پس مجھے اس تیر کے لگنے کی ذرا بھی تکلیف نہ رہی اور آنکھ بالکل درست ہوگئی۔" (خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۶۰۵)

جنگِ بدر میں ابوجہل نے حضرت مسعود بن عفراء رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹ دیا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھائے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعاب دہن لگا دیا اور اس کو ملا دیا، وہ اسی لمحے جڑ گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کٹا ہی نہیں تھا۔

فجاء یحمل یده فبصق علیها رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم والصقها فلصقت۔ (شفا شریف جلد اول، ص ۲۱۳)

بخاری اور شفاء شریف کے حوالے:

غزوہ خیبر کے دن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع کی پنڈلی پر ایسی ضرب لگی جو اتنی شدید تھی کہ لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ شہید ہوگئے، فرماتے ہیں:

فاتیت النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلم فنفث فیه ثلاث نفثات فما اشتکیتها حتی الساعة۔

"میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس پر دم فرمایا، پھر پنڈلی میں کبھی درد نہیں ہوا۔"

(بخاری شریف جلد دویم، ص ۲۰۵)

"شفاء شریف" میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنگِ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ بن حصین کو لایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ایک تیر لگا تھا۔

فبصق رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم فیه فبرء۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعابِ دہن لگایا، وہ فی الفور اچھے ہوگئے۔"

("شفاء شریف"، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ)

نہایت اختصار کے ساتھ "دافع المرض" کی تشریح میں یہ چند حوالے پیش کیے گئے، مزید حوالوں سے گریز کیا گیا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی میں ایسے واقعات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان تمام کو یکجا کیا جائے تو یہ بھی ایک ضخیم کتاب ہوگی۔ شدید سے شدید ضرب، گہرے سے گہرا زخم، نسیان کا مرض، بینائی غرض کوئی مرض، کوئی تکلیف ایسی نہیں تھی جس میں کوئی شخص یہ تکلیف لے کر خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہو اور علاج سے محروم رہا ہو۔

ان تمام واقعات کے حوالے بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، ترمذی، نسائی، زرقانی علی المواہب، خصائص الکبریٰ اور ان تمام کتب سے لیے گئے ہیں۔

یہاں ایک مرتبہ پھر یہ بات دہراتا ہوں کہ یہ وہ واحد ہستی ہے جسے اللہ نے اپنا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بنایا اور اپنے فضل و کرم کے تمام خزانے لٹانے کا اختیار عطا فرمایا۔ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے خود ہی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام دنیا و آخرت، دونوں جگہ، عطا فرما دیا تو اب کوئی واقعہ بطور حوالے کے پیش کرنا ایک تو سعادت کے لیے دوسرے قاری کے علم میں اضافے کے لیے ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام حوالوں کے بغیر صاحبِ جود وسخا، صاحبِ لطف وکرم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو بھی نکل گیا وہ پورا ہو گیا۔

نہ جانے کتنے عالم ہیں، ہر اک عالم انھیں کا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس کس عالم میں ہیں اور کس طرح ہیں؟ یہ جاننا ممکن نہیں۔ ایک عالمِ ارواح، جہاں کی خبر قرآن نے ہی دی کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے عہد لیا گیا؛ ایک حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نور بن کر؛ ایک حضرت ابوالبشر علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے لیے اسم کی صورت میں عرش پر؛ ایک وہ ستارہ جسے حضرت جبریل علیہ السلام ہمیشہ سے دیکھا کرتے، اور پھر وہ تمام عالمین جن کا ذکر نہ قرآن میں آیا ہے نہ ہی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ان عالمین کا، جو مخفی ہیں، ذکر کیا تو اب کیسے کوئی جانے مگر بندگانِ خدا، مخلوق اور امتیوں کے ساتھ ان کے دو عالم ہیں: ایک یہ دنیا جہاں وہ تشریف لا کر صراطِ مستقیم بتا گئے، خدا سے تعلق جوڑ دیا۔ دوسرا وہ عالم جب یہ عالم آب وخاک دھواں بن کر اڑ جائے گا۔ روزِ محشر سب انھیں کے پیش ہوں گے۔ یہاں خدا کے پیش ہونے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اللہ کی ذات روزِ محشر بھی بے پردہ نہیں ہوگی، سامنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے، اور گزشتہ اوراق میں روزِ محشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت، مراتبِ اعلیٰ اور بلند درجات کا اور اختیارات کا ذکر تفصیل سے کر چکا۔ یہاں یہ بات غور فرمائیے کہ ہر عالم میں، جہاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، مراتب و اختیارات یکساں ہیں۔ دنیا میں چونکہ ہدایت و تربیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر عمل سے، جن میں شدید مصائب اور دکھ بھری زندگی، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں صاحبِ اختیار کم تھے اور عالمِ بالا میں اختیارات بڑھا دیے جائیں گے۔ اسے یوں سمجھیے کہ طائف میں کیا نہ

گزری اور اللہ تعالیٰ نے حضرت روح الامین علیہ السلام کو پیغام دے کر بھیجا کہ طائف کے پہاڑ ان بدبختوں پر پٹک دیں کہ وہ لوگ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اب یہ اختیار ہاتھ میں پہنچایا نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کے سامنے یہ بتایا کہ یہ پہاڑ ان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و توانا نہیں جن کے لیے یہ کہا گیا کہ اگر قرآن مضبوط، غیر متزلزل اور منجمد پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشیتِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اس وقت، اے ربّ، قادر مطلق تو نے اس قلب کو جو قوت اور طاقت بخشی کہ وہ اسے اپنے اندر جذب کر گیا تو اب یہ پہاڑ جیسے مصائب کا برداشت کرنا دشوار نہیں۔ ایسے کئی مقامات دنیاوی زندگی میں آئے لیکن چونکہ یہ ایمان لانے والوں کے لیے ایک تربیت گاہ تھی جہاں ان میں عزم و حوصلہ، ہمت اور بہادری، صبر و ضبط، ایثار و قربانی اور تمام اوصاف سے امت کو سنوارنا تھا اس لیے ان اختیارات کا مظاہرہ اگر نہیں کیا تو صاحبانِ ایمان اس بات سے باخبر تھے اور ہیں، لیکن جو دل بینا نہیں رکھتے وہ اس منزل و مقام تک رسائی نہیں پاتے۔

اختیاراتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں یہ بھی کر کے دکھایا کہ ایک حکم قرآن میں آ گیا، اب اس کے مطابق ویسا ہی کرنا ہو گا، شریعت میں کسی دوسرے راستے کی گنجائش نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منشاء سے، اپنی مرضی سے اس حکم کو بدل دیا اور اجازت خصوصی مرحمت فرما دی۔ یہ بات قابلِ فہم تو نہیں معلوم ہوتی لیکن واقعات تصدیق کرتے ہیں۔ میں ان کی مثال پیش کرتا ہوں تاکہ شبہات دور ہو جائیں اور واقعات کی مثال بھی حدیث ہی سے دوں گا۔ یہاں ایک جملۂ معترضہ ''اپنی منشاء'' اور ''اپنی مرضی'' کہا ہے تو یہ جان کر کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بتانا ضروری نہیں کہ میں نے اپنے ربّ سے کب اس کی اجازت لی تھی۔ آپ اور میں کتنے ہی بڑے مفسّر و محقق ہو جائیں، کتنی ہی کتابیں گھول کر پی جائیں پھر بھی یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن تو یہ حکم دے رہا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل دیا، یا اس میں کسی خاص بندے کو خاص رعایت دے دی تو کیا کوئی وحی نازل ہوئی، استغفر اللہ ربی۔ کس میں جرأت ہے کہ یہ سوال کر سکے۔ اگر سوال اٹھانے والے تھے تو وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں تھے۔ جب ان میں کسی کی جرأت نہ ہو سکی تو اب آپ اور میں بے

چون وچرا ماننے کے لیے مجبور ہیں۔ ہمارا اس پر قطعی ایمان ہے جو قرآن نے فرمایا: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوحٰى۔ جب خدا نے یہ تصدیق کر دی کہ میرا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہے، جو کچھ اس کا ربّ فرماتا ہے وہی کہتا ہے۔ ربّ نے کب کیا کیا فرمایا، ضروری نہیں تھا کہ وہ قرآن کی آیات میں ڈھل جائے، مثلاً: قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی منزل پر محبّ اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گفتگو ہوئی، کلام ہوا لیکن کسی کو اس کی خبر نہ دی گئی اور اشارہ یہ دیا کہ کلام ہوا ضرور۔ ان مندرجہ بالا امور کو پیشِ نظر رکھ کر اب ذرا ان احادیث کو ملاحظہ فرمائیے:

جسے چاہیں جیسا نواز دیں:

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، امام جلیل فرماتے ہیں، آپ نے اپنی تصنیف خصائص الکبریٰ میں ایک باب وضع فرمایا: **باب اختصاصه صلى الله عليه و آله وسلم بانه يخص من شاء بماشاء من الاحكام۔**

''باب اس بیان کا کہ خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں، جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔''

حدیث صحیحین میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان کے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ بن نیاز نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تھی۔ جب معلوم ہوا کہ یہ کافی نہیں، عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو میں کر چکا۔ اب میرے پاس چھ مہینے کا بکری کا بچہ ہے مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اجعل مكانه ولن يجزى عن احد بعدك۔**

ترجمہ: اس کی جگہ اسے کر دو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمھارے بعد دوسروں کی قربانی میں کافی نہ ہوگی۔

ارشاد الساری فی شرح بخاری میں اس حدیث کے نیچے ہے:

خصوصيته له لا تكون لغيره اذ كان له صلى الله عليه و آله وسلم ان يخص من شاء بماشاء من الاحكام۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خصوصیت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بخشی جس میں دوسرے کا حصہ نہیں، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا جسے چاہیں، جس حکم

سے چاہیں خاص فرمادیں۔

طبقات ابنِ سعد میں اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ عمیس سے روایت ہے کہ جب ان کے شوہر اوّل جعفر طیّار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تسلّبی ثلثا ثم اصنعی ماشئت۔ تین دن سنگار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حکمِ عام سے استثنا فرمادیا کہ عورت کو شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے۔

حدیث: ابن السکن رضی اللہ عنہ بن ابونعمان ازدی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو پیامِ نکاح دیا۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مہر دو۔'' اس نے عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اما تحسن سورۃ من القرآن فا صدقھا السورۃ ولا یکون لاحد بعدک مھراً۔

''کیا تجھے قرآن کریم کی کوئی سورۃ نہیں آتی؟ وہ سورۃ سکھانا ہی اس کا مہر کر اور تیرے بعد کسی اور کو یہ مہر کافی نہیں۔'' (رواہ سعید بن منصور رضی اللہ عنہ)

حدیثِ مشہور میں ہے کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے بعد نماز سے ممانعت فرمائی:

فیه عن عمرو عن ابی ھریرۃ وعن ابی سعید ن الخدری کلھا فی الصحیحین وعن معٰویۃ فی صحیح البخاری وعن عمرو بن عنبسۃ فی صحیح مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

خود امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس ممانعت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

رواہ ابو داؤد فی سننه با اینھم ام المومنین رضی اللہ عنہا عصر کے بعد دو رکعت پڑھا کرتی تھیں۔ علماء فرماتے ہیں یہ امّ المومنین کی خصوصیت تھی۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جائز کردیا تھا۔

احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان تمام کا یہاں پیش کرنا ممکن نہیں ہے، ان احادیث کے پیش کیے جانے کے بعد اختیاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات زیادہ واضح ہوگئی۔ تمیزِ حق و باطل پھر بھی سب پر یکساں نہیں، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وَالِہٖ

کہاں کا رنج والم، اُن صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ
ہر ایک درد کا درماں درود تاج میں ہے

والاکرام
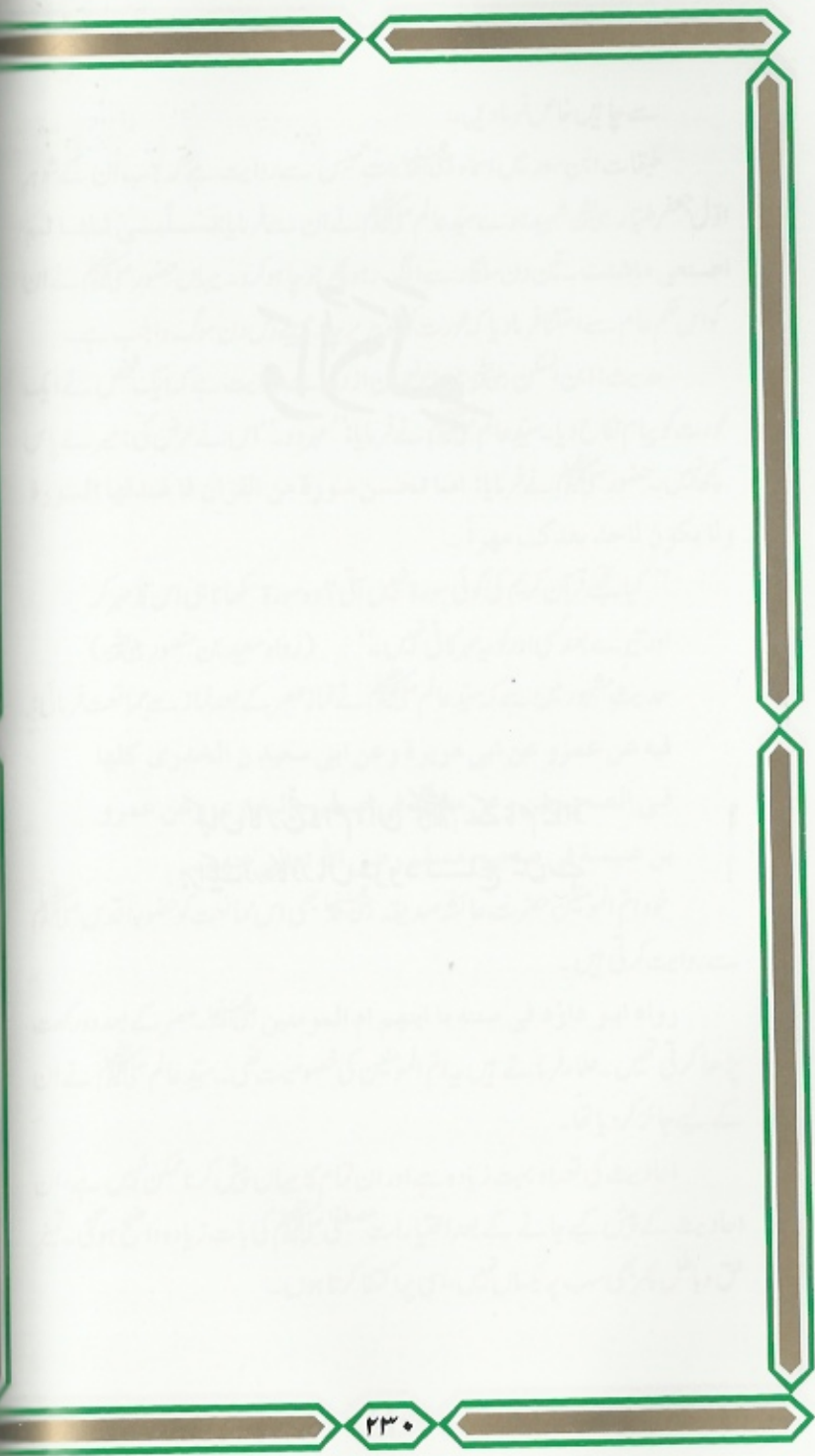
وردہ ہے جب سے ترا نام رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم
رنج ہے کوئی نہ آلام رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(ادیبؔ)

اپنا ایمان سلامت رکھیے:

جن کے غلاموں کو اللہ نے اعجازِ مسیحائی دیا ہو، مخلوقِ خدا کے رنج و آلام دور کرنے میں اس ہستی کا مقام کیا ہوگا۔ پچھلے اوراق میں جن احادیث کے حوالوں سے رحمتِ دو جہاں کی کرم نوازیوں کا ذکر ہوا، ان کے اختیارات کی ایک ادنیٰ سی جھلک دکھائی گئی، اس کے بعد اس موضوع پر مزید تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ میرے اور آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طاقت، عظمت اور بڑائی پر کسی کو اعتراض ہے تو ہوا کرے، مگر وہ ہم سے اور آپ سے گلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اسے چاہیے کہ وہ ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ قدس میں حاضری کا ذریعہ نکالے اور پھر وہاں یہ سوال اٹھائے کہ اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے اختیارات کیوں عطا فرمائے کہ جو چاہے، جیسا چاہے کر دے۔ دن کو رات چاہے تو آفتاب غروب ہو جائے۔ آفتاب کی تو حقیقت ہی کیا کہ حضور سیّدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ روزانہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے مجھ سے اجازت طلب کرتا ہے۔ اب یہ قول بھی حیرانی کا باعث ہوگا۔ ابھی تک تو ہم تمام کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کی بات تھی، غلاموں کے اختیار کی خبر ہی نہ تھی اس لیے ہم کسی معترض سے الجھتے نہیں، جو ان صلی اللہ علیہ وسلم سے، ان صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے، ان صلی اللہ علیہ وسلم کی آل علیہم السلام سے، ان صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے، ان صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر، ان صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے اور

چلانے والے علماء، صوفیاء اور مشائخ ہیں ان کی بات کرتے ہیں۔ حق کیا ہے، ناحق کیا ہے؟ یہ اندر کی بات ہے، دلوں کے سودے ہیں، پھر ان کا کرم بھی ہے، اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے آج تک اہلِ تحقیق نے، اہلِ سیر نے جو کچھ لکھا ہے آپ اس کا مطالعہ فرمائیں تاکہ ان کی صدیوں کی محنت رائیگاں نہ ہو اور آپ کا ایمان ضایع نہ ہو۔

فلسفہِ رحمتِ باری:

یہ لفظ الم کیا معنی رکھتا ہے؟ لغت کیا کہتی ہے؟ حالات کیا بتاتے ہیں؟ تاریخ کیا بتاتی ہے؟ اگر ظالم اور جابر سلطان ہو تو اس کی رعایا کے خوشحال ہونے کا کوئی حوالہ تاریخ دیتی ہے؟ اگر معاشرہ بغیر کسی سلطان کے ہے لیکن طاقتور انسان اپنی قوت اور جبر کے بھروسے پورے معاشرے پر حاوی ہیں کیا کسی ایسے معاشرے میں چین اور سکون کی مثالیں دی جاسکتی ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے وہ ہرگز نہ آتے، نہ کوئی داعیِ انقلاب آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بے حد پیار ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام کا مسلسل آنا اس کے پیار اور اپنے بندوں سے محبت کی روشن دلیل ہے۔ سمندر سے پانی بھاپ بن کر اس وقت اڑتا ہے جب اس کی موجوں پر آفتاب کی تیز اور گرم شعاعیں پڑتی ہیں، دریائے رحمت بھی اسی وقت جوش میں آتا ہے جب کفر و ضلالت اور معصیت کے سبب معصوم اور نیک طینت انسان کچلے جاتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن سے بہتر کوئی نہیں۔ اپنے حبیب ﷺ سے قرآن بار بار خطاب کرتا ہے اور پھر اس امت کی اصلاح کے لیے، جس میں ہم اور آپ ہیں، تاریخ کے حوالے دیے جاتے ہیں کہ اے حبیب ﷺ! آپ ﷺ انھیں بتائیں کہ جب ظلم اور جہل حد سے بڑھ جاتے ہیں تو ہم (ذاتِ باری) کیا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ انھیں نمرود کا حال سنائیے، انھیں فرعون کے واقعات سے باخبر کیجیے۔ انھیں بتائیے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کیسا تھا، اور لوط علیہ السلام کی قوم پر کیا گزری تھی۔ انھیں یہ بھی بتائیے کہ عاد و ثمود کتنی طاقتور اقوام تھیں مگر ان کا حشر کیا ہوا۔ اے میرے حبیب ﷺ! انھیں ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیے کہ جنھوں نے ہماری باتیں مان لیں اور ہمارے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی ہم نے انھیں کیسے کیسے انعام و اکرام سے نوازا۔ جب ہم مہربان ہوتے ہیں تو ہمارے کرم کی انتہا نہیں ہوتی۔ ذرا ہمارے

کرم کی ایک نشانی بہشتِ بریں کے متعلق انھیں اپنے الفاظ میں بتایئے۔ انسان جن نعمتوں کا تصور نہیں کر سکتا وہ نعمتیں ہم نے ان کے لیے بنائی ہیں اور اے میرے پیارے حبیب ﷺ! ہماری ان تمام باتوں کو سن کر بھی یہ آپ ﷺ کو جھٹلائیں تو پھر انھیں یہ بھی بتایئے کہ آپ ﷺ مالک و مختار ہیں، ہر شے پر قادر۔ ہمارے جمال کو پسند نہ کرنے والوں کے لیے ہمارے جلال کا بھی نقشہ دکھایئے۔ عذاب کیا ہوتا ہے؟ جہنم کیا ہے اور کیسی ہے؟ یہ بھی انھیں بتا دیجیے۔ گویا قرآنِ کریم ایسی تاریخ ہے جس سے زیادہ معتبر دنیا کی کوئی تاریخ نہیں، قانون سازی کا ایسا اہتمام جو اقوام عالم کے چارٹر سے بدر جہا بہتر ہے، سزا و جزاء کے اصول و قاعدے، زندگی گزارنے کا سلیقہ، قوموں کے عروج و زوال کے اسباب۔ اب اس کتاب اور صاحبِ کتاب ﷺ کی آمد کے بعد کفر و ضلالت کا زور ٹوٹ گیا، معصیت کے بادل چھٹ گئے، دنیا کا سارا نظام ہی بدل گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری بنجر زمین پر ایسی بارش تھی کہ اس قدر ایمان کی ہریالی چھائی کہ مشرق و مغرب کے ریگستان، جہاں ایمان و اخلاص کا کوئی پودا نہ تھا، سبزہ زارِ محبت بن گئے۔ ۲۳ سالہ حیاتِ طیبہ کا یہ ایسا انقلاب کہ بڑے بڑے فلسفی حیران اور تاریخ داں انگشت بدنداں۔ انسان تو پھر انسان ہیں، رحمتِ عالم ﷺ کا لطف و کرم تو شجر و حجر پر بھی ہوا، حتیٰ کہ جانوروں پر بھی آپ ﷺ نے کرم فرمایا جس کی مثالیں تاریخ میں مستند حوالوں سے دی گئی ہیں۔

اعلانِ حق اور قریش کا غیظ و غضب:

جب تاجدارِ مدینہ نے مکّہ میں غارِ حراء سے باہر آ کر حق کا اعلان کیا، توحیدِ باری تعالیٰ سے روشناس کرایا، بتوں کی پرستش ترک کر دینے کا مشورہ دیا تو قریش کے غیظ و غضب کا جو عالم تھا وہ رنج و الم کی داستان کا ایک رخ ہے۔ چند مٹھی بھر صاحبان نے جس استقلال اور استقامت کا مظاہرہ کرنے میں اپنے اوپر کیے جانے والے جور و ستم برداشت کیے وہ داستان بھی بڑی دردناک ہے اور غلامی کے دور میں طلوعِ آفتابِ نبوت سے پہلے کفر و معصیت کی تاریکی میں کمزوروں پر جو مظالم ہوتے تھے، غلاموں کا جو حالِ تباہ تھا وہ تصویرِ الم کا دوسرا رخ تھا۔ رحمتِ عالم ﷺ جب تشریف لائے تو تصویر کے دونوں رخ بدل گئے، غلامی کی زنجیریں ایک ایک کر کے ٹوٹ گئیں، عرب کے بدّو سلاطینِ زمانہ کے مقابل اس شان سے

آئے کہ ان کے احترام میں تخت خالی ہو گئے اور تاج قدموں میں رکھ دیے گئے۔ لیکن یہ سب کچھ چٹکی بجاتے نہیں ہوا۔ یہ ہوا حنا جب پتھر پر پیسی گئی، اور حنا کے پتھر پر پیسے جانے کی تاریخ ہی اسلام کا وہ شاندار کارنامہ ہے کہ دنیا اسی بات پر تو حیران ہے کہ عرب کے سخت کوش و سخت جان کیسے ایک انسان کے قابو میں آگئے۔

هم نے دامن جو ترا تھام لیا، تھام لیا:

قربان جائیے ان عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ پر، ان وفا کیش صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کہ جنھوں نے کلمہ حق اختیار کیا اور اس کی اشاعت وحفاظت میں اپنا سب کچھ وار دیا۔ سرکار ابد قرار ﷺ نے اپنا عشق بھی دیا اور معرفتِ الٰہی کا جام بھی ایسا پلا دیا کہ کوہ گراں سے ٹکرا جانا ان کا مشغلہ بن گیا، طاقت کا نشہ ہرن کر دیا، غرور سرنگوں ہو گیا جسے قایم رکھنے کے لیے قریش نے جو مظالم ابتدائی عہد میں ڈھائے، مثل آتش تپتی ریت پر بدن کو ننگا کر کے گھسیٹتے، سینے پر وزنی پتھر رکھ دیتے، آگ جلا کر جسم کو داغتے، اس قدر پشت پر دڑے برساتے کہ کھال ادھڑ جاتی، تھک جاتے تو ستاتے پھر دڑے برساتے، لوہے کا ٹکڑا آگ پر گرم کر کے سر پر رکھ دیتے۔ مرد وخواتین پر یکساں ظلم ہوتا مگر نہ جانے اس نورانی چہرے والے نے کیا کر دیا کہ اب یہ تمام نا قابلِ برداشت اور جان لیوا رنج والم باعثِ لذت بن گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ، حضرت خباب رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر، ان کے والد رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا (جو اللہ کی راہ میں ظلم کے ہاتھوں پہلی شہید ہیں)، اُمِ عنیس رضی اللہ عنہا، زنیرہ رضی اللہ عنہا، النہدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا۔ یہ چند نام ہیں جنھوں نے اسلامی تاریخ کے چہرے کو اپنی جاں نثاری، جاں سپاری، اطاعت گزاری اور قربانی سے روشن وتابناک بنا دیا۔

اشاعتِ دین میں کامیابی اور ناکامی کے اسباب:

یہاں ایک اہم پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔ بعض لوگ آج یہ کہتے ہیں کہ تبلیغ کا اب اثر اس لیے نہیں ہوتا اور ویسی کامیابی نہیں ہوتی جیسی اس مبلغِ اعظم ﷺ

کے عہد میں ہوئی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مبلغ نہیں رہا۔ یہ بات اپنی جگہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں اور ہماری آپ کی تبلیغی کوششوں میں نمایاں فرق ہے، اس بات میں وزن ہے، لیکن میری رائے میں اس کا ایک سبب اور ہے، ذرا تاریخ پر نظر ڈالیے: حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جو لوگ تھے، اور جو دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، وہ تمام قریش تھے۔ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے اور سب اللہ کی توحید کا اعلان کرنے والی ہستی سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے حق کو پہچان لیا تھا اور معرفتِ حق کا جو ذریعہ تھا اسے بھی پہچان لیا تھا اس لیے اس گروہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت ہو گئی تھی کہ شمع پر جس طرح پروانے گرتے ہیں اس طرح اپنی جان نثار کرتے تھے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے میدانِ بدر، میدانِ احد اور خیبر کے واقعات کا ایک سرسری مطالعہ فرمائیے تو شمع اور پروانے کی حقیقت سے بھی زیادہ محبت کا چہرہ نظر آئے گا۔ دوسری طرف اس محبت کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ نخلِ تبلیغ ہر اس دور میں بارآور ہوا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد محبت کا جذبہ اسی طرح قایم رہا۔ چنانچہ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ ابنِ ابی طالب، اہلِ بیت اطہار علیہم اجمعین، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور ایسے دیگر حضرات کے عہد کا جایزہ لیجیے۔ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر درمیان میں نہیں ہے لیکن اس سے محبت کا وہ رشتہ مضبوطی سے قایم ہے تو تبلیغِ اسلام بھی ایسی ہی تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے اور جس دور میں یہ رشتۂ محبت ہاتھ سے چھوٹ گیا وہاں تاریخ نے بھی مسلمانوں کی طرف سے منہ موڑ لیا، اس کا راستہ جدا ہو گیا کیونکہ مسلمان کی تاریخ اور ہے اور سلاطینِ زمانہ کی تاریخ اور ہے۔

گریہ حنانہ پر اعتراض:

جب عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں تو انسان کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ ہمارے ایک مہربان نے تحریر کیا کہ درخت (حنانہ) بھلا کس طرح رو سکتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ رونے کے لیے احساس، پھر دل و دماغ، پھر رونے کی آواز کے لیے پھیپھڑوں اور نظامِ تنفس اور گلے کے نظامِ جسمانی کی ضرورت ہوتی ہے، یہ سب کچھ

ایک درخت میں کیوں کر ہو سکتا ہے؟ پھر معجزہ تو کفار و مشرکین کو دکھانے کے لیے ہوتا ہے، جس وقت یہ واقعہ ہوا مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ماننے والوں اور جاں نثاروں سے بھری ہوئی تھی پھر اس معجزے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ خیالات ڈاکٹر برق نے اپنی کتاب ''دو اسلام'' میں صفحہ ۳۳۷ پر شدید اعتراض کی صورت میں پیش کیے ہیں، ہم ڈاکٹر صاحب کو کیا جواب دیں، وہ تو خود ہی متضاد باتیں کر رہے ہیں: ایک طرف تو کہہ رہے ہیں کہ یہ معجزہ تھا، اس کی ضرورت وہاں نہیں تھی کہ وہ مجمع کفار و مشرکین کا نہیں بلکہ جاں نثاروں کا تھا، دوسری طرف ڈاکٹر صاحب نظام تنفس اور پھیپھڑوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔ ہمیں وہ شعر پھر یاد آ گیا جو کسی جگہ آغاز میں ایسی ہی کسی شخصیت کے لیے پیش کیا تھا:

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

دو اسلام کی بجائے ایک اسلام:

کاش ڈاکٹر صاحب نے دو اسلام کی بجائے ایک اسلام، جس میں قرآن نازل ہوا، اس کا مکمل مطالعہ کیا ہوتا۔ جہاں فرعون اور اس کی قوم جب ہلاکت سے ہمکنار ہوئی تو قرآن نے کہا:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ (تو ان پر آسمان اور زمین نہیں روئے)

اب یہاں آسمان اور زمین کے نظامِ تنفس کو تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (۱/۸)

(اور ان (پتھروں) میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں)

اسی طرح ایک اور جگہ:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

ترجمہ: اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے جھکا ہوا، پاش پاش ہوتا۔

سرسید احمد خان کا بھی یہی تصور تھا بلکہ وہ تو بہت آگے نکل گئے۔ ان کی تفسیرِ قرآن، جو مکمل نہ کر سکے، پڑھیے اور دیکھیے وہ کیا کیا سوچتے ہیں اور کہتے بھی ہیں۔ انھوں نے بہت سی باتوں کا شروع سے انکار ہی کر دیا۔ آیات بہت ہیں، جن کے مزید حوالے دیے جا سکتے ہیں، لیکن اس طوالت کی ضرورت نہیں۔

استن حنانہ کا واقعہ جو ڈاکٹر برق کی فہم سے بالاتر ہے:

''ابھی مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تیار نہیں ہوا، اس کی جگہ کھجور کا ایک ستون ہے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشتِ مبارک لگا کر وعظ فرماتے ہیں۔ جب منبر شریف تیار ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی نشست بنالی۔ کھجور کے اس درخت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کی اس محرومی نے اتنا غمزدہ کر دیا کہ وہ زار و قطار رو دیا۔''

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ:

استن حنانہ در ہجرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نالہ می زد ہمچو اربابِ عقول

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رونے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف سے اتر گئے اور استن حنانہ کے قریب آئے، اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم، اگر اسے اپنے سینے سے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک یوں ہی گریہ کرتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کٹوا کر منبر شریف کے نیچے دفن کرا دیا اور اس طرح اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا قربِ ابدی اسے نصیب ہو گیا۔''

(زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۱۳۸، بخاری شریف)

اِسۡمُهٗ

مَكۡتُوۡبٌ مَّرۡفُوۡعٌ مَّشۡفُوۡعٌ

مَّنۡقُوۡشٌ فِي اللَّوۡحِ وَالۡقَلَمِ

ابوالبشر علیہ السلام نے اسے عرش پر لکھا دیکھا
تھا اس قدر وہ نمایاں، درود تاج میں ہے

تلاشِ رُتبہِ زاغ البصر میں چشمِ خیال
رہا نصیب میں حرماں، درود تاج میں ہے

شریکِ کلمہِ طیّب، مقامِ اسمِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم
یہ رفعتِ شہِ ذیشاں درود تاج میں ہے

دیا ہے لوح کو اعزاز اور قلم کو شرف
وہ اسمِ صاحبِ قرآں درود تاج میں ہے

اِسْمُہٗ مَکْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ممکن نہیں اس نام کی توصیف زباں سے
مل جائے اشارہ کوئی آیاتِ قرآں سے (ادیب)

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے:

قرآن کے بعد اس اسمِ مبارک کی تعریف میں حضرت حسان وکعب، ابنِ رواحہ، نابغہ جعدی وصرصر وابنِ جابر وبرعی، بوصیری وشوقی، حافظ وخاقانی، عرفی ورومی رضوان اللہ علیہم اجمعین زمزمہ خواں رہے۔ سنائی، سعدی وجامی، قدسی وخسرو، رضا، نبھانی، حالی واقبال رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نواپیرا ہوئے کہ جن کے قلب عشقِ محمد ﷺ کا نشیمن بنے اور یہ سلسلہ ہر دور، ہر عہد اور خطۂ زمین پر جاری ہے۔

خیمہ افلاک کا اِستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

حضور رحمت للعالمین ﷺ کے اسمِ مبارک پر گزشتہ اوراق میں بھی تحریر کیا گیا لیکن بعض باتیں اسمُہٗ کے زیرِ عنوان پیش کرنی تھیں اس لیے انھیں یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسمِ محمد ﷺ اپنے وصف اور اپنی تعریف کے پھیلاؤ میں اتنا وسیع ہے کہ زمین وزماں اور مکین ومکاں سب اس کے دائرہ میں محدود ہیں۔ ایک میں ہی نہیں، اس پر ایسی ایسی ہستیاں، جنھیں زمانہ بحر العلوم کہتا ہے، وہ علوم کا بحر ہوتے ہوئے بھی اس نام اقدس کی مکمل تشریح کے حق سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے، البتہ اس سعادت سے محروم نہیں رہے کہ جو کچھ ملا اور جہاں جہاں

سے علاوہ موتی قرطاس پر چن دیے۔ اس فقیر کو سعادت میسر آئی ہے کہ درود تاج کے وسیلے سے یہ بھی جو کچھ حاصل کر سکا، پیش کر رہا ہے۔

امام الائمہ المحدث الشیخ احمد بن محمد ابنِ ابی بکر الخطیب القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تالیف ''المواہب اللدنیہ'' میں اس موضوع ''اسمِ محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عالمانہ بحث کی ہے اور بقول میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھتے ہوئے کی ہے:

خدا در انتظار حمدِ ما نیست
محمد صلی اللہ علیہ وسلم چشم در راہ ثنا نیست

اور عمر خیام کی اس فکر پر:

از جان و جہان و ہر چہ در عالم ہست
مقصود توئی و بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم صلوات

یعنی جمیع ما کان وما یکون کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقصود ہیں۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر درود و سلام۔ احمدِ مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسماء مقدس و مبارکہ کے بیان میں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات وصفات منیفہ پر دلالت کرتے ہیں (منیفہ کے معنی کمال میں اپنے غیر سے زیادہ) علامہ نے علم کے موتی بکھیر دیے ہیں، مثلاً: فرماتے ہیں:

''تم جان لو کہ اسماء اسم کی جمع ہے۔ اسم لغت میں وہ کلمہ ہے جس کو عرب نے مسمیٰ کے مقابلے میں وضع کیا ہے۔ جس وقت کلمہ کا اطلاق کیا جاتا ہے اس تعریف میں چار چیزوں کی مراعات ضروری ہے: ایک اسم، دوسرا مسمّی بفتح میم ثانی (یعنی میم پر زبر)، تیسرا مسمِّی بکسرِ میم ثانی (یعنی دوسرے میم پر زیر)، چوتھا تسمیہ۔''

یہ بحث عالمانہ بھی ہے اور دلچسپ بھی، لیکن یہاں اس بحث کو پیش کرنا غیر ضروری ہے البتہ جوبات اسمہٗ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا بقیہ حصہ تھا اسے علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کرتا ہوں، اگرچہ علامہ شیخ محمد یوسف بنوری مدظلہٗ نے اپنی تصنیف ''معارف السنن'' کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۲۳ پر اپنے مستقل عنوان ''ماھو افضل بقاع الارض'' کے تحت اس

موضوع پر ان الفاظ میں فیصلہ دیا ہے:

هی افضل من السموات والعرش والکعبة ......وقول السروجی من الحنیفیة لم نجد من تعرض لهذا فی مذهبنا۔

ترجمہ: قبر اطہر سات آسمانوں، عرشِ مجید اور کعبۃ اللہ ......سے افضل ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اندازہ فرمایئے کہ جب قبرِ اطہر کا مقام یہ ہے، یعنی ان سات آسمانوں تک کسی کی رسائی نہیں، عرشِ مجید کے مقام و مراتب کا جاننا ممکن نہیں اور کعبۃ اللہ کی فضیلت سے آگہی کا کوئی دعویدار نہیں تو اسمِ ذات اقدس ﷺ کے کمال و اوصاف کون بیان کرسکتا ہے؟ یہ بات اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کی ہے کہ وہ اس حق سے عہدہ برآ ہو جائے کہ حق المقدور جوہر دکھائے۔

حضور ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اپنے فرزند کا نام کیا رکھا ہے تو آپ نے فرمایا محمد ﷺ۔ لوگوں نے پھر سوال کیا کہ اے عبد المطلب علیہ السلام! یہ نام کس لیے رکھا؟ کیوں کہ یہ نام تو آپ کے باپ دادا میں اور نہ ہی آپ کی قوم میں کسی کا ہوا ہے تو آپ (عبد المطلب علیہ السلام) نے جواب میں فرمایا:

''میں یہ امید کرتا ہوں کہ کُل اہلِ زمین میرے فرزند کی مدح کریں۔''

اس نام مبارک کے رکھنے کے اسباب بیان کرتے ہوئے اس خواب کی حدیث کو علی القیروانی العابر نے اپنی کتاب (البیان) میں کچھ اس طرح کہا ہے کہ عبد المطلب علیہ السلام نے تحقیق اپنے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک ایسی زنجیر چاندی کی ان کی پشت سے نکلی کہ ایک طرف اس کی آسمان میں ہے اور ایک طرف زمین میں ہے، اور ایک طرف اس کی مشرق میں ہے اور ایک طرف اس کی مغرب میں ہے۔ پھر وہ زنجیر ایسا درخت ہوگئی جس کے ہر پتے پر نور تھا اور یکایک میں نے اہلِ مشرق اور مغرب کو دیکھا گویا وہ اس سے لٹک رہے ہیں۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے یہ خواب ایک کاہنہ سے بیان کیا، اس نے عبد المطلب علیہ السلام کو ایسے مولود سے تعبیر دی کہ ان کے صلب سے ہوگا اور اہلِ مشرق و مغرب اس کا اتباع کریں گے اور اہلِ آسمان اور اہلِ زمین اس مولود کی مدح کریں گے۔

اس لیے دادا نے پوتے کا نام محمد ﷺ رکھا۔

''استیعاب'' میں ابنِ عبدالبر نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اور محمد بن جبیر بن مُطعم نے بھی اپنے والد سے اس روایت کو بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ﷺ ہوں، میں ماحی ﷺ ہوں کہ میرے سبب اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، اور میں وہ حاشر ﷺ ہوں کہ میرے آثار قدم پر آدمی حشر کیے جائیں گے اور میں عاقب ﷺ ہوں، یعنی میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ یہ حدیث شیخین سے بھی روایت ہوئی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ آدمی میرے قدم کے نشان پر اور میرے زمانے اور میری رسالت میں حشر کیے جائیں گے، یعنی جو بات ابوالحارث (جناب عبدالمطلب کو ابوالحارث کہہ کر بھی مخاطب کیا جاتا تھا) نے کہی تھی کہ میں نے یہ نام اپنے باپ دادا اور قوم کی روایات سے ہٹ کر اس لیے رکھا کہ اہلِ آسمان اور اہلِ زمین اس مولود کی مدح کریں گے اور کاہنہ نے جو تعبیرِ خواب دی تھی کہ اہلِ مشرق اور مغرب اس مولود کا اتباع کریں گے، اس حدیث سے یہی بات سامنے آئی۔ اس حدیث کے درست ہونے کی تصدیق امام بخاری کی ''تاریخِ صغیر'' اور ''اوسط'' سے، حاکم کی ''مستدرک'' سے اور ابونعیم کی ''دلایل النبوۃ'' سے بھی ہوتی ہے۔ ان سب کا اس حدیث پر اتفاق ہے۔

مزید یہ بات بتاتا چلوں کہ رحمتِ عالم ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں (ان لی خمسة اسماء: حدیث)، پھر علماء نے آپ ﷺ کے ناموں پر تحقیق کی اور وہ کثیر ہیں تو ایسا کیوں ہے؟ اس پر تفصیلی بحث ''المواہب اللدنّیہ'' میں بھی ہے اور دیگر علماء محققین نے بھی اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اب یہ آپ کے ذوق مطالعہ کی بات ہے کہ آپ ان تفاصیل سے اپنے آپ کو آگہی بخشیں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں قرآن وحدیث سے تفحص کے بعد اسمائے مبارکہ کی تعداد تین سو تک بتائی ہے، لیکن بعض صوفیائے کرام کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے اسمائے مبارکہ باعتبار صفت ایک ہزار ہیں، یعنی تمام اسمائے مقدسہ جو وارد ہوے وہ اوصاف مدح ہیں۔ یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ اسم کا اطلاق صفت پر

اس لیے کیا جاتا ہے کہ صفت اسم پر غالب ہوتی ہے، یا اسم اور صفت دونوں ذات کی تعریف میں مشترک ہوتے ہیں اور ذات کو اس کے غیر سے تمیز دیتے ہیں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسمائے صفاتی کی جو بحث ''المواہب اللدنیہ'' کی دوسری جلد میں کی ہے اور ایک ایک اسم صفت کے معانی و مطالب جس تحقیق سے بیان کیے ہیں وہ ایک سو نوے صفات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اتنا لکھ کر بھی وہ لکھتے ہیں:

''تم جان لو کہ ہم کو کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم سب اسمائے شریفہ کی کامل شرح لکھیں۔''

اس تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں تو درود تاج میں جو اسمائے صفات اور القاب شامل ہیں ان میں سے بیشتر اس تفصیل میں شامل ہیں۔

اسمائے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک ایسا موضوع ہے جسے اگر پھیلایا جائے تو ایک کتاب کی صورت بن سکتی ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ، جن کا ذکر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، دوئم قرآنِ کریم میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ ہیں اور جن کی تلاش علمائے تحقیق نے فرمائی اور وہ اسمائے مبارکہِ صفاتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پر مبنی ہیں اور جو قرآنِ کریم و دیگر صحائفِ سماوی مثلاً انجیل، توریت اور زبور میں وارد ہوئے؛ اور جو ان مقدس کتابوں کے علاوہ ہیں۔ جو کچھ یہاں پیش کیا وہ اختصار سے، انشاء اللہ تعالیٰ زندگی نے وفا کی تو عالمِ اسلام میں پھیلے ہوئے ان صفحات کو یکجا کر کے اپنے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کر سکوں گا۔

اسمائے مبارکہِ صفاتی ہزار ہوں یا کم و بیش ان اسماء کی تشریح علمائے تحقیق نے جس جس انداز سے فرمائی ہے وہ محبتوں اور عقیدتوں کا وہ سفر ہے جو قاری کو اپنی منزل سے قریب تر کر دیتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شاندار کارنامہ انجام دیا ہے جب کہ دیگر محدثین نے بھی اس فرض سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کی سعی فرمائی ہے۔ لیکن حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ الشافعی کا اپنا ایک منفرد انداز ہے جسے مکمل تو نہیں بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں۔ آپ نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کو حروفِ معجم پر ترتیب دیا ہے۔ حرف الف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کی تعداد ستر ہے جو پیشِ خدمت ہے:

البار بالله، احمد، اطيب النّاس ريحا، امام الخير، الابطحی، احيد، الاعز، امام المتقين، اتقی الناس، الاعلیٰ، امام المرسلين، الاجود، آخذ الصدقات، الاعلم بالله، امام النبيين، اجود الناس، الآخر، اكثر الناس تبعا، الامام، الاحد، ارحم الناس بالعباد، الاكرم، الآمر والناهی، الاحسن، الازهر، اكرم الناس، الآمن، احسن الناس، الاصدق فی الله، المص، امنة الصحابه، الامين، الامی، انعم الله، الاول، اول شافع، اول مشفع، اول المؤمنين، اول من تنشق عنه الارض، اول المسلمين، الارقی، الاجل، الاحشم، الارجح، الارحم، الاسد، الاشنب، اصدق الناس لهجة، الاطيب، الاعظم، الاعز، الاكليل، الامجد، امام العالمين، امام العاملين، امام الناس، الامان، الامة، الم، المر، اسعی، الانور، المتجرد، الاواه، الاولیٰ، اول مرسل، آية الله۔

صرف یہی نہیں کہ اسمائے صفات کو تلاش کیا اور پیش کر دیا بلکہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر اسم کی تشریح بھی پیش کی ہے، مثلاً یہاں صرف ''الامین'' کی شرح کا حوالہ پیش کرتا ہوں:

الامین: اس اسم شریف کو ابنِ فارس نے ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس کے ساتھ اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حافظِ وحی ہیں اور طاعتِ الٰہی پر قوی ہیں۔ فعیل بمعنی فاعل ہے، مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً روایت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
الا تامنونی وانا امین من فی السماء یاتینی خیر من السماء صباحا ومساء۔
اللہ نے فرمایا: انه لقول رسول كريم، ذی قوة عنده ذی العرش مكين مُطَاعٍ ثم امين۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مفسّرین کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ اس جگہ رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ کے صغرسن میں اس لیے امین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوفا، صادق القول اور قاذورات اور پلیدیوں سے پاک تھے۔ قریش نے بنائے کعبہ کے

وقت یہ کہا تھا: ھذا الامین رضینا ۔ (مزید تفصیل ہے لیکن اختصار سے اتنا ہی پیش کرتا ہوں۔)

اسی طرح حرف الباء کی تختی ہے جس میں آپ ﷺ کے اسمائے صفاتی البر سے شروع ہو کر البینہ پر ختم ہوتے ہیں اور اسی طرح ہر اسم کی شرح ساتھ ساتھ ہے جو الیاء سے یٰس پر ختم ہوتی ہے۔ صرف یہ ہی نہیں، مزید احادیث سے جن اسمائے مبارکہ پر تحقیق ہوئی وہ مزید ہیں۔ الغرض اس ذات اقدس کے جس طرح اوصاف حمیدہ کی تعداد معلوم نہیں ان کے اسمائے صفات کی تعداد کا تعین بھی ممکن نہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے معجزات پر علماء، شعراء، اہلِ علم و دانش نے اپنے اپنے طریق سے بہت کچھ لکھا لیکن یہ بات کسی نے کہیں نہیں لکھی کہ ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی تعریف میں سارا جہان لکھ رہا ہے اور لکھتا رہے گا لیکن تعریف کا حق پھر بھی ادا نہ کر سکے گا۔ کیا یہ معجزہ نہیں؟ وہ شاعر خوش بخت حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں جنھوں نے فرمایا:

ان من معجز اتک العجز عن
وصفک اذلا یحدہ الاء حصاء

آپ ﷺ کے اوصاف بیان نہ کر سکنا بھی آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے جب کہ شماریات ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

گنبدِ سبز کے سایے میں ہیں اشعار بوصیر رحمۃ اللہ علیہ
دے رہا ہے وہ ثناء گوئی کو رتبے کیا کیا

قصیدہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

سنا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے کہ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قصیدہ بردہ کے کچھ اشعار مسجدِ نبوی ﷺ کے گنبدوں میں کندہ ہیں، اس قصیدے کے اوجِ مقدر کا کیا کہنا کہ آج بھی جوارِ رحمت میں ہے۔

اسی لیے مصنف درود تاج نے آپ ﷺ کے اسمِ مبارک کی تعریف میں یہ اضافہ خاص طور پر فرمایا کہ لوح وقلم پر بھی یہ نام مکتوب ہے۔ اسے اتنی بلندی و رفعت دی گئی کہ کلمے میں اللہ کے نام کے ساتھ ملا دیا گیا اور پھر اس اسمِ مبارک کا نقش لوح اور قلم دونوں پر ہے۔

ایک صاحب، جنھیں امام الصوفیاء اور مجتہد العصر بھی لکھا جاتا ہے ان کا نام محمد جعفر پھلواروی ہے، نہ جانے ان کے خیال میں اچانک کیا آیا درود تاج پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردی۔ یہ اعتراض بغرضِ اشاعت کراچی کے ایک ماہنامے کو دے دیے اور اس نے بھی اسے اپنے عقیدے کی مضبوط دلیل سمجھ کر بڑے طمطراق سے شایع کردیا۔ ہم کسی کے علم کا پردہ فاش کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، خدا کی ذات ستار العیوب ہے لیکن ہم کیا کریں کہ اس کا جواب اگر نہ دیں تو ہزاروں معصوم ذہن انھی کی طرح عصبیتِ علمی کا شکار ہوجائیں گے اور درود تاج کے متعلق ان کے جذبات پاکیزہ بری طرح مجروح ہوں گے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی شریف میں ایسے لوگوں کے لیے فرمایا:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

یعنی جن کے دلوں میں خدا کے نیک بندوں سے بغض پوشیدہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو ان کی پردہ دری منظور ہوتی ہے تو وہ انھیں اپنے نیک بندوں کے حق میں طعنہ زنی پر مایل کردیتا ہے۔ درود تاج پر جہاں جہاں بھی اعتراض ہوے، وہ کتنے اور کن حضرات نے کیے ہیں، معلوم نہیں اور ان تمام کا جواب دینا بھی ضروری نہیں البتہ جو اعتراض علمی ہو تو اس کا جواب دینا کافی ہے کیونکہ ابھی تو مستقبل میں بھی یہ سلسلہ ممکن ہے جاری رہے۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ردِ اعتراض سے گریز کیا جارہا ہے اس لیے درود تاج پر کیے گئے پہلے اعتراض کا جواب پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ملتان شہر کی وہ عظیم المرتبت ہستی، جنھیں غزالیِ دوراں اور رازیِ زماں کے خطابات دیے گئے تھے، حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پھلواروی صاحب کے اعتراضات کا اس انداز سے جواب تحریر فرمایا کہ پھلواروی صاحب کی علمیت کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

پھلواروی صاحب کا پہلا غیر علمی اعتراض:

پھلواروی صاحب کہتے ہیں عربی میں "مشفوع" اسے کہتے ہیں جو مجنون ہو یا اسے بدنظر لگی ہو یا وہ طاق سے جفت کیا گیا ہو۔ یہ سارے معنی بے محل ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ

مشفوع لہٗ نہ ہو، لیکن یہاں یہ معنی لینا بھی صحیح نہیں۔ آنحضور ﷺ ''شافع'' ہیں۔ ''شفیع'' اور ''مشفع''، یعنی شفاعت کرنے والے، مقبول الشفاعت ہیں، مشفوع لہٗ نہیں۔ نعوذ باللہ آنحضور ﷺ کی کون شفاعت کرسکتا ہے؟

یہ ہے پھلواروی صاحب کا عالمانہ اعتراض جو کسی بھی قاری کی نظر سے گزرے تو درود تاج کی عربی عبارت کی کمزوری کا تصور اس کے عقیدہ محبت اور ایمان کی کمزوری کا سبب بن جائے۔

یہ پہلا اعتراض ہے، مزید اعتراضات قاری کو دل برداشتہ کردیں اور وہ اس کی تلاوت سے کنارہ کش ہوجائے۔

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھلواروی صاحب کا یہ اعتراض پڑھ کر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی، ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے کہ انھوں نے لفظ مشفوع سے حضور ﷺ کی ذات پاک سمجھ لی حالانکہ درود تاج میں ذاتِ مقدس کے لیے نہیں بلکہ لفظ مشفوع حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کے لیے استعمال ہوا ہے (مجھ جیسا طالب علم بھی حیرت میں ہے کہ لفظ مشفوع سے پہلے اسمہٗ آیا ہے تو مشفوع لفظ سے حضور ﷺ کی ذات پاک کے معنی نکالنا یقیناً خبطِ عقل کا نتیجہ ہے)۔

ذاتِ مقدس یقیناً مشفوع لہٗ نہیں، نہ حضور ﷺ نظرِ بد لگے ہوئے ہیں، نہ ذاتِ مقدسہ کے حق میں ''مجنون'' کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ جب یہ معنی یہاں متصور ہی نہیں تو ان کے ذکر کی یہاں کیا ضرورت پیش آئی؟

مشفوع کی لغوی بحث:

علامہ فرماتے ہیں: صاحبِ درود تاج نے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو نہیں بلکہ اسم مبارک کو مشفوع کہا ہے، جو الشفع سے ماخوذ ہے، الشفع کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف اس کی مثل کو ملانا اور طاق کو جفت کرنا۔ قرآنِ پاک کی سورہ الفجر میں ہے: وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (پ ۳۰: قسم ہے جفت کی اور قسم ہے طاق کی)۔ لغت کی مشہور کتاب ''المنجد'' میں شفع، شفعا

کے تحت مرقوم ہے:

شفع .... الشئی صیرہ شفعاً ای زوجاً بان یضیف الیہ مثلہ۔

(المنجد ص ۳۹۵ طبع بیروت) یعنی شفع الشئی کے معنی ہیں: ''اس نے شئے کو شفع یعنی جفت کردیا'' بایں طور کہ ایک شئے کی طرف اس کی مثل کو ملادیا۔

ایک اور مثال: اسی طرح ''اقرب الموارد'' میں ہے:

شفع.... شفعاً صیرہ شفعاً ای زوجاً ای اضاف الی الواحد۔

ثانیاً.... یقال کان وتراً فشفعہ باخر ای قرنہ بہ۔

(اقرب الموارد ص ۵۹۹ جلدا) یعنی شفعا شفع کے معنی میں: ''اس نے کسی چیز کو شفع کردیا یعنی اسے جفت بنادیا یعنی ایک کی طرف دوسرے کو ملادیا۔ اہلِ عرب کا مقولہ ہے کہ وہ طاق تھا، اس نے دوسرے کو اس کے ساتھ ملا کر جفت کردیا یعنی ایک کو دوسرے کے ساتھ ملادیا۔''

علامہ مزید فرماتے ہیں: ''درود تاج میں لفظ مشفوع، الشفع سے ماخوذ ہے اور الشفع متعدی ہے اس کا اسم مفعول مشفوع ہے۔ (قاری صاحبان کو یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ متعدی اس فعل کو کہتے ہیں جس میں فاعل کے لیے اسم مفعول ضروری ہو۔) مشفوع جو مقرون اور جفت کے معنی میں ہے اور اسمہ' مشفوع کے معنی ہیں کہ اللہ تعالی نے کلمے میں، اذان میں، تکبیر میں اپنے اسمِ مبارک کے ساتھ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام ملادیا۔ یہ مقرون کے معنی ہیں۔ اور اذان و اقامت میں اسے ''وتر'' یعنی طاق نہیں رکھا گیا بلکہ اسے جفت بنادیا گیا۔ مؤذن اور مکبّر، اذان و تکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ایک بار نہیں بلکہ دوبار پکارتا ہے اور یہی طاق کو جفت بناتا ہے۔

''اسم الٰہی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا متصل ہونا اور اذان و تکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا دوبارہ پکارنا اسمہ' مشفوع کے معنی میں اور یہ بالکل واضح، برمحل اور مناسب ہیں، انھیں نامناسب اور بے محل قرار دینا کج فہمی اور نادانی ہے۔''

قارئینِ کرام! قرآنِ کریم میں اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کی تکرار بھی آپ کی نظر سے گزری ہوگی، اس کے علاوہ اور بھی مقامات پر یہ نام اسی مناسبت سے اللہ تعالی کے نام کے ساتھ آیا ہے، ذوق مطالعہ ہو تو دیکھ لیں۔

علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملہ پھلواروی صاحب کے لیے ارشاد فرمایا ہے، آپ تک
پہنچا رہا ہوں:

''اگر کوئی یک چشم دو طرفہ بازار سے گزرے اور یہ کہے کہ شہر تو بہت خوبصورت ہے
مگر بازار ایک ہی طرف ہے تو جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ بازار تو دونوں طرف ہے،
مگر اس کی ایک آنکھ بند ہے تو کیا کیا جائے۔''

پھلواروی کا دوسرا اعتراض منقوش پر:

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ''پھر نام مبارک اسمہ' کا منقوش فی اللوح ہونا تو
سمجھ میں آتا ہے لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی بات ہے، اگر منقوش فی اللوح بالقلم ہوتا تو
بات پھر بھی واضح ہو جاتی۔''

اب حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس کا بھی جواب مرحمت فرماتے ہیں:

''پھلواروی صاحب نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی کہ اس لوح وقلم کا قیاس دنیا کی تختی اور
قلم پر کر لیا اس لیے وہ فرما رہے ہیں کہ ''نام مبارک کا منقوش فی اللوح ہونا تو سمجھ میں آتا
ہے لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی بات ہے۔'' الحمد للہ لوح میں اسم مبارک کا منقوش ہونا تو
آپ کی سمجھ میں آ گیا البتہ قلم میں منقوش ہونا صرف اس لیے آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ
آپ نے قیاس مع الفارق سے کام لے کر یہ سوچا کہ قلم لکھتا ہے، اس پر لکھا نہیں جاتا مگر آپ
کی یہ سوچ اس عالم بالا تک نہیں پہنچ سکتی جہاں لوح وقلم تو درکنار ساق عرش پر بھی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک منقوش ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ
بن خطاب سے مرفوعاً مروی ہے:

كان مكتوباً على ساق العرش لا اله الا الله محمد رسول الله ۔

اس حدیث کو طبرانی، حاکم، ابونعیم اور بیہقی نے روایت کیا۔ حوالے کے لیے دیکھیے:
تفسیر فتح العزیز، پارہ ۱، ص ۱۸۳، طبع نول کشور، لکھنؤ، بھارت۔ روح المعانی جلد اوّل، جز ۱، ص
۲۳۷۔ روح البیان جلد پہلی، ص ۱۱۳، طبع بیروت۔ خلاصۃ التفاسیر جلد اول، ص ۲۹، طبع انوار

محمدی، لکھنؤ۔ اسی طرح دُر منثور میں بھی ہے (بحوالہ خلاصۃ التفاسیر)۔ ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کے قلم میں منقوش ہونے کو نرالی بات کہنا بجائے خود نرالی سی بات ہے۔"

آخر میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اسمِ مبارک کا لوح میں مکتوب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی وجہِ فضیلت نہیں، لوح میں تو ہر چیز مکتوب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتِ عظمٰی اور اہم ترین خصوصیت تو یہ ہے کہ نشانِ عظمت کے طور پر صرف لوح نہیں قلم پر بھی اسمِ مبارک مثبت و منقوش ہے، بلکہ ساق عرش پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رفعتِ شان کی ایک جھلک ہے جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے "و رفعنا لک ذکرک" میں فرمایا۔ اگر پھلواروی صاحب اس کا انکار کریں تو ہمارے نزدیک ان کا یہ انکار پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا جب کہ آیتِ قرآنیہ اور اس کی مطابقت میں حدیثِ مذکورہ بھی حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت و رفعتِ شان کا اعلان کر رہی ہے۔ صاحبِ درود تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کے منقوش فی اللوح والقلم ہونے کا ذکر اسی نشانِ عظمت و رفعت کے طور پر کیا ہے جسے پھلواروی صاحب نہیں سمجھ سکتے۔"

(علامہ کا بیان یہاں ختم ہوا)

زرقانی علی المواہب میں رقم ہے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے میرے بیٹے! میرے بعد خلیفہ ہو۔ پس خلافت کو تقویٰ کے تاج اور محکم یقین کے ساتھ پکڑے رہو اور جب تم اللہ کا ذکر کرو تو اس کے متصل نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کرو کیونکہ میں نے ان صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے جب کہ میں روح و طین کے درمیان تھا۔ پھر میں نے تمام آسمانوں پر نظر کی تو مجھے کوئی جگہ ایسی نظر نہ آئی جہاں نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا نہ ہو۔ ربّ نے مجھے جنت میں رکھا تو میں نے جنت کے ہر محل، ہر بالا خانے اور برآمدے پر اور تمام حوروں کے سینے پر، جنت کے تمام درختوں کے پتوں پر، شجرِ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں میں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا دیکھا ہے لہٰذا تو کثرت سے ان کا ذکر کیا کر، کیونکہ فرشتے ہر وقت ان کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

اقبل آدم علی ابنہ شیث فقال ای بُنَیَّ انت خلیفتی من بعدی

فحلها بعمارة التقویٰ والعروۃ الوثقیٰ فکلما ذکرت اللہ فاذکر الی جنبه اسم محمد فانی رایت اسمه مکتوباً علیٰ ساق العرش و انا بین الروح والطین ثم انی طفت السمٰوات فلم ار فی السمٰوات موضعاً الا رایت اسم محمد مکتوباً علیه وان ربی اسکننی الجنة فلم ارفی الجنة قصراً ولا غرفة الا وجدت اسم محمدً مکتوباً علیه ولقد رایت اسم محمد مکتوباً علیٰ نحور الحور العین وعلیٰ ورق قصب الحام الجنة وعلیٰ ورق الشجرة طوبیٰ وعلیٰ ورق سدرة المنتهیٰ وعلیٰ اطراف الحجب و بین اعین الملٰئکة فاکثروا ذکره فان الملٰئکة من قبل تذکره فی کل ساعاتها۔ (زرقانی علی المواہب)

یہ بیان حضرت آدم علیہ السلام کا ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے جتنا دیکھا، یا جتنا دکھایا گیا، انھوں نے بیان کر دیا، اب خدا ہی جانے کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کہاں کہاں ہے؟ تمام حجابات تو اس نے کسی پر نہیں اٹھائے، حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت شعر کہا:

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال
زد رقم بر جبہۂ عرشِ بریں

بندگانِ خدا تک اسرار عرش وفرش یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعے پہنچے یا نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے، پھر نبی کو بھی جتنا حق سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا اور اس میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا مخلوق میں بتانا مناسب سمجھا۔ لوح وقلم کے متعلق بے شمار خیالات ذہنِ انسانی میں آئے اور بہت سوں نے اپنی اپنی فکر کے مطابق سمجھا اور جو سمجھا وہی دوسروں کو سمجھایا۔ اہل اللہ کا مقام جدا ہے۔ انھوں نے جو دیکھا وہ دیکھا، پھر دکھانے والے نے اجازت دی تو بتایا ورنہ مہر بر لب ہو گئے۔

لوحِ محفوظ پر کیا کیا تحریر ہے:

حضورِ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو "ما کان و ما یکون" کے عالم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قرآن کے حوالے سے بتایا: كُلُّ صَغِيرٍ وَّ كَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ (ہر چھوٹی بڑی چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے)۔

لَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

ترجمہ: کوئی دانہ ایسا نہیں جو زمین کی اندھیریوں میں ہو اور کوئی تر اور نہ خشک چیز مگر لوحِ محفوظ میں ہے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور لوحِ محفوظ کا ذکر:

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ لوح وقلم کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

فان من جودک الدنیا وضرّتها

ومن علومک علم اللوح والقلم

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک دنیا وآخرت آپ کی بخشش سے ہیں اور لوحِ محفوظ اور قلم کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں سے ایک علم ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، جنھوں نے ''شفاء شریف'' کی شرح لکھی ہے، آپ شرح قصیدہ بردہ شریف میں کہتے ہیں:

وعلمهما يكون نهراً من بحور علمه و حرفاً من سطور علمه۔

ترجمہ: اور لوح وقلم کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریاؤں میں سے ایک نہر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی سطروں میں سے ایک حرف ہے۔

گزشتہ اوراق سے ایک مرتبہ پھر یہ کلمات دہراتا ہوں: ''اہل اللہ کا مقام جدا ہے۔ انھوں نے جو دیکھا وہ دیکھا، پھر دکھانے والے نے اجازت دی تو بتایا ورنہ مہر برلب ہو گئے۔''

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مجدّد الفِ ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے:

''علامہ طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کے معلّمِ خاص تھے، حضرت نے ان کی پیشانی کو بنظرِ خاص دیکھا تو بصیرت وکشف کی نگاہ سے معلوم ہوا کہ ان کی پیشانی پر ''شقی'' (بدبخت) لکھا ہوا ہے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادگان

سے یہ کیفیت بیان کی۔ صاحبزادے ملتمس ہوئے کہ حضرت دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل دے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم نے لوحِ محفوظ میں نظر فرمائی تو وہاں بھی شقی ہی لکھا تھا۔ پھر آپ نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس قضائے مبرم کو بدل دیا اور شقاوت کا لفظ سعادت سے بدل گیا۔"

ایک قدم اور آگے اس پیکرِ روحانیت کا ذکر جن کا قول، جب تک سلسلۂ ولایت ہے، فضاؤں میں گونجتا رہے گا:

قدمی هذه علیٰ رقبة کل ولی اللہ۔

(میرا قدم تمام ولی اللہ کی گردن پر ہے۔)

روئے زمین پر اس قول کو سنتے ہی سب سے پہلے جس ہستی نے سر جھکایا وہ مشائخِ کبار سے تھے اور حضور سیّدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں اٹھائیس سال بڑے تھے، الشیخ علی بن الہیتی رحمۃ اللہ علیہ، جنھیں شیخِ طریقت حضرت ابوالوفاء رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ طریقت ملا تھا۔ آپ انتہائی ادب سے اٹھے، قریب ہوئے، آپ کے قدم مبارک کو اپنی گردن پر رکھ لیا اور آپ کے خرقۂ عالیہ کو اپنے سر پر ڈال لیا۔

"زبدۃ الاسرار و بہجۃ الاسرار"، جو مناقب و حالات قطبِ ربانی، غوث صمدانی، حضرت سیّد محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میں تصنیفِ لطیف ہے اور جس کے مصنف شیخ نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف حریر الالخمی الشطنوفی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، فرماتے ہیں:

وعزة ربی ان السعداء والاشقیاء یعرضون علی وان
عینی فی اللوح المحفوظ وانا غائص فی بحار علم اللہ۔

ترجمہ: مجھے ربّ العزت کی قسم! بے شک سعدا (نیک بخت) اور اشقیا (بد بخت) مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور میری آنکھ لوحِ محفوظ میں دیکھتی ہے، میں علمِ الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

قرآن و حدیث اور اقوال سلف صالحین کے بعد اب مزید بحث کی گنجایش نہیں، جیسے

جیسے آپ ان حضرات کا قرب حاصل کرتے جائیں گے آپ پر انکشافات کا دائرہ بھی پھیلتا جائے گا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں لوح اور قلم کی جسمیت نہیں، نہ کوئی تختی ہے نہ کوئی قلم ہے، یہ تمثیل ہوسکتی ہے۔ پھر کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں: ''علم لوح ہے اور ارادہ قلم۔'' اللہ جب اپنے کسی بندے پر مہربان ہوتا ہے تو اس پر غیب کے دروازے کھول دیتا ہے اور جسے بیان کی اجازت ملتی ہے وہی بولتا ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی، جو معترض جناب جعفر شاہ پھلواروی کے مرشد بھی ہیں اور پدرِ بزرگوار بھی، جنھوں نے اپنی کتاب ''صلوٰۃ وسلام'' میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ سید ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے درود تاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں زیارت کے وقت پیش کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس درود کے لیے منظوری عطا فرمائیے کہ یہ ایصالِ ثواب کے وقت ختم میں پڑھا جایا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا۔ (صلوٰۃ وسلام، ص ۱۳)

یہاں اس حوالے کا مقصد یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصیدہ ''بانت سعاد'' (پہلا قصیدہ بردہ) پیش ہوا تو جس لفظ کو آپ نے مناسب نہ سمجھا نکال دیا اور اس کی جگہ خود اپنی طرف سے لفظ مرحمت فرمایا تو جب مولانا شاہ قاری سلیمان شاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دی، اجازت لی اور درود تاج پیش فرمایا، اتنی بے شمار غلطیاں، جن کا انتخاب جناب جعفر شاہ پھلواروی نے گنوایا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر توجہ نہ فرمائی اور ویسا کا ویسا ہی قبول کرلیا اور موصوف کے والدِ بزرگوار کو اجازت مرحمت فرمادی۔ نعوذ باللہ۔ آپ غور کریں تو یہ گستاخی کہاں تک پہنچی؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

ہم تو عاشقوں کی زبان پہچانتے ہیں اور عشق جو بولتا ہے، وہ کچھ بھی بولے، جھوٹ نہیں بولتا۔ عاشق نے کہا:

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب (اقبال)

اور ہم نے مان لیا!

سَیِّدِ العَرَبِ وَالعَجَمِ

عرب ہو یا کہ عجم ، ہے انھیں ﷺ کی سرداری
یہ اوجِ شوکتِ ایماں درود تاج میں ہے

سَیِّدِ العَرَبِ وَالعَجَمِ

سیدِ اولادِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم مشرق و مغرب ترے:

وہ، جنھیں بزمِ ہست و بود کا مسند نشین کہیے یا انھیں گلزارِ کن فکاں کی بہارِ حسیں کہیے۔ جنھیں سلطانِ انبیاء و شہنشاہِ مرسلین کہیے یا انھیں اس روئے زمین پر بسنے والے بیکسوں کا ولی اور معین کہیے۔ وہ چشمہ جود و سخا، وہ آیہ مہر و وفا رحمتِ تمام بن کر آئے تو مشرق بھی ان کی رحمت کے زیرِ سائبان آیا؛ جس طرح مغرب پر وہ جلوہ فگن ہوے، عرب نے ان کے قدم چومے اور عجم نے اس گردِ کوئے بطحا کو اپنی آنکھ کو سرمہ بنایا۔

جس کا ربّ، مشرق و مغرب کا ہے ربّ، اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم
رحمتیں سایہ فگن اس کی ہیں ، مشرق مغرب
کیا عرب اور عجم ، دونوں جہاں ان صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں
کون کہتا ہے حدیں ان کی ہیں مشرق مغرب

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری عطا فرمائی تو عرب و عجم ہی نہیں تمام روئے زمین پر، تمام اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے سرداری کا شرف بخشا۔

بخاری شریف کی حدیث ہے اور، جو مسلم شریف میں بھی ہے، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

انا سید ولد آدم یوم القیمۃ۔ (میں روزِ قیامت اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا۔)

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو اپنی مثنوی "منطق الطیر" میں فرماتے ہیں:

خواجگی ہر دو عالم تا ابد
کرد وقفِ احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم احد

یعنی دونوں عالم کی خواجگی مولائے کریم نے احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کر دی اور تا ابد کر دی۔ کیا خوبصورت شعر خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مقام پر کہا ہے، فرماتے ہیں:

ہر دو گیتی گرد خاک پائے تست
در گلیمے خفتہ چہ جائے تست

دونوں عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرد خاک پا ہیں۔ یہ مقام آپ کا ہے اور (دوسرے مصرعے میں قرآن کا اندازِ بیان اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں) اے کمبل میں سوئے ہوئے کیا مقام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

لفظ عجم اور لغت:

لفظ عجم کی لغوی تعریف: یہ لفظ عربی زبان کا ہے جس کے معنی ہیں حروف پر نقطہ دینا، حروف کے اعراب کے ہیں۔ اس میں ج پر جزم ہے۔ لفظ ''عجم'' میں ج پر ع کی طرح فتح (زبر) ہے، یہاں جیم ساکن نہیں ہے یعنی وہ ملک جو سوائے عرب کے ہو، مردم غیر عرب کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔ ایک معنی چھوہارے، انگور اور ہر چیز کی گٹھلی اور بیج کے بھی ہیں۔

عجمی: جو شخص عرب کا باشندہ نہ ہو، اکثر مراد ایرانی و فارسی ہوتی ہے۔ ایک لفظ عجم ہے یہاں ع پر ضمہ (پیش) اور ج ساکن ہے۔ اس کے معنی کند زبان لوگ، ملک عجم کے باشندے، گونگے لوگ۔ (لغات کشوری، مطبع نول کشور، لکھنو)

عربی اور عجمی کی تفریق اور اہلِ عرب:

عرب و عجم کی تقسیم صرف جغرافیائی حدود پر ہی نہیں ہے بلکہ اہلِ عرب نے جو شرائط عرب اور غیر عرب کی رکھیں وہ یوں ہیں: اول یہ کہ ان کی زبان عربی ہو، دوئم یہ کہ وہ عربوں کی اولاد سے ہوں، سوئم یہ کہ ان کا مسکن سرزمینِ عرب ہو، یعنی غیر عرب اگر عرب میں آباد

وہ عربی نہیں کہلائے گا، یعنی وہ جزیرۃ العرب کے رہنے والے ہوں؛ جن میں یہ اوصاف پائے جائیں صرف انھیں کو عرب کہا جائے گا۔

دوئم علاقائی تقسیم یعنی عرب کہاں سے کہاں تک اپنی حدود رکھتا ہے: جزیرۃ العرب کا علاقہ بحیرہ قلزم سے لے کر بحیرہ بصرہ تک اور یمن میں حجر کی آخری حدود سے لے کر شام کی اولین حدود تک کچھ اس طرح سے کہ سرزمینِ یمن کا علاقہ تو شامل ہو لیکن ملک شام کا علاقہ شامل نہ ہو۔ اسی بنیاد پر عرب مؤرخین نے عربوں کو تین طبقات میں تقسیم کردیا ہے: عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے "مشکوٰۃ النعت")

شعراء اور فلسفۂ عرب وعجم:

وہ ہستی، جس نے رنگ ونسل کا ایک ایک بت پاش پاش کردیا، عالمِ انسانیت کو ایک خاندان بنادیا، اسی لیے سید عاصم گیلانی نے کہا:

غلط کہ ان کا تعلق فقط عرب سے ہے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ دوامی کو ربط سب سے ہے

اور ضیاء محمد ضیاء کہتے ہیں:

نور چمکا حرا تا حرم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا
فیض پہنچا عرب تا عجم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا
کعبۂ انس و جاں بارگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
آستاں ، قبلہ گاہ اُمم ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا منفرد انداز ہے۔ آپ نے عرب وعجم پر خوبصورت شعر کہا، فرماتے ہیں:

اے عربی نسبت و اُمّی لقب
بندہ تو ہم عجم و ہم عرب
گرد سرت ابطحی و یثربی
خاک درت مشرقی و مغربی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب عربی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب امی ہے لیکن عر
ہو کہ عجم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ابطحی بھی ہیں اور یثر
والے بھی، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے در کی خاک مشرقی بھی ہے اور مغربی (یہاں خاک سے مفہوم غلا
کے ہیں) بھی۔

اب ذرا قدسی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھیے، جن کی مشہور نعت ہے "مرحبا سیّد مکی مدنی العربی"
وہ کیا کہتے ہیں؟ قدسی رحمۃ اللہ علیہ عرب و عجم کی حدود کو توڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پناہی میں
خطے کے انسانوں کو بصد عجز و نیاز لا کر پیش کرتے ہیں:

بر درِ فیضِ تو استادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی، حلبی و عربی

درود تاج کی نغمگی اور حسنِ ترتیبِ الفاظ:

درود تاج کے مصنف نے جو حسنِ ترتیب کا مظاہرہ کیا ہے وہ کمالِ فن ہے اور اد
کمال کی انتہاء ہے۔ جو حضرات بصد خلوص و بصد شوق و اعتقاد اس کا ورد کرتے ہیں غالباً ان
کی نظر اس حسنِ ترتیب پر نہ گئی ہو جسے میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

سید العرب والعجم سے پہلے فی اللوح والقلم ہے جو سید العرب والعجم کا ہم وزن اور ہم
قافیہ ہے، بعد ازاں فی البیت والحرم ہے۔ یہاں ذرا اِن کے اوپر نظر ڈالیے تو چار لفظ ہم
قافیہ بعد میں ہیں۔ پھر پہلے چار ہم قافیہ الفاظ کا آغاز اگر اسمہٗ سے ہو رہا ہے تو دوسرے ہم
قافیہ چار الفاظ کا آغاز جسمہٗ سے ہوتا ہے اور اسمہٗ و جسمہٗ بھی آپس میں ہم قافیہ ہیں۔ اب
اس ترتیب کو یوں دیکھیے تو حیرت ہوگی:

اسمہٗ ...... مکتوب، مرفوع، مشفوع، منقوش...... فی اللوح والقلم
سیّد العرب والعجم
جسمہٗ ...... مقدس، معطر، مطہر، منور...... فی البیت والحرم

کوئی صاحبِ زبان ہی اس عبارت کے حسن تک پہنچتا ہے یا عاشق کا دل ان
ضربات پر رقص کرسکتا ہے۔ آپ درود تاج کی تمام عبارت پر غور فرمائیں تو یہی مترنم لب و

لہجہ، یہی نغمگی از اوّل تا آخر پائیں گے۔ ہم قافیہ الفاظ کا انتخاب ابتداء سے انتہا تک ہے اور معنویت اس التزام میں کہیں مجروح نہیں ہوئی ہے۔ تمام درود تاج میں حضور ﷺ کا اسم مبارک محمد (ﷺ) دو مرتبہ آیا ہے۔

آپ ﷺ کے القاب کی جملہ تعداد اڑسٹھ ہے۔ یہ دو مرتبہ جو اسم مبارک علیحدہ آیا ہے، شامل کر لیں تو، ستر ہیں۔ کہیں دس قافیے مسلسل ہیں کہیں آٹھ۔ سیّدنا و مولنا سے "نور من نور اللہ" تک یہی کیف اور نغمگی ہے۔ یہ فیض بھی اسی مبدائے فیض کا عطا کردہ اور یہ لہجہ بھی قرآن نے بخشا ہے۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ شریف میں عرب و عجم کا ذکر اس خوبصورتی سے فرمایا کہ دل نہیں چاہتا کہ وہ یہاں پیش ہونے سے رہ جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

محمد ﷺ سیّد الکونین والثقلین

والفریقین من عرب و من عجم

منظوم ترجمہ:

ہو محمد ﷺ پر سلام، اللہ نے دی سروری

آخرت، دنیا، عرب، انساں، عجم، جنّات کی (ہلال صدیقی)

درود تاج میں جو اوصاف بیان ہوئے اگرچہ ایک ذرہ ہے ان کی مدح وثناء و صفات ومراتب کے بیان میں لیکن ہم گناہ گاروں کے لیے یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کا شکر اس کو حرزِ جاں بنا کر ہی ادا ہو سکتا ہے، ورنہ جگر نے کہا ہے:

کے عقل تواں رسد بہ پایاں

ہم عشق ہنوز نارسیدہ

لولاک لما خلقت الافلاک

در مدح تو جانِ ہر قصیدہ

بھلا عقل کا کیا مقام جو آپ ﷺ تک پہنچ سکے، عشق خود بھی ابھی اس منزل میں نارسیدہ ہے۔ سچ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعریف ہر قصیدے کی جان بس لولاک لما کی حدیث ہے۔

جسمِ مقدّس

بلند عرش ہے لیکن حضور ﷺ مجھ میں ہیں
مدینہ اس پہ ہے نازاں، درود تاج میں ہے

جسمِ مقدّس

جس نے جسدِ اطہر ﷺ کا لمس پایا وہ شے صاحبِ کرامت ہوگئی:

وجہِ وجودِ کائنات، باعثِ ایجادِ کل، صاحبِ لولاک لما کے جسدِ اطہر و منور کے لیے یہ اعزاز ہے کہ زمین سے یہ طاقت سلب کر لی گئی کہ وہ آپ ﷺ کے جسدِ مقدس کو نقصان پہنچائے۔ آپ ﷺ کے جسدِ اقدس سے جس شے کو لمس مل جاتا تو وہ اپنی قدر و قیمت میں دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہو جاتی۔ پہلے وہ کمترین ہوتی تو لمسِ مبارک پا کر دنیا کی بہترین شے ہو جاتی۔ سرِ اقدس پر عمامہ مبارک ہو یا نعلین پاک جو قدموں میں ہو، شانہ اقدس پر پڑی ہوئی گلیم ہو یا چادر مبارک کہ خدائے قدوس قرآن میں اس کا ذکر کرے، دستِ کرم میں تھاما ہوا عصاء ہو یا انگشتِ مبارک سے لپٹی ہوئی انگشتری، لب ہائے گہربار کا بار بار لمس پانے والا آب خورہ یا سینۂ اقدس کے ہزار بوسے لیتا ہوا کرتا ___ ہر وہ شے، جس نے آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کا لمس پایا، وہ شے صاحبِ کرامت ہوگئی۔ کبھی کسی شاخ کو اٹھا کر دیا تو وہ رات کی تاریکی میں مشعلِ نور ہوگئی اور کبھی میدانِ جنگ میں شاخ اٹھا کر دی تو وہ تلوار بن گئی، کبھی راہ میں پڑے ہوئے گمنام اور بے قدر پتھر اٹھائے تو کلمہ گو بن گئے۔ اس جسدِ مقدّس کا احوال کوئی کیا بتا سکے کہ اندھیرے میں مسکرا دیں اور دندانِ مبارک ظاہر ہو جائیں تو رات کی تاریکی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوزنِ گمشدہ مل جائے۔ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں وہ روحِ مقدّس رکھی گئی جسے انوار و اسرارِ خداوندی کی جلوہ گاہ ہونا تھا۔ اس جسدِ مقدّس کی پاکیزگی کا مرتبہ کس اوج پر ہوگا جس میں وہ قلبِ منوّر و مطہر تھا جس نے اس بارِ گراں کو اٹھایا جسے اٹھانے کے لیے آسمان و زمین اور کیا کہسار، تمام نے اپنا اپنا اظہارِ عجز کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السّلام کو یہ شان عطا کی کہ انھیں ہر طرح کے جسمانی عیوب سے

پاک ومنزہ رکھا۔ اگر کسی بھی نبی علیہ السلام میں کوئی جسمانی ساخت کا عیب پایا جاتا تو اس کے ماننے والے اسی عیب کو ان کے انکار نبوت کے لیے دلیل بنا لیتے۔ جسمانی عیب قبول حق میں حجاب بن جاتا۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے اس بیان کی دلیل کے لیے ایک دو حوالے پیش کرتا ہوں۔ انبیائے کرام کے حسن و جمال اور جسمانی عیوب سے پاک ہونے کی تعریف خود خورشیدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح فرمائی:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن المسیب کی روایت:

فقد روی سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم وصف لا صحابہ ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ فقال اما ابراھیم فلم ار رجلا قط اشبہ بصاحبکم ولا صاحبکم اشبہ بہ منہ ، واما موسیٰ فرجل آدم طویل رب جعدا اقنی کانہ من رجال شھنوۃ واما عیسیٰ بن مریم فرجل احمر بین القصیر وطویل سبط الشعر کثیر خیلان الوجہ کانہ خرج من دیماس تخال راسہ یقطر ماء ولیس بہ ماء اشبہ رجالکم بہ عروۃ بن مسعود۔

”حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن المسیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کیا:“ فرمایا: میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تمھارے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت رکھتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا آدمی دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام گندم گوں، سرخی مایل، طویل القامت، چھریرے بدن والے تھے۔ ان کے بال گھنگھریالے اور ناک اونچی تھی گویا وہ بنی ازد کے ایک قبیلے شھنوہ کے ایک مرد تھے۔ رہے عیسیٰ علیہ السلام تو آپ کی رنگت سرخ تھی، آپ علیہ السلام کا قد درمیانہ، آپ علیہ السلام کے بال سیدھے تھے، چہرے پر تل تھے، گویا ابھی حمام سے باہر نکلے ہیں۔ سر پر پانی

کے قطرے معلوم ہوتے تھے حالانکہ وہاں پانی کا نشان بھی نہ تھا۔ تمھارے مردوں میں سے عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود شکل وصورت میں ان سے مشابہ ہیں۔"

(خاتم النبیین جلد اول، ص ۲۶۲)

اس حدیث کی بدولت آپ یہ جان سکے کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں پائی جاتی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے، سبحان اللہ تعالیٰ۔ دوئم حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شکل وصورت میں مشابہت رکھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت بھی ملاحظہ کیجیے، وہ فرماتے ہیں:

"قد روی الدار قطنی من حدیث انسؓ بن مالکؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام قال ما بعث اللہ تعالیٰ نبیاً الاحسن الوجہ، حسن الصوت و کان نبیکم احسنھم صوتا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر خوبصورت چہرے والا، دلکش آواز والا۔ اور تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور ان کی آواز سب سے زیادہ دلکش ہے۔

(بحوالہ خاتم النبیین جلد اول، ص ۲۶۴)

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ اور اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا: یزداں دگرے نہ آفریدہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال پر تو لاکھوں صفحات صرف شعرائے کرام نے بھر دیے، دفتر کے دفتر ختم ہو گئے، اس پر آئندہ اوراق میں شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ کے زیرِ عنوان بہت کچھ مطالعے میں آئے گا یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قد و قامت جسدِ مقدس کی بات ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی آنکھیں تھیں وہ جنھوں نے یکبارگی انھیں دیکھا اور قصیدہ کہہ دیا، سرتاپا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کر دیا۔ ہماری تاریخ میں یوں تو تمام شعرائے عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے لیکن کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کے بیان کو تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی ہے: ایک اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا جنھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چند لمحوں کے لیے دیکھا اور دوسری ہستی ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ۔ ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ کے فرزند تھے اور ابی ہالہ اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ابی ہالہ کے ایک فرزند تولد ہوے، ان کا نام ہند تھا۔ یہی وہ ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ ہیں۔ اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو احوال اپنے شوہر سے بیان کیا وہ تاریخ میں نثر کا شاندار قصیدہ بن گیا جو ہزار ہا قصائد پر بھاری ہو گیا۔ ادھر ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ نے جو تصویر کشی کی اس کے راوی خود ان کے صاحبزادے اور ابی ہالہ کے پوتے تھے جن کا نام سیّدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السّلام تھا جنھوں نے یہ نثری قصیدہ روایت کیا۔

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ کے متعلق، اور ان کے علم وفضل کے متعلق، کہا جاتا ہے کہ ان میں خداوندِ قدوس نے گہرائی میں اتر جانے والی عقل اور حقیقت کو پردہ اٹھا کر دیکھنے والی آنکھ عطا کی: جس پر نظر ڈالتے ظاہر سے باطن تک نگاہ اتر جاتی۔

''ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مصنف فرماتے ہیں: ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ جس شخصیت، جس واقعے یا جن امور کی بابت اپنی رائے کا اظہار فرماتے وہ سیر حاصل، جامع اور حقائق پر مبنی ہوتی، اس طرح کہ ان کے دریافت کرنے والے کو مزید استفسار کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی تعریف اس طرح بیان فرماتے ہیں:

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ کا بیانِ حلیہ مبارک حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم:

سَئلتُ خالي هند بن ابی هالة عن حلية رسول الله۔

میں نے اپنے ماموں ہند رضی اللہ عنہ بن ابی ہالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کے بارے میں استفسار کیا۔

وكان وصّافاً وانا ارجو ان يصف لي منها شياً اتعلّق به۔

آپ کسی چیز کی حقیقت بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی چیزیں بیان کریں گے جن کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

قال :

انھوں نے کہا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فخماً مفخماً

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نگاہوں میں بڑے جلیل القدر اور عظیم الشان دکھائی دیتے تھے

یتلألأ وجهه تلألؤ القمر لیلة البدر

حضور ﷺ کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں رات کا چاند

اطول من الربوع واقصر من المشذب

چھوٹے قد والے سے لمبے اور زیادہ طویل قد والے سے کم

عظیم الھامة

سرِ مبارک بڑا تھا

رجل الشعران

گیسوئے مبارک زیادہ گھنگریالے نہ تھے

انفرقت عقیقة فرق

اگر موئے مبارک الجھ جاتے تو حضور ﷺ مانگ نکال لیتے

والّا فلا یجاوز شعرہ شحمة أذنیه

ورنہ حضور ﷺ کے گیسو کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتے

اذا ھو وفرة

کانوں کی لو تک آویزاں رہتے

ازھر اللّون

چہرے کا رنگ چمکدار تھا

واسع الجبین

پیشانیِ مبارک کشادہ تھی

ازجّ الحواجب سوابغ من غیر قرن

ابرو مبارک باریک بھرے ہوئے لیکن باہم ملے ہوئے نہ تھے

بينهما عرق يدره الغضب

دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت پھول جاتی تھی

اقنی العرنین

ناکِ مبارک اونچی تھی

لہٗ نورٌ یعلوہ ویحسبہ من لم یتأملہ اشم

اس کے اوپر نور برس رہا ہوتا، دیکھنے والا گمان کرتا کہ یہ بہت اونچی ہے

کثّ اللّحیۃ

داڑھی مبارک گھنی تھی

ادعج سھل الخدّین

دونوں رخسار ہموار تھے

ضلیع الفم اشنب

دہنِ مبارک کشادہ اور دندانِ مبارک چمکدار اور شاداب تھے

مفلّج الاسنان

دندانِ مبارک کھلے تھے

دقیق المسربۃ

بالوں کا خط، جو سینے سے ناف تک چلا گیا تھا، وہ باریک تھا

کان عنقہ جید دمیۃٍ فی صفاء الفضۃ

گردن مبارک یوں تھی جیسے کسی چاندی کی گڑیا کی صاف گردن ہو

معتدل الخلق بادناً متماسکاً

تمام اعضاء معتدل تھے اور ان کا اعتدال آشکارا تھا

سواء البطن والصدر

شکم اور سینۂ مبارک ہموار تھا

مشیح الصدر

سینۂ مبارک کشادہ تھا

بعید ما بین المنکبین

دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا

ضخم الکرادیس انور المتجرد

ہڈیوں کے جوڑ ضخیم

موصول ما بین اللبۃ والسرۃ بشعر یجری کالخط

سینے کی ہڈی اور ناف کے درمیان بالوں کا خط ملا ہوا تھا

عاری الثدیین ما سوی ذلک

اس کے علاوہ سینہ اور شکم بالوں سے صاف تھا

اشعر الذراعین والمنکبین واعالی الصدر

دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینے کے اوپر والے حصے میں بال اُگے ہوئے تھے

طویل الزندین

دونوں بازوؤں کی ہڈی لمبی تھی

رحب الراحۃ شثن الکفین والقدمین

ہاتھ مبارک کشادہ تھے، دونوں ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں اور دونوں پاؤں بھرے ہوئے تھے

سائل الاطراف اوقال سائن الاطراف سبط العصب

تمام اندام ہموار تھے

خمصان الاخمصین

دونوں پاؤں کا درمیانی حصہ اٹھا ہوا تھا

مسیح القدمین ینبو عنھما الماء اذا زال زال تقلّعاً ویخطو تکفؤاً

جب قدم اٹھاتے تو قوت سے اٹھاتے، رکھتے تو جما کے رکھتے

ویمشی ھوناً ذریع المشیۃ

آہستہ خرام مگر تیز رفتار

اذا مشی کانّما ینحط من صبب

جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں

واذا التفت التفت جميعاً

جب کسی کی طرف التفات فرماتے تو ہمہ تن ملتفت ہوتے

خافض الطرف

نگاہیں جھکی ہوئی ہوتیں

نظره الى الارض اطول من نظره الى السماء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر زمین کی طرف طویل ہوتی تھی بہ نسبت آسمان کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کے

جل نظره الملاحظة

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا گہرا مشاہدہ ہوا کرتا تھا

يسوق اصحابه

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ تدبیر سے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شاہراہِ ہدایت پر چلاتے

ويبدا من لقيه بالسلام

جس سے ملاقات فرماتے اسے پہلے خود سلام کرتے

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ نے اپنے حافظے، اپنی یادداشت اور بالخصوص اندازِ بیان کی ادبی مہارت کے ساتھ پہلے روئے انور پھر قامت، سرِ اقدس، گیسوئے مبارک، روئے تاباں کی رنگت، جبینِ سعادت، ابرو، جنھیں ہمارے شعراء محرابِ حرم کہتے ہیں، اور دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ، پائے اقدس، خرام نبوّت، رفتار التفات، نگاہیں، حسنِ نظر، حسنِ تدبر نہایت اہتمام سے، اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، تعریف کی ہے۔ پیر کرم شاہ ازہری نے اپنی تصنیف ''ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں اور دیگر سیرت نگاروں نے اپنی کتبِ سیر و سیرت میں اسے بصد اہتمام پیش کیا ہے۔

امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا نثری قصیدہ:

امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا بیان اس واقعے سے تعلق رکھتا ہے جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کا آغاز فرماتے ہیں، رفیقِ غار حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر غارِ ثور سے باہر آتے ہیں اور بصد احتیاط مدینے کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ راہ میں امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا مکان آ جاتا

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کی تلاش میں امّ معبد رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے ہیں۔ وہ اپنی مجبوری ظاہر کرتی ہے۔ ایک بیمار بکری، جس کے تھن سوکھے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ تھن دودھ سے لبریز ہوجاتے ہیں، وہ حیران وششدر دیکھتی رہ جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں۔ شام ہوجاتی ہے۔ امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا شوہر بکریاں چرا کر واپس ہوتا ہے تو اس کی حیرانی کا عالم ہی اور ہوتا ہے۔ وہ ناقابلِ یقین صورت حال کو دیکھ کر پوچھتا ہے۔ امِّ معبد رضی اللہ عنہا سارا حال سنا دیتی ہے۔ جب وہ اس ہستی کے متعلق مزید دریافت کرنا چاہتا ہے تو امّ معبد رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا جو نقشہ بنا کر پیش کرتی ہے وہ یہ قصیدہ ہے جس پر ہزار قصیدے قربان۔ آپ چونکہ عربی زبان سے واقف نہیں اس لیے اس کا ترجمہ آخر ترجمہ ہی رہے گا۔ بہر حال، میں عربی متن اور اردو ترجمہ دونوں پیش کرتا ہوں:

فقالت :

ام معبد رضی اللہ عنہا کہنے لگی:

رایت رجلاً ظاهر الوضائة ، حسن الخلق ، مليح الوجه

میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوبصورت اور چہرہ ملیح تھا

لم تعبه ثجلة ولم تذربه صعلة

نہ رنگت کی سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی اور نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا

قسيم وسيم

بڑا حسین، بہت خوبرو

فی عينيه دعج و فی اشفاره وطف

آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لانبی تھیں

وفی صوته صهل

اس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز گونج دار تھی

احول اکحل

سیاہ چشم، سرگیں

ازج، اقرن

دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے

فی عنقه سطع

گردن چمکدار تھی

وفی لحیة کثافة

ریشِ مبارک گھنی تھی

اذصمت فعلیه الوقار

جب وہ خاموش ہوتے تو پُر وقار ہوتے

واذا تکلم سما و علاه البهاء

جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پُرنور اور بارونق ہوتا

حلو المنطق

شیریں گفتار

فصل لا نزر ولا هزر

گفتگو واضح ہوتی، نہ بے فائدہ ہوتی نہ بے ہودہ

کان منطقه خرزات نظم یتحدرن

گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے

ابهی الناس و اجملهم من بعید

دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے

واحلاهم واحسنهم من قریب ربعة

اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے، قد درمیانہ تھا

لا تشنوہ عین من طول

نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو برا لگے

لا تقتحمہ عین من قصر

نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں

غصن بین غصنین فھو انضر الثلاثہ منظراً و احسنھم قدا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے سرسبز و شاداب اور قد آور ہو

لہ رفقاء یحفون بہ

ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے

وان قال استمعوا لقولہ

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کچھ کہتے تو فوراً اس کی تعمیل کرتے

وان امر تبادروا الی امرہ

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں حکم دیتے تو وہ فوراً اس کو بجالاتے

محفود، محشود

سب کے مخدوم، سب کے محترم

لا عابس ولا مفند

نہ وہ ترش رو تھے نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی

نبی کریم، افضل الصلوٰۃ واطیب التسلیم کے خداداد حسن و جمال کے بارے میں دو چار یا دس بیس کی یہ رائے نہ تھی بلکہ ہر وہ شخص، جس کو قدرت نے ذوق سلیم کی نعمت سے نوازا ہوتا، وہ حسنِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلربائیوں سے اسی طرح مسحور ہو جایا کرتا اور ہر ایک اپنی زبان سے بے ساختہ یہی بیان کرتا۔

اوصاف وکمالات جسدِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم:

ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ تحریر ہے جسے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ابنِ ابی طالب نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کے لیے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تین باتیں خصوصیت کی تھیں: ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے جو خوشبو آتی وہ مشک وعنبر سے تیز ہوتی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی کسی گلی سے گزر جاتے تو صحابہ کرام علیہم اجمعین جان لیتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جگہ سے گزر ہوا ہے۔ (اس کی تفصیل زیرِ عنوان ''معطّر'' میں دی گئی ہے۔)

دوسری بات کہ مکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر نہیں بیٹھتی تھی۔ تاریخ اس اہم واقعے کی گواہ ہے، اور یہ بات یقیناً درست ہے کہ مکھی وہ جانور ہے جو غلاظت پر بھی بیٹھتی ہے، پھر بھلا حق تعالیٰ کو یہ کیوں کر گوارا ہوتا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مطہر پر بیٹھے؟

بے سایہ وسائبانِ عالم:

تیسری بات، جس کا تعلق بھی جسم سے ہے، وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے موضوع پر ترمذی شریف، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، تفسیر مدارک، حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن مبارک اور علامہ حافظ ابن جوزی محدث رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ذکوان تابعی رحمۃ اللہ علیہ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، علامہ امام شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام محمد زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ حسین بن محمد دیا بکری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ، شیخ المحدثین، شیخِ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حتیٰ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اس مضمون پر خاص تحقیقی کام دو جلدوں میں لاہور کے راجہ رشید محمود نے شائع کر دیا ہے لیکن کچھ لوگ اب بھی اس بات پر یقین نہیں رکھتے۔ جو لوگ اس پر تحقیق وتصدیق چاہیں وہ ان

کتب کا مطالعہ کرلیں:

ترمذی شریف: کتاب الدعوات

خصائص الکبریٰ جلد پہلی، ص ۶۸

تفسیر مدارک، ص ۲۳۱

شفاء شریف جلد پہلی، ص ۲۴۲

جمع الوسائل للقاری پہلی جلد، ص ۱۷۶

نسیم الریاض

زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۲۲۰

کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس

شرح شمائل سمناوی جلد پہلی، ص ۴۷

فتوحات احمدیہ

ترمذی شریف فی نوادر الاصول

افضل القریٰ

مدارج النبوت، ص ۲۶

مکتوبات امام ربانی

تذکرہ الموتیٰ والقبور، ص ۲۱

تفسیرِ عزیزی: سورہ والضحیٰ

امداد السلوک، ص ۸۵

شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ، ص ۳۹

"نور من نور اللہ" کے زیرِ عنوان حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی سایہ پر دلیل ملاحظہ کیجیے گا۔

جسمِ مقدس کی شرح میں یہ ناچیز یہاں تک پہنچا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود سے پوچھتا ہوں: کہاں تک پہنچا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کی اور بھی صفات ہیں جو سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں البتہ اگر عاشقوں سے کچھ معلوم کرنا چاہیں تو یہ شاعر کبھی اس بحث میں نہیں الجھتے کہ سایہ تھا یا نہ تھا، یہ اپنے مفتی سے فتویٰ مانگتے ہیں اور وہ جو فتویٰ دیتا ہے یہ اسے اس طرح خوبصورت لفظوں میں ڈھالتے ہیں کہ سن کر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ کتنے اوراق آپ کی نظر سے گزرے، اب ذرا یہاں دیکھیے میر حسن دہلوی کو مفتیِ قلب نے کیا فتویٰ دیا:

یہ تھی رمز جو اس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا
کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کے سایے کے تھا یہ سبب
ہوا صَرف پوشش میں کعبے کی سب
وہ قد اس لیے تھا نہ سایہ فگن

کہ تھا گل وہ اک معجزے کا بدن
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر
قدم اس کے سایے کا تھا عرش پر
ہوا اس کا سایہ لطیف اس قدر
نہ آیا لطافت کے باعث نظر
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر
سمجھ مایہ نور کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اٹھا
زمیں پر نہ سایے کو گرنے دیا
سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب
وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں
اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غایب وہ سایہ رہا
ملایک کے دل میں سمایا رہا

میر حسن نے بہرحال دس اشعار میں بہت خوبصورتی سے یہ بات کہی، لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، فارسی شعراء دو مصرعوں میں بڑے سے بڑے مضمون کو سمیٹ لیتے ہیں، مثلاً: مشہور شاعر فیضی کا یہ شعر دیکھیے:

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

ان دو مصرعوں کے اندر تاریخ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے اور یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیاوی سرپرستوں کا اٹھ جانا، اُمّی ہو کر علوم جہان پر چھا جانا اور سارے عالم کے سائبان کی حیثیت پالینا، ان تمام واقعات کو کتنے مختصر یعنی کوزے میں دریا کی

مثال اس شعر سے دی جا سکتی ہے۔ تشبیہات کا بادشاہ میر انیس اپنا ایک مخصوص انداز رکھتا ہے، سایہ سے متعلق تین شعر دیکھیے:

بے سایہ جو مشہور وہ سلطانِ عرب ﷺ ہے
پیشِ عقلا وجہ یہ ہے اور یہ سبب ہے
ہے کون عدیل اس کا کہ وہ سایہ ربّ ہے
دنیا میں کسی سایے کا سایہ کہو کب ہے
ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہے یہ جاں کی طرح، سایہ کہاں تھا

اسی مضمون میں مندرجہ بالا سطور میں علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دے چکا ہوں۔ آپ نے علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ''شفاء شریف'' کی شرح ''نسیم الریاض'' لکھی ہے۔ دو شعر:

ما جر لظل احمد اذیال
فی الکرامة کما قد قالوا
هذا عجب و کم به من عجب
والناس بظله جمیعاً قالوا

اب ترجمہ دیکھیے: سایہ احمد ﷺ کا دامن بسبب حضور ﷺ کی کرامت و فضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا، اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سایے میں آرام کرتے ہیں۔

انھیں اشعار پر اکتفا کرتا ہوں۔

مہک رہے ہیں سب القاب عطرِ گل بن کر
یہ ذکرِ جانِ بہاراں درود تاج میں ہے

مُعَطَّر

آیۂ کائنات کا معنیِ دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو (اقبالؔ)

رنگ و بو کے قافلوں کا رخ ہے طیبہ کی طرف:

وہ جن صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف کے گلستاں کے رگ و پے میں لہو کا رنگ دوڑے، وہ ان صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر رنگ و بو کے قافلے طیبہ کا رخ کر لیں، نسیمِ سحری جن صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں کی ترجمانی کرے، وہ جن صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف کی خوشبو سے تشبیہ دیے جانے پر مشک و عنبر فرشِ راہِ مدینہ بن جائیں، ان صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی خوشبو کا تذکرہ احادیثِ نبوی اور تاریخ کے صفحات پر مہک رہا ہے کہ جس پر قلم اٹھاتے ہی روح معطر ہو جاتی ہے اور سانس مشک بار بن جاتی ہے — اسی کا ذکر کرنے چلا ہوں:

عنادل چھوڑ کر آئے چمن اپنا اسی جانب
گلِ مرقد سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اٹھی جب لہر خوشبو کی (ادیبؔ)

اور یہ صرف شاعری نہیں بلکہ تاریخ کا وہ اہم یادگار واقعہ ہے جب مادرِ حسنین کریمین علیہ السلام اجمعین اور جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا قبرِ انور حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لائیں تو اشکبار ہو کر یہ شعر فرمایا:

ما ذا علی من شمّ تربۃ احمد صلی اللہ علیہ وسلم
الّا یشم مدی الزمان غوالیا

"جس نے ایک مرتبہ بھی خاکِ تربتِ مصطفیٰ ﷺ سونگھ
لی تعجب کیا ہے وہ ساری عمر اور کوئی خوشبو نہ سونگھے۔"

جب خاکِ تربت کا یہ عالم ہے کہ جسدِ اطہر کا لمس پا کر اتنی معطر ہوگئی تو کیا کوئی بیان کرے اس جسدِ مقدّس کی خوشبو کا؟ محدّثینِ کرام اور شارحینِ احادیث و مفسّرین نے اس موضوع پر عطرِ خیال میں قلم کو ڈبو کر مہکتے الفاظ میں جو یادگار تحریریں چھوڑی ہیں ان میں ابن ماجہ، احمد، بیہقی، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، ابونعیم، بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، شفاء شریف اور دیگر سیرت نبوی ﷺ وشمائل کی تصانیف شامل ہیں۔ ان کے علاوہ صوفیاء ومشائخ اور اہل اللہ نے اپنے اپنے مشاہدات و واردات جو قلمبند فرمائے ان کے ایک ایک لفظ میں رنگِ وحدت وغنچہِ خلوت کی مہک ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان:

ما مسست دیباجة ولا حریرا الین من کف رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ولا شممت مسکا و لاعنبرة اطیب من رائحة النبی ﷺ۔

ترجمہ: میں نے کسی ریشم اور دیبا کو حضور ﷺ کے کفِ دست سے نرم نہیں پایا اور نہ کسی مشک وعنبر کی خوشبو کو آپ ﷺ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔

(بخاری جلد اول، ص ۲۶۴۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۶)

پھول مہکے تو یہ محسوس ہوا
آپ ﷺ کا نام لیا ہو جیسے (غیور احمد غیور)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ کا بیان:

"میں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے تو میں بھی (جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ) ساتھ تھا۔ بچے آپ ﷺ کے سامنے آئے تو آپ ﷺ ان میں سے ہر ایک کے رخسار پر اپنا دستِ مبارک پھیرتے، میرے

رخسار پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا۔

فوجدت فی یدہ بردا و ریحاً کانما اخرجھا من جوفۃ عطار۔

''تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک عطار کے صندوقچے سے نکالا ہے۔''

(مسلم شریف جلد دویم، ص ۲۵۶)

مسلم شریف کے بعد بخاری شریف کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فجعل الناس یاخذون یدیہ فیمسحون بھا وجوھھم قال فاخذت بیدہ فوضعتھا علی وجھی فاذا ھی ابرد من الثلج اطیب رائحۃ من المسک۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر تشریف لائے تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔''

حضرت وائل رضی اللہ عنہ بن حجر فرماتے ہیں:

قال انی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بدلو من مآء فشرب من الدلو ثم مج فی البئر ففاح منہ مثل رائحۃ المسک۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ڈول میں پانی لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے پیا اور کلی کر کے ایک کنویں میں ڈال دیا تو اس کنویں میں سے کستوری کی سی خوشبو آنے لگی۔''

(زرقانی جلد ۴، ص ۹۴۔ ابنِ ماجہ، بیہقی، ابونعیم، خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۶۱)

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بن فرقد، جنھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں موصل کو فتح کیا تھا، ان کی بیوی حضرت ام عاصم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عتبہ رضی اللہ عنہ کے یہاں ہم

چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک عتبہ رضی اللہ عنہ کی خاطر ایک دوسری سے زیادہ خوشبودار رہنے کی کوشش کرتی پھر بھی جو خوشبو عتبہ رضی اللہ عنہ کے وجود سے آتی وہ ہم سب کی خوشبوؤں سے اچھی ہوتی۔

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ''خصائص الکبریٰ'' میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

وکان اذا خرج الی الناس قالوا ما شممنا ریحاً اطیب من ریح عتبة فقلنا له فی ذالک قال اخذنی فی الشری علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فشکوت ذالک الیه فامرنی ان اتجرد فتجردت عن ثوبی وقعدت بین یدیه والقیت ثوبی علیٰ فرجی فنفخث فی یده ثم وضع یده علی ظهری و بطنی بیده فعبق بی هذا الطیب من یومئذ۔

''اور جب وہ لوگوں میں جا بیٹھتا تو لوگ کہتے کہ ہم نے کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو عتبہ رضی اللہ عنہ کی خوشبو سے اچھی ہو۔ ایک دن ہم نے اس سے (عتبہ رضی اللہ عنہ سے) اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں میرے بدن پر آبلے پڑے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس بیماری کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کپڑے اتار دے۔ میں نے کپڑے اتار دیے اور ستر چھپا کر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک لعاب دہن اپنے دستِ مبارک پر ڈال کر میری پشت اور شکم پر مل دیا۔ اس دن سے یہ خوشبو مجھ میں پیدا ہوگئی اور بیماری جاتی رہی۔''

(خصائص الکبریٰ، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جلد دوئم، ص ۸۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی دوپہر کے وقت ہمارے گھر تشریف لا کر آرام فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آتا

اور میری والدہ پسینہ مبارک کی بوندوں کو شیشی میں جمع کر لیتیں۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسا کرتے دیکھا تو فرمایا: اے اُمِّ سلیم! یہ کیا کرتی ہو؟ اب جواب دیکھیے:

قالت هذا عرقك نجعله في طيبنا و هو من اطيب الطيب۔

''انھوں نے عرض کیا: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ ہے، ہم اسے عطر میں ملالیں گے، اور یہ تو سب عطروں اور خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبودار ہے۔''

(بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوۃ شریف، ص ۵۱۷)

جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں:

جب سرکار مدینہ، تاجدار حرم، منبع جود و سخا صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی گلیوں سے گزرتے ہوں گے تو عشاق کا عالم کیا ہوتا ہوگا؟ وہ راستے مہک اٹھتے ہوں گے، وہ گلیاں مشکبار ہو جاتی ہوں گی اور ہوائیں عطر بیز ہونے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو چھو چھو کر جاتی ہوں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس رفعت کا حامل ہے وہ سیرت نگاروں سے پوشیدہ نہیں۔ یہ دونوں صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم اذا مرفي طريق من طرق المدينة وجدوا منه رائحة الطيب وقالوا مرّ رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم من هذا الطريق۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ کی کسی گلی سے گزرتے تو لوگ اس گلی سے خوشبو پا کر کہتے کہ اس گلی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا ہے۔

(دارمی، احمد بیہقی، ابو نعیم، بزار، ابو یعلی، دلائل النبوت، ص ۳۸۰، خصائص الکبریٰ، سیوطی رضی اللہ عنہ، جلد اول، ص ۶۷، زرقانی جلد چہارم، ص ۲۲۴)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تصور انھیں کھینچ کر اسی رہ گزر پر لے جاتا ہے اور وہ مشکباری کرتے ہیں:

ان صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں، کوچے بسا دیے ہیں

مندرجہ بالا واقعے کی یہ شعر کس طرح ترجمانی کرتا ہے:

عنبر زمیں ، عبیر ہوا ، مشکِ تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے

کسی مادہ پرست کو یقین نہ آئے کہ وہ مادی نظام حیات کے اصولوں سے اس درجہ مغلوب ہے کہ روح بیمار ہوگئی ہے؛ کرامات و معجزات کا اعتبار یوں نہیں کہ وہ عقلِ انسانی کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے لیکن یہ روز روشن سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ مدینہ منورہ کے درودیوار اور اس سرزمین کی خاکِ مقدس اور وہاں کی ہواؤں میں مشک و عنبر کی خوشبو شامل ہے۔

لیکن اسے شامۂ محبت سے ہی سونگھا جا سکتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ السمہودی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

وفاء الوفاء میں شیخ الاسلام السمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بطال کا یہ قول نقل کیا ہے:

''جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہے وہ اس کی خاکِ مبارک اور درودیوار سے خوشبو محسوس کرتا ہے۔''

اس خیال کو ''یاقوت'' نے اپنے لفظوں میں پیش کیا ہے:

''من جملہ خصائصِ مدینہ، اس کی ہوا کا خوشبودار ہونا اور وہاں کی بارش میں بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔''

ایک شاندار حوالہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان:

جلیل القدر صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا ہے اور میرے پاس خوشبو نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ خوشبو عنایت فرمادیں۔ فرمایا: کل ایک کھلے منہ والا برتن (شیشی) لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی لے آیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں پسینہ ڈال دیا یہاں تک کہ وہ بھر گئی، پھر ارشاد

فرمایا: اسے لے جاؤ اور بیٹی سے کہنا اسے لگالیا کرے۔

فکانت اذا الطیب بہ یشم اھل المدینۃ رائحۃ ذالک الطیب فسمو بیت المطیّبین۔

"پس وہ جب آپ ﷺ کے پسینۂ مبارک کو لگاتی تو تمام اہلِ مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی، یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام بیت مطیّبین (خوشبو والوں کا گھر) مشہور ہو گیا۔"

(ابویعلی، طبرانی، ابنِ عساکر، زرقانی جلد چہارم، ص ۲۲۴، خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۶۷)

غسلِ میّت کا واقعہ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا بیان:

جب نبیِ کریم ﷺ نے پردہ فرمایا تو آپ ﷺ کو تین صحابیوں نے غسل دیا جن میں ایک حضرت علی ابنِ ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ تھے، آپ کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں: جب میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو غسل دیا تو:

سطعت منہ ریح طیبۃ لم نجد مثلھا قط۔

"آپ ﷺ سے ایسی پاکیزہ خوشبو پھیلی کہ ہم نے اس کی مثل کبھی نہیں پائی۔"

حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "جذب القلوب" میں اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں:

"وشبلی رحمۃ اللہ علیہ، کہ یکے از علمائے صاحبِ وجدان است، می گوید کہ تربتِ مدینہ رائحہ خاص است کہ در ہیچ مشک وعنبر نیست۔"

ترجمہ: حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ، جو صاحبِ علم و وجدان ہیں، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں ایک خاص قسم کی خوشبو ہے جو مشک وعنبر میں نہیں۔"

(جذب القلوب، ص ۱۰)

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ در وے دلبر است (اقبالؔ)

زمین جن کے قدم چوم کر بنی مسجد
وہ ذکرِ پاکیٔ داماں درود تاج میں ہے

مُطَہَّرٌ

از رخش گردد منور گر ہمہ جنت بود
وز لبش یابد طہارت گر ہمہ زمزم بود

(سنائی غزنوی)

طہارت بدنی و طہارت قلبی:

طہارت کی دو قسمیں ہیں: ایک ظاہری، دوسری باطنی۔ جس طرح طہارتِ جسمانی (ظاہری) کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی اسی طرح دل (باطنی) کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بدنی طہارت کے لیے پاک شفاف پانی چاہیے، دل کی طہارت کے لیے پاک توحید چاہیے جو ملوث نہ ہو۔ اکلِ حلال، صدقِ مقال، جملہ حواس کا معصیت سے پاک ہونا اور دل کا اوصافِ ذمیمہ، بغض، حسد، کینہ جیسے تمام اوصاف سے پاک ہونا۔ مقام توحید حاصل کرنا آب و خاک کا کام نہیں، اس کی جگہ تو صاف دل اور پاک جان میں ہے۔

توحید نہ کار آب و خاک است
کاں در دلِ صاف و جانِ پاک است

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ
(اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔)

دل کی طہارت کا معاملہ اتنا آسان نہیں، نبیِ کریم ﷺ، جن کی تشریف آوری ہی نفس کے تزکیے کے لیے ہوئی تھی جس کا ذکر بار بار قرآن میں آیا، خود اپنے لیے فرمایا کرتے:

اللّٰھم طھّر قلبی من النفاق
(اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر۔)

اقسامِ طہارت تین ہیں:

بات بہت نازک ہے، سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں: اجمالاً طہارت تین قسم کی ہوگی: جسم، لباس، وہ لقمہ جو حلال ہو۔ اگر اتنا ہوگیا تو سعادت کی منزل کی جانب یہ پہلا قدم ہوگا، حواسِ خمسہ جب خلاف و معصیت سے پاک ہوگئے تو انسان نے دوسرا قدم جانبِ منزل رکھا اور جب دل اوصافِ ذمیمہ سے پاک ہوگیا تو وہ یہ تیسرا قدم ہے جہاں توبہ کی حقیقت کھل گئی۔ ان مراحل سے جو گزرا، ان سعادتوں کو جس نے حاصل کرلیا وہ بندہ میکدہ تھا مسجد ہوگیا، بت خانہ تھا صومعہ ہوگیا، دیو تھا آدمی ہوگیا، خاک تھا زرِ خالص ہوگیا، شبِ تار تھا روزِ روشن ہوگیا۔ یہاں اس شبہے کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ لاکھوں آدمی، جو اسلام اور ایمان کے دعویدار ہیں، کلمہ گو ہیں مگر اس طہارت کے درجے سے گرے ہوئے ہیں، کیا یہ سب مسلمان نہیں؟ کیا ان کو مسلمان نہیں کہنا چاہیے؟ ایسا نہیں ہے، بحکمِ ظاہرِ شریعت سب مسلمان ہیں کیونکہ اعتقاد کا مسئلہ بھی یہی ہے لیکن جب بات عالمِ باطن کی ہوگی تو اس عالم کے احکام کچھ اور ہی ہیں۔ جیسا کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہبی، دوسرا کسبی، ایسے ہی طہارت کی بھی دو صورتیں ہیں: خود بخود دل میں ایسی بات پیدا ہو کہ جوارح اور حواسِ خمسہ طہارت سے آراستہ ہو جائیں لیکن یہ فضلِ محض ہے، اسی کو کفایت کہتے ہیں۔ جسے چاہے جیسے نواز دے اور اس کے لیے خواص ہی مخصوص ہیں۔ دوسری صورت مجاہدہ و ریاضت ہے۔ ان سعادتوں سے مشرف ہونے والے کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ ہر حال میں یہ سمجھتا رہے کہ حق تعالیٰ دانا اور بینا ہے۔ اس کے بے حد فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''رقیب'' بھی ہے۔ جب بندہ اس صفت سے واقف ہو جاتا ہے تو اس بندے میں شرم پیدا ہو جاتی ہے، وہ ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو اللہ کو ناپسند ہو۔ اس طرح اس کو جو سعادت نصیب ہوئی ہے اس کی حفاظت ہو رہی ہوتی ہے کیونکہ ہزار پردے میں کوئی کام کیوں نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہاں ایک بزرگ کا مختصر واقعہ:

جب معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے:

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ اس کی دلیل اور نشانی کیا ہے کہ آپ کو

معرفتِ الٰہی حاصل ہے۔ آپ (بزرگ) نے فرمایا کہ جب برا اندیشہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو اندرونِ دل سے آواز آتی ہے: ''تجھے خدا سے شرم نہیں آتی۔''

بعض آسمانی کتابوں میں یوں بھی آیا ہے:

''اے میرے بندے تو نے لباسِ حیا پہن لیا ہے، جو عیوب تجھ میں ہیں ان سب کو خلق اللہ سے چھپاؤں گا اور جس جس مقام پر تجھ سے گناہ سرزد ہوئے وہاں کے باشندوں کے دل سے میں اس کو بھلا دوں گا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ قیامت کے دن تیرے گناہوں پر گواہی نہ گزرے اور لوحِ محفوظ سے بھی تیری برائیاں دھو دوں گا تاکہ حشر کے دن نہایت آسانی کے ساتھ حساب کتاب میں اختصار کروں تاکہ تجھ کو حساب دینا آسان ہو۔''

سجدہ گاہِ بندگانِ ربؒ ہوئی ساری زمیں:

صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ اس کے علاوہ مسلم شریف، نسائی و ترمذی ''باب المساجد'' میں ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنا دی گئی۔''

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

خاک در عہدش قوی تر چیز یافت
مسجدے گشت و طہورے نیز یافت

خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رونقِ بزم کون و مکاں کے عہد میں خاک کو جو انعام ملا، جو خلعت نصیب ہوئی کہ ایک قوی تر چیز مل گئی یعنی تمام روئے زمین مسجد (خدا کا گھر) بن گیا اور طہور بھی پایا۔ (طہور کہتے ہیں پاک کرنے والی چیز یعنی جس سے دوسری چیز کو پاک کیا جائے۔ یہ اشارہ تیمّم کی طرف ہے۔)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، مذاہبِ عالم کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ مذہب اسلام کے سوا جتنے بھی مذاہب ہیں وہ اپنی عبادت کی رسوم ایک خاص عمارت میں، کوئی چار دیواری ہی کیوں نہ ہو، عبادت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ نہ جانے انھوں نے ذکرِ خدا کا چار دیواری میں مقید کرنا کیوں اختیار کیا۔ یہودی اپنے صومعوں (عبادت کے لیے مخصوص طرز

کی عمارتوں) میں ہی قربانی اور عبادت دونوں کرتے ہیں۔ اس عبادت گاہ سے باہر نہ قربانی کر سکتے ہیں نہ خدا کا ذکر۔ اسی طرح عیسائی حضرات بھی مخصوص عمارتوں میں، جنھیں ''چرچ'' کہا جاتا ہے، اپنے مخصوص انداز میں عبادت کرتے ہیں۔ کیا جایے ان کا تصور کیا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ زمین کی پاکی کا کوئی تصور اپنے مذہب میں نہ رکھتے ہوں۔ مسلمانوں کا خدا، جس نے ہر غلام کو آزاد کرا دیا، وہ پتھروں کی دیواروں میں خود کو مقید کیوں رکھتا؟ وہ مسجد کے اندر بھی خدا ہے، مسجد کے باہر بھی خدا ہے۔ مشرق ہو کہ مغرب، دشت وجبل ہوں، بحر و بر، مسجد ہو کہ کنشت (نصاریٰ کی عبادت گاہ) ہر جگہ سجدہ کیا جا سکتا ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

جدھر منہ پھیرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے

ہر جا کنیم سجدہ با آستاں رسد

زمین کو یہ فخر و اعزاز رحمت للعالمین ﷺ کے قدم مبارک کی برکت سے ملے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان گرجا گھروں میں، جن میں تصاویر نہیں ہوتی تھیں، نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ، سیرت النبی ﷺ جلد سویم، سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

آگ اور پانی پر بھی آپ ﷺ کی رحمت:

حضور رحمت اللعالمین ﷺ کی رحمت للعالمینی پر جس طرح زمین کا حق تھا کہ اسے مشرف با عزاز کیا جائے پانی کا بھی اتنا ہی حق تھا کیونکہ آپ ﷺ رحمتِ عالم ہیں، خاک اور آب دونوں کے لیے رحمت ہیں۔ ہوا اور آتش پر بھی آپ ﷺ کے احسانات اور کرم نوازیاں ہیں۔ ہوا کا ذکر تو جسم کی خوشبو کے عنوان سے گزر گیا کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ آگ دوزخ کی ہو یا دوزخ سے باہر کی آپ ﷺ نے اس پر بھی کرم فرمایا ہے۔ اسے آخر میں پیش کروں گا۔ پہلے آب: انسان کی سرشت میں، انسان کی تخلیق میں آب و گِل کا ہی تذکرہ ہے اور ہوتا رہے گا۔ پانی کی اہمیت کائنات کے نظام میں کیا ہے؟ یہی موجِ بیکراں ہے یہی قطرہ شبنم ہے، مغفرت کے لیے یہی قطرہ اشک ہے، شجر کو برگ و بار

اس سے، موجوں کا ترنم اور دریا کی روانی کے حسین حوالے بھی یہی، طوفانِ باد و باراں، گھنگھور گھٹائیں یہاں تک کہ آبِ زم زم اور آبِ کوثر بھی یہی۔ پھر یہ مٹی کی طرح اپنا اعزاز کیوں نہ لیتا؟ مٹی کو یہ اعزاز صحبتِ قاسمِ نعمت سے ملا، جیسا کسی شاعر نے کہا:

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد

شاعر نے مٹی سے دریافت کیا تو اس قدر خوشبودار کیسے ہے کہ تجھ میں سے مشک وعنبر کی خوشبو آرہی ہے جس کی دل آویزی سے میں مست ہوا جاتا ہوں۔ مٹی نے سوال سن کر جواب دیا میں تو ناچیز مٹی ہی تھی۔ جمالِ ہم نشیں مجھ میں اثر کر گیا ورنہ میں بیچاری سراپا خاک تھی۔

احباب کے مذاق کو دیکھتے ہوئے یہاں ترجمہ پہلے کر دیا، اب اشعار کا لطف اٹھائیے کیونکہ ترجمہ کیسا ہی ہو ترجمہ ہی ہوتا ہے (یہ ترجمہ بھی لفظی نہیں بلکہ محاوراتی رکھا ہے)۔

گِلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویزِ تو مستم
بگفتا : من گِلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

جب ایک پھول نے اپنی صحبت سے مٹی کو خوشبو دے دی تو غور فرمائیے کہ خالقِ عرش وفرش کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کے لیے اپنی جبینِ سعادت خاک پر رکھی ہوگی، اور بار بار رکھی ہوگی، گہ بہ مکہ، گہ بہ مدینہ، گہ بہ خیبر، گہ بہ بدر، گہ بہ جبلِ نور، گہ احد۔ تمام راستہ قدم مبارک لبِ خاک کو بوسے کی اجازت دیتے ہوں گے اور جب رخِ شمس الضحیٰ کے گرد آفتاب کی شعاعیں بلائیں لینے کے لیے آتی ہوں گی تو ان کی تمازت سے جبینِ ناز سے عطرِ عرق ٹپکتا ہوگا۔ جب طائف میں زخموں سے چور بدن سے زمین پر خونِ اقدس ٹپک رہا

ہوگا۔۔ جسے لرزتے ہاتھوں سے خاکِ طائف نے اپنے سینے سے لگایا ہوگا۔۔ ہاں اگر خالقِ ارض وسماء زمین کو قوتِ گویائی بخش دے تو وہی اپنے عزوشرف کا قصہ سنا سکتی ہے۔

اگر خاک کو سرورِ کشورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ گاہ بنا دیا تو اس پر سجدہ ریز ہونے کے لیے پاکیزہ آب سے وضو کی شرط لگا دی کہ جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ انسان ہی نہیں ہر وہ شے، جسے پاک کرنا ہو، وہ پانی سے اس پاکیزگی کو حاصل کرے گی۔ سارے جہاں کو مطہر کرنے کا ذریعہ آب کو بنا کر طہارت کا اعزاز بخش دیا۔

جس وقت سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے اس سے پہلے آب کی قدر و قیمت خود اس کو معلوم ہوتی لیکن جب اسے دست و پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لمس ملتا تو ایک لمحے میں اس کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وضو کے اس پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدموں کی رگڑ سے آبِ زم زم جاری ہوا لیکن جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو یہ قیمتی اعزاز بخشا تو زم زم کے دل میں یہ تمنا کیوں نہ اٹھتی کہ اے کاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلب فرماتے۔ مکے میں جب جب قحط پڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے دعا مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے بارش کی دعائیں مانگیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ساقیِ حرمین نے دعا مانگی۔ ابر جو منتظر تھا طلب کیے جانے کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تلے لیٹ لیٹ جانے کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گزرگاہوں پر بچھ جانے کا، کاش اس کی زبان ہوتی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ثناء کرتا۔ بے زبان تھا، سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پڑھ کر خاموش ہوگیا:

کاش ہر موئے من زباں بودے
در ثنائے تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف درود تاج نے جسمِ انسانی کے تمام پہلوؤں کو نگاہ میں رکھا ہے۔ عام آدمی کے جسم میں ایک کثافت ہوتی ہے جو پسینہ بن کر اندر سے باہر آتی ہے، اسی لیے سادے پانی یا جدید طریقے (صابن) کے استعمال سے وہ بدن کو صاف کرتا ہے ورنہ بہت جلد یہ کثافت بو دینے لگتی ہے۔ امیروں، روساء، نوابوں، راجوں مہاراجوں اور سلاطین و

...اروں کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ خوشبودار رکھنے کے لیے
...ثافت کو پانی سے دور کرتے وقت اس میں خوشبویات استعمال کرتے تھے، اور اب بھی
کرتے ہوں گے۔ بادشاہ وقت ہو کر بھی کس قدر محتاج ہے، کس درجہ بے بسی ہے کہ
عارضی سہاروں سے اپنی اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے پر مجبور ہیں، اور پھر کہتے ہیں کہ وہ
ہماری ہی طرح تھے۔

مکھی جسمِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی نہ بیٹھی:

معجزہ دیکھیے کہ مکھی کو، جسے کسی بات کی تمیز نہیں کہ ابھی وہ کہاں ہے اور پھر وہاں
سے اڑ کر بادشاہ سلامت کی ناک پر جا بیٹھے، یہ شعور یا حکم کس نے دیا کہ وہ جسمِ اقدسِ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ بیٹھے، اور کبھی کوئی مکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر نہیں بیٹھی۔ وہ جس سے
خوشبو کے فوارے پھوٹتے، جس سے باہر آنے والا پسینہ اگر کوئی اپنے گھر لے جائے تو اس
گلی میں اس گھر کا نام ہی ''بیت المطیبین'' ہو جاتا ہے۔ مکھی، جو ایک مخصوص نظام حیات
کی پابند ہے اور اسی دایرے میں رہ کر وہ آتی ہے اور چلی جاتی ہے لیکن کیا ہوا اے قانونِ
قدرت (Law of Nature) کے فلسفیو! ایک مکھی نے تمھارے اصولوں کا تار و پود بکھیر
دیا۔ پہلا قانونِ فطرت وہاں ٹوٹا کہ کثافت مُشک بن گئی، دوسرا قانونِ فطرت یہاں ٹوٹا کہ
مکھی بدن پر نہیں بیٹھتی۔ قانونِ قدرت کے ہم بھی قایل ہیں اور تم بھی، فرق یہ ہے کہ تم
کہتے ہو کہ قانون بن چکا، کن فیکون کہہ کر اب اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ زلزلہ اپنے
طبعی اسباب پر آسکتا ہے اس کے بغیر نہیں لہٰذا عذاب کے نزول کی باتیں قصے ہیں حقیقت
نہیں۔ وہ اتفاق سے، جب خدا نے تنبیہ کی اور قانونِ قدرت کے مطابق ایسے طبعی امور
ہو گئے کہ زلزلہ آگیا (سرسیّد احمد خان کے نظریات)۔ مگر ہم طبعی امور کو بھی تسلیم کرتے ہیں
اور امور طبعی کو ''کن'' کہہ کر نظام حیات کا حصہ بنانے والی قوت کو عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
بھی مانتے ہیں۔ اب اگر ہم غلط ہیں تو تم بتاؤ مکھی میں یہ تمیز کس نے دی، اتنی کمزور اور
ناتواں ہو کر بھی ''لاء آف نیچر'' سے بغاوت کر دی اور اتنا طاقتور نظام حیات اس بغاوت
سے اسے باز نہ رکھ سکا!

چیونٹی کی ''لاءآف نیچر'' سے بغاوت:

بات صرف مکھی کی نہیں چیونٹی کی بھی ہے اور یہ اتنی چھوٹی چھوٹی قوتیں ہی مثال
گئیں قانون شکنی کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو آتا دیکھ کر ایک چیونٹی نے شور مچایا ک
اپنے محفوظ مقامات پر چلو، ورنہ لشکر کچل دے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا دیے۔ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام
بھی انسانی قوتِ سماعت کے قانون کو توڑا کہ چیونٹی کی آواز سن لی اور پھر جواب دیا۔
سبحان اللہ! اب چیونٹی نے جواب سنا بھی اور سمجھا بھی۔ دنیا کا کوئی سائنسدان اس واقعے پر
کرے اور پھر اس کا جواب تلاش کرے۔ بات یہ تھی کہ چیونٹی کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ
کی نسبت سے ربّ نے دکھایا تو میرے آقا ﷺ تو سردار انبیاء علیہم السلام ہیں، روز
حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کی شفاعت بھی سرکار مدینہ ﷺ ہی فرمائیں گے اس
مکھی کا معجزہ دکھایا اور اس شان کا دکھایا کہ آپ ﷺ کی تمام زندگی میں آپ ﷺ کے
مبارک پر مکھی کبھی نہ بیٹھی۔ اپنے محبوب ﷺ، جو مہبطِ جبرئیلِ امین علیہ السلام، صدر دیوانِ
پیشوائے سبل، امام الرسل ہیں، کے لیے کیا کچھ نہ کرتا۔ وہ ایسی ہستی کہ کثافتِ
لے کر جو نقاشِ چمن کے قریب آتا تو بہار صد گلستاں بن کر لوٹتا۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے لیکن زمین منتظر رہی کوئی ایسا آئے کہ فلک
بھی میرے آگے جھک جائے کہ اس کی بلندی میرے پستی سے ہے۔ مجھے میرے رب
نے عاجز و مسکین بنایا ہے اس لیے فلک کا غرور دیکھ کر بھی میں خاکسار بن گئی ہوں۔ کاش
وہ نبی ﷺ آئے کہ عرش منت کرے میری۔

بس ایک رات کا مہماں انھیں بنانے کو
زمیں سے عرش نے کی ہوں گی منتیں کیا کیا (ادیب

اور جب وہ آگیا تو زمین نے جتنا ناز کیا، وہ ناز کیا کسی نے کیا ہوگا! خواجہ فرید الدین
عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا:

نور او مقصود مخلوقات بود
اصلِ معدودات و موجودات بود

خاک در عہدش قوی تر چیز یافت
مسجدے گشت و طہورے نیز یافت

مغل بادشاہ اکبر کے مصاحبِ خاص فیضی، جو شعر کہنے میں جواب نہیں رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

اسرار ازل خزینۂ او
محراب ابد مدینۂ او
زانوئے زمانہ بر زمینش
دامانِ فلک در آستینش

اور جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ انھوں نے بھی اس پر ختم کر دیا:

بر دفترِ جمالِ تو، توریت یک ورق
وز مصحفِ کمالِ تو انجیل یک رقم
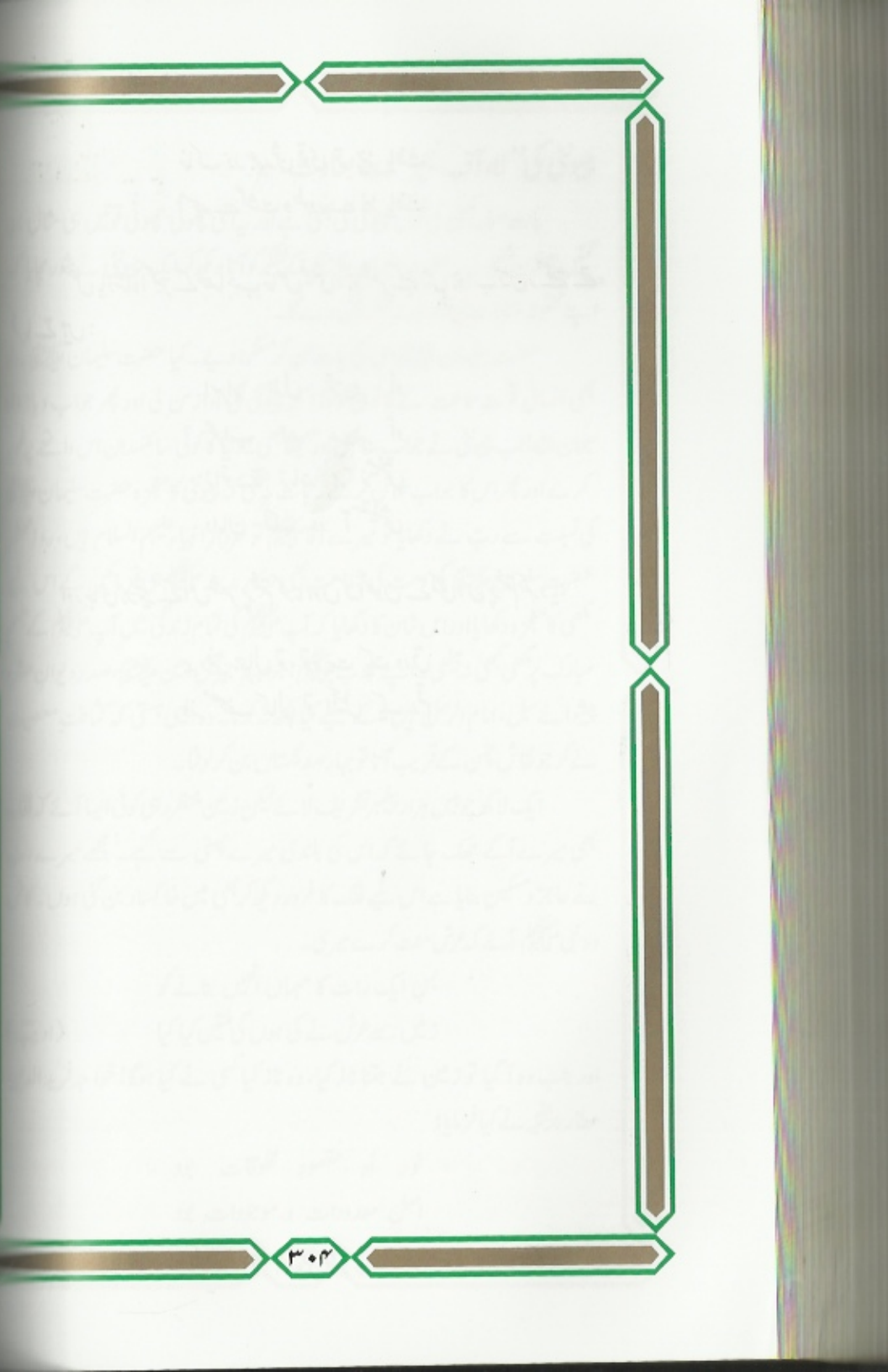
مُنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ

وہ نور، جس کا اجالا محیطِ کون و مکاں
حرم میں تھا وہ درخشاں، درود تاج میں ہے

مُنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ

جاروب شعائی لیے ہر صبح کو سورج
کرتا تری درگاہ میں جاروب کشی ہے
(حسان الہند اختر اعظم گڑھی)

نور کی تعریف "نور الھدیٰ"، "مصباح الظلم"، "نور من نور اللہ" اور "منور جمالہ" میں نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے جو آیندہ اوراق میں آپ کے ذوق مطالعہ کی تشنگی دور کر دے گی۔ نور جس طرح خود محدود نہیں اس کے معنی بھی محدود نہیں۔ عالم ہو، فقیہ ہو یا فلسفی و شاعر، کسے باشد، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ایک دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا کہ جو کچھ اس دائرۂ فکر میں ہے اسی کو نور کہتے ہیں۔ اس کی دلیلِ علمی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے متعلق یہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اس نور کو، جسے عقلِ انسانی کے ذریعے پہچانا نہیں جاسکتا، جہاں ادراک عاجز اور افکار قاصر، تخیل بے بس اور تصور لاچار ہے وہ اس حقیقت کو ذہنِ انسانی کے مطابق سمجھانے کے لیے تمثیلی اندازِ بیان اختیار کرتا ہے کہ اب اس طرح سمجھ لو کہ میرا نور کیا ہے۔

سورہ نور کی آیات میں ارشاد ہو رہا ہے:

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے

ایک طاق کی۔ اس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس ہے۔ وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ روشن ہوتا ہے مبارک درخت زیتون سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ ہدایت فرماتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے اور لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (سورہ نور: آیت ۳۵)

''افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صحبت کے اثرات:

اس کی تشریح سے پہلے عرض کرتا ہوں کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف اہلِ زبان تھے بلکہ عربی لغات پر پورا عبور تھا، صرف ونحو ان کی جھولی میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک واقعہ گزشتہ اوراق میں پیش کر چکا ہوں جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک لفظ کے ہجے پر فیصلہ دیا تھا کہ یہ قریش کے ہجے پر لکھیں، اس طرح لغات عرب پر یہاں تفصیل میں جانے کا وقت نہیں، میری گزشتہ تصنیف ''مشکوٰۃ النعت'' میں طویل بحث ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ وقت ''افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے۔ انھیں اجازت بھی تھی کہ جو مسئلہ سمجھ میں نہ آئے وہ دریافت کر لیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن سے متعلق ہر اس مسئلے کو، جو قابلِ دریافت ہوتا، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے۔

اس صحبت کا اثر تھا کہ ان کے خطیب کے مقابل کوئی خطیب نہ ٹھیر سکتا، ان کے شاعر (دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے عرب کے دوسرے شاعر اپنے دعووں سے دست بردار ہو جاتے۔ زبان و بیان کے تمام معرکے سر کرنے میں ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دشواری نہیں تھی اس لیے کہ انھوں نے قرآن کو صاحبِ قرآن سے سمجھا۔ ان سے تابعین اور پھر ان سے تبع تابعین تک یہ سلسلہ رہا۔ قرآنِ کریم کی تفاسیر کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ان میں انھی اصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا جس کا تعین اس طرح ہوا:

۱- عربی زبان سے مکمل واقفیت۔

۲- عربی لغات پر عبور۔
۳- قواعدِ صرف ونحو کا بخوبی جاننا۔
۴- اصولِ تفسیر سے آگہی۔

آج ہمارے جو مفسّرین قرآن کی تفسیر فرماتے ہیں ان کے پیشِ نظر یہ تمام اصول ہوتے ہیں۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد جو آیات پیش ہوئیں ان کی جو تشریح حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی وہ پیش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے یہ بھی واضح کردوں کہ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں قرآن وحدیث کی بابت کسی ذاتی رائے کا نہ حوصلہ تھا نہ جرأت۔ ایسا مضبوط ایمان تھا۔ چنانچہ اس عہد میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر نے یہ تفسیر فرمائی تو یقین کی منزل کو پہنچی، جو شک اور شبہے سے بالاتر ہے، فرماتے ہیں:

طاق تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ اقدس ہے اور فانوس قلبِ مبارک ہے۔ چراغ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے۔ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی، نہ یہودی ہے نہ نصرانی۔ روشن ہے شجرہ مبارکہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔ نور پر نور ہے یعنی نورِ قلبِ ابراہیم علیہ السلام پر نورِ قلبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تفسیرِ خازن جلد سویم، ص ۲۲۳)

ایک اور قیمتی حوالہ کہ ان آیات کو ایک شعر میں سمیٹ کر تفسیر بیان کردی:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام تاریخ میں، تفسیر اور احادیث کے ضمن میں نہایت بلند پایہ ہے لہٰذا پہلا مقام تصدیق انھیں کو قرار دیا۔ بعض حضرات راویوں کی صحتِ بیانی میں الجھا کر اعتراض کا پہلو نکالتے ہیں جب کہ ایسے لوگ تفسیر کے بنیادی اصولوں پر کاربند بھی نہیں ہوتے۔ دنیاوی معاملات میں، خدانخواستہ، آپ کو اگر اپنی بے گناہی کے لیے کسی عدالت میں پیش ہونا پڑے تو آپ شہر کے بہترین قانون دان سے رجوع کریں گے۔ آپ اس وکیل کے ظاہری حسن وجمال اور قد و قامت کو نہیں دیکھیں گے، نہ اس کی خوش لباسی اور خوش گفتاری پر غور کریں گے بلکہ مقدمے کی پیروی کے لیے اس کی مہارت، قابلیت، تجربہ اور بہترین نتائج تلاش کریں گے۔ اسی طرح جب قرآن فہمی کی بات ہوگی تو

آپ ایسی عالم شخصیت سے رابطہ کریں گے جسے عربی زبان، قرآن، علوم حدیث، لغات زبان پر مکمل عبور حاصل ہو، اور کردار کی بلندی کہ زمانہ اس کا احترام اس کے علم و فضل اور اس کے بلند کردار کی وجہ سے کرتا ہو۔ قابلیت کے وہ تمام جوہر اس میں پائے جاتے ہوں جو تمام شکوک اور باطل افکار کا ابطال کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور سورہ نور:

بعض شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا مقام علمی القاب و آداب کا محتاج نہیں ہوتا، ان میں برصغیر کی عظیم ہستی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جتنے علوم پر دسترس ہے وہ ان کے علمی تبحر کی سند ہے۔ ان کی نگاہ بصیرت نے جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر دیکھی تو جھوم اٹھے، اور ان کا یہ جھوم اٹھنا عقیدت ہی کے سبب نہ تھا بلکہ اس کے بعد "کنزالایمان" کے اوراق پر جو لکھا وہ اپنی جگہ بے مثال ہے لیکن دو مصرعوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام آیات کے مفہوم کو موتیوں کی طرح جوڑ دیا ہے، فرماتے ہیں:

شمع دل ، مشکوٰۃ تن ، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقصود کائنات، مقصود مخلوقات اور معدودات و موجودات کی اصل ہے اور اسی مخلوق میں بیت اللہ، بیت اللحم، مسجدِ اقصیٰ و مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں شامل ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جلوہ گر ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب وہ مقامات منور ہو جاتے۔ نور کے متعلق آئندہ اوراق میں تفصیل سے بیان کیا ہے اس لیے یہاں اختصار ملحوظ ہے۔

شمسُ الضّحیٰ

رُخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ شمسِ الضحیٰ ، وہ چشمۂ نور
صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دیکھ کے حیراں، درود تاج میں ہے

شمس الضحیٰ

جمال روئے ترا ہر کہ دید حیراں شد
چہ صورتیست ترا ، لا الہ الا اللہ

جلوہ محبوب ربّ صلی اللہ علیہ وسلم اور چشم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جمالِ روئے تابانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال سکے۔ لیکن فکر و خیال اور تصور کے لیے بڑا شرف ہے کہ حتی المقدور ان کے جمال جہاں آرا کی تصویر حسرت دید میں بہنے والے اشکوں اور جذبات عقیدت کے رنگوں سے بنائے۔

اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال بالخصوص چہرہ انور کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے اور بعض نے چودھویں کے چاند سے۔ اردو، فارسی حتیٰ کہ عربی کے شعراء نے بھی اسی روایت کا تتبع کیا ہے۔ اس کے باوجود ہر ایک نے اپنے دل کے ارمان تو نکالے ہیں مگر جو حسن مستور ہے اس تک کوئی نگاہ پہنچ نہ سکی اور یہ خود قولِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

پہلے یہ قول ملاحظہ کیجیے جو حسنِ بے مثال کے تذکرے میں جامعیت کا حامل ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک میں وحیِ الٰہی، معجزات اور دیگر دلایلِ نبوت کا اثر و ظہور نہ بھی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیلِ نبوت کے لیے کافی تھا۔

(زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۷۲)

لو لم یکن فیہ آیات مبینة
کانت بدیهته تکفی عن الخبر

(عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ)

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہِ قیصری (جوش ملیح آبادی)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ شاعرِ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ساتھ کاتبِ وحی بھی تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو عام طور پر شاعرِ دربارِ رسالت کہا جاتا ہے لیکن شاعرانِ دربارِ رسالت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ (اسد الغابہ)

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خوبصورت الفاظ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو اعزاز بخشا:

''خدا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ پر رحم فرمائے۔ وہ انھیں مجلسوں کو پسند کرتے تھے جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔'' (اصابہ جلد چہارم، ص ۶۶؛ سیرۃ الصحابہ جلد پنجم، ص ۶۳)

شعراء نے تو حسن و جمال میں رخِ تاباں ہی کی بات کی ہے لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ حسن و جمال میں کیا کہتے ہیں:

الا یا ہاشم الاخیار صبراً
فکل فعالکم حسن جمیل

''اے ہاشمی، جو صبر میں سب سے بہتر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام نہایت حسین و جمیل تھا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مارأیت شیأ احسن من رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کان الشمس تجری فی وجھہ۔

ترجمہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں چل رہا ہے۔

(ترمذی، مشکوۃ، ص ۵۱۸)

جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا ذکر گزشتہ اوراق میں

ہو چکا ہے۔ جن پر مظالم کی داستان بڑی دردناک ہے، جن کے صبر کا مقام بہت بلند ہے، جن کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جنھیں سرِ بازار نیزہ مار کر اسلام کی تاریخ میں شہید کیا گیا۔ اس عاشقِ صادق نے فرمایا:

لو رایتہ رایت الشمس طالعۃ۔

''اگر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ سورج چمک رہا ہے۔''

(مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۷، دارمی)

شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اور کیا خوب صورت بات کہی ہے، بہت کم ایسے شعر نظر سے گزرتے ہیں:

خورشید چوں برآمد، گفتم کہ زرد روئے
گفتا ز شرم رُویش رنگِ نزار دارم

فرماتے ہیں: آفتاب جب نکلا تو اس کا چہرہ زرد تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا: یہ تجھے کیا ہوا، تیرا چہرہ زرد کیوں ہے (محاورہ ہے چہرہ پیلا پڑ گیا)؟ جواب میں کہنے لگا: جمال روئے تابانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم سے میرا رنگ بیماروں کی طرح زرد پڑ گیا۔

وہ ہستی، جس کے جمال رخ کی شرح میں والضحیٰ آیا، جس کی زلفِ عنبر بُو، جس کی کاکلِ مشکیں کے لیے نکتہ والّیل بیان ہوا، وہ جمال جہاں آراء، وہ مصحفِ قرآن خود اپنے جمال کے لیے کیا فرماتے ہیں:

حسن و جمال پر حدیث:

فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمالی مستور عن اعین الناس غیرۃ من اللہ عزّوجل ولو ظھر لفعل الناس اکثر مما فعلوا حین راوا یوسف۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے اور اگر آشکارا ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔''

(دُرالثمین فی مبشرات النبی الامین ﷺ، ص ۷)

یہ ہے حقیقتِ حسن و جمالِ مصطفےٰ ﷺ جسے حق نے غیرت کے سبب پوشیدہ رکھا۔ اب کوئی نگاہ کہاں جو خبر لائے گی!

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور جمالِ مصطفےٰ ﷺ:

اب اہلِ معرفت، اہلِ دل اور اہلِ محبت کس انداز میں آپ ﷺ کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہیں، دیکھیے: جن کا یہ قول ہے: قدمی هذه علی کل رقبة، جنھیں زمانہ غوثِ اعظم، غوث الثقلین کہتا ہے وہ جمالِ حق کے لیے اس طرح فرماتے ہیں:

سقانی الحب کاسات الوصال
فقلت لخمرتی نحوی تعالی
ساغر بھرے ہیں عشق نے بزمِ وصال کے
لا، جس قدر بھی خُم ہیں، شرابِ جمال کے

وہ حسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ پر فارسی میں عجب ہی انداز سے فرماتے ہیں:

مکن بہرِ خدا عزم گلستاں با چنیں روئے
کہ دانم باغباں شرمندہ از گلزار خواہد شد

ترجمہ: خدا کے واسطے اس رخِ روشن کو لے کر گلستاں کا ارادہ نہ فرمائیں، جانتا ہوں کہ باغباں اپنے گل و گلزار کے رنگ و بو کو دیکھ کر شرمندہ ہو جائے گا۔

امام ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث تشبیہات پر:

اب ''چودھویں کے چاند'' اور ''روشن آفتاب'' کی علیحدہ علیحدہ روایتوں پر ایک دلچسپ بحث پیش کرتا ہوں۔ امام عبدالرحمٰن ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف ''الوفاء باحوالِ مصطفیٰ ﷺ'' کے حاشیے پر درج ہے:

''فخرِ دو عالم ﷺ کے چہرہ اقدس کی نورانیت اور تابانی کے لحاظ سے چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی ہے سورج کے ساتھ نہیں دی ہے۔''

(حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی ایک روایت کی شرح میں، جو امام جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے، حاشیے پر فرمایا۔)

تو چاند سے تشبیہ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ چاند کو دیکھا جا سکتا ہے اور سورج کو دیکھا نہیں جا سکتا نیز چودھویں کے چاند سے آنکھوں کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اور دل کو جو سرور حاصل ہوتا ہے وہ سورج کو دیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی فرق کو واضح کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا املح واخی یوسف اصبح۔" گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ اتنا روشن تھا کہ اس پر نظر جمانا محال تھا، ادھر نظارگی کو وہ ذوق و سرور حاصل ہوتا کہ جو ایک نظر دیکھ لیتے تو پھر چہرہ اقدس سے نظر ہٹانے کو دل نہ چاہتا۔ آنکھوں کے واسطے سے وہ صورت دلپذیر دل میں یوں نقش ہو جاتی کہ پھر وہاں غیر کی گنجائش باقی نہ رہتی اور ان کی زبان ان نغمات کے ساتھ یوں مترنم ہوتی:

آئینہ نیست دل کہ دہد جا بہ ہر کسے

ایں پارہ عقیق بنام تو کندہ است

یہ میرا دل کوئی آئینہ نہیں ہے کہ ہر کسی کے چہرے کو اس میں جگہ دے۔ یہ تو عقیق کا ٹکڑا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کندہ ہے۔ یہی بات حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو ان کے نعتیہ اشعار کا مقطع ہے:

عالم ز ماہ رویاں گر پُر شود، نہ بینم

با تو ز روز اوّل دارم رہ وفا را

حسین چہروں سے اگر یہ عالم تمام پر ہو جائے لیکن میں تیرے سوا کسی کو نہ دیکھوں کہ روز ازل سے رہ وفا تجھ سے اختیار کی ہوئی ہے۔

حضرت امام جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کا بقیہ حصہ:

"البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو سطوت و جلال کے لحاظ سے اور جہان کو انوار ذات سے منور و مستنیر کرنے کے لحاظ اور ادراکِ حقیقت اور احاطۂ کنہ ذات کے ناممکن ہونے کے اعتبار سے سورج کے ساتھ تشبیہ دینا درست ہے اور صحیح ہے کیوں کہ اس آفتاب آسمانی کے ادراک میں آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں، اس آفتاب رحمانی کے ادراک کنہ کی

حقیقت سے عقولِ خلق عاجز اور قاصر ہیں۔" (ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ)

روئے انور ﷺ کو آفتاب سے تشبیہ دینے کی بحث:

آفتاب سے آپ ﷺ کو صرف شعرائے عرب ہی نے تشبیہ نہیں دی بلکہ صحابہ کرا
اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جمالِ رخِ مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر یہی کہا۔ عر
کی شاعری میں جہاں اور بہت سی خوبیاں تھیں وہاں یہ بات واضح تھی کہ جھوٹ کو شاعر
کا طرۂ امتیاز نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ شاعری میں جھوٹ کو ناپسند کیا جاتا۔ وہ فخر و مباہات ک
شاعری ہو یا عشقیہ شاعری، بدوی زندگی میں سادگی تھی اس لیے جھوٹ کا گزر نہ تھا۔ عر
کے مشہور عالمِ زبانِ عربی، ماہرِ لسانیات اصمعی نے غالباً کسی بغض یا عناد کے سبب حضر
حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری پر یہ الزام لگایا کہ اسلام میں داخل ہو کر ان کی شاعری بے مزہ ہو گ
ہے اور یہ بھی الزام لگایا کہ خود حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا (استفسار پر) کہ میری شاعری ک
حسن جھوٹ سے تھا جسے میں نے چھوڑ دیا۔ اس الزام کی عرب کی شاعری، صحابہ کرا
رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیانات اور ادبِ عربی کے ماہرین کے حوالوں سے تردید میر
پچھلی تصنیف "مشکوٰۃ النعت" میں پچاس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

بات یہ کہنا مقصود ہے کسی نے بھی اس روئے تاباں کو شمس الضحیٰ کلام میں زور
شعر میں حسن پیدا کرنے کے لیے نہیں کہا۔ سچے لوگ تھے، صاحبِ ایمان بھی تھے اور بڑ
بات یہ کہ صاحبِ عرفان بھی تھے اور جس کی صحبت اور غلامی سے یہ سب کچھ ملا تھا، ی
جانتے ہوئے کہ وہ دلوں کا بھید بھی جانتا ہے، ان کے منہ پر جھوٹی بات کہنے کی کس کو مجال
تھی؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علی احمد صا
کلیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ جیسی اور بے شمار شاہ گو ہستیاں وہ صاحبِ کمال تھیں
کہ لوحِ محفوظ پر جب چاہا نظر ڈالی اور دیکھ لیا چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور پھر درجہ بدرجہ، منزل بہ منزل ہمارے عہد کے شعراء انھی حضرات کی تا
و تقلید میں شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ کہتے آ رہے ہیں۔ گویا اس آفتاب حسن و جمال ک
خیرات ذکر اوپر سے تقسیم ہوتی ہوئی ہمارے عہد کے شعراء تک پہنچی ہے:

دل محزوں کبھی دردِ آشنا کے ساتھ بھی رہنا
اندھیروں میں رہا، بدرالدجیٰ کے ساتھ بھی رہنا
شبِ تاریکِ بیمِ موجِ ہستی میں سفر کرنا
ذہن میں ہالۂ شمس الضحیٰ کے ساتھ بھی رہنا (غیور احمد غیور)

حضرت امام ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بہترین انداز میں اس بات کو سمجھا دیا کہ ذاتِ اقدس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس کا ادراک ممکن نہیں۔ حواس خمسہِ باطنی میں عقل و ادراک اور حواسِ ظاہری میں بصارت ہے۔ عقل کا مرتبہ بصارت سے بلند ہے۔ جب عقل و ادراک عاجز ہیں تو چشم آرزو کس طرح اس حقیقت سے آنکھ ملا سکتی ہے اور اس کی مثال، آفتاب میں بھی، اتنا نور نہیں جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال میں ہے اور پھر دونوں کو مقابل لا کر کیا نتیجہ پیش کرتے ہیں:

گر ز انوار رُخت یک شعلہ تابد بر فلک
از حیاء مستور گردد آفتاب اندر نقاب
(معین الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ، ہمعصر جامی رحمۃ اللہ علیہ)

''اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ روشن کے انوار کا ایک شعلہ فلک پر چمکے تو آفتاب حیاء کے سبب نقاب میں چھپ جائے۔''

حضرت غلام امام شہید رحمۃ اللہ علیہ بڑے پائے کے نعت گو شاعر تھے۔ روانی اور برجستگی ان کے کلام کے جزوِ خاص تھے۔ مولودِ شہیدی آپ کی بہت مشہور ہوئی جس میں آپ نے قدسی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر تضمین کی اور ترجیع بند کہا۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

قدِ رعنا کی ادا، جامہِ زیبا کی پھبن
سرمہِ چشم غضب، ناز بھری وہ چتون
وہ عمامے کی سجاوٹ، وہ جبینِ روشن
اور وہ مکھڑے کی تجلّی، وہ بیاضِ گردن
وہ عمامہ عربی اور وہ نیچا دامن

دلربایانہ وہ رفتار ، وہ بیساختہ پن
مردہ بھی دیکھے تو کر چاک گریبانِ کفن
اٹھ چلے قبر سے بے تاب، زباں پر یہ سخن:

''مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی''

ایک انداز یہ بھی ہے جو نظیری نیشاپوری نے اختیار کیا ہے:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

غلام امام شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سرِ اقدس تا قدم مبارک رفتار، گفتار، لباس تمام کا حسن یکجا کرنے کی سعی فرمائی۔ اردو اور فارسی کلام ایسی ارفع و اعلیٰ اور نادر تشبیہات و استعاروں سے لبریز ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے تحت ہو رہا ہے جس میں درود تاج کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کا واقعہ:

صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ایک شبِ تاریک میں، جس میں ہر طرف اندھیرا دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور بارش بھی ہو رہی تھی، اس عالم میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ محبوب کے دیدار کی آرزو کیسی آرزو ہوتی ہے جو راہ کی تمام دشواریوں کو بصد شوق قبول کر لیتی ہے۔ مکان فاصلے پر تھا، محبت کشاں کشاں لے آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشقِ صادق کو ایک نظر دیکھا تو دریافت فرمایا: اے قتادہ اتنی تاریک رات اور بارش کے باوجود تم آئے ہو۔ طالبِ دیدار نے عرض کی: اُمّی و ابی فداک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس تاریکی اور بارش کے سبب مجمع کم ہوگا، میں آسانی سے جی بھر کر دیدار کر لوں گا، چشمِ تمنا کی تشنگی دور کر لوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ جب واپسی کا وقت آیا تو بارش اور گھٹا ٹوپ اندھیرے کو دیکھ کر نور من نور اللہ نے فرمایا: اے قتادہ! یہ اپنے ساتھ لے لو (کھجور کی ایک شاخ اٹھا کر دے دی)، پھر فرمایا:

وقال انطلق به فانه سیضی لک من بین یدیک عشرا ومن خلفک عشراً فاذا دخلت بیتک فستریٰ سوادا فاضربه حتیٰ یخرج فانه الشیطان فانطلق فاضاء له العرجون حتیٰ دخل بیته ووجد السواد فضربه حتیٰ خرج۔

(شفاء شریف جلد اول، ص ۱۹۵؛ زرقانی علی المواہب جلد پنجم، ص ۱۹۵)

ترجمہ: اور فرمایا اس کو لے جاؤ، یہ تمھارے لیے دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ تمھارے پیچھے روشنی کرے گی اور جب تم اپنے گھر میں داخل ہوگے تو تم ایک سیاہی کو دیکھو گے تو اس کو اتنا مارنا کہ وہ نکل جائے کیوں کہ وہ شیطان ہے۔ پھر قتادہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے تو وہ شاخ ان کے لیے روشن ہوگئی یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے۔ اندر جاتے ہی اس سیاہی کو پالیا اور اتنا مارا کہ وہ نکل گئی۔

اسی فیضانِ نور کی چمک دیکھ کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

میں حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر بات ختم کرتا ہوں:

نعتِ آں روئے والضحیٰ آمد
صفتِ زلف اذا سجیٰ آمد

روئے مبارک کی تشریح کے لیے قرآن میں والضحیٰ کی آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف کے بیانِ صفت میں اذا سجیٰ آیا، سبحان اللہ!

بَدرِ الدُّجیٰ

وہ آئنہ، جو دکھائے جمالِ رُوئے رسول ﷺ
وہ مصحفِ رُخِ تاباں درودِ تاج میں ہے

بَدرُ الدُّجیٰ

آئینہ دار پَرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمد ﷺ است

(غالبؔ)

وہ بدر الدجیٰ جب مدینے میں آیا:

ذرا اس حسین منظر کو خیال میں لائیے جب سرور عالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ بدر الدجیٰ سرزمینِ مدینہ میں داخل ہوا تو حبشی اپنے چھوٹے چھوٹے نیزوں کے ساتھ کھیلے (یعنی کرتب دکھائے)۔ وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ جب رحمتِ عالم ﷺ بنونجار کی بچیوں کے قریب سے گزرے تو وہ گا رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمد ﷺ من جار

ہم بنونجار کی بچیاں ہیں اور مبارک ہیں محمدِ عربی ﷺ جیسے پڑوسی۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے اظہار عقیدت کے جواب میں فرمایا:

”اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں اور تم میرے الطاف و عنایات کا مرکزِ اولین ہو۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب آفتابِ نبوت و رسالت ﷺ نے افقِ مدینہ منورہ پر طلوع فرمایا تو عورتیں، بچے، بچیاں یہ اشعار گا رہے تھے:

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ترجمہ: ہم پر بدرِ منیر وداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا ہے لہٰذا ہم پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنا واجب و لازم ہے جب تک کوئی بھی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ادائے شکر فرض ہے)۔

یہ لفظ معصوم، کم سن بچوں اور بچیوں کی زبان پر (بدرِ منیر) کیا خوب آیا اور اس کی تشریح، کہ انھوں نے بدرِ منیر کیوں کہا اور کیا مفہوم لیا، یہ بھی وہی جانتے تھے اسی لیے اس طلبگارِ رحمت نے عرض کیا:

وہ طلع، وہ بدر علینا کے نغمے
کہاں ہم، کہاں وہ ثنائے محمد ﷺ (ادیب)

آئینہ دار پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمد ﷺ است (غالب)

شانِ حق آشکار ز شانِ محمد ﷺ است:

غالب کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی شان حضور رحمت للعالمین ﷺ کی شان سے آشکار ہے۔ غالب جب کوئی فلسفیانہ خیال پیش کرتے ہیں تو دلیل ضرور لاتے ہیں، وحدت الوجود کا فلسفہ ہو یا وحدت الشہود کی بات ہو، مرگ و حیات کا فلسفہ ہو یا خوشی اور غم۔ مثال کے طور پر:

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ مشکلیں زیادہ ہوں تو تکلیف اور بڑھتی ہی جاتی ہے یہ آسان کیسے ہو سکتی ہیں لیکن اس شعر میں وہ پہلے دلیل پیش کرتے ہیں:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

دیکھا آپ نے، کیسی مضبوط دلیل پیش کی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں:

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم ان کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا

منصور حلاج نے بھی یہی کہا تھا جو غالب کہتے ہیں کہ آپ یہ کیا سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا ہیں، کون ہیں؟ سمندر سے قطرے کو جدا کر دیں تو وہ سمندر نہیں کہلاتا ہے اسے قطرہ کہتے ہیں لیکن اگر اس قطرے کو واپس سمندر میں ڈال دیں تو پھر آپ اسے قطرہ نہیں کہتے سمندر کہتے ہیں تو سمجھیے کہ اس سے نکل کر جدا ہو گئے تو اب قطرہ کہلائے، واپس مل گئے تو پھر سمندر ہیں۔ دراصل ہمارا (قطرے کا) دل ''میں سمندر ہوں کا اشارہ ہے'' اس لیے ہم ان کے ہیں، ہمارا کیا پوچھتے ہو۔

یہی فلسفیانہ انداز نعت کے ہر شعر میں ان کا اول تا آخر ہے۔ ایک مصرعے میں دلیل ہے دوسرے میں خیال ہے۔ ماہتاب درحقیقت آفتاب کے پرَتو کا آئینہ دار ہے، آفتاب سے نظریں ملانا ممکن نہیں (جیسا کہ شمس الضحیٰ کی تشریح میں گزرا) اب آفتاب کا پرتو ماہتاب میں اس طرح ہے کہ اس پرَتو کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ماہتاب نور آفتاب کو متعارف کرا رہا ہے اس لیے شانِ حق تعالیٰ شانِ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آشکار ہے۔

لفظ بدرالدجیٰ کی ایسی فلسفیانہ اور مدلل تشریح ملنی دشوار ہے لیکن اب ہم چودھویں کے چاند کی طرف آتے ہیں۔

لفظ طٰہٰ کی تشریح:

مفسّرینِ قرآن نے اس لفظ طٰہٰ کی بابت جو مختلف آراء پیش کی ہیں ان میں سے ایک بمعنی ''چودھویں کا چاند'' بھی ہے لیکن ہم آپ کی خدمت میں صرف ایک ہی رائے پیش نہیں کریں گے بلکہ آپ کے ذوق مطالعہ کے لیے جو کچھ ہماری تحقیق میں آیا پیش کرتے ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

ترا عزِ لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

علامہ فتح محمد تائب مفسرِ قرآن (خلاصۃ التفاسیر) اس لفظ طٰہٰ کی تحقیق میں فرماتے ہیں:

علامہ نے پہلے اس کی قرأت پر بحث کی ہے کہ اسے کس طرح پڑھا جائے۔ اس اختلاف قرأت کو، جس میں کبیر، ابوعمر، ابنِ کثیر، زجاج، حمزہ اور کسائی اہلِ لغات کی بحث کے بعد کہتے ہیں: کبیر نے معالم میں کہا: یہ اللہ کے ناموں میں ایک نام ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی ''یا رجل'' ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں: یہ لفظ نبطی زبان سے ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔ عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ حبشی ہے۔ اس کے علاوہ کلبی نے کہا: لغتِ عک ہے (عک ایک قبیلے کا نام ہے)۔ قبیلہ عک اور قبیلہ عکل، ان دونوں قبایل میں، طٰہٰ کے معنی ''یا رجل'' کے ہیں (جس سے اس ناچیز کو اتفاق نہیں) جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ''خلاصۃ التفاسیر'' میں بھی ''یا رجل'' ہے۔ جس کے معنی ''اے شخص'' کے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قبیلہ عک میں طٰہٰ ''یا حبیبی'' (اے میرے حبیب) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک ہے۔ بعض نے کہا ہے طٰہٰ میں ''ط'' طہارت اور ''ہ'' ہدایت کے لیے آیا ہے، بطور رمز ذکر ہوا ہے جس کے معنی:

یا طاھرا من الذنوب یا ھادی الخلق الیٰ علام الغیوب۔

اے گناہوں سے پاک اور اے خلقِ خدا کے رہنما۔ (قرطبی)

علامہ نظام الدین نیشاپوری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حساب جمل سے ''ط'' کا عدد نو کا ہے اور ''ہ'' کا عدد پانچ کا ہے جو مل کر چودہ ہوتے ہیں جس کے معنی ہیں ''چودھویں کے چاند''۔ اصل عربی عبارت دیکھیے:

''الطاء تسعه فی الحساب و الھاء خمسة و معناه یا ایھا البدر۔''

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (نیشاپوری کی توجیہ کے حوالے سے):

''فکانه قیل یا بدر سماء عالمِ امکان۔''

(اے عالمِ امکان کے آسمان کے ماہِ تمام، اے فلکِ وجود کے چودھویں کے چاند!)

(روح المعانی/آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

سورہ طٰہٰ کی تفصیلی بحث:

ان تمام توجیہات میں جو سب سے زیادہ قرینِ اعتبار ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے تخاطب ہے جس کے حق میں مندرجہ بالا سطور میں یا رجل (اے شخص)، یا حبیبی (اے میرے حبیب)، طہارت و ہدایت ان تمام کی نسبت پر غور فرمایئے اور اگر پھر ایسا ہوتا کہ یہ خطاب کسی اور سے ہوتا لیکن یہاں تو براہ راست اپنے محبوب ﷺ سے ہو رہا ہے اور قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے محبوب ﷺ سے جب بھی خطاب ہوا ''اے شخص'' (یا رجل) کہہ کر کبھی نہیں ہوا بلکہ شفقت و محبت میں ڈوبے الفاظ سے۔ عربی زبان کا سب سے ارفع و اعلیٰ معیار قرآنِ کریم ہے، فصاحت کے تمام اعلیٰ اصولوں کی رہنمائی قرآن ہی سے ملتی ہے۔ موقعے اور محل کے اعتبار سے نیز شخصیات کے فرق کے ساتھ خطاب کا فرق حسن کلام کا بہترین نمونہ ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب خطاب کا کوئی اور حوالہ دیں جیسا کہ آیات عتاب یا دیگر مواقع پر مختلف انداز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو سختی کے لہجے میں کبھی مخاطب نہیں فرمایا۔ سورہ طٰہٰ میں خاص عنایت و شفقت کا ہی پہلو ہے کیوں کہ اس کی ابتدائی آیات میں آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی رب تبارک و تعالیٰ نے جب اپنے محبوب ﷺ کو بے حد پریشان اور آزردہ دیکھا تو ان کی تسلی کے لیے سورہ طٰہٰ نازل فرمائی۔ ان آیات کی شان یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ کفر میں تلوار لے کر اللہ کے محبوب ﷺ کا قصہ تمام کرنے (نعوذ باللہ) کے ارادے سے بھرے غیظ و غضب میں گھر سے نکلے تو راستے میں اپنے بہن بہنوئی کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر سن کر اس طرف مڑ گئے۔ ان کے گھر پہنچے، جوشِ غضب میں بہن فاطمہ اور بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا، پھر رک کر کہا: اچھا سناؤ تم کیا پڑھتے ہو؟ تو بہن نے بھائی سے کہا: پہلے غسل کرو۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غسل کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ فاطمہ نے سورہ طٰہٰ کی ہی آیات تلاوت فرمائیں جس نے پتھر کو موم بنا دیا اور آپ سیدھے ہادی برحق کے در اقدس پر پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعے پر کہا:

نمی دانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر رضی اللہ عنہ را

کفار نے دشمنی کی انتہا کر دی تھی، دل آزادی میں کوئی حربہ نہیں چھوڑا، بہتان تراشی، بدزبانی الغرض آپ ﷺ انتہائی حزن و ملال میں گرفتار تھے۔ راتوں کو اتنی عبادت کرتے کہ قدم مبارک متورّم ہو جاتے۔ اس حال میں اپنے محبوب ﷺ کو دیکھ کر رب کریم کو بے حد پیار آیا اور نہایت شفقت و محبت سے خطاب فرمایا:

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى

نہیں اتارا ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑیں۔

قرآنِ کریم میں جب بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو مخاطب فرمایا ان خطابات میں جو لہجہ رہا ان میں زیادہ پیار و شفقت لیے ہوئے سورہ طٰہٰ میں ہے اس لیے "یا رجل" (اے شخص) کا مفہوم یہاں نہیں لیا جا سکتا، پھر طرزِ تخاطب واقعات کے خلاف جاتا ہے۔ البتہ علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے دل کو سرور حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شعراء نے آپ ﷺ کو طٰہٰ کہہ کر اپنے شعر کے شبستان میں چودھویں کے چاند سے رونق بڑھائی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ فرماتے ہیں: چاندنی رات تھی، حضور ﷺ حلۂ حمرا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی حضور اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو۔

فاذا هوا احسن عندی من القمر

بالآخر میرا فیصلہ یہی تھا کہ حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

(ترمذی شریف، مشکوٰۃ ۵۱۸)

یہ مشہور روایت ہے جسے تمام سیرت نگار حضرات تحریر کر چکے ہیں لیکن ہمارا موضوع "بدرالدجیٰ" ہے جس کا اس روایت سے گہرا تعلق ہے اس لیے ہم پیش کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چرخہ کات رہی تھی اور حضور اکرم ﷺ میرے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے جوتے گانٹھ رہے تھے (پیوند لگا رہے تھے)۔ آپ ﷺ کی پیشانیِ مبارک پر پسینے کے قطرے تھے جن سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس حسین منظر نے مجھ کو چرخہ کاتنے سے روک دیا۔ بس میں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "عائشہ! تجھے کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا کہ آپ کی پیشانیِ مبارک پر پسینے کے

قطرے ہیں جو نور کے ستارے معلوم ہوتے ہیں، پھر کہا:

ولورآک ابو کبیر الھذلی لعلم انک احق بشعرہ حیث یقول

ترجمہ: اگر ابو کبیر ہذلی (عرب کا نامور شاعر) آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو یقین کر لیتا کہ اس کے شعر کا مصداق آپ ﷺ ہی ہیں۔

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ابو کبیر ہذلی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر سنایا:

و اذا نظرت الی اسرّۃ وجھہ
برقت بروق العارض المتھلل

ترجمہ: جب اس کے روئے مبارک کو دیکھتا ہوں تو اس کے رخساروں کی چمک مثلِ ہلال نظر آتی ہے۔

(ابنِ عساکر، ابونعیم، دیلمی، خطیب، زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۲۲۵)

محتشم کاشانی نے اپنے شعر میں بالکل اچھوتا خیال پیش کیا ہے۔ ایسے شعر مشکل سے نظر آتے ہیں، کہتے ہیں:

گر ماہ در رُخت بخیانت نظر کند
چشمش بروں کند بسرِ خنجر آفتاب

ترجمہ: اگر چاند آپ ﷺ کے رخِ انور پر خیانت سے نظر کرے یعنی رخِ انور سے حسن چرالے تو آفتاب خنجرِ شعاع سے اس کی آنکھ نکال لے گا۔

بعض شعراء کمالِ فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بات اچھوتے خیال کی نکل آئی اس لیے یہاں امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پیش کرتا ہوں، دیکھیے کیا خیال باندھا ہے:

شکم پر سنگِ اسود اور فاقے سے شکم خالی
ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلد ہے محمد ﷺ کا

خانہ کعبہ اندر سے خالی ہے، اسے شکمِ رسول ﷺ سے تشبیہ دی ہے اور چونکہ آپ ﷺ فاقے کے سبب اکثر پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے حجرِ اسود کو یہی تشبیہ امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہے کہ کعبے نے یہ ثابت کر دیا کہ اس نے اللہ کے محبوب ﷺ کی تقلید میں یہ کیا ہے۔ سبحان اللہ! آیئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے عرض کریں کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب آتا ہے:

متیٰ یبد فی الیل البھیم جبینہ
یلح مثل مصباح الدجیٰ المتوقد

ترجمہ: جب اندھیری رات میں آپ ﷺ کی پیشانی ظاہر ہوتی تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی۔

(زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۹۱)

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اذا سرّ استنار وجھہ حتیٰ کانہ قطعۃ من القمر۔

(بخاری شریف)

ترجمہ: جب حضور ﷺ شاداں ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ ایسا منور ہو جاتا کہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔

کیسے بیاں ہو مرتبہ عالی وقار کا
لاؤں کہاں سے ڈھنگ میں پروردگار کا

(ادیب رائے پوری)

اگر در نطق گویم تا قیامت
نیارم گفت یک وصفِ تمامت

(عطار رحمۃ اللہ علیہ)

صدرِ العُلیٰ

طیورِ فکر فضا ہائے نیلگوں میں اُڑے
مگر مشاہدہ حیراں درودتاج میں ہے

صدرِ العُلیٰ

اس اوج تک نہ جائے گی پستی شعور کی:

اس نقطۂ وجود کی بلندی، اوجِ قطبِ نجات، نورِ ازل، چراغِ ابد، مسند نشینِ کن اور مشعلِ بقا کو خالقِ حقیقی نے بلندیوں کا صدر نشین بنایا۔ درود تاج نے اس بلندی کے لیے صدر العلیٰ کا تاج سجایا۔ جو علوئے مراتب ہیں وہ بیان سے باہر ہیں، لفظ و معنی میں وہ سانہیں سکتے۔ پھر یہی دو سہارے ہیں۔ لفظ و معنی کے بعد انسان کیا لکھ سکتا ہے لیکن جو انتخاب کر سکتا ہے وہ اپنی جگہ لاجواب کر سکتا ہے۔ صدر العلیٰ میں جامعیتِ معنی بھی ہے اور اختصار الفاظ کا کمال بھی۔ ابھی تو قرآن ہی کو مکمل طور پر سمجھ نہ پایا کہ ہر لفظ کے اسرار واقفِ اسرار بتائے تو معلوم ہو۔ وہ لوگ، جو رات دن قرآنِ کریم کی آیات پر غور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر سے (آیات سے) حجابات اٹھاتا جاتا ہے۔ ایک واقعۂ معراج ہی ایسا ہے کہ چودہ سو برس سے زیرِ بحث آ رہا ہے، سورہ اسریٰ اور سورہ والنجم کے چہروں سے مفسرین و محققین نقاب اٹھانے میں آج تک مصروف ہیں۔ شافعِ محشر، لولاک لما، صاحبِ لواء الحمد، خاتمِ انبیاء اور کتنے اعزازات و مقامات ہیں جو سربستہ راز ہیں۔ اسی لقب کی دقیقہ دانی اور اس دُرِّ یتیم کی سارے جہاں پہ سائبانی عقل و خرد کی حیرانی بنی ہوئی ہے۔

حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ یہ سارا معاملہ عشق کا ہے، ان ظاہری آنکھوں سے نہ ان کا رخِ زیبا دیکھا جا سکتا ہے نہ انھیں سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ کائناتِ حسن ہیں یا حسنِ کائنات؟ اور جس کو جتنی گہری نظر ملی وہ زیادہ حیران ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کے لیے دل بینا کی طلب کرتے ہیں۔ فیضی سمجھتا ہے کہ جس کا ظاہر خاکی

ہے اس کی اوجِ منزل مقام عرش ہے جو زیرِ نعلین پائے اقدس آچکا ہے۔ ظاہراً ان کا امّی ہے، باطن کتاب خانہ دردل ہے۔ یہ سارا علم اسی امّی سے اکتساب فیض ہے جس کے لیے قاآنی نے کہا:

فیاض و فیض ، علت و معلول ، نور و ظل
نقاش و نقش ، کاتب و خط ، بانی و بناء
معنی و لفظ ، مصدر و مشتق ، مناد و حرف
عین و اثر ، عیان و خبر ، صدق و افتراء

جہاں وہ مقصدِ علم ہے وہاں وہ عالمِ مقصود بھی ہے۔ علم القرآن کی درس گاہ میں وہ عالم ہے اور خانقاہ رحمٰن میں وہ صوفی ہے۔ ازل تا ابد حق نے خواجگیِ دو عالم انھیں بخشی۔ جگر مراد آبادی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ عقل بھلا وہاں کی خبر کیا لائے گی ابھی تو عشق بھی وہاں نہیں پہنچا۔ یہ ذکر و فکر و مراقبہ اس کی تلاش میں سب نارسیدہ ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ نسخۂ کونین کا دیباچہ ہیں۔ تمام عالم بندگاں کے لیے خواجگی ان کا علوئے مرتبت ہے۔ نہ تو علم اس کے وقت سے آگاہ ہے، کب سے ہے اور کہاں تک ہے؟ اور نہ ہی عقل کو اس کی خلوت میں راہ ہے۔ ہر کوئی خسرو نہیں جو ان کی محفل میں، جہاں میرِ مجلس ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو، جا پہنچے۔

تیئیس سالہ زندگی میں جو انقلاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا نسلِ انسانی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم احسان ہے اور نسلِ انسانی کی بھلائی کے ناطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقصد کے لیے یہ انقلاب برپا کیا ہمیں اپنے کردار کو اس سانچے میں ڈھالنا ہے، ان کی رضا کے لیے کہ ان کی رضا ہی خدا کی رضا ہے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیاراتِ خاص:

جو کچھ ہمیں ان سے ملا اس کو اپنی زندگی بنائیں، ہر سانس ان کا ذکر کرے، دل و

دماغ ان کی خوشبو سے معطر رہیں۔ ہاں یہ کوشش، کہ ان کی حقیقت اور علوئے مرتبت کو جانیں، یہ ممکن نہیں۔ احادیثِ نبوی ﷺ کا ذکر تو سب کرتے ہیں لیکن اس پر غور کوئی کوئی کرتا ہے۔ خداوند قدوس نے، جو مالک و مختارِ کل ہے، اپنے محبوب ﷺ کو جو اختیارات عطا فرمائے کہ شریعت کے احکامات کو، جب آپ ﷺ نے چاہا، اپنی مرضی سے تبدیل کر دیا۔ بڑا سخت جملہ کہہ گیا ہوں: ''اپنی مرضی سے'' لیکن تمام احادیث پر نظر ڈالیے کہ ربّ نے کیسے کیسے اختیارات سے نوازا تو حیرت ہوتی ہے، عقل و خرد کے تمام پیمانے یہاں آ کر برف کی مانند منجمد ہو جاتے ہیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب سے روایت ہے کہ ان کے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ بن نیاز نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لی۔ جب معلوم ہوا یہ کافی نہیں، عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ، وہ تو میں کر چکا، اب میرے پاس چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اُس کی جگہ اِسے کر دو اور ہرگز اس عمر کی بکری اس کے بعد دوسروں کے لیے کافی نہیں ہوگی۔''

اجعل مکانہ ولن یجزی عن احد بعدک۔

(ارشاد الساری شرح بخاری)

یعنی نبیِ کریم ﷺ نے ایک خصوصیت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بخشی جس میں دوسرے کا حصہ نہیں۔ اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ان کے پہلے شوہر جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے سیّدِ عالم ﷺ نے ان سے فرمایا:

تسلّبی ثلثا ثم اصنعی ماشئت۔

''تین دن سنگھار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو۔'' (طبقات ابنِ سعد)

یہاں دیکھیے کہ آپ ﷺ نے اس حکم سے استثناء فرما دیا کہ عورت کو شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے۔

ابن السکن میں ابو نعمان ازدی سے مروی ہے: ایک شخص نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا۔ سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا: اس کا مہر ادا کرو۔ اس شخص نے عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

اما تحسن سورة من القرآن فاصدقها السورة ولا یکون لاحد بعدک مهرا۔

ترجمہ: کیا تجھے قرآن کی کوئی سورۃ نہیں آتی۔ وہ سورۃ سکھانا ہی اس کا مہر کر اور تیرے بعد یہ مہر کسی اور کو کافی نہیں۔

سونا پہننے کی خصوصی اجازت:

ان احادیث کی تعداد کافی ہے، جستجو شرط ہے اور محبت کا جذبہ لازم ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پہ اپنے ربّ کی کیا کیا مہربانیاں ہیں کہ حکمِ شریعت خاص فرما دیا کسی کسی کے لیے اور پھر وہ صرف انھی کے لیے رہا جس کو اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی یہ حکم تھا کہ مرد کو سونا پہننا حرام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ حکمِ خاص بھی تھا کہ جب ایران فتح ہوا تو امیر المومنین سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ بن مالک کو سونے کے کنگن پہنائے، کیوں کہ پیشِ نگاہ ایک حکمِ خاص تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

کیف بک اذا لبست سوار کسریٰ۔

ترجمہ: وہ وقت تیرا کیسا ہوگا جب تجھے کسریٰ (بادشاہ ایران) کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

کیا شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جہاں چاہا اختیار خاص سے شریعت کے طے شدہ امر کو پلک جھپکتے میں تبدیل کر دیا۔ اب تلاش کرتے رہیے، متضاد تاویلات پیش کیجیے مگر حقیقت پھر بھی حجاب میں رہے گی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کا واقعہ بھی ایسا ہی چونکا دینے والا ہے۔ حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کو سونے کی انگشتری اپنے ہاتھ سے پہنائی۔ جب کوئی دریافت کرتا کہ تم سونا کیوں پہنتے ہو تو حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب فرماتے: جسے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پہنایا میں اسے کیسے اتار دوں۔ عربی میں حدیث کا متن طویل ہے، یہاں بھی کسریٰ کے کنگن کی طرح سونے کی انگوٹھی کے استعمال سے حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کو مستثنیٰ قرار دیا۔ کیا کسی نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام کو یہ مقام بلند عطا ہوا؟ یہ تو دیگر امور تھے، آیئے نماز کے معاملے میں دیکھیے۔ احادیثِ مشہورہ میں نمازِ عصر کے بعد (عصر کی نماز ادا کر لینے کے بعد) مغرب کی اذان سے پہلے نماز کی

ممانعت فرمائی۔ اس حکم کی حدیث خود اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بخاری اور صحیح مسلم میں ہے لیکن بایں ہمہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتی تھیں۔

علماء فرماتے ہیں یہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھی کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جائز فرما دیا تھا۔

قاله الامام الجليل خاتم الحفاظ السيوطى فى
انموذج اللبيب ثم الزرقانى فى شرح المواهب

خیمہ زدہ شرع در جنابش
حبل اللہ المتین طنابش (خاقانی)

حبل اللہ المتین کی طنابوں کے ساتھ شریعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خیمہ زن ہے۔

توئی مختار کلِ آفرینش
کہ حق بے علتی کرد اختیارت

(فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ)

خدا سے ہم کلامی پر سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ:

میں صدر العلیٰ کے مضمون کو، جہاں فکرِ انسانی نارسا ہے، علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت پر ختم کرتا ہوں جس میں وہ مکالمۂ الٰہی کے زیرِ عنوان پہلے قرآن کا حوالہ پیش کرتے ہیں:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ
اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝

(سورہ شوریٰ: آیت ۵۱)

ترجمہ: اور کسی بشر کی تاب نہیں کہ خدا اس سے دو بدو کلام کرے لیکن وحی کے ذریعے سے یا پردے کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے جو اس کے

حکم سے، جو کچھ وہ چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے۔

(سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد سویم، ص ۳۲۶)

اتنا سب کچھ ''مکالمۂ الٰہی'' کے ضمن میں تحریر فرما کر پھر یوں بھی لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکالمۂ الٰہی کے ان تینوں مذکورہ بالا طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے بلکہ واقعۂ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا جہاں حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قاصد و پیامبر سرے سے بیگانہ تھے، جہاں زمان و مکاں اور جلوہ و نگاہ کی شرکت بھی مخلِ تنہائی تھی، جہاں نہ کوہ سینا تھا نہ دشتِ ایمن تھا نہ نخلِ وادی۔ صوتِ سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سامع: فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ۔ پھر اس نے اپنے بندے سے چپ چپ باتیں کیں۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اس منظر کو یوں پیش کرتے ہیں:

شنید آں کہ کلامے نے بآواز
معانی در معانی، راز با راز

یعنی اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سنا وہاں آواز کے سہارے نہیں تھے اور گفتگو معانی در معانی تھی جو راز ہی راز تھا۔

ان احادیث کی تعداد میرے اندازے کے مطابق تیس یا پچاس سے زاید ہے۔ آپ کا ذوقِ مطالعہ تلاش کر سکتا ہے۔ البتہ کوئی گمان اختیاراتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرے یا کوئی شبہ میں ڈال دے کہ حکمِ ربی اور مشیتِ الٰہی کے بغیر یا اس کے خلاف یہ کیوں کر ممکن ہے تو اس وسوسے کو آسمانوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دور کر لیجیے، جہاں آیتِ قرآنی نظر آجائے گی: وما ینطق عن الھویٰ اور ایک ہی لمحے میں وہ تمام وسوسے، جو پیدا ہوئے ہوں یا پیدا کیے گئے ہوں، کافور ہو جائیں گے کہ یہ آیت ہر زہر کا تریاق ہے۔

جو احادیث پیش کیں، اور جو تعداد میں کثیر ہونے کے سبب پیش نہ کیں، ان کے معتبر ہونے اور ان کی حقیقت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے، جو اس مضمون

کا آخری حصہ ہیں:

''مشیتِ حقیقیۃ ذاتیۃ مستقلۃ اللہ عزّوجل کے لیے خاص ہے اور مشیتِ عطائیہ تابع لمشیۃ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کو عطا کی ہے۔''

عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول خارج میں متحقق تھی اور وصفِ نبوت بلکہ خاتم النّبیین والے وصف سے موصوف تھی اگرچہ وجودِ عنصری کے لحاظ سے ظہور بعد میں ہوا۔ اور حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے جس میں حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں، علیحدہ علیحدہ، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب سے شرف نبوت کے ساتھ مشرف ہو چکے تھے؟ جواب میں فرمایا صاحبِ لولاک لما نے:

''جب اللہ رب العزت نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کی طرف قصد فرمایا اور ان کو سات طبقات کی صورت میں تخلیق فرمایا اور عرش کو ان سے قبل ایجاد فرمایا تو عرش کے پائے پر محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء لکھا (صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخر الزماں پیغمبر ہیں)۔ اور جنت کو پیدا فرمایا تو میرا نام نامی جنت کے ہر دروازے پر، اس کے درختوں کے پتوں اور اہلِ جنت کے خیموں پر لکھا حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام کی روح وجسم کا باہمی تعلق نہیں ہوا تھا۔ پس جب ان کی روح کو جسم میں داخل فرمایا اور زندگی عطا فرمائی تب انھوں نے عرشِ معظم کی طرف نگاہ اٹھائی تو میرے نام کو عرش پر لکھا دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ یہ تمھاری اولاد کے سردار ہیں۔ جب ان کو شیطان نے دھوکا دیا انھوں نے بارگاہ الٰہی میں توبہ کی اور میرے نام سے ہی شفاعت طلب کی یعنی اس کو وسیلہ بنایا۔''

(ترجمہ حدیث بحوالہ الوفاء باحوالِ مصطفیٰ، ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس سے منقول مرفوع روایات اور علی الخصوص ''ترمذی شریف'' جیسی کتاب سے منقول روایت کی

صحت میں شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنا سوال اور سرورِ عالم ﷺ کا جواب نقل فرمایا۔ اگر ان کے نزدیک حضور ﷺ کا وجود عالمِ عناصر کے ظہور سے قبل نہیں تھا تو صحابہ کرام علیہم السلام کا سوال عبث اور آنحضرت ﷺ کا جواب غلط (نعوذ باللہ من ذالک) ۔تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے نورِ فراست سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جس ذاتِ اقدس نے عالمِ عناصر میں نمو فرما ہونے کے چالیس سال بعد اعلانِ نبوت فرمایا وہ نبی ﷺ نہ اب بنے ہیں اور نہ ہی چالیس سال قبل وجود میں آئے ہیں بلکہ وہ موجود بھی پہلے سے ہیں اور شرفِ نبوت سے مشرف بھی پہلے سے ہیں اور حضور ﷺ نے ان کی تائید اور تصدیق فرما کر اپنے علوئے مرتبت اور اپنی شان ومقام کی وضاحت فرمادی ہے کہ میں اس وقت سے موجود ہوں جب کہ ابو البشر علیہ السلام کا وجود نہیں تھا اور صرف موجود ہی نہیں تھا بلکہ تاجِ نبوت اور خلعتِ رسالت بھی زیبِ تن کیے ہوئے تھا۔

اکثر معترضین اسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ بات اللہ کے علم میں تھی اس وقت جب کہ، عرش ہو یا آدم علیہ السلام، کسی کی تخلیق نہیں ہوئی تھی، جس کا ذکر نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا۔ گویا آپ ﷺ کے وجود نہیں بلکہ آپ ﷺ کے وصف کی خبر رکھتا تھا یعنی علمِ باری میں تھا۔ لیکن یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ اول یہ اس لیے ممکن نہیں کہ علمِ باری تعالیٰ میں صرف حضور رحمت للعالمین ﷺ کی واحد ذات ہی نہیں سارے نبی وصفِ نبوت کے ساتھ ازلاً متصف تھے۔ اس طرح آپ ﷺ کی تخصیص نہیں اور نہ ہی اولیت کی کوئی وجہ اور ثانیاً اس لیے باطل ہے کہ اگر آپ ﷺ کا وصفِ نبوت سے متصف ہونا اس وقت باری تعالیٰ کے علم میں متحقق ہوا جب آدم علیہ السلام کی تخلیق شروع ہو چکی تھی تو اس سے قبل اللہ ربّ العزت کا، العیاذ باللہ، اس علم سے خالی ہونا لازم آئے گا۔ تمام محدثین، ائمہ کرام، محققین، صوفیاء، مشائخ اس پر ہی متفق ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ حضرت ابو البشر علیہ السلام سے بہت پہلے متحقق تھی وصفِ نبوت ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین والے وصف سے موصوف تھی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فاضل بریلوی نے اسی کو اس طرح بیان فرمایا:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

آخری بات یہ کہ حضرت ابوالبشر علیہ السلام نے خود بیان فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں علوئے مرتبت کے موضوع پر بحث چھڑ گئی اور دو گروہ بن گئے۔ بعض حضرت آدم علیہ السلام کو، بعض ملائکہ کو تمام مخلوق سے زیادہ عزت و کرامت کا مالک مانتے تھے۔ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی بحث کا ذکر کرنے آئے تو آپ (ابوالبشر علیہ السلام) نے فرمایا:

''جب ربِّ کریم نے میرے اندر روح پھونکی اور وہ ابھی میرے قدموں تک نہیں پہنچی تھی کہ میں اٹھ بیٹھا، عرشِ الٰہی مجھ پر منکشف ہوا۔ میں نے اس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ (لکھا ہوا) دیکھا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مکرم و معظم وہی ذات اقدس ہیں۔''

(امام عبدالرحمٰن ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ اقتباس از الوفاء باحوال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت شاعر لکھنوی مرحوم نے فرمایا تھا:

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے شان سب سے الگ

رحل پر جیسے قرآن سب سے الگ

انبیائے کرام علیہم السلام میں باعتبار مراتب و فضائل سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند درجات و مراتب کی مثال اس شعر میں بہترین پیش کی گئی ہے۔ آیئے ''صدر العلیٰ'' کی روشنی میں اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ لفظ طائرانہ اس لیے کہا ہے کہ تفصیل میں اگر جائیں تو موضوع کی طوالت ایک مکمل کتاب کی متقاضی ہوگی۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء قرار دیا تو اس کا سبب یہی ہے کہ جمیع الانبیاء علیہم السلام کے خصائص اور شرف ذات والاصفات میں موجود تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا جس

طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو معراج کی شب سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔
دوئم فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا تو یہاں اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ سے مشرف فرمایا۔ وہاں فرشتوں نے صرف ایک بار آدم علیہ السلام کی تعظیم کی یہاں قیامت تک ملائکہ درود وسلام بھیجتے رہیں گے۔ یعنی فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا واقعہ ختم ہو چکا، یہاں فرشتوں کا عمل مسلسل جاری ہے اور جاری رہے گا۔

حضرت ادریس علیہ السلام اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے لیے فرمایا:

وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا۔ ہم نے ان کو بلند مقام کی رفعت بخشی۔ اور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قَابَ قَوْسَیْنِ اور پھر اَوْ اَدْنٰی ۔ یہ قرب کسی کو نہیں ملا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو برس تبلیغ کی اور بمشکل ایک سو آدمی سے کم ایمان لائے، باقی نے انکار کر دیا جب کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت نوح علیہ السلام کے مقابل صرف تیئیس برس تبلیغ کے لیے ملے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا اس کی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے پوری قوم کے لیے بد دعا کی اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے برعکس دعائے خیر فرمائی، حتیٰ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: جب تک اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان ہے وہ عذاب نازل نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور آگ سے نجات کا شرف عطا کیا۔ ابونعیم وابنِ ماجہ نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو میری منزل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منزل جنت میں آمنے سامنے ہے۔"

ایک اور روایت ہے، ابونعیم نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے پانچ دن پہلے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمھارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنایا ہے۔''

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ نہیں کئی واقعات ہیں جہاں آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے تحریر کر چکا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی دعوت میں جس رومال سے طعام کے بعد اپنے دستِ مبارک صاف کیے وہ رومال دھویا نہیں جاتا تھا بلکہ اگر وہ میلا ہو جاتا تو صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے آگ میں ڈال دیتے اور وہ میل کچیل سے صاف ہو جاتا اور آگ اس رومال کو جلاتی نہ تھی۔

حضرت یوشع علیہ السلام اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت یوشع علیہ السلام جب قوم جبارین سے جنگ کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں آفتاب غروب ہونے سے روک دیا۔ جب حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ کی نمازِ عصر فوت ہوئی تو حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ڈوبے ہوے سورج کو واپس لایا گیا۔

حضرت داوٗد علیہ السلام اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت داوٗد علیہ السلام کو پہاڑوں کی تسبیح کا معجزہ دیا گیا جب کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کنکریاں بول اٹھتیں اور کلمۂ طیّبہ سناتیں۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کو پرندوں کی تسخیر کا معجزہ دیا تو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حیوانات کی تسخیر کا معجزہ عطا ہوا۔ اگر وہاں فولاد کے نرم ہو جانے کا معجزہ دیا تو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں اور چٹانوں کے نرم ہو جانے کا معجزہ دیا۔ خیال رہے کہ فولاد کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ آگ کی گرمی سے پگھل جاتا ہے جب کہ پتھر کسی آگ سے پگھل نہیں سکتا۔ پتھروں کے مختلف مواقع پر پگھل جانے کے واقعات کے لیے معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیجیے جن میں کئی واقعات تفصیل سے دیے گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یحیٰی بن زکریا علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزات اور ان تمام کا شرف و اعزاز حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ نے عطا فرمایا جن میں سے بطورِ حوالہ چند بیان کر دیے۔

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل کے خمیر میں تھے۔ جو میثاق انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے لی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقدم تھے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟) تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے "بلیٰ" فرمایا۔ تمام کائنات کی تخلیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف عرش، آسمانوں، جنتوں اور تمام چیزوں پر لکھا ہوا تھا جو عالمِ ملکوت و سماوات میں ہیں، اور فرشتے ہر گھڑی جس کا ذکر کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں اذانوں میں لیا جاتا رہا، اور ملکوت اعلیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عہد لیا، اور کتبِ سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بشارتیں دی گئیں، اور یہ کہ اسمائے الٰہی میں سے ستر اسماء کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف رکھا گیا، اور یہ کہ عقل میں تمام انسانوں سے فائق تھے، اور یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن و جمال دیا گیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام وکمال حسن و جمال عطا ہوا۔ ان تمام فضایل کا بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث میں ذکر کیا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کی جاتی ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ تمام معجزات و فضایل، جو جدا جدا ہر نبی علیہ السلام کو دیے گئے، وہ سب کے سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی علیہ السلام میں وہ مجتمع نہیں، اسی لیے مصنف **درود تاج** نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "صدر العلیٰ" کا انتخاب کیا۔

اس اوج تک نہ جائے گی پستی شعور کی
بالا ہے ہر خیال سے ہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (ادیب)

درود تاج میں جو اوصاف وکمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان ہوے ہیں اور اس فقیر نے اس کی شرح میں جو کچھ بھی سپردِ قلم کیا حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ان تمام سے اس درجہ بلند و بالا ہے کہ اس کا بیان ممکن نہیں۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں محدثین و مفکرینِ اسلام کے چند اقوال پیش خدمت ہیں۔ **درود تاج** کے الفاظ جن اوصاف کا

آئینہ ہیں انھیں اپنی ناقص عقل کی کوششوں سے غبار آلود کرنے والوں کے لیے یہ اقوال ورقِ ایمان وعقاید کا ذریعہ ہیں۔

ومن وصفه صلی الله علیه و آله وسلم فانما وصفه علی سبیل التمثیل والافلا یعلم حقیقة وصفه الاالخالقه ۔

ترجمہ: جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کیے ہیں بطور تمثیل ہی کیے ہیں ورنہ ان کی حقیقت سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

امام ابراہیم بیجوری رحمۃ اللہ علیہ

(المواہب اللدنیہ علی شمائل المحمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ،ص ۱۹۰)

کانت صفاته صلی الله علیه و آله وسلم الظاهرة لاتدرک حقائقها۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ظاہرہ کے حقایق کا بھی ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

امام برہان الدین الحلبی رحمۃ اللہ علیہ

(انسان العیون جلد سویم ،ص ۴۳۴)

هذه التشبیهات الواردة فی حقه علیه الصلوٰة والسلام انما هی علی سبیل التقریب والتمثیل والا فذاته اعلیٰ۔

ترجمہ: اسلاف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تذکرہ کیا ہے یہ بطور تمثیل ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ومقام ان سے کہیں بالاتر ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ

(المواہب اللدنیہ جلد اول ،ص ۲۴۹)

''مرا در تکلم در احوال وصفاتِ ذاتِ شریفِ وے وتحقیقِ آں حرجے تمام است کہ آں متشابہ ترین متشابہات است نزد من کہ تاویلِ آں ہیچ کس جز خدا نداند وہر کسے ہر چہ گوید بر قدر و اندازہ فہم ودانش گوید واو صلی اللہ علیہ وسلم از فہم و

دانشِ تمام عالم برتر است۔ او برتر است کہ آید بخیال۔ او را چناں کہ است بجز خدا کہ نشناسد چنانکہ خدا و چنانکہ باید جزوے کسے نشناخت۔''

ترجمہ: مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محاسن پر گفتگو کرتے وقت ہمیشہ ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے کیونکہ میرے نزدیک وہ ایسے اہم ترین متشابہات سے ہیں کہ ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے اس نے اپنے فہم و دانش کے مطابق کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمام عالم کی فہم و دانش سے بالاتر ہے۔ وہ اس قدر بلند ہے کہ خیال میں آ ہی نہیں سکتی بلکہ وہاں حالت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ربّ کی حقیقی معرفت کسی کو نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سے کماحقہ سوائے ربّ کے کوئی واقف نہیں۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شرح فتوح الغیب، ص ۳۴۰)

محدثین و مفسرین اور ائمۂ اسلام کے بے شمار اقوالِ زریں سے یہ چند مستند حوالے پیش کیے۔

اردو نثر و نظم پر تنقید کرنے والے نقادانِ عصرِ حاضر کے لیے بھی ان اقوال میں رہنمائی ہے جو غیر نعتیہ ادب اور نعتیہ ادب کے اس فرق سے واقفیت کے بغیر نعتیہ اشعار پر تنقید فرماتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک نازک بلکہ نازک ترین مسئلۂ تنقید ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش میں ''نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید'' کے عنوان سے، انشاء اللہ، اس نا چیز کا مقالہ شایع ہو کر منظرِ عام پر آنے والا ہے۔

نُورِ الھُدیٰ

قبائے نور ہدایت جو شب پہ ڈال گئے
یہ داستانِ مسلماں درودتاج میں ہے

نُورِ الْھُدیٰ

ہدایتِ بندگانِ خدا اور انبیائے کرام علیہم السلام:

ہادی اسے کہتے ہیں جس کا منصب جلیلہ ہدایتِ بندگانِ خدا ہو۔ تمام ہی انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں میں اپنے اپنے عہد میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ ان انبیاء علیہم السلام کے واقعات قرآنِ کریم میں، کوئی واقعہ تفصیل سے اور کوئی اختصار سے، بیان ہوئے ہیں۔ وحیِ الٰہی کے ذریعے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں بتایا جا رہا ہے گزشتہ امتوں کا احوال، ان کی بد اعمالیاں، پھر ان کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام و رسل علیہم السلام کا بھیجا جانا، اس کے باوجود ان کی نافرمانیاں اور آخرِ کار خداوندِ ذوالجلال کا پُر جلال فیصلہ، عذاب کے ذریعے ان نافرمانوں کی آبادیوں کو نیست و نابود کر دینا جن میں یہ بصد فخر و غرور، پیکرِ تکبر بن کر اپنے اپنے ہادیانِ برحق کو جھٹلاتے، ان کا مذاق اڑاتے، ان کی توہین کرتے اور یہ سمجھتے کہ ان کی پکڑ کرنے والا کوئی نہیں۔ قرآنی آیات کے ذریعے حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی تاریخ سنا رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ لوگ نافرمانی کر رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں یہ تمام واقعات دہرائیں تا کہ ان واقعات کو سن کر جو لوگ ہدایت کو قبول کر لیں وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں، بت پرستی سے منہ موڑ کر معبودِ حقیقی کے آگے سربسجود ہو جائیں۔

سابقہ اُمم کے واقعات مورخین نے جس طرح بھی لکھے ہوں لیکن ان واقعات کی صداقت جتنی قرآن سے ملتی ہے وہ کسی اور ذریعے سے نہیں، یعنی کسی مورخ کے کسی قول کو جھٹلا دیں لیکن قرآن میں بیان کردہ واقعات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ جنھوں نے ان واقعات کی تکذیب کی انھیں صرف ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت آدم علیہ السلام،

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات، دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کا عبرتناک انجام قرآنِ پاک میں مخصوص انداز میں بیان ہوا ہے۔

بخشا گدائے راہ کو تُو نے شکوہ قیصری:

مکہ اور اس کی پیاسی زمین ایک عرصے سے اپنی گمراہ قوم کے لیے ایک سچے ہادی کی منتظر تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد اس خطے میں ایک زمانے سے کوئی ہادی نہیں بھیجا گیا تھا اس لیے یہاں گمراہی، بے راہ روی اور بت پرستی نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔ ابرِ بارانِ رحمت کے نہ برسنے سے عزّ و شرف کی کھیتیاں خشک ہو گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی نجات کا سامان اس طرح فرمایا کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ ہدایت کا پودا ایسی سنگلاخ زمین میں لگانا آسان نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہدایت کے فرائض کی ادائیگی میں جتنے مصایب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھیلنے پڑے، جتنے کٹھن اور دشوار راستوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنا پڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی علیہ السلام نہیں گزرا۔

تیئیس سال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل کے اندھوں کو ہدایت کا نور عطا کیا، بدوؤں کو جہانگیری کا سبق پڑھایا، عزّ و شرف کا تاج پہنا کر متمدن اقوام سے آگے بڑھا دیا۔ صدیوں سے بے آب و گیاہ زمین اس طرح سیراب ہو گئی کہ اس زمین سے رحمت و کرم، محبت و انصاف اور احسان کے چشمے پھوٹے۔ اسی منظر کو ایک شاعر کس طرح بیان کرتا ہے:

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بتانِ آذری
چھین لیں تو نے مجلسِ شرک و خودی سے گرمیاں
ڈال دی تو نے پیکرِ لات و ہبل میں تھرتھری

تیرے قدم پہ جَبہہ سا روم و عجم کی نخوتیں
تیرے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خود سری
تیرے کرم نے ڈال دی طرحِ خلوصِ بندگی
تیرے کرم نے بند کی رسم و رہ ستم گری
تیرے سخن سے دب گئے لاف و گزاف کفر کے
تیرے نفس سے بجھ گئی آتشِ سحرِ سامری

اور پھر تیئیس سالہ انقلاب کا جو حسین نتیجہ نکلا اس پر کہتا ہے:

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری
بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر، رشکِ خضر بنا دیا
راہزنوں کو دی ندا، بن گئے شمعِ رہبری
سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغِ حق رس
پگھلا ہوا تھا کس قدر تیرا دلِ پیمبری (جوشؔ)

اب تک ہدیٰ کی بات ہوئی، اس کا پہلا جزو نور ہے۔

نور انسان کے اندر بھی اور باہر بھی ہے:

نور کے معنی روشنی کے ہیں، یہ انسان کے باہر بھی ہے اور اندر بھی۔ اگر یہ روشنی باہر ہو، اندر نہ ہو تو اس باہر کی روشنی سے زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ یاد رکھیں زندگی گزارنا اور ہے اور زندگی کا مقصد حاصل کرنا یا اسے پورا کرنا اور ہے۔ ایک انسان وہ ہے جو بصارت سے محروم ہے۔ جہانِ رنگ و بو کی تمام دلربائیوں کا لطف اٹھانے سے محروم ہے۔ ایک بینا انسان اس سے پورا استفادہ کرتا ہے لیکن اگر وہ اندر کی روشنی یعنی بصیرت سے محروم ہے تو وہ اس انسان سے کمتر درجے پر ہے جو اندر سے روشن ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو آنکھ کا نور بخشا تھا جو دنیا کے بدترین ظالم، جابر، قہار، غارت گر، قزاق، لٹیرے، دشمنِ انسانیت اور خود ساختہ خدا بن گئے تھے۔ یہ ظاہری بینائی ان کے کام نہ آئی، اندر کی روشنی نہ ہونے کے سبب ان کو اس محرومی نے انسان ہو کر درندہ، مخلوق میں بھیڑیا اور بے گناہوں میں خداوندِ قہر بنا دیا تھا۔

حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے محسنِ انسانیت کے لقب سے بھی سرفراز ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نورِ ایمان کا پودا لگایا جو اس قدر بار آور ہوا کہ اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آپ اور ہم آج بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ محبت نے بھی اور عام لوگوں نے بھی ''نور الہدیٰ'' کہہ کر پکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو، جو بینائی سے محروم تھے، اپنے لعاب دہن سے بینائی عطا کر دی، گویا اندر کی روشنی کے ساتھ، جو باہر کی روشنی سے محروم تھے، انھیں بینا کر دیا۔

لعاب دہن نے کھویا ہوا نور واپس لا دیا:

سیرت کی کتابوں میں ایسے واقعات کی تعداد بہت ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ جنگ کے میدان میں اپنے جوہر دکھا رہے تھے کہ دشمنِ اسلام کا ایک تیر آ کر لگا اور آنکھ کا ڈھیلا باہر آ گیا۔ صحابی رضی اللہ عنہ اسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن اس ڈھیلے پر لگایا اور اسے اس کی جگہ پر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب میں اس آنکھ سے اتنا صاف اور شفاف دیکھتا ہوں جتنا دوسری آنکھ سے نہیں۔

لفظی مناسبات کے لیے حق اور معنوی اعتبار سے ہدایت کے لیے نور جتنا موزوں ہے کوئی اور لفظ نہیں۔ ظلمت، تاریکی یا اندھیرا، گمراہی اور بھٹک جانے کی علامت بن گیا جب کہ راستہ دکھانے، رہبری کرنے کے لیے نور کے لفظ کا انتخاب اہلِ جہان نے ہی نہیں حق تعالیٰ نے فرمایا، اپنے لیے فرمایا:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)

حتیٰ کہ قرآن میں ایک سورۃ کا نام ہی ''نُور'' ہے۔ یہ وہ نُور ہے جو قلب میں داخل ہوتا ہے تو اسرار و رموز کے پردے اٹھتے جاتے ہیں اور وہ کچھ نظر آتا ہے جو ظاہر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

بابا نانک صاحب اور ہدایت کا نور:

بابا نانک کے قلب میں یہ ہدایت کا نور جب داخل ہوا تو وہ حقیقتِ عبادت کے

اسرار سے آگاہ ہو گئے، پھر یوں فرمایا:

پنج نمازاں ، پنج وقت ، پنجاں پنجے ناؤں
پہلا سچ ، حلال دوجی ، تیجی خیر خدا
چوتھی نیت راس ، پنجویں صفت ثناء
کرنی کلمہ آکھ کے تاں مسلمان سدا
نانک جیتے کوڑیا کوڑے کوڑی پا

ترجمہ: پانچ نمازوں کے پانچ وقت ہیں اور پانچ ہی اس کے نام: اوّل سچ بولنا، دوئم حلال کھانا، سوئم خدا کے نام پر خیرات کرنا، چہارم نیت صاف رکھنا، پنجم خدا کی صفت بیان کرنا۔ نیک اعمال کا کلمہ پڑھ کر انسان مسلمان کہلا سکتا ہے، باقی سب جھوٹ ہے۔

یہ صرف ان کا ظاہری قول ہی نہیں تھا بلکہ جب ان کے قلب میں نور ہدایت داخل ہوا تو، جیسا کہ پہلے عرض کیا، وہ کچھ نظر آنے لگا جو ظاہر میں دیکھا نہیں جاسکتا۔ یہ واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

بابا نانک اپنی منزلیں طے کر رہے تھے، ساتھ ہی وہ نواب دولت خان کی ملازمت میں بھی تھے۔ جیسے جیسے آپ کا حال تبدیل ہوتا گیا آپ دنیا سے بے نیاز ہوتے گئے یہاں تک کہ ایک دن بابا صاحب کے غیر حاضر ہونے پر بلوا بھیجا۔ آپ نے جواب بھجوایا کہ میں اب نواب صاحب کا ملازم نہیں خدا کا ملازم ہوں۔ نواب دولت خان نے بابا صاحب کو پھر خبر بھیجی کہ اگر خدا کا ملازم ہے تو مسجد میں آکر نماز پڑھے۔ بابا صاحب یہ سن کر مسجد میں آگئے۔ نواب صاحب دولت خان اور ان کے ایک رفیق قاضی صاحب نے نماز ادا کی مگر بابا صاحب دیکھتے رہے۔ نواب صاحب نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ تم نے نماز میں شرکت نہیں کی؟ بابا صاحب نے جواب دیا: اے نواب! تیرا دل نماز میں حاضر نہیں تھا، کابل میں گھوڑوں کی خریداری میں مصروف تھا، میں کس طرح نماز میں شامل ہو جاتا؟ نواب صاحب کو اپنی کمزوری کا احساس ہوا مگر بولے: قاضی صاحب کے ساتھ شامل ہو

جاتے؟ بابا صاحب نے فرمایا: ان کی توجہ اس گھوڑی کے بچے کی طرف تھی جسے یہ کھلا چھوڑ آئے تھے اور ان کو نماز میں یہ فکر دامن گیر تھی کہ وہ بچہ کہیں کنویں میں نہ گر جائے۔ دونوں حضرات یہ سن کر حیران رہ گئے۔ جب نور ہدایت قلب سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے تو حجابات دور ہوتے جاتے ہیں۔

بابا صاحب نے ساری زندگی بت پرستی کی مخالفت کی اور واضح الفاظ میں کی۔ بڑے بڑے پنڈتوں نے جب مشہور مندر جگناتھ سوامی کی آرتی اتارنے کے لیے بہت زور لگایا تو بابا صاحب نے فرمایا:

''تمھاری آرتی جھوٹی ہے اور داخلِ بت پرستی ہے۔ یہ چراغ جو تم جلاتے ہو ہوا کے خفیف جھونکے اسے بجھا دیں گے۔''

بابا صاحب نے بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی۔ بغداد شریف گئے، سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر بھی رہے۔ حاکمِ بغداد سے ملاقات ہوئی، اس نے مزار مبارک سے ایک چولا مرحمت کیا۔ یہ چولا اب تک ڈیرہ بابا نانک صاحب میں تبرکاً موجود ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے والے لاکھوں انسانوں نے بابا نانک صاحب کو دیکھا ہوگا، اللہ سے باطنی آنکھ جس کو ملی اسی نے ان کو دیکھا اور پہچانا۔ یہ سارا اعجاز تھا اس ذاتِ مکرم و محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کے لیے اقبال نے کہا:

در جہاں شمعِ حیات افروختی ۔۔۔ بندگاں را خواجگی آموختی

ترجمہ: اے نُور الہدیٰ! آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے حیات کی شمع روشن کی، بندوں کو سکھایا کہ خواجگی کیا ہے۔

سر سیّد علی مشتاق اصفہانی، جن کا سنِ وفات ۱۷۵۸ء ہے، کہتے ہیں:

نُور او را نہ بدایت نہ نہایت باشد
کہ بود نُور خداوندِ جہاں عزّوجل

ترجمہ: ان کے نُور کی نہ ابتداء کا تعین ہے نہ انتہا کا کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس اللہ عزّوجل کے نُور سے ہے۔

کہفِ الورٰی

یہ تیرا سایۂ رحمت ، یہ تیری چترِ پناہ
ملا جنھیں، وہ ہیں شاداں، درود تاج میں ہے

فتح مکّہ کا دن: مظلوموں اور ظالموں سب پر رحمت:

دنیا کی تاریخ یہی بتاتی ہے عہدِ قدیم میں ظالم قومیں اپنے مفتوحہ علاقے کے باشندوں کے ساتھ کیا کرتی رہیں۔ موجودہ عہد میں یعنی گزشتہ نصف صدی قبل دو جنگوں، جنگِ عظیم اوّل اور دوئم، میں جرمنوں اور جاپانیوں نے اور ان کے مخالفین نے اپنے اپنے مفتوحہ علاقوں میں جس بربریت کا مظاہرہ کیا، آج بوسنیا میں جو ہوا یہ ایک روایت ہے جنگی فتوحات کی، لیکن جنگی فتوحات کی تاریخ میں ایسا انقلاب دنیا نے نہ دیکھا ہوگا کہ وہ بہادر جرنیل، وہ مجاہدِ اعظم، وہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّے میں داخل ہوئے تو اسے ایک ایک واقعہ یاد آیا، گھر کے آگے کانٹے بچھانے والے یاد آئے، پیٹھ پر بحالتِ سجدہ اوجھڑی رکھنے والے یاد آئے، طائف میں لہولہان کرنے والے یاد آئے، شعب ابی طالب میں محصور کر دینے اور پتے کھانے پر مجبور کر دینے والے یاد آئے، گلے میں چادر لپیٹ کر شدت سے بل دینے والے یاد آئے، وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور کر دینے والے یاد آئے۔ اِدھر ایک ایک کر کے جو ظلم اٹھائے وہ یاد آئے، حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانے والے یاد آئے اور اُدھر ظالموں کو ایک ایک کر کے اپنے کیے کرتوت یاد آئے۔ لیکن وہ صاحبِ عفو و درگزر، وہ سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّے میں فاتح بن کر داخل ہوئے تو خانۂ کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر فرمایا:

الحمد اللہ الذی صدق وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

''اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی امداد فرمائی اور تمام کافروں کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔''

تاریخِ عالم میں عفو و درگزر کی ایسی کوئی مثال نہیں:

عجیب منظر ہے۔ اِدھر فاتحِ مکّہ سر جھکائے اپنے ربّ کے حضور مصروفِ تشکّر ہیں دوسری جانب ہر وہ ظالم، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء پر ظلم کے پہاڑ توڑے، پیارے رفیقوں اور ساتھیوں کو اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا، سر ندامت سے جھکائے، نا امیدی اور مایوسی کا لباس پہنے اپنی اپنی قضا کا حکم سننے کے لیے مہر بہ لب، لرزتے دل کے ساتھ کھڑا ہے۔ میدانِ حشر کی طرح ان کے اعضاء ان کے جور و ستم کے

گراوہ بن کر حواس پر سوار ہیں۔ وہ رحمتِ تمام، بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا، قبایل کو شیر و شکر کرنے والا مخاطب ہوتا ہے۔ سناٹا چھایا ہوا ہے، آواز گونجتی ہے:

ما تظنّون یا معشر قریش۔ (اے گروہ قریش! تم کیا خیال کرتے ہو تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟) کپکپاتے ہوئے ہونٹ اور لرزتے دل فرمانِ موت کے تصور کو اتنا قریب دیکھ کر فریاد کے لہجے میں کہتے ہیں:

قالوا خیراً اخ کریم وابن اخ کریم وقد قدرت۔

''ہمیں آپ ﷺ سے بھلائی کی امید ہے۔ آپ ﷺ کریم النفس ہیں اور شریف الطبع بھائی کے بیٹے ہیں اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت و اختیار بھی دیا ہے۔''

اس التجا نے رحمت کے تار پر مضراب لگائی اور نغمۂ رحمت پھوٹ پڑا۔ صفتِ رحمت نے الفاظ کا جامہ پہنا اور ارشاد ہوا:

قال وانا اقول کما قال اخی یوسفؑ لا تثریب علیکم الیوم۔

''میں آج تمھارے حق میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لیے صادر کیا تھا: یعنی تم پر آج کوئی گرفت نہیں، جاؤ، تم سب آزاد ہو۔''

کوئی مثال تاریخ میں اس سے بڑھ کر کہفِ الوریٰ (یعنی مخلوق کے لیے جائے پناہ) کی لائی جاسکتی ہے؟

جلال اتنا کہ حسن میں بھی ہو جس سے شانِ نیاز پیدا
جمال ایسا کہ جس کی تابش سے پتھروں میں گداز پیدا
عطوفت اتنی کہ حاسدِ بے ادب کے سارے گناہ بخشے
مروت ایسی کہ دشمنِ جاں طلب کو بھی وہ پناہ بخشے

(تاجور نجیب آبادی)

صفائے قلب، حسودانِ کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر، بداندیش و بدگماں کے لیے

(حالی)

اس لطف و کرم اور تقسیمِ رحمت کا یہ عالم کہ ابوسفیان کو پناہ دی اور فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے آج اس کو بھی پناہ دی۔ اس کا نتیجہ جو نکلا وہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہے۔

شاعر جسے صرف ایک شعر میں یوں کہتا ہے:

محفلِ سفاکی و وحشت کو برہم کر دیا
جس نے خون آشام تلواروں کو مرہم کر دیا

(جوش ملیح آبادی)

ہر شے کو پناہ بخشی:

اس پیکرِ رحمت نے جس کو پناہ دی اس کو صرف پناہ ہی نہ دی عزّ و شرف بھی عطا کیا۔ کہف الورٰی کے معنی "مخلوق کی جائے پناہ"، مخلوق کا دائرہ کس قدر وسیع ہے، یہ بتانا ضروری نہیں۔

حیوانات، نباتات، جمادات سب ہی کے لیے آپ ﷺ جائے پناہ ہوئے۔ فرش و عرش، شجر و حجر، کوہ و دمن، بحر و بر، کیا کچھ اس کی مخلوق میں نہیں۔ زمین کو دیکھیے کہ شرف سجدہ ریزی کی جاء بنا دی۔ خاک کو دیکھیے تیمم کا وسیلہ بنا دیا۔ کوہ و جبل کو دیکھیے زیارت گاہ مومنین۔ کوہ ثبیر، جبلِ نور، جبلِ احد، غارِ ثور اور غارِ حرا جبلِ رحمت بن گئے۔ پرندوں اور جانوروں کا حرم نبوی کی حدود میں شکار منع فرما کر ایک خطے کے جانوروں اور پرندوں کو تحفظ دے دیا۔ استن حنانہ کو منبر شریف کے نیچے دفن کر کے درخت کو احترام و تحفظ بخش دیا۔

اس موضوع پر احادیث کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ صحیحین (بخاری و مسلم)، حضرت انس رضی اللہ عنہ، طحاوی رضی اللہ عنہ، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زید بن عاصم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن وقاص، رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، ابی قتادہ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ، صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ۔

میری اطلاع کے مطابق پندرہ احادیث ایسی ہیں یا سولہ۔ اور اگر ہیں تو میرے مطالعے میں نہیں آئیں۔ میں انھیں سے حوالہ پیش کرتا ہوں۔ آٹھ احادیث وہ ہیں جو اپنی زبان وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی سے سنائیں۔ دیگر آٹھ احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان فرمائیں۔ جو آٹھ حدیثیں صاحبِ قرآن نے بیان فرمائیں ان میں سے پانچ وہ ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جدِّ کریم حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی یہی نسبت ارشاد فرمائی ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینے کے لیے وحی کا نزول ہوا کرتا تھا لیکن یہاں مدینہ منورہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے حرم قرار دیا۔ یہ بھی درجہ بدرجہ دیا۔ یہ بحث گزر چکی ہے، انبیاء علیہم السلام کا حصہ اوروں سے زاید ہے اور سردارِ انبیاء علیہم السلام کا حصہ وہ ہے جس کی خبر کسی کو نہیں۔

پہلے وہ حدیث جس میں اپنے جدِّ اعلیٰ کی نسبت شامل ہے (ایسی احادیث پانچ ہیں میں یہاں صرف ایک پیش کرتا ہوں)۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی:

اللّٰھم ان ابراھیم حرّم مکّہ وانی احرّم مابین لابتیھا۔

ترجمہ: الٰہی! بیشک ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ معظمہ کو حرم کر دیا اور "میں" دونوں سنگستانِ مدینہ طیبہ کے درمیان جو کچھ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔

(بخاری و مسلم احمد والطحاوی فی شرح معانی الآثار عن انس رضی اللہ عنہ)

اب دوسری حدیث (یہ تین ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے، ان میں سے ایک پیشِ خدمت ہے):

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی احرّم مابین لابتی المدینة ان یقطع عضاھھا اویقتل صیدھا۔

ترجمہ: بے شک "میں" حرم بناتا ہوں دو سنگلاخِ مدینہ کے درمیان کو کہ اس کی ببولیں نہ کاٹی جائیں اور اس کا شکار نہ مارا جائے۔

(مسلم واحمد الطحاوی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

اب وہ حدیثِ مبارکہ جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حرم کر دینے سے مدینہ منورہ حرم ہو گیا۔ صحیحین میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حرّم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم مابين لابتى المدينة وجعل اثنى عشر ميلاً حول المدينة حمى۔

ترجمہ: تمام مدینہ طیبہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرم کر دیا اور اس کے آس پاس بارہ میل تک سبزہ و درخت کو لوگوں کے تصرف سے اپنی حمایت میں لے لیا۔

(بخاری ومسلم واحمد وعبد الرزاق فی مصنفہ ابن جریر)

ایک شبہے کا ازالہ بھی کرتا چلوں، یعنی اگر مدینہ منورہ میں درخت یا اس کی شاخوں کی ممانعت فرمائی تو بکریوں کے لیے غذا کا انتظام کیوں کر ہو گا؟ چنانچہ ایک اور حدیث مبارکہ میں ان مقاصد کے لیے اس حکم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وہ احادیث ان سولہ احادیث میں شامل ہیں۔

ان احادیثِ مبارکہ میں آپ غور فرمائیں: پتھروں کو امان دی، جبلِ ثور اور جبل رحمت، جبلِ احد اور غار حرا کو نہ صرف انسانوں کی مادی ضروریات کے لیے شکست و ریخت کے عمل سے پناہ دی بلکہ انھیں وہ مقام عزّ و شرف بخشا کہ قیامت تک اس کی زیارت اہلِ محبت کے لیے سلسلۂ تسکینِ جاں بن گیا۔ آپ نے کھجور کے درخت کا حال بھی پڑھا ہو گا جو مسجدِ نبوی ﷺ میں نیا منبر تعمیر ہو کر اللہ کے محبوب ﷺ سے جدائی پر اتنا زار و قطار رویا کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آواز گریہ کو سنا۔ پھر اس درخت کو، جس کا نام حنانہ تھا، نئے منبر کے نیچے دفن کیا گیا۔ تاریخِ اسلام میں انسانوں کی طرح کسی درخت کی تدفین کا کوئی واقعہ دوسرا ہے؟ یہ منزل عشق ہے۔ حضور پُر نور ﷺ، سرورِ کشورِ رسالت ﷺ، صاحبِ لولاک لما ﷺ کے عشق میں جو گرفتار ہوا اسے کیا کیا مراتب عطا ہوئے، یہ اس کی ادنیٰ مثال ہے۔ یہ وہ اسرار ہیں جو عشق کی خود آگاہی سے کھلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اور غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات

اور ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ و اویس رضی اللہ عنہ کے درجات اور ہیں۔ چیونٹی حضرت سلیمان علیہ السلام سے گفتگو بھی کر لیتی ہے اور دور سے ان کا جواب بھی سن لیتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام تو پیغمبر تھے مگر وہ چیونٹی کیا تھی جسے حق نے یہ مقام عطا کر دیا؟ عقل بلاشبہ نور ہے لیکن ہر حجاب عقل سے نہیں اٹھتا اسے عشق اٹھاتا ہے۔ معین الکاشفی اپنی تصنیف ''معارج النبوت صلی اللہ علیہ وسلم'' میں اس مکڑی سے سوال کرتے ہیں جس نے غار ثور میں جالا بنا تھا:

عنکبوتِ زار را گفتم کہ ایں پردہ چہ بود
گفت: مہمانِ عزیز آمد چو کردم دَر سفید

ترجمہ: یعنی مکڑی سے میں نے دریافت کیا کہ غار ثور پر یہ پردہ کس لیے ڈالا تو اس نے جواب میں کہا کہ جان سے زیادہ عزیز مہمان آج تشریف فرما ہوئے تو اس خوشی میں دَر کی سپیدی کی ہے۔

مِصبَاحِ الظُّلَمِ

وہ معصیت کے شبستاں میں نیکیوں کا چراغ
وہ نورِ پاکیِ داماں ، درودِ تاج میں ہے

مِصباحُ الظُّلَمِ

(اندھیروں کے واسطے چراغ)

اندھیروں میں وہ قندیلِ ہدایت بن کے آئے تھے
وہ سوکھی کھیتیوں پر ابرِ رحمت بن کے آئے تھے

لفظ مِصباح کی لغوی بحث:

مِصباح عربی کا لفظ ہے جس کے معنی چراغ کے ہیں۔ علمِ نحو کی ایک کتاب کا نام بھی ہے اور محاورۃً وہ جام جس میں شراب نوش کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ بڑی شان سے آیا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو، اس میں ایک چراغ ہو۔''

اس آیت کے بعد دوسری مرتبہ تفصیل میں آیا ہے (سابقہ آیت سے تسلسل ہے)

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ۔ وہ چراغ شیشے (کے ایک فانوس) میں ہے۔''

(سورہ نور: آیت ۳۵)

وہ چیز جو بصورت قندیل بنائیں اسے زجاج کہتے ہیں۔ فانوس اس کی درست مثال ہے۔ یہی لفظ اگر تشدید کے ساتھ آئے زجاج تو یہی اسم فاعل بن جاتا ہے، یعنی شیشہ بنانے والا اور زجاجہ کے معنی ہیں قندیل کے۔ قرآنِ کریم کا بیان بیشتر تمثیلی ہے: کہیں وہ شش جہات بیان کرتا ہے، کہیں مشرق و مغرب کا حوالہ دیتا ہے، کہیں وہ قرب پانے والوں کے

ہاتھ اور پاؤں بن جانے کی مثال دیتا ہے۔ جن کے لیے قرآن نازل ہوا (جن کی ہدایت کے لیے یعنی اہلِ دنیا) ان کا عالم، اجسام کا عالم ہے، یہاں تمثیل کے بغیر کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے؟ بتانا یہ مقصود ہے کہ چراغ کے حوالے سے روشنی کو سمجھنا عالمِ اجسام میں رہنے والوں کے لیے دشوار نہیں۔ سورہ نور کا مکمل مطالعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح نور کا بیان کیا ہے جسے مفسّرین نے بہتر سمجھا اور بہتر سمجھایا۔

مصنف درود تاج کا کمالِ انتخابِ الفاظ:

مصنف درود تاج کی بزرگی اور عظمت ہے، کمالِ علم ہے بلکہ کمالِ معرفت بھی ہے جس لفظ کا وہ انتخاب کرتے ہیں وہ اپنے اندر ان صفات کا احاطہ ہی نہیں کرتا، اس کی معنویت کے ساتھ اس کی صورت بھی حسین ہو کر سامنے آتی ہے۔ آپ اگر گلاب کی خوشبو ہاتھ کی پشت پر لگائیں یا روئی کا پھاہا خوشبو میں تر کرلیں اور اس کی بجائے گلاب کا پھول کسی کو دیں، خوشبو دونوں کی ایک ہی ہوگی لیکن دونوں کا فرق نمایاں ہوگا۔ ایک قوتِ شامہ کی کفیل ہوگی تو دوسری سے گلاب کی حسین صورت کا یہی پہلو نمایاں ہے۔ چراغ اگرچہ تمثیل کے لیے آیا ہے لیکن، ہم اور آپ جس چراغ کو استعمال کرتے ہیں اس پر ''مصباح'' کو محمول نہ کیا جائے۔ ہمارے گھروں کا چراغ (جب چراغ کا زمانہ تھا) اشیاء کو اندھیروں سے نکال کر جس دم اجالوں میں لاتا ہے تو اس کا دوہرا عمل ہوتا ہے، یعنی اشیاء جو تاریکی میں گم تھیں وہ ظہور میں آجاتی ہیں، اپنی خبر دیتی ہیں، اپنا چہرہ دکھاتی ہیں لیکن اس شے کا سایہ، جو پہلے اندھیروں میں گم تھا، شے کے ساتھ وہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ایک سمت چراغ ہوتا ہے تو دوسری سمت اشیاء۔ جن کے انھی حصوں پر روشنی پڑتی ہے جو چراغ کے مقابل ہیں۔ پھر انھی اشیاء کا سایہ دوسری جانب پڑتا ہے۔ اللہ کا یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا چراغ ہے کہ جب وہ اپنا نور اندھیروں پر ڈالتا ہے تو سایے کا وجود کہیں باقی نہیں رہتا اور سب سے بڑا کمال اس چراغ کا یہ ہے کہ جس شے کو وہ اپنے نور سے روشن کر دیتا ہے وہاں سے ہٹ جانے کے بعد بھی وہ شے روشن ہی رہتی ہے اور سایے کو اپنے نزدیک آنے نہیں دیتی۔

بول بالا کر دیا:

جب ظلمتِ اوہام میں ساری کائنات ڈوب چکی تھی، مقامِ بشریت کے پیروں میں

حرص و ہوس کی زنجیر پڑی ہوئی تھی، صداقت و ایمان بے آبرو کیے جا رہے تھے، اخلاق و شرافت کا سر شرم سے سرنگوں تھا، یہ جہانِ رنگ و بو تیرگی کا ایک ہیولا بن گیا تھا، برگزیدہ لوگ سر بریدہ کر دیے جاتے تھے، جو آقا بن گئے وہ صاحبِ عزّ و شرف، جو غلامی کی قید میں آ گئے وہ ظلم و جور کا ہدف، بیٹیاں ذلت کا سبب بن کر قبر کی تاریکی میں زندہ اتار دی جاتیں، ایسے جبر و ظلم کے بھیانک ماحول میں وہ نورِ ہدایت بن کر تشریف فرما ہوئے۔ پہلے تو ان کے لیے حیرانی کا سبب ہوا، پوری قبایلی قوت کے ساتھ اس چراغ کو بجھانے کے درپے ہو گئے۔ لیکن وہ اپنے عزایم میں ناکام ہو گئے۔ اس ناصر و منصور کو شکست دینا، محرم منزل کو راستے سے ہٹانا، جس کی شوکت سے قصرِ کسریٰ متزلزل ہو گیا اسے ارادوں سے باز رکھنا ان کے اختیار میں نہ رہا۔ بت خانوں میں شور الاماں ہوا اور ظلمتِ کفر چھٹتی چلی گئی، مقصودِ کائنات نے مقصدِ حیات حاصل کر لیا، ابلیس کی فوج میں کہرام مچ گیا اور آخر تمام قبایل شیر و شکر ہو گئے، مفاسد زیر و زبر ہو گئے اور اس طرح وہ چراغ نور زینتِ محلِ حیات بن گیا۔ اسی موقعے پر مولانا ظفر علی خاں نے کہا:

جیت گئے اسلام کے غازی، ہار گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس منظر کو ایک اور انداز سے پیش کرتے ہیں:

دیکھتے ہی ترا جلال، کفر کی صف الٹ گئی
جھک گئی گردنِ ہبل، ٹوٹ گیا طلسمِ لات

ظلمتِ کفر کو جس طرح چراغ نور نے سرزمینِ مکہ سے کافور کی طرح اڑا دیا اور چاروں طرف نورِ حق سے اجالے بانٹ دیے جوشؔ اسے مخصوص انداز میں کہتا ہے اور اسی پر ختم کرتا ہوں:

خسروِ خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دور دور
دل کھلے، شاخیں بنیں، شبنم اڑی، چھایا سرور

آسماں روشن ہوا ، کانپی زمیں پر موجِ نور
پو پھٹی ، دریا بہے ، سنکی ہوا ، چہکے طیور
نورِ حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا
کس ادا سے پرچمِ اسلام لہرانے لگا

جَمِیلِ الشِّیَم

طلوعِ مہر تھی سیرت سیاہیِ شب میں
گنہ کے گھر ہوے ویراں، درود تاج میں ہے

جمیلُ الشّیَم

(نیک اطوار کے مالک)

زمیں پہ ٹھیرا ہے ماوائے شاہ عرش نشیں
رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لیے (حالیؔ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اطوار بے مثل نمونہ تھے:

کیا خوبصورت لقب ہے: پہلا جمیل ہے دوسرا شیم، دونوں مل کر کتنے مترنم ہو گئے ہیں اور شاہ بوریا مسند، مقصودِ ہر دو عالم کے لیے اشارہ بن کر ان لفظوں کو معراجِ معنیٰ نصیب ہوئی۔

خدا جانے خود اس سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مرتبہ ہوگا
غلام بارگہ جس کے کہیں : ''ما اعظم شانی'' (اقبال سہیل)

کسی کے اطوار و عادات کا جب ذکر آجائے تو یقیناً اس ہستی ہی کے اطوار کا جائزہ لیا جانا چاہیے لیکن مؤرخین کا دستور یہ رہا ہے کہ وہ اس کے خاندانی حالات کا بھی جائزہ لیا کرتے ہیں۔ اس کی پرورش گاہ سے آگہی، اس کے اجداد کی فضیلت کو بھی شاملِ تحقیق کیا جاتا ہے۔ علم و ادب کی دنیا میں یہی دستور چلا آرہا ہے۔ ہم بھی اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے آغاز کرتے ہیں۔ دل یہی چاہتا ہے کہ ہر ہر سطر قشقۂ نور ہو اور ہر ہر لفظ لعلِ یمانی ہو جسے پڑھ کر یوں کہیں:

نگاہیں جذب کر لی ہیں بہار عارضِ گل نے
رگ گل کی حقیقت آج ہم نے جا کے پہچانی (اقبال سہیل)

اب یہ احوال کسی بشر کا نہیں خیر البشر کا ہے، افضل البشر کا ہے، صرف انسان کا نہیں محسنِ انسانیت کا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ سلسلہِ

نسب کی بات اس کی یوں ہے، حاکم نے اپنی صحیح روایت میں بیان کیا ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی، اسم مبارک عرش پر لکھا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی فضیلت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پہلی خطاء پر اللہ تعالیٰ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی تو وہ قبول ہوگئی۔ یہ واقعہ تاریخ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری فضیلت۔ اگر چہ یہ بھی خاندانی نسب ہی ہے مگر عجیب بات ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالآدم ہیں، ابوالبشر ہیں لیکن خیر البشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نسب خود بیان فرمایا:

''میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ عبداللہ کا بیٹا اور عبدالمطلب کا پوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا، عرب میں بنایا۔ پھر عرب میں قبیلے کئی ہیں، مجھ کو سب سے اچھے قبیلے یعنی قریش میں پیدا کیا۔ پھر قریش میں کئی خاندان ہیں اور مجھ کو سب سے اچھے خاندان میں یعنی بنی ہاشم میں پیدا کیا۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں۔'' (حضرت عباس رضی اللہ عنہ)

شروع دفترِ امکاں میں بسم اللہ کے بدلے
قلم نے نام لکھا لوح پر پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
فلک، طاؤس کی صورت جواب تک رقص کرتا ہے
کبھی دیکھا تھا جلوہ ابرو وگیسوئے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا (امیر مینائی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور طبرانی کے اقوال:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، بدکاری سے نہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک سفاحِ جاہلیت کا کوئی لوث مجھ کو نہیں پہنچا۔ پس میرے نسب میں اس کا کوئی میل نہیں ہے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے نکل کر اپنے اجداد کے لیے فرمایا: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے: "میرے بزرگوں میں سے کبھی مرد وعورت بطور سفاح کے نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو ہمیشہ اصلابِ (صلب کی جمع) طیبہ سے ارحام طاہرہ کی طرف مصفّٰی ومہذب کر کے منتقل کرتا رہا۔"

شرف حاصل ہوا آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو اس سے
نے تنہا فخرِ عالم، فخر تھا اپنے اب و جدّ کا (شہیدیؔ)

طبرانی کا قول: حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی:
میں تمام مشارق ومغارب میں پھرا۔ سو میں نے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور نہ کوئی خاندانِ بنو ہاشم سے افضل دیکھا۔

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
بہتر از عالم و آدم علیہ السلام تو چہ عالی نسبی (جان محمد قدسیؔ رحمۃ اللہ علیہ)

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی حفاظت خدا نے کی:

جس ہستی کے اوصاف شرافت، اخلاق حسنہ، محبت، شفقت، جود وسخا، عفو و درگزر، شجاعت، بہادری، صلہ رحمی، اطاعتِ خداوندی، عدل، انصاف، تسلیم ورضا، صبر وقناعت، دستگیری، فریادرسی، ایثار اور تمام اعلیٰ بشری خوبیوں کے مالک ہونے کا شرف ہو اس کا خاندانی پس منظر کتنا شاندار ہوگا! جب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خالقِ کون و مکاں کا تصور کیجیے تو وہ صاحبِ قدرت، مالک ومختار پل پل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے، قدم قدم وہی حفاظت کر رہا ہے، ہر عیب سے بچا رہا ہے اور خوبی سے آراستہ کر رہا ہے۔ لولاک لما، افضل البشر، افضل الانبیاء، امام الانبیاء، صاحبِ معراج، شافعِ محشر، صاحبِ مقام محمود، صاحبِ لواء الحمد، خاتم النّبیین جیسے خطابات عطا فرما رہا ہے پھر طرّہ سخن گفتنی میں خود کہہ رہا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم گھر ہو کہ باہر، بازار ہو کہ گلیاں، مسجد ہو کہ درس گاہ (اصحابِ صفہ کا چبوترہ اسلام کی پہلی یونیورسٹی)، لین دین، تجارت، فیصلے، امداد، امانت، عبادات، الغرض جو بھی عمل سرزد ہو رہا ہے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ نگرانی بھی ہو رہی ہے، قدم قدم پر رہبری بھی مل رہی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ نیک اطوار تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی اور تھا ہی نہیں۔

آپ ﷺ کے اطوار پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نبی ﷺ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے خانوادے سے ہیں اور خاندان کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ لوئی بن غالب کی نسل میں سب سے بڑے اور شریف گھرانے کے فرزند ہیں۔ اس درجہ نیک اطوار کہ خون کے پیاسوں کو معاف کر دے اور قاتلوں کو امان کی ہمیشگی دے دے، سائل کو کبھی واپس خالی نہ جانے دے۔

در رسول ﷺ پر ایسا کبھی نہیں دیکھا
کوئی سوال کرے اور وہ عطا نہ کرے (ادیب)

بداندیش کے لیے بھی دعائے خیر کرے، قوم سرکش کی ہلاکت میں تاخیر کرے، کینہ خواہوں اور حاسدوں کے لیے صفائے قلب کا مظاہرہ کرے۔ اس کے عدل کا یہ عالم کہ جس کی میزانِ عدالت میں وقارِ تاجِ شہی ہو یا غبارِ مسکنت دونوں برابر ہیں، جس نے آ کر تفریق انسانی مٹا دی۔

تم نے دیکھا ہے، بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا (جگر مرادآبادی)

نیک اطوار اور حسنِ سلوک کا رخ اس طرح بھی دیکھیے:

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا
جب تو نے کیا، نیک سلوک ان سے کیا ہے
صدمہ دُر دنداں کو ترے جن سے ہے پہنچا
کی ان کے لیے تو نے بھلائی کی دعا ہے
کی تو نے خطاء عفو ہے ان کینہ کشوں کی
کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے
جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری
منقول انھیں سے تری پھر مدح و ثناء ہے
برتاؤ ترے جب کہ یہ اعداء سے ہیں تیرے
اعداء سے، غلاموں کو، کچھ امید سوا ہے (حالیؔ)

شَفِيعُ الاُمَمِ

تمام نبیوں (علیہم السلام) کی امت کے واسطے وہ شفیع صلی اللہ علیہ وسلم
تمام نبیوں (علیہم السلام) پہ احساں ، درود تاج میں ہے

شَفِیعُ الاُمَم

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست　　جملہ عالم بندگان وخواجہ اوست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر لقب کی لاج رکھی:

نقطۂ سرّ وحدت، سرِ غیبِ ہدایت، ماہ لاہوت خلوت، قاسم کنزِ نعمت، جامع الحسنات، ارفع الدرجات، اکمل البرکات، مہرِ رسالت، مہرِ جلالت، شافعِ محشر، ہادی ورہبر، رحمتِ عالم، شفیع المرسلین، داورِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم۔

ارض وسما میں آیہ رحمت، روز جزاء میں سایہ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
جتنے فضایل جتنے محاسن، ممکن میں ہوسکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب اس میں فراہم، صلی اللہ علیہ وسلم　　(اقبال سہیل)

اس مادی دنیا میں یا مادہ پرستی کی دنیا میں یہ دستور ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے نام پر فخر کرتا ہے اور اس کی لاج رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کسی کو سخی کا خطاب ہے تو اس خطاب کی لاج بخل سے نہیں سخاوت سے رکھے گا، بہادر کا لقب پانے والا بزدلی سے نہیں شجاعت کے ذریعے لاج رکھے گا، الغرض ہر کوئی اپنے نام کی لاج رکھتا ہے پھر جس میں جتنی شرافت ہو، جتنے بلند کردار کا حامل ہو اسی شان کے ساتھ وہ اپنے نام کی لاج رکھتا ہے۔

اقبال سہیل نے چوتھے مصرعہ میں بیان کیا کہ تمام فضایل اور تمام محاسن، ممکن میں جتنے تھے ممکن، سارے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردیے بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو القاب ''رحمت للعالمین'' اور ''شفیعِ محشر'' صرف اپنی ہی امت کے لیے نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے ہیں کیونکہ عالمین اس کی دلیل ہے۔ اب جن کے اتنے اوصاف

اور جتنے ان کے نام، تاریخ کا ایک ایک ورق اس کا گواہ ہے کہ ہر ہر لقب کی لاج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح رکھی کہ دنیا کہتی ہے نام کی لاج یوں رکھتے ہیں۔ اپنی حیاتِ ظاہر میں وہ اپنے تمام القاب کی لاج رکھ چکے اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ فلاں لقب کی لاج رہ گئی یعنی رکھی نہ گئی۔ لیکن محشر کا دن ابھی آیا نہیں ہے، شفیع المذنبین، داورِ محشر، شافعِ روزِ جزاء، صاحبِ لواء الحمد، صاحبِ مقامِ محمود کے نام اور القاب کی لاج کس شان سے رکھیں گے، اس پر ہم اہلِ ایمان کو یقینِ کامل ہے۔ بڑا عجیب نکتہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی امت ہو یا موسیٰ علیہ السلام کی، ابراہیم علیہ السلام کی امت ہو یا یوسف علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کی، جب ان تمام امتوں کی شفاعت کریں گے، جو نہ ان کے عہد میں تھے نہ جن سے واسطہ رہا، تو جو ان کی اپنی امت ہے، جن کے لیے روزِ پیدائش سے پردہ فرمانے تک ایک ہی دعا مانگتے، امتی امتی کہتے کہتے دعا میں تھکتے نہیں یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے انھیں اپنی امت کے حق میں حریص تک فرمایا۔ ہر نبی علیہ السلام کو ایک مخصوص دعا کی اجازت دی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا کی۔ تمام نبیوں نے اس کا فائدہ اس جہان میں اٹھالیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کو روزِ قیامت کے لیے اٹھا رکھا۔ اللہ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ یہ وہی آیت ہے جس کے لیے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''ہم اہلِ بیت کے لیے سب سے بڑی خوشخبری اس آیت میں ہے۔''

قرآنِ کریم میں شفاعت کے لیے بار بار ایک بات آئی ہے کہ اس روز ہم کسی کی سفارش قبول نہیں کریں گے۔ یہ بحث تفصیل سے آئندہ اوراق میں آرہی ہے جس پر سر سید احمد خان نے دعویٰ کیا کہ روزِ محشر کوئی شفاعت کسی کی قبول نہ ہوگی۔ اس بحث کو ہم یہاں دہرانا نہیں چاہتے، ''شفیع المذنبین'' کی بحث میں دیکھیے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے جن آیتوں میں سفارش کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے تو کیا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو یہ حق دے گا، یعنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے؟

کہا خدا نے : شفاعت کی بات محشر میں
مرا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کرے، کوئی دوسرا نہ کرے (ادیبؔ)

لہٰذا وہ تمام وعدے شفاعت کے جو قرآن میں اللہ نے کیے:

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (سورہ یونس) اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سورہ سباء) اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ (الزخرف) اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى (سورہ النجم) مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً (سورہ نساء) اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (سورہ مریم) يَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (سورہ طٰہٰ) اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (سورۃ الانبیاء)۔

ایک ایک وعدہ پورا کرے گا۔ کیا خوب کسی نے کہا: مجموعۂ کرم کے شیرازے کو اس وقت تک ترتیب نہ دے گا جب تک اپنے محبوب ﷺ کے پیارے نام کو اس کا افسرِ فہرست نہ کر دے۔ مشہورِ زمانہ شاعر عرفی کہتا ہے:

تا نام ترا افسرِ فہرست نہ کردند
شیرازہ مجموعہ نہ بستند کرم را

ان ﷺ کی رحمت نے کسی کو مایوس نہیں کیا:

حضور رحمتِ دو جہاں ﷺ نے ان موحدین کو بھی بخشش کا سہارا دیا ہے جو آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اپنے دامن کو کفر و شرک سے بچا کر رکھتے تھے۔ حاتم، جس کی سخاوت کے چرچے عام ہیں، اس کی بیٹی جب کفار و مشرکین کے گروہ میں گرفتار ہو کر آئی تو آپ ﷺ نے رحمت کا دروازہ اس پر کھول دیا اور اس لیے اس پر کرم فرمایا کہ اس میں ایک رشتہ باپ کے سبب نیکی اور شعائرِ اسلام کا تھا۔ تو جس روز لوائے حمد اسی مقصد کے لیے ان کے دستِ عطا میں دیا جائے گا تو وہی لوائے حمد ہو گا جو آفتاب حشر کی تمازت سے پناہ دے گا۔

از گرمیِ زبانۂ خورشیدِ آتشیں
روز جزاء پناہ لوائے محمد ﷺ است

(قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام امتیں اس بارگاہ میں پیش ہوں گی جو تاجدارِ اقلیمِ دو عالم ہے، جو گلزارِ نبوت کا گلِ تازہ ہے، سالارِ صفِ انبیاء ہے، جو اولادِ آدم علیہ السلام میں ہر اعتبار سے سب سے افضل کہ ہر آدم کا سایہ اور یہ بے سایہ سائباں رحمتِ دو

جہاں۔ امیر مینائی نے کیا خوب کہا:

آدم علیہ السلام میں ہے ممدود، احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا، یاں سایہ نہ تھا قد کا

واقعے کے ظہور میں آنے سے پہلے تاریخ لکھ دی گئی:

صاحبِ درود تاج نے قاسمِ کنزِ رحمت کا لقب شفیع الامم اسی تاریخ کے بیان میں رکھا جو یوم شفاعت کی تاریخ ہے اور دنیا کی تواریخ میں پہلی اور عجیب تاریخ ہے کہ واقعے کے ظہور میں آنے کے بعد مؤرخ تاریخ لکھتا ہے یہاں تاریخ پہلے تحریر میں آچکی واقعہ حشر کے دن ظہور میں آئے گا۔ ہاں لوح پر قلم نے ضرور لکھا ہوگا لیکن اس تحریر کو اہلِ معرفت ہی پڑھ سکتے ہیں اہلِ دنیا میں ہر کس و ناکس نہیں۔ اس تاریخ کا ایک انوکھا پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں ظہور میں آنے والے واقعات کا پیشگی بیان اس خطیب نے دیا جس کی خطابت سن کر منبروں کو وجد آجاتا اور مجلسیں جھوم اٹھتیں۔ جب وہ کسی کو پناہ دیتا تو پناہ لینے والا کہتا: یہ بیت اللہ ہیں، جس میں کوئی خطرہ نہیں۔ وارث زمزم اور ساقیِ کوثر نے جو تاریخ بیان کر دی اس کے ایک ایک لفظ کی تصدیق آیاتِ ربانی کے ذریعے خالقِ کائنات نے فرمائی۔ اس کی تصدیق آیاتِ ربانی نے اس لیے کی کہ اعتراض کرنے والوں کی کمی نہیں۔ شفاعت کے مسئلے پر تو بہت ہی اعتراض کیا گیا اس لیے قرآن میں بار بار اس کی تصدیق کی جاتی ورنہ سیّدِ عالم، شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا اتنا معتبر اور اس درجہ مستند ہے کہ اسے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں، ضرورت ان پر ایمان کی ہے۔ واقعہ معراج پر پہلی تصدیق سیّدنا صدیقِ اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کی اور ان کی ہر ہر بات کی تصدیق صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سا ایمان رکھنے والے کرتے رہے اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

سنا رہے ہیں وہ حال سارا، ہے روزِ محشر جو ہونے والا
ورق ورق پر لگا رہا ہے جو مہرِ تصدیق حق تعالیٰ
اسی کے ہاتھوں میں ہوگا پرچم، اسی کے سایے میں ہوں گے سب ہم
وہاں بھی رکھے گا لاج سب کی، جہاں میں جس نے ہمیں سنبھالا (ادیب)

صَاحِبِ الْجُودِ وَالْکَرَمِ

کرم کی ان کے نہ حد ہے نہ انتہا کوئی
وہ جانِ رحمتِ رحمٰں، درود تاج میں ہے

صَاحِبِ الْجُودِ وَالْكَرَمِ

عربوں میں فطری جذبہ سخاوت:

رحمتِ عالم ﷺ نے جس معاشرے میں ہوش سنبھالا وہ کفر کی جہالت اور شرک کے غلبے کے ایک خاص وصف کا حامل معاشرہ تھا۔ جس پر عربوں کو ناز تھا وہ ان کی سخاوت کا پہلو تھا۔ وہ ایسے مہمان نواز تھے کہ اپنے مہمان کے لیے قیمتی شے کو وقعت نہیں دیتے تھے، ایک روایت پیش کرتا ہوں:

''عصرِ جاہلیت کی عربوں کی تاریخ ایک عریاں گردن ہے جس میں ان کا وصفِ مہمان نوازی اور سخاوت اس کا زیور ہیں۔''

یہاں سخاوت اپنے سخی پر ناز کرتی ہے:

ایک سخی وہ ہے جو جذبہ سخاوت پر ناز کرتا ہے کہ اس کی سخاوت نے اہلِ جہاں میں اسے عزت بخشی، شہرت دی، مرتبہ دیا، وقار بلند ہوا اور ایک سخاوت وہ ہے جو اپنے سخی پر ناز کرتی ہے کہ اس کے اندر جود و کرم نے سخاوت کے معیار کو گردِ فرش سے اٹھا کر زینتِ چرخ و عرش بنا دیا، اسے وہ عز و شرف عطا ہوا کہ وہ اعلیٰ صفاتِ نبی میں شمار ہوئی۔ سلاطینِ زمانہ اور تاجدارانِ جہاں ان کے در پر گدا بن کر جاتے ہیں۔ وہ بادشاہ، جس کے دربار میں اس کے درباری اس لیے اس کا قصیدہ پیش کرتے ہیں کہ اس کی سخاوت کو ابھار کر انعام و اکرام سے اپنی جھولیاں بھریں، جو کسی بھی خوشی کے موقعے پر شہر بھر کے لوگوں یعنی اپنی رعایا کو انعام و اکرام عطا کرے کیا وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے گا خواہ کوئی اس شاہ سے بڑا شاہ ہی کیوں نہ ہو؟ لیکن یہ کیسا دربار ہے کہ وہ سلاطین زمانہ، جن کے ساتھ وزراء و امراء کا ایک قافلہ

ساتھ ساتھ چلتا ہے، آگے پیچھے مصاحب حلقہ بنا کر چلتے ہیں، جب وہ اس دربار میں آتا ہے تو ایک فقیرِ بے نواء کی طرح۔ آنسوؤں سے چہرہ تر ہوتا ہے، گردن احترام سے خم ہوتی ہے، نگاہیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں، ہاتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جاہ و جلال کا پیکر اس دم عجز و نیاز کی تصویر بن جاتا ہے اس لیے کہ اسے یقین ہے یہاں سے کوئی نامراد نہیں گیا۔

جو غنی ہیں شہر بھر کے، وہ گدا ہیں ان کے در کے
کہ کرم کا ان کے ہاتھوں میں نظام آگیا ہے (ادیب)

انسان اپنی بشری قوت اور روئے زمین پر اپنے مالکانہ حقوق اور مال و زر کی استعداد پر سخاوت کا مظاہرہ کرتا ہے، جہاں مالکِ کون و مکاں نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے خزانوں کی کنجی عطا کر دی ہو، ان کی عطا اور ان کے جود و کرم سے کسی کا کیا موازنہ، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کنجی تمھیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے
محبوب ﷺ کیا، مالک و مختار بنایا

حدیث: سخاوت کے خزانوں کی کنجی میرے پاس ہے۔

یہ صرف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جو شعر کہتے وہ ترازو میں تول کر کہتے اور ان کا ترازو حدیث و قرآن تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اوتیت مفاتیح کل شیئی۔ (مجھے ہر چیز کی کنجیاں دے دی گئی ہیں)۔
(مسند احمد، طبرانی، خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۱۹۵)

عربی لفظ مفاتیح ہے جو جمع ہے مفتاح کا اور مفاتیح کے واضح معنی کنجیاں ہیں۔ اردو زبان میں قفل بمعنی تالا اور اسے کھولنے کا ذریعہ کنجی ہے۔ تالا اور کنجی خزانوں کے لیے ہی آتا ہے اور یہاں بھی انھیں معنوں میں آیا ہے۔ یہ قول نبی ﷺ ہے، اسے کون جھٹلا سکتا ہے؟ اس قول کے مصدقہ معنی یہی ہیں کہ وہ جب چاہیں، جسے چاہیں، جتنا چاہیں اور جتنی بار چاہیں قدرت کے خزانے سے عطا کر دیں۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں میں تصرف کرنے والے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض ۔

ترجمہ: بے شک مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں۔

(بخاری جلد دوئم، ص ۵۵۸، ص ۹۷۵۔ مسلم شریف جلد دوئم، ص ۲۵۰)

بخاری ومسلم ہی کی ایک اور حدیث دیکھیے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوتیت خزائن الارض من فوضع فی یدی ۔

ترجمہ: مجھے زمین کے تمام خزانے دیے گئے ہیں اور وہ میرے ہاتھ میں رکھ دیے گئے ہیں۔

جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے محبت کرتے ہیں وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت پر چلتے ہیں اور جنھیں یہ دولت نہیں ملی ان کے دل میں ہر بات کھٹکتی ہے اس لیے شبہے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک شبہے کا ازالہ کردوں۔ اب تک صرف تین حدیثوں کا حوالہ دیا گیا۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ہر حدیث کے الفاظ ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں، ایک کیوں نہیں؟ لیکن معترض اس پر غور کرے کہ تینوں احادیث کے راوی مختلف ہیں، اگر راوی ایک ہوتا تو اعتراض بجا ہوتا کہ الفاظ حدیث میں یہ فرق کیوں ہے اور پھر شبہ یقین کی جگہ لے لیتا کہ پہلی حدیث حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر سے مذکور ہے، دوسری حدیث حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت ان سے نہیں فرمایا ورنہ روایت میں جدا جدا کر کے تنہا نام نہ آتے۔ یہ تو اختیارات کی بات ہے۔ اس کی مثال بھی پیش کریں گے کہ ان کنجیوں کے ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا دیا جو کوئی اور نہیں دے سکتا اور سخاوت کی تربیت کے لیے ایسا بھی کیا کہ پاس کچھ نہیں، سایل آگیا۔ اب سایل کو "لا" بھی نہیں کہنا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا" صرف کلمہ طیب میں ہی کہا ہے پھر تمام عمر کسی سے اس کے سوال پر "لا" نہیں فرمایا۔ بات آگے بڑھ جاتی ہے، اگر ایسا مقام آگیا کہ "نعم" بھی نہیں کہنا ہے اور "لا" بھی نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف فرمایا اور وحی کا انتظار کیا ہے۔ اب سایل کو لا بھی نہیں کہنا ہے اور اس وقت دینے کے لیے کچھ پاس

نہیں ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ تم قرض میں مجھے کچھ دو تا کہ سایل کا سوال پورا ہو جائے۔ جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم منتظر رہتے کہ ہم سے کوئی خدمت لی جائے، اس طرح سایل کو عطا کرنے میں ثواب کا حق دار ایک اور ہو جاتا۔

ایک اعتراض اور جواب:

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جب خزانہ قدرت کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں تو کیا کمی تھی، کیوں نہ اس سایل کو ان خزانوں سے نکال کر کچھ دے دیا تو اب اس کا جواب سن لیجیے۔ اگر وہ اشارہ کرتے تو ملایک آسمان سے خوانِ نعمت لے کر اتر آتے، ایک سایل ہی کیا مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تمام جاں نثار فیض یاب ہو جاتے، پھر اس کی مثال گزشتہ اوراق میں گزری، امِ معبد کی بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا۔ اس سوکھے تھن والی بکری کے اس لمحے اتنا دودھ آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے والے ساتھیوں نے سیر ہو کر پیا، اس کے بعد امِ معبد کے گھر کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ ایک نہیں ایسے کئی واقعات ہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ دکھایا ہے۔

سخاوت کے ذریعے تالیفِ قلوب اور تزکیہ نفس کی تربیت:

اب یہ سوال کہ یہاں معجزہ پھر کیوں نہ دکھایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی تربیت بھی کرنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخاوت سے بے حد محبت تھی اور سخاوت کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تاکید فرمائی۔ بخل سے اور بخیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفرت تھی کہ بخیل وہی ہوتا ہے جس کو مال و زر سے محبت ہو جاتی ہے اور جس کو مال و زر سے محبت ہو جائے اس کے دل سے اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نکل جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہِ کار کا مطلب ہی یہ تھا کہ مسلمانوں میں سخاوت کا جذبہ میری اتباع کے سبب عام ہو جائے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کرتے صرف معجزہ ہی دکھاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد لوگ سخاوت کے بارے میں یہ کہہ کر اپنی جان آزاد کر لیتے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ان کو اللہ نے معجزہ دیا تھا، ہم گنہ گار امتی ہیں اس لیے سخاوت کا مظاہرہ ہمارے لیے ممکن نہیں۔ تالیفِ قلوب اور کیا ہے، تزکیہِ نفس کسے کہتے ہیں؟ سخاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تالیفِ قلوب کے لیے بھی کرتے اور تزکیہِ نفس کے لیے بھی، اب کہاں وہ بشری تقاضوں میں کرتے اور

کہاں اعجاز نبوت کا مظاہرہ فرماتے یہ سوال کرنے والے آپ اور ہم کون؟ دوئم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی کسی اور بات پر فخر نہیں فرمایا، اپنے خاندانی مراتب جہاں شمار کرائے (گزشتہ اوراق میں احادیث گزری ہیں) وہاں بھی فخر کا لفظ نہیں فرمایا لیکن جب مقام فقر کی بات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنے فخر کو بیان فرمایا۔ فقر کیا ہے اور اس پر فخر کیوں فرمایا؟ آئندہ تفصیل سے محبّ الفقراء کے زیرِ عنوان تفصیلی بحث دیکھیے گا۔ علامہ اقبال نے مقام فقر کو پیرِ رومی رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت سمجھا بھی اور بیان بھی خوب فرمایا۔ فقر کی منزل کیا ہے؟ یہ وہ مضمون ہے کہ اولیائے کرام، صوفیاء و مشائخ بالخصوص حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر خوب کھل کر بیان فرمایا۔ تالیفِ قلوب تبلیغِ دین کا حصہ ہے اور اس کی بنیادی اہمیت ہے۔ آج اس پر اس انداز سے نہ غور ہے نہ عمل، جس انداز سے ''مولف القلوب'' نے تعلیم فرمائی۔

کسی مسافر کو، جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو، غریب الوطن ہو، مہمان بنانا؛ پڑوسی کی خبر رکھنا، اگر ضرورت ہے تو مدد کرنا؛ تعلیم کے خواہاں نادار طلباء کو پروان چڑھانے میں مالی تعاون کرنا؛ بیماروں کی دوا اور ان کے علاج کا بندوبست کرنا؛ بے شمار ضروریاتِ انسانی ہیں، صاحبانِ خیر و صاحبانِ ثروت نے بغیر کسی اشتہار بازی کے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انجام دیں لیکن ہو یہ رہا ہے کہ رضائے حق سے منہ موڑ کر خیرات، زکوٰۃ، چندے، سیاسی اغراض اور نام و نمود کا ذریعہ بنا دی گئیں۔

تالیفِ قلوب کا سبق آموز واقعہ:

(۱)

تالیفِ قلوب کے زیرِ عنوان سخاوت کا ایک ایسا واقعہ سپردِ قلم کر رہا ہوں جو اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے؛ جو سبق آموز بھی ہے، درد انگیز بھی؛ جو ذہن کو شعور اسلامی دیتا ہے اور دل میں گداز پیدا کرتا ہے؛ جسے پڑھ کر آنسوؤں کو روکنا مژگانِ چشم کے اختیار میں نہیں۔

''یہ وہ زمانہ ہے جب اسلام باوجود مخالفت کے تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مسلمانوں نے طائف کے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے۔ محاصرہ طویل ہو گیا ہے جہاں فتوحات قدم چوم رہی ہیں۔ مالِ غنیمت بھی ہاتھ آ رہا ہے جس کی تقسیم اتنا آسان عمل نہیں ہے۔ ایک طرف مہاجرین ہیں جو ہجرت کی صعوبتیں اٹھا کر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ کے ساتھ آئے ہیں تو دوسری جانب انصار

ہیں جنھوں نے مہاجرین کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ اسی محاصرے کے دوران اللہ کے محبوب ﷺ نے خواب دیکھا۔ ایک بڑا پیالہ، جو مکھن سے بھرا ہوا تھا، آپ ﷺ کو ہدیہ پیش کیا گیا۔ اتنے میں ایک مرغ آیا اور اس نے چونچ مار کر پیالے میں سوراخ کر دیا، سارا مکھن بہہ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے رفیقِ غار سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان فرمایا، ابو قحافہ تعبیر دینے کے ماہر تھے، اس کی تعبیر دی کہ طائف اس سال فتح نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے سنا اور فرمایا: میری بھی یہی رائے ہے۔"

(تاریخِ طبری حصہ اول، ص ۴۲۳)

(۲)

"طائف سے روانہ ہو کر ۵ ذی قعدہ ۸ ہجری کو رحمتِ عالم ﷺ جعرانہ میں تشریف لائے۔ یہاں آپ ﷺ نے دس یوم قیام فرمایا اور ہوازن والوں کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے لوگوں، عورتوں اور بچوں کو رہا کرانے آئیں۔ جب کوئی بھی نہ آیا تو مالِ غنیمت کی تقسیم کی خاطر حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو حکم ہوا کہ لوگوں، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کا شمار کرو۔"

(رسالت مآب: ترجمہ روضۃ الاحباب حصہ دوئم، ص ۱۰۰)

(۳)

"زمانۂ جاہلیت میں فاتح قبیلہ مفتوح قبیلے کے مردوں سے جسے چاہتے قتل کر دیتے جسے پسند کرتے غلام بنا لیتے اور خواتین کو اپنے حرم میں لونڈی بنا کر رکھ لیتے اور مال و متاع پر مکمل قبضہ ہوتا۔ مال و متاع ہو یا زمین و مکانات، باغات اور فصل وغیرہ۔"

"ایک دن نماز ظہر سے فارغ ہو کر صاحبِ جود و سخاوت، رحمتِ عالم ﷺ نے حکم فرمایا کہ اہلِ ہوازن میں سے جو لوگ طائف میں مسلمان ہوئے اور لشکر میں ساتھ ہیں ان کی عورتیں اور مال واپس کر دو۔ ہوازن کے مسلمان ہونے والوں کے لیے دعائے خیر فرمائی اور نہ ہونے والوں کے لیے ہدایت کی دعا مانگی۔"

(البدایہ والنہایہ، ابنِ کثیر جلد چہارم، ص ۷۵۹)

اس فیاضی اور سخاوت کا مقصد تالیفِ قلوب تھا کہ ہوازن کے لوگوں ہی کو نہیں بلکہ

ان کے ذریعے دوسروں پر بھی یہ حقیقت نمایاں طور پر واضح ہو جائے کہ اسلام وہ دین ہے جس کی پیروی کرنے والے مال و متاع کے لیے جنگ نہیں کرتے بلکہ فاتح بن کر مفتوح قوم اور قبیلے سے ایسا سلوک کرتے ہیں جس کی نہ اُس عہد میں کوئی مثال تھی نہ آج ہمارے عہد میں کوئی مثال ہے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ:

''اس موقعے پر لوگوں نے اصرار کیا کہ ہمارا مالِ غنیمت ہم میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے تو سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ایک جھاڑی میں الجھ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میری چادر تو مجھے دے دو۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کے برابر اونٹ ہوتے تو بھی تقسیم کر دیتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ کے پاس آئے، اس کی کوہان کے بال مٹھی میں لے کر فرمایا: اس میں میرا صرف پانچواں حصہ ہے، وہ بھی میں تم کو دیتا ہوں۔''

(تاریخِ طبری حصہ اول، ص ۴۲۷)

جو لوگ فتحِ مکّہ کے موقعے پر آئے، دائرہ اسلام میں پناہ لی ان کے قلوب میں ایمان اتنا راسخ نہیں تھا جیسا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قدم قدم ناقابلِ برداشت اذیتیں اٹھائیں لیکن دامنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہے۔ یہاں تالیفِ قلوب کی ضرورت سے جتنا اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم واقف تھا دوسرا نہ تھا۔ تالیفِ قلوب کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مالِ خمس میں سے) نومسلموں اور معاہد کو حسبِ ذیل عطیات دیے:

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ	۱۰۰ اونٹ
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان	۱۰۰ اونٹ
حضرت یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان	۱۰۰ اونٹ
حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام	۲۰۰ اونٹ
حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو	۱۰۰ اونٹ

حضرت حویطب رضی اللہ عنہ بن عبد العزیٰ ۱۰۰ اونٹ

حضرت نضیر رضی اللہ عنہ بن کلدہ ۱۰۰ اونٹ

حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن عدی ۱۰۰ اونٹ

غیر مکی نو مسلم سرداروں میں عکرہ رضی اللہ عنہ بن حابس (بنی تمیم) ۱۰۰ اونٹ

عینیہ رضی اللہ عنہ بن حصن (بنی فزارہ) ۱۰۰ اونٹ

(سیرۃ النبی، شبلی نعمانی حصہ اول، ص ۵۶۱، مطبوعہ ناشرانِ قرآن لمیٹڈ)

یہ بات صرف بھیڑوں، بکریوں یا اونٹوں تک محدود نہیں تھی بلکہ سونا اور چاندی، جو آج کل دنیائے معیشت میں زرِ ضمانت ہے اور دنیا کے معاشی نظام کے استحکام کا بنیادی حصہ ہے، تقسیم میں یہ بھی شامل تھا۔ ابنِ قیم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں:

"نقدی (چاندی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جمع تھی، ایسے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب آئے اور عرض کیا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب نے عرض کیا: کیا مجھے اس مال میں سے کچھ عطا نہیں ہوگا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دے دو۔ عرض کیا: میرے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو بھی کچھ حصہ عطا ہو۔ ان کے لیے بھی اسی قدر عطا کا حکم ہوا پھر انھوں نے اپنے دوسرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی درخواست کی، انھیں بھی اسی قدر عطا ہوا۔"

(زاد المعاد، ابنِ قیم حصہ دوئم، ص ۳۲۲)

سخاوت عربوں کا ایک خاصہ تھا، زمانہ جاہلیت میں بھی عرب سخاوت کو پسند کرتے اور وجہ شرف سمجھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و سخا کی ان دور اندیشیوں اور مصلحتوں کو چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ اسلام میں نئے داخل ہونے والے سمجھ نہ پائے اور اعتراض کر بیٹھے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سینے خالی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک افسوس ناک واقعہ:

اب میں صحیح مسلم کی وہ روایت پیش کرتا ہوں جو حلقۂ چشم کو اشکوں کی جھیل بنا دیتا ہے:

''مال غنیمت سے یہ بخشش وعطا بعض لوگوں کی سمجھ سے باہر تھی، خصوصاً قریش سے یہ فیاضانہ سلوک بعض نوجوان انصار کو گراں گزرا۔ ناخوشی میں کسی نے کہہ دیا کہ عطا کا موقع آیا تو ہمیں پوچھا تک نہیں، نازک وقت پڑا تھا تو سب سے پہلی پکار ہماری تھی۔ ابھی تو ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے، مصیبت کے وقت ہم اور غنیمت کے وقت اپنی قوم۔''
(صحیح مسلم مع شرح نووی جلد ۳، ص ۷ ۳ تا ص ۷۵)

انصار میں جب یہ چرچا بڑھنے لگا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے ان کے احساسات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمھارا اپنا کیا خیال ہے؟

ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں بھی انھیں کا ایک فرد ہوں۔ ارشاد ہوا: ''اچھا تمام انصار اور صرف انصار ایک جگہ جمع کرو۔ ایک بڑے چمڑے کے خیمے میں سب جمع ہو گئے (عجیب دلدوز منظر تھا: جس نے کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی بخشی، دوزخ کے عذاب سے بچا کر جنت کا حقدار بنا دیا اس کریم النفس، اس مہربانِ خلق کے قلب پر ان جملوں کے نشتروں نے جو کام کیا ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر ملال کی کیفیت پیدا ہو گئی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیمے میں تشریف لائے، فرمایا: کیا تم میں کوئی غیر ہے؟ عرض کیا: نہیں، مگر ہماری بہن کا لڑکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہن کا لڑکا قوم میں داخل ہے۔

ہر طرف خاموشی اور سکوت ہے، نگاہیں چہرہ اقدس پر جمی ہیں۔ ایک طرف وہ تمام انصار جمع ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا شاندار استقبال کیا اور مواخات میں اپنے گھر اور مال سب کچھ دے دیا، جو ممکن تھا تقسیم کر دیا؛ میدان کا وقت آیا تو پیش پیش بھی رہے، ان کی شمشیریں اس محبت کی گواہ تھیں لیکن زبان اعتراض کے کلمات ادا کر گئی اور اللہ کے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو کبھی اپنے حبیب کو ملول دیکھنا پسند نہ کرتا، دلجوئی کی وحی نازل فرماتا رہتا، وہی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ نشترِ اعتراض کا زخم لیے سب کے روبرو جلوہ گر ہے۔

آواز آئی: اے گروہِ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمھاری طرف سے پہنچی؟

ان کے (انصار کے) بزرگ اور ذی عقل افراد نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تو کچھ نہیں کہا البتہ چند نوجوانوں کے یہ احساسات ہیں۔ اب خطاب ہوا: اے گروہِ

انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے اور اللہ نے میرے ذریعے تمھیں راہ ہدایت نہیں دکھائی؟ جواب دیا: بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے۔ فرمایا: کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ تھے؟ اللہ نے میرے سبب تمھارے دلوں میں الفت پیدا نہیں کی؟ جواب دیا: یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا احسان ہے۔ فرمایا: کیا تم مفلس و نادار نہ تھے، اللہ نے میری وجہ سے تمھیں غنی اور مالدار نہیں بنایا؟

اب ایک ساتھ سب نے کہا: بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا احسان ہے۔ فرمایا: تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ عرض کیا: ہم اس کا جواب کیا دیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہی اس کا جواب ہے۔

پھر اچانک آپ کے لہجے میں تیزی آگئی۔ سوالوں کا سلسلہ منقطع کر دیا اور دل ہلانے والے کلمات ادا ہونے لگے۔

قلبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت اس خطاب میں چھلک پڑی، جسے سن کر اعتراض کرنے والوں کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔

"اے انصار کے لوگو تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ تُو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس آیا تھا تو ایسی حالت میں آیا تھا کہ لوگوں نے تجھے جھٹلایا تھا۔ ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم چاہو، اے انصار، تو کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، ہم نے تیرا ہاتھ پکڑا، مدد دی۔ تم کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تجھے گھر سے نکال دیا تھا ہم نے تجھے گھر دیا، پناہ دی۔ اے انصار کے لوگو تم کہہ سکتے ہو کہ تُو مفلس تھا ہم نے تجھے مال دیا، آسودگی دی۔ اگر تم یہ کہو تو تمھاری بات سچ مانی جائے گی، اس کی تصدیق کی جائے گی۔"

انصار کے بوڑھوں کی داڑھیاں اشکوں سے تر ہوگئیں اور جوانوں کے چہرے مغموم ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

"اے انصار کے لوگو! کیا تم متاعِ دنیا کے لیے رنجیدہ و ناخوش ہو؟ میں نے تو نومسلموں کو اسلام پر جمانے کے لیے ان کی دلداری کی۔ تمھارا اسلام تو

حصار میں ہے۔ قریش نے ابھی ابھی جاہلیت کو چھوڑا ہے، ایک بڑی مصیبت سے ان لوگوں نے نجات پائی ہے۔ میں نے چاہا کہ ان کی دلجوئی اور فریادرسی کروں۔"

پھر آپ ﷺ نے سوالیہ انداز میں فرمایا:

"کیا تم اس سے خوش نہیں کہ لوگ اونٹ، بکریاں اور چوپائے سمیٹ کر لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول (ﷺ) کو لے جاؤ۔ خدا کی قسم! تم جو لے کر اپنے گھر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر گھر جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اگر ہجرت کا رتبہ بڑا نہ ہوتا تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سب لوگ میدان کی ایک راہ لیں اور انصار ایک گھاٹی کو اختیار کریں تو میں انصار کے ساتھ چلنا پسند کروں گا۔
اے انصار! تم میرا "شعار" (استر: جو کپڑے کے نیچے اور بدن سے ملی ہوئی تہ ہوتی ہے) ہو اور دوسرے "دثار" (ابری: استر کے اوپر لباس کا بیرونی حصہ) ہیں۔ تم میرے بعد اپنے مقابلے میں دوسروں کی ترجیح کو دیکھو گے تو صبر کرنا، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پہ مجھ سے ملاقات ہو۔"

(صحیح بخاری جلد دوئم، ص ۶۴۷۔ حدیث نمبر ۱۴۶۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں یہ اضافہ بھی کیا:

"میں چاہتا ہوں کہ ایک وثیقہ لکھ دوں کہ میرے بعد بحرین تمہارا ملک ہوگا، جو بہترین مملکت ہے، اور جس کی فتح اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مخصوص اور محفوظ رکھی۔" پھر آپ نے دستِ دعا بلند کر کے فرمایا: "اے اللہ! انصار پر رحم فرما۔ ان کے بیٹوں پر رحم فرما۔ ان کے بچوں کے بچوں پر رحم فرما۔"

(مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۴۷۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو بھر نہ آئی ہو، کوئی داڑھی ایسی نہ تھی جو اشکوں سے تر نہ ہوئی ہو، کوئی دامن ایسا نہ تھا جو اشکِ ندامت سے بھیگا نہ ہو۔ گریہ بڑھا تو گریہ پیہم بن گیا، اشک بہے تو ابرِ گہر بار بن گئے، ہچکیاں بڑھیں تو گلے رندھ گئے۔ ہر زبان پر یہی تھا: ہمیں کچھ نہیں چاہیے، ہمیں اس تقسیم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔

صَاحِبُ الجُودِ وَ الکَرَم کے تالیفِ قلوب کا یہ واقعہ سیاہی نے نہیں اشکوں نے تحریر کیا ہوگا۔

وَاللّٰهُ عَاصِمُہٗ

نہ مٹ سکا ، نہ مٹے گا کسی سے نقش ترا
خدا ہے تیرا نگہباں ، درود تاج میں ہے

وَاللّٰہُ عَاصِمُہٗ

قرآن کی نگہبانی اور صاحبِ قرآن کی نگہبانی:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جتنے انبیاء ورسل بھیجے ان کی حفاظت خود فرماتا رہا کیونکہ ان کے بھیجنے کا ایک مقصد تھا: اُس قوم کو ہدایت پہنچانا جن میں وہ بھیجے گئے۔ اس کی مشیت کو وہی جانتا تھا اس لیے جب تک وہ اس قوم میں رہے ان کی حفاظت ہوتی رہی۔ حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو گزری یہ بھی اس کی مشیت ہے جسے اس کے سوا نہ کوئی جانتا ہے نہ بیان کرسکتا ہے۔ قرآنِ کریم اللہ کی وہ پہلی کتاب ہے جس کی حفاظت کا وعدہ اسی قرآنِ کریم میں کیا گیا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورہ الحجر: آیت ۹)

”یقیناً ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

بحیثیت مسلمان کے قرآنِ کریم کی اس آیت پر جو یقین ہے اس کے بعد کسی اور حوالے کی ہرگز ضرورت نہیں لیکن بعض عناصر جو دشمنی اسلام کے ساتھ رکھتے تھے اور رکھتے ہیں ان کی یہ کوشش رہی کہ وہ قرآنِ کریم میں تحریف کو تلاش کریں۔ اس کے باوجود کہ ان لوگوں نے اپنی تمام صلاحیتیں اس مقصد پر صرف کردیں لیکن ان کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکے۔ یہ از خود حفاظتِ قرآن کا ایک ثبوت ہے اور اس کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین کا تو ڑ بھی اہلِ یورپ کی زبان سے کرایا۔ اس کے دو حوالے پیشِ خدمت ہیں:

تحریفِ قرآن کی ہر کوشش ناکام رہی:

”ہم یہ بات پورے یقین کے ساتھ کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ

قرآن کی ہر آیت اور ہر سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک کامل اور مکمل طور پر اپنی اصل اور غیر محرف شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔"

(بحوالہ دیباچہ لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۲۶، سر ولیم میور)

یہ معجزہ قرآن ہے کہ متعصب ذہن رکھنے والے مستشرقین کے چیلنج کا جواب انھیں میں سے ایک حقیقت پسند سے دلوایا، اگر مسلمان جواب دیتا تو شاید اہلِ مغرب اسے تسلیم نہ کرتے۔

ایک اور حوالہ:

"اس بات کی تسلی بخش اور قابلِ اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اِس وقت بھی ٹھیک اُسی صورت میں محفوظ و مامون ہے جس حالت میں اسے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔"

(بحوالہ دیباچہ لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سر ولیم میور)

ایک آخری حوالہ "جادو جو سر چڑھ کر بولے" کا محاورہ دیکھیے:

"یورپ کے جن مصنفین نے اس بات کے معلوم کرنے میں زبردست جدوجہد اور سعی کی ہے کہ کسی طرح قرآن میں تحریف ثابت کردیں وہ اپنی اس کوشش میں حیرت انگیز طور پر ناکام رہے ہیں۔"

(بحوالہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، زیرِلفظ قرآن)

چند متعصب مستشرقین کے نام:

رینو فرانسیسک، میثیل، امیل درمنگھم، پیرونوچن، ردولف ولوہیم، نیکولا وکیز، قیقش، مراتشی، تجر، بلیانڈر، پریڈو، برونزائل، قنزابیل، پاسکال، انوسان، لیون، گیوم، پاسٹل، رولان، برکلے، مارگولیس، پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی، سیپال ہیم، ملانک تھن، لوتھر وغیرہ۔

یہ وہ متعصب افراد ہیں جنھوں نے علم کے نام کو بٹا لگایا اور اپنی صلاحیتوں کو تعصب کی بھینٹ چڑھا دیا۔ خدا کی شان کہ سر ولیم میور کی طرح اسی گروہ مستشرقین سے وہ لوگ بھی سامنے آئے جنھوں نے ان متعصب لوگوں کو منہ توڑ جواب دیا۔ ان میں ایڈورڈ گبن، گاڈ فرے، ہنگو،

جان ڈیون پورٹ اورٹامس کارلائل، سرولیم میور کے علاوہ قابلِ قدر افراد ہیں۔

(بحوالہ تصانیفِ احمدیہ جلد دوئم)

قرآن کی حفاظت سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہے:

قرآن کی حفاظت کا ایک اور حسین پہلو یہ ہے کہ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہو رہی ہے کیونکہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام قرآن ہے۔ گزشتہ اوراق میں یہ بات کہہ چکا ہوں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مرجع قرآنِ کریم ہی ہے اور قرآن کی حقانیت نے جس طرح مستشرقینِ مغرب سے یہ بات منوائی، کہ قرآنِ کریم میں کبھی تحریف نہیں ہوئی اور وہ اسی طرح آج بھی ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا، وہاں انھیں مستشرقین سے یہ بات بھی منوائی کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی قرآن میں ہے۔ اور جب قرآن محفوظ ہے تو سیرت بھی محفوظ ہے۔

مستشرقین کیا کہتے ہیں:

یہ سراسر ناانصافی ہوگی کہ مغربی مفکرین کا ذکر کر کے ہم اپنے مفسرین اور محققین کا کوئی حوالہ حفظِ قرآن اور حفاظتِ سیرت میں نہ پیش کریں۔ حوالہ پیشِ خدمت ہے:

محمد حسین ہیکل کا بیان:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے سلسلے میں اگر کوئی بہترین مرجع و ماخذ ہے تو وہ قرآنِ حکیم ہے کیونکہ آیات قرآنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے متعلق اشارات پائے جاتے ہیں اور کوئی محقق اگر چاہے تو حدیث اور سیرت کی کتابوں کی مدد سے اس ضمن میں تسلی بخش تحقیق کر سکتا ہے۔''

(محمد حسین ہیکل مصری از مقدمہ حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

علامہ شبلی نعمانی اور سرولیم میور کے حوالے:

''سب سے پہلی اور سب سے ضروری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ پر قلم اٹھاتے ہوئے قرآنِ کریم کو تمام روایتوں، تمام

کتابوں اور تمام تحریروں پر مقدم رکھا جائے کیونکہ جیسا یقینی اور قطعی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کرنے کا قرآنِ مجید ہے اس قدر محکم اور مضبوط ذریعہ کوئی اور نہیں۔''

(سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول، ص ۹۴، علامہ شبلی)

اس سے قبل یہ بات بھی پیش کر چکا ہوں کہ مستشرقین نے جہاں قرآن کے غیر محرف ہونے کی تصدیق کی ہے وہاں اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی یہی خیال ان سے تسلیم کروایا ہے۔ اس قول کی تائید میں ایک آدھ حوالہ ضروری ہے، چنانچہ یہ آخری حوالہ پیش کرتا ہوں:

''قرآن کی اس خصوصیت میں کوئی مبالغہ نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سوانح اور اسلام کی ابتدائی تاریخ معلوم کرنے کے لیے اس میں بنیادی باتیں موجود ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام تحقیق طلب امور کو اس کے ذریعے پوری صحت کے ساتھ جانچا سکتا ہے۔

''واقعہ یہ ہے کہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرائیویٹ زندگی کے متعلق تمام مواد قرآن میں مل جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور کردار معلوم کرنے کے لیے قرآن ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ہمیں سب کچھ صاف نظر آتا ہے، چنانچہ اسلام کے ابتدائی عہد میں یہ بات ضرب المثل کے طور پر مشہور تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سیرت قرآن میں محفوظ ہے۔''

(دیباچہ لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۲۸)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی حفاظت جب ہو رہی ہے تو اس قرآن میں سیرتِ صاحبِ قرآن کی حفاظت ہو رہی ہے تو جن پر قرآن نازل ہوا اور قرآن جو سراپا نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے، تو صاحبِ قرآن کا عاصم اللہ کیوں نہ ہوتا؟ مالکِ ارض وسماء، خالقِ کون و مکاں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، نجات دہندہ بنایا، بطنِ مادر سے آغوشِ لحد تک لحہ لحہ وہ اس کی نگاہ میں ہیں، کوئی مصیبت کوئی آفت کوئی ہلاکت خیزی نہ ان کے وجود کو نقصان پہنچا سکی نہ ہی راہ حق سے عزم کی اس چٹان کو ہٹا سکی۔ صاحبِ درود

سراج نے نہایت جامع لفظ کا انتخاب کیا جو اپنی فصاحت کے ساتھ اپنی جامعیت کے کمال کا مظہر ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں تو اس عاصم کا دوہرا مفہوم ہے: پہلا، تو واقعات اس کی نفی کردیں گے، خانہ کعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو گزری اس کا احوال گزشتہ اوراق میں تفصیل سے دیا جا چکا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشتِ مبارک پر بھاری بوجھ نماز کے دوران لا ڈالنا، گلے میں چادر لپیٹ کر اسے رسی کی طرح بل دینا، گھر آگے کانٹے بچھا دینا، شعب ابی طالب میں طویل عرصے کے لیے محصور کردینا اور دانہ پانی بند کردینا، میدانِ جنگ میں چہرے کا زخمی ہونا، دندانِ مبارک کا شہید ہونا، طائف کے اوباشوں اور لڑکوں کا لہولہان کردینا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کرنا — یہ اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جو پہلے تصور کی نفی کرتے ہیں۔ حفاظت کا مفہوم یہ ہے جہاں مقصد کے فوت ہونے کا خطرہ آیا حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکانہ کرسکے۔ اللہ عاصمہ کے حوالے سے واقعات کی جھلک:

امِ جمیل کا واقعہ:

”ابولہب کی طرح اس کی بیوی ام جمیل اروی بنتِ حرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، جب قرآنِ کریم کی یہ سورۃ نازل ہوئی:

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ

تو اسے سن کر وہ آتش زیرپا ہوگئی۔ اس بدبخت نے ایک لمبا سا پتھر اپنے ہاتھ میں لیا اور اس ناپاک ارادے سے وہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں حرم شریف میں آئی کہ اگر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر آگئے تو آج وہ ان سے بدلے لے گی۔ رفیقِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وہاں اس وقت موجود تھے۔ آپ نے جب ام جمیل کو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آتے دیکھا اور اس کے یہ تیور دیکھے تو عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بڑی بدزبان عورت ہے، فحش کلامی اس کی فطرت ہے، بہتر یہ ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے تشریف لے جاتے، ایسا نہ ہو کہ اس کی بدکلامی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم فکر نہ کرو، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ جب وہ قریب پہنچی تو بولی: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تیرے دوست نے میری ہجو کی ہے۔ اسے کیا ہوگیا ہے کہ میرے بارے میں شعر کہنے لگا (یعنی سورہ تبت یدا کو ہجو کا شعر قرار دیا کیونکہ اس میں چار قافیے ہیں)۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب

میں فرمایا: اس گھر کے ربّ کی قسم! انھوں نے تیری ہجو نہیں کی ہے، وہ شاعر نہیں ہیں۔ یہ سن کر امِّ جمیل نے کہا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم میرے نزدیک سچے ہو (دشمن نے بھی تسلیم صداقت کی ہے)۔ پھر یہ جملے دہرائے: سارے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار عبد مناف کی بیٹی ہوں، اور جس کا باپ عبد مناف ہو کسی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کی بیٹی کی ہجو کرے، اس کی مذمت کی جسارت کرے۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ سے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! معلوم ہوتا ہے کہ امِّ جمیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں، صرف مجھ سے کلام کرتی رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک وہ کھڑی رہی ایک فرشتہ دونوں پروں سے مجھے پردا کیے رہا (یہ ہے واللہ عاصمہ کا مفہوم)۔

جس جس جانب سے حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی ذات پر حملہ کیا جا سکتا تھا ان تمام کی طرف سے حفاظت کی جاتی رہی، مثلاً: اگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد میں کوئی نسلی عیب نکل آتا تو مخالفینِ مکّہ ہی نہیں مستشرقینِ مغرب بھی اس کو اتنا اچھالتے کہ سننے والوں اور پڑھنے والوں کے اذہان کو زہر آلود کر دیتے لہٰذا وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی جاتی رہی۔ گزشتہ اوراق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کے متعلق حوالے پیش کیے جا چکے ہیں، آیندہ اوراق میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ کے ضمن میں بھی تفصیلی تذکرہ ہوگا۔ مخالفین اور معترضین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر کچھ نہیں کہا البتہ بعض بدقسمتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد و والدہ کو کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جانے کو جنت سے محرومی اور نعوذ باللہ آتشِ دوزخ کا حقدار ٹھیرایا لیکن کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان کے نسب کے طیّب و طاہر ہونے کے خلاف لب کشائی کرتا۔ قرآن کی حفاظت میں ایک پہلو یہ بھی مضمر ہے کہ حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پردہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عمل مٹ نہ جائے اس لیے قرآن کی حفاظت ہو رہی ہے ورنہ حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی سیرت کے تمام واقعات دھندلا جاتے اگر قرآن محرّف ہو جاتا۔ گویا قیامت تک قرآن کو تحفظ دینے کا مقصد اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حفاظت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کے جتنے وعدے کیے، روزِ محشر لواء الحمد کے اعزاز کا اور مقامِ محمود کا تصور دھندلا جاتا۔

تیئیس سال کے واقعات بہت ہیں، دلیل کے لیے ایک واقعہ ہی کافی ہوتا ہے لیکن

میں مزید واقعہ پیش کرتا ہوں، اس واقعے میں محبت کے حسین پہلو بھی ہیں:

واقعۂ ہجرت:

ہجرت کا حکم آچکا، اللہ کے محبوب ﷺ، ہادی برحق، واقفِ سرِ خفی وجلی، اپنے معتمد اور منتخب رفیقِ سفر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچادی گئی ہے جن کی زبان پر یہ کلمات ہیں:

دامنِ یار گرامی نتواں داد ز دست
کہ بصد خونِ جگر یافتہ ام دامنِ اُو

اِدھر دیدہ ودل فرشِ راہ ہیں، حکم کا انتظار ہے اُدھر دارالندوہ میں سردارانِ قریش کا اہم تاریخی اجلاس ہوتا ہے جس میں بالاتفاق یہ تجویز منظور ہوتی ہے کہ تمام قبایل کے نوجوان جمع ہوکر یکبارگی اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کردیں تاکہ کسی ایک قبیلے پر قتل کا الزام نہ ہو جو اس حادثے کے بعد باہمی اختلاف کے سبب آپس میں انتقامی کارروائی اور قتل وغارت گری کا طویل سلسلہ بن جائے۔ ادھر وحی نازل ہوئی اور ہجرت کا حکم مل گیا۔ رسول خدا ﷺ نے سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مکان پر رونق فرما کر ہجرت کی خبر دی اور رفیقِ خاص نے دو اونٹوں کا سفر کے لیے پہلے ہی انتظام کرلیا ہے۔

خدا کو مانا ہے دیکھ کر تجھ کو، اس کی شانِ جمیل تو ہے
خدا کی ہستی پہ میرے نزدیک سب سے روشن دلیل تو ہے

(تاجور نجیب آبادی)

وجہِ وجودِ کائنات، سرِّ تکوینِ حیات ﷺ ہجرت کا قصد فرماتے ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ابنِ ابی طالب کو طلب فرما کر تمام حالات سے آگاہی دی اور اس رات اپنے بستر پر اپنی جگہ آرام کرنے کا مشورہ دیا، کچھ امانتیں سپرد فرمائیں۔ سبحان اللہ! حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے وہ رات نہایت سکون اور آرام کے ساتھ بڑی پرلطف نیند میں گزاری۔ دل میں، کفار اور مشرکین کے ناپاک ارادوں سے باخبر کیے جانے کے بعد، ذرا بھی خوف نہیں اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ پر یقینِ کامل ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو امانتیں سپرد کرنے کے بعد فرمایا: اے علی کرّم اللہ وجہہٗ! جو امانتیں تمھیں سپرد کررہا ہوں، جن کی ہیں ان تک پہنچانے کے بعد تم خود بھی مدینے

چلے آنا، وہاں ملاقات ہوگی۔ اس نوید ملاقات پر کتنا پختہ یقین تھا کہ ہزار کفار ومشرکین مسلح ہو کر آئیں اب میرا قتل ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا، کیونکہ مدینے میں ملاقات کی بشارت سن لی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جیسی بے خوف نیند اس بستر پر اس شب مجھے آئی کبھی نہ آئی۔

معین الکاشفی ''معارج النبوت'' میں کہتے ہیں: اس شب اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو فرشتے نیلگوں چھت سے ربع مسکوں پہ آئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سرہانے اور پاؤں کی طرف ان کی حفاظت میں بیٹھ گئے۔ اس پر کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ہر آں کہ بہرِ خدا راہ نفس بر بندد

ملک ز عرش بفرمانِ او کمر بندد

''جب کوئی نفس کے راستے بند کر دیتا ہے (کہ نفس ہی سے پناہ کی دعائیں مانگی گئی ہیں) تو فرشتہ ایسے شخص کے لیے اس کے حکم اور فرمان بجالانے کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے۔''

اِدھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت سکون واطمینان سے بسترِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر آرام فرما رہے ہیں اُدھر خون آشام تلواریں انتظار میں ہیں کہ سپیدی کو سرخی میں بدل دینا ہے۔ جیسے ہی اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس سے باہر قدم نکالے یہ کفر کی آندھی چراغ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بجھا دے۔ اس ناپاک ارادے کی تکمیل کرنے والوں میں ابو جہل، ابوالہیثم، امیہ بن خلف، عتبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود اور الحکم بن ابی العاص شامل ہیں جو اپنے اپنے قبیلوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ اِدھر اپنی تدبیر میں ہیں اور حق تعالیٰ اپنی تدبیر میں ہے جو ہر تدبیر پر غالب ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

''یہ نادان چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے، لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔''

اس آیت کا تقاضا یہاں یہ ہے کہ اس کے رموز سے بحث کی جائے لیکن تسلسلِ مضمون قائم نہیں رہے گا اس لیے اختصار سے وضاحت کر دوں۔ نور من نور اللہ کے زیرِ عنوان مزید بحث ہوگی۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا گیا!

''چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کے نور کو۔'' یہاں اللہ کا نور کون ہے؟ آخر میں فرمایا: ''لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔'' یہاں بھی اللہ کا نور اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے نہیں فرمارہا کہ وہ اپنی ذات کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ ہجرت کا آغاز ہورہا ہے اور مکے سے جلاوطنی ہورہی ہے، کمال تک پہنچنا فتحِ مکہ کی بشارت ہے اور نوید ہے کمال تک پہنچانے کی۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان سے باہر قدم رکھا۔ سورہ یٰسؔ، جو قرآن کا دل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت پر پہنچے:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

''ہم نے بنادی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔''

(سورہ یٰسؔ: آیت ۹)

واقفِ رموز و اسرارِ قرآنی نے ان پر پھونک فرمادی جس کے بعد ان کی بینائی سلب ہوگئی، نیند غالب آگئی اور وہ تمام اونگھنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہی درمیان سے باہر نکل گئے۔ جانے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے سروں پر ایک ایک چٹکی خاک اٹھا کر ڈال دی۔

ادھر یہ مدہوش اس انتظار میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائیں تو وہ قصہ ہی تمام کردیں حالانکہ قصہ تمام ہوچکا تھا۔ ایک شخص وہاں سے گزرا۔ اس کے دریافت کرنے پر ان لوگوں نے اپنے ناپاک مقاصد بیان کیے۔ اس شخص نے کہا: کس خیال میں ہو، وہ تو یہاں سے جاچکا اور جاتے ہوئے تمھارے سروں پر خاک بھی ڈال گیا۔ قریش کے ہر سردار نے پہلے تو سر پر ہاتھ پھیرا اور راہ گزار کے بیان کو صادق پایا، جسے دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دیکھا آپ نے، واللہ عاصمہ کی تفسیر؟

غارِ ثور میں حفاظت:

غارِ ثور میں مکڑی نے جالا بُن ڈالا، کس کی مشیت تھی؟ کبوتری نے انڈے دے دیے،

کس طاقت نے یہ کروایا؟ جب مکڑی نے جالا بنا تو وہ ایسا تھا جیسے تازہ نہیں برسوں پرانا ہے۔ مکڑی کو اس طرح بُننے کا شعور ضرورت وقت کے ساتھ کس نے دیا؟ کبوتری نے گھونسلا بنایا تو وہ بھی ایسا کہ برسوں پرانا ہے۔ مکڑی اور کبوتری میں شعور کی یہ کیفیات کہاں سے آئیں؟ امیہ بن خلف جیسا دشمنِ دین تلاش کرتے کرتے غار کے دہانے پر پہنچا تو اس کے ساتھی نے کہا: اندر جا کر دیکھو۔ امیہ بن خلف نے جواب دیا:

ما اراکم ای حاجتکم الی الغار ان فیه لعنکبوتا اقدم من میلاد محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم)

''غار کے اندر جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے دروازے پر (دہانے پر) مکڑی کا جالا ہے جو محمد ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔''

علامہ شبلی نعمانی مصنف ''سیرت النبی ﷺ'' نے اس واقعے کو اشعار میں اس طرح پیش کیا ہے:

جب کہ آمادہ خوں ہوگئے کفار و قریش
لا جرم سرور عالم ﷺ نے کیا عزم سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم ، نہ برادر ، نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور ﷺ
اک فقط حضرت بوبکر رضی اللہ عنہ تھے ہمراہ رکاب
کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہ شر
چونکہ سو اونٹوں کا انعام تھا قاتل کے لیے
آپ ﷺ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر

مندرجہ بالا اشعار میں نقشۂ ہجرت پیش کیا ہے لیکن اس کے بعد والے شعر میں ایک لفظ غلط کہہ گئے:

بیمِ جاں ، خوف خدا ، ترک غذا ، سختیِ راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت کی سحر

یہاں خوف خدا کے بعد نبی کا خوف جان میں بھی مبتلا رہنا قطعی درست نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جان کا خوف بھی نہ رکھتے تھے جنھیں خون کے پیاسوں کے نرغے میں گھرا ہوا چھوڑ آئے تھے اور ان کے مدینہ پہنچنے کی بشارت بھی دی تھی، اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ''بیم جاں'' کہنا سراسر غلط اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے۔

طوالت کے خوف سے میں بہت سے حوالوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اس آخری حوالے پر ختم کرتا ہوں۔ اس حوالے میں قارئین کے لیے ایک دعا کی تعلیم بھی ہے، یاد کرلیں اور اس کی برکتوں سے فایدہ حاصل کریں:

نظرِ بد سے نقصان پہنچانے کی کوشش پر آیت کا نزول:

وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ

(سورہ القلم)

''اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہِ عز و شرف۔''

آیات کا پس منظر یہ ہے کہ کفار کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغض وعناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ خصوصاً اس وقت تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر سنا رہے ہوتے۔ وہ ایسی غضب ناک نظروں سے گھور گھور کر دیکھتے، یوں محسوس ہوتا کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ قتل کر دیں، اس شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجھا دیں۔ ان کی اسی ناپسندیدگی کا ذکر آیات میں ہوا ہے۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ لیزلقونک کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

عداوت اور بغض بھری آنکھوں سے یوں ٹکٹکی باندھ کر اور گھور گھور کر دیکھتے گویا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ سے پھسلا دیں گے یا ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں نے میری طرف اس طرح دیکھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ گرا دیتا یا کھا جاتا۔ اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظرِ بد سے تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے چار جلدوں پر مشتمل اپنی تحقیقاتی تصنیف ''بلوغ الارب'' میں عربوں کی سماجی زندگی: رہن سہن، رسم و رواج اور زندگی کے تمام معاملات: جنگ، انتقام، خونریزی، محبت، سخاوت، مہمان نوازی، الغرض ہر موضوع شامل ہے، اس میں بدنظر کے رواج کو بھی لکھا ہے۔

بنی اسعد کے قبیلے میں کئی لوگ ایسے تھے جن کی نظرِ بد کبھی خطا نہیں ہوتی تھی۔ اگر وہ کسی شخص یا کسی جانور کو ہلاک کرنا چاہتے تو تین دن فاقہ کرتے اور پھر اس چیز کے پاس آکر کہتے: کتنی خوبصورت اور عمدہ چیز ہے، ایسی چیز تو آج تک نہیں دیکھی۔ بس اتنا کہنے کی دیر ہوتی کہ وہ چیز تڑپنے لگتی اور تھوڑی ہی دیر میں دم توڑ دیتی۔ اگر کوئی موٹی تازہ گائے یا اونٹنی ان کے پاس سے گزرتی اور اس کو وہ نظرِ بد لگا دیتے تو انھیں یقین ہوتا، وہ اسی وقت اپنی لونڈی سے کہتے: پیسے لے، ٹوکری اٹھا اور ''اس'' گائے کا گوشت لے آ۔ تھوڑی دیر بعد پتا چلتا کہ وہ جانور ذبح کر دیا گیا۔ قریش نے بنی اسعد میں سے کسی ایسے نظر باز کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس امر کے لیے مقرر کیا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بدنظری سے گزند پہنچائے لیکن جس کا نگہبان خدا ہو اسے کون گزند پہنچا سکتا ہے۔

(ضیاء القرآن کے حوالے سے)

نظرِ بد سے حفاظت کی دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کو تعلیم فرمائی:

حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں نواسوں (سیدنا امام حسن علیہ السلام اور سیدنا امام حسین علیہ السلام) کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے:

اعوذ بکلمات اللہ التامات من کل شیطان وھامۃ و من کل عین لامۃ

(علامہ ابنِ کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو یہی پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس کو نظرِ بد سے تکلیف پہنچے یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ اس دعا کی تعلیم فرما کر نہ صرف اللہ کی حفاظت کا اعلان کیا بلکہ اس پر عمل کرنے والوں کی حفاظت کا بھی سامان کر دیا۔ خود عاصم بن گئے جن کا عاصم خدا ہے۔

وَجِبرِیلُ خَادِمُہٗ

جہاں تک اُن کی رسائی ، رہے وہ خدمت میں
پھر آگے خود ہی وہ مہماں ، درود تاج میں ہے

وَجِبرِیلُ خَادِمُہٗ

وہ حرف راز کہ سکھلا گیا ہے مجھ کو جنوں
خدا مجھے نفسِ جبریل علیہ السلام دے تو کہوں (اقبال)

مقام روح القدس علیہ السلام سے کوئی واقف نہیں:

روح القدس حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کا مقام کیا ہے؟ کوئی دعویدار نہیں کہ اس مقام کی خبر دے، نہ عالمِ ظاہر نہ عارف باطن۔ یقیناً علمِ ظاہر والوں سے علمِ باطنی والوں کو زیادہ خبر ہے لیکن میرا خیال ہے کہ عقلِ انسانی کی جہاں تک رسائی ہے، اور انسان کو جو علوم عطا ہوئے ہیں، جہاں یہ منقطع ہو جاتے ہیں وہاں سے جبریل علیہ السلام کا سفر شروع ہوتا ہے۔ یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے یا اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں فضائلِ عالیہ اور جلائلِ غالیہ مرحمت فرمائے اور جو کچھ اپنے علم سے انھیں عطا کیا کسی اور کو مخلوق کو عطا نہیں کیا۔ حضرت انسان کو، پھر انسانوں میں صاحبانِ ایمان کو، مومنین میں اہلِ تقویٰ کو، اہلِ معرفت کو جو کچھ زبانِ اقدسِ محبوب، رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علمِ خاص سے بتایا اور جتنا بتایا اتنا ہی حضرت جبریل علیہ السلام پہچانے گئے اور جو راز ہے وہ راز ہے۔ قرآنِ کریم نے حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا کہ اس کی تفصیل بتانا ضروری نہ تھا۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بابت بہت کچھ بتایا۔ جب وہ تشریف لائے ان کے آنے کی خبر دی، کبھی ان کا حلیہ بیان کیا، کبھی ان کے ساتھ معاملات کا ذکر کیا لیکن مقام جبریل علیہ السلام کیا ہے؟ اسے راز ہی میں رہنے دیا۔ جہاں انسانی فکر کی رسائی نہیں وہاں کوئی فیصلہ نہ درست ہے نہ معتبر۔ قرآنِ کریم کی آیات پر نظر ڈالیے، سورہ تحریم میں ارشاد ہوا:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾

"اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تو (خوب جان لو) کہ

اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار ہے، جبریل علیہ السلام اور نیک بخت مومنین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں اور اس کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔"

"ضیاء القرآن" کے مفسّر علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اس کی تفسیر میں لکھا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے، کرّوبیین کا سردار جبریل علیہ السلام اور نیک بخت اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ان خدمات جلیلہ کے علاوہ، جو انبیاء و رسل اور خداوندِ قدوس کے درمیان رابطے اور پیغام و ہدایات رسانی کا عظیم الشان فریضہ ہے اور جو ابتداء سے اب تک انھیں کے پاس رہا ہے، آپ ان مقرب بارگاہ فرشتوں کے سردار ہیں۔ مقرب فرشتوں کو، جو ہمہ وقت ذکر میں اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں، کرّوبیین کہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

سورہ بقرہ کی آیات میں بھی حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے جسے میں پیش کروں گا۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، مقام جبریل علیہ السلام کیا ہے؟ یہ کسی کو خبر نہیں۔ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جانے یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ربّ جانے، البتہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ نے جو بتایا وہ ضرور علم میں آیا۔ جو واقعات خاتم النّبیین کے ساتھ گزرے ان بے شمار واقعات میں معراج کے سفر کا واقعہ بھی ہے۔ ان تمام واقعات کو اگر یکجا کیا جائے تو ایک نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھے۔

لفظ خادمہٗ پر اعتراض ہے:

خدمت کوئی گھٹیا اور پست لفظ نہیں کہ معترض فرمادیں یہ توہین ہے جبریل امین علیہ السلام کی، اس لیے کہ اسی خدمت کی راہ سے آگے بڑھا جاتا ہے جیسا کہ اولیائے کرام کی نسبت اور خدمت کے لیے یہ نکتہ پیش کیا گیا: "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"۔ جس نے خدمت کی وہ اسی خدمت کے عمل سے مخدوم ہو گیا۔ مخدومی ایک مرتبۂ بلند ہے چنانچہ خادم اور خدمت اسی ارفع و اعلیٰ منزل مخدومی تک آنے کا ذریعہ اور راستہ ہے۔ ہر زبان میں کسی لفظ کے معنی

اور ہوتے ہیں، اردو میں خدمت کے معنی چاکری کے ہیں لیکن فارسی میں سلام، تحفہ اور کورنش بجالانے کے ہیں۔ خدمتی، یائے معروف سے، جس کے معنی تحفہ ونذرانہ وپیشکش ہیں۔ اسی طرح مخدوم ہے۔ اگرچہ لغوی معنی یہی ہیں کہ جس کی خدمت کی جائے لیکن اسی لفظ مخدوم یا مخدومی کو اصطلاح میں دیکھیں تو ''جس کی خدمت کی جائے'' سے بدر جہا بلند مفہوم ''لائقِ خدمت'' آتا ہے۔ چنانچہ ایک کمترین یا کم ظرف آدمی بھی دولت کے عوض اپنے خدمت گار رکھ سکتا ہے۔ اسی بنیاد پر عربوں میں غلام اور کنیزیں ہوا کرتی تھیں جو آقا کی خدمت میں رہا کرتے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا، آنا جانا قابلِ اعتراض نہیں، نہ ان کے مراتب سے کم درجہ ہے۔ یہ بحث ذرا طویل ہو رہی ہے لیکن کسی نے اعتراض کیا اور وہ مجھ تک پہنچایا۔ اچھا ہوا، نہ جانے کتنے معصوم ذہنوں کو یہ سوال بھٹکا دیتا اس لیے اس کا جواب مجھ پر لازم ہو گیا۔

بے شک کسی اور کی خدمت کی بات ہو تو وہ بات اور ہے لیکن جہاں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا تعلق ہو تو وجود جبریل علیہ السلام خود مرہونِ منت ہے اس وجود مقدس کا جس کی نسبت سے جبریل علیہ السلام کا وجود ہے، لولاک لما خلقت الافلاک میں وجودِ جبریل علیہ السلام بھی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء عیسیٰ علیہ السلام تک نہ آتے، جبریل علیہ السلام کہاں ہوتے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ السلام کا آنا بلندی نصیب اور بلندی درجات ہے۔ اب اگر معترض یہ کہے کہ یہ بلندی درجات انسانوں کے لیے ہے ملائکہ کا مقام کچھ اور ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ملائکہ کے مقام سے اگر معترض آگاہ ہو تو ہمیں بھی بتا دے۔ دوئم جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو فرشتوں سے کہا گیا کہ اسے سجدہ کرو، آج تک کسی آدم سے یہ نہیں کہا گیا کہ کسی ملک کو سجدہ کرو۔ سوئم اسی روز فرشتوں کو یہ بھی بتا دیا گیا: انی جاعل فی الارض خلیفه۔ اب اس جہانِ آب وگل میں اس کا خلیفہ کون ہے؟ فرشتہ یا انسان؟ پھر ایک اور مقام پر فرمایا: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۔ یہ تمام تعریفیں انسان کی اس لیے تھیں کہ انھی میں اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آنے والا تھا اس لیے مراتبِ آدم کا چرچا روزِ اوّل ہی فرما دیا۔ جو لوگ اہل اللہ میں شمار ہوتے ہیں، اربابِ علم معرفت ہیں ان کی نگاہ بھی ان تمام امور پر گہری رہتی ہے اور جتنا محتاط ہو کر وہ کچھ کہتے ہیں

عام آدمی نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"۔

حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ دہلوی، جن کا وصال ۱۸۱۸ء میں ہوا، کیا فرماتے ہیں:

هل كان غيرك في الانام من استوىٰ
فوق البراق و جاوز الافلاكا
واستمسك الروح الامين علیہ السلام ركابه
في سيره و استخدم الاملاكا

ترجمہ: مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہے جو براق پر سوار ہوا اور آسمانوں کو عبور کر گیا؟ اور جس کے رکاب کو روح الامین (جبریل علیہ السلام) نے تھاما اس کے سفر میں اور جس نے فرشتوں سے خدمت لی۔

ہم نہیں جانتے ان واقفانِ اسرار و رموز آسمانی میں کون کس مقام پر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب چاہا، باذن اللہ، لوح پر نظر ڈالی اور سب کچھ دیکھ لیا۔ ان کے عارفانہ کلام کو دیکھیے تو بہت کچھ وہ حال معلوم ہو جاتا ہے جو مؤرخ بیچارہ اب تک نہ لکھ سکا۔

عربی اشعار میں روح الامین علیہ السلام کا ذکر:

شہاب الدین محمود الحلبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اشعار میں اس طرح فرماتے ہیں، اور کس خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں:

والحجرة الغراء بين ستورها　　اسنى من الاقمار في هالاتها
وترى مواقف جبريل بربعها　　ومهابط الاملاك في حجراتها

ترجمہ: وہ انوار سے جگمگاتا ہوا حجرہ شریف، جس پر پردے پڑے ہیں، اس چاند سے زیادہ روشن ہے جو اپنے ہالے کے اندر رہتا ہے۔ یہ وہی حجرہ مبارک ہے جس کے کسی گوشے میں حضرت جبریل علیہ السلام کے کھڑے ہونے

کی جگہ ہے اور انھیں حجروں میں فرشتوں کے نزول کی جگہیں ہیں۔

شہاب الدین محمود الحلبی رحمۃ اللہ علیہ اہلِ زبان ہونے کی رعایت سے ان کا مطالعہ عربی ادب پر وسیع ہے، انھیں خبر ہے کہ مجھ سے ماقبل کس نے کیا کہا ہے اور کب، کس کے دور میں کہا ہے۔ یہ اگرچہ متاخرین میں ہیں لیکن متقدمین کے ادب اور حوالوں پر گہری نظر ہے۔

احمد شوقی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہمارے زمانہ سے بہت قریب کا زمانہ ہے۔ آپ کی وفات ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ آپ کے کلام کی مقبولیت بہت ہے۔ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب جاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

الروح و الملأ الملائک حوله

للدین والدنیا به بشراء

ترجمہ: روح القدس (جبریل علیہ السلام)، فرشتے، ملائے اعلیٰ ان کے گرد دین و دنیا (کی سرفرازی کی) نویدیں دینے والے ہیں۔

یوں تو عربی شعراء نے حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر اپنے اشعار میں اکثر کیا ہے، ایسے اشعار کی تعداد بھی بہت ہے، ان کے علاوہ اہل اللہ نے اپنے مکتوبات اور تصانیف میں اپنے مخصوص لب و لہجے اور عارفانہ اشاروں میں کیا ہے۔ ان تمام کو یکجا کر کے پیش کرنا دشوار ہے، ان تمام کا خلاصہ ہی سمجھنے کی بات ہے۔

عربی اشعار کا حضرت روح الامین علیہ السلام کے تعلق سے ایک آخری حوالہ پیش کرتا ہوں۔ محمد جار اللہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ پائے کے شاعر بھی تھے، بالخصوص آپ کی وہ نعت چاردانگِ عالم میں مشہور ہے جو ذوقافیتین ہے، یعنی جس میں دو دو قافیے ہیں۔ یہ قصیدہ صنعتِ ترصیع میں ہے۔ لغت میں اس کے معنی شعر با قافیہ و ردیف کہنا، عبارت مقفّٰی لکھنا لیکن اس کے ایک معنی زیور کو جواہر سے جڑاؤ کرنا بھی ہیں۔ ''رصع'' بمعنی بننا جیسے رصع الذھب بالجواہر (سونے میں ہیرے جڑنا)۔ اس کا مطلع بچے بچے کی زبان پر عام ہے:

الصبح بدا من طلعته

واللیل دجا من وفرته

ان ﷺ کے چہرہ مبارک سے صبح بیدار ہوئی اور گیسوئے پاک سے رات سیہ پوش ہوئی۔

جملہ اشعار آٹھ ہیں جن میں پانچواں شعر ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر ہے:

جبریل اتیٰ لیل الاسرا
والرب دعاہ لحضرتہ

معراج کی شب جبریل علیہ السلام در دولت پہ حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی حضوری میں طلب فرمایا۔

قصیدہ ذو قافیتین کس نے لکھا؟ اس میں اختلاف ہے:

اس قصیدے پر مختلف آرا ہیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، جو پایے کے محقق ہیں، جنھوں نے کتب خانۂ حرم میں اس کا مطالعہ فرمایا ہے لیکن بصد تلاش وہ بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ یہ بحث یہاں غیر ضروری ہو جائے گی، میں نے ''مشکوٰۃ النعت'' میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے جس سے اتنی بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ قصیدہ کسی طرح بھی حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں ہے۔ پھر یہ کس کا ہے؟ یہ تلاش جاری ہے۔ اس بحث کو آپ ''مشکوٰۃ النعت'' کے صفحہ ۵۵۶ تا ۵۶۱ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ معروف عربی داں منیر قصوری نے تحقیق کی ہے کہ یہ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذاتی کتب خانے میں حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان مطبوعہ مصر موجود ہے۔ تعجب ہے مصری مطبع نے بھی تحقیق کی طرف توجہ نہیں دی جسے مشہور زمانہ پریس ''المصطفیٰ البابی الحلبی اینڈ سنز'' نے شائع کیا۔

قرآنِ کریم میں ذکرِ جبریل علیہ السلام:

آیئے قرآنِ کریم سے پھر ایک بار رجوع فرمایئے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۹۷ میں آپ (جبریل علیہ السلام) کی شان بیان کی جا رہی ہے۔ پہلے آیت و ترجمہ پھر تشریح:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: آپ فرمایئے: جو دشمن ہو جبریل علیہ السلام کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔ جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام کا تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا۔

جو جبریل علیہ السلام کا دشمن اللہ اس کا دشمن ہے:

اس آیت میں خصوصیت سے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذکر کا سبب خاص ہے۔ یہودیوں کے ایک عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریلِ امین علیہ السلام۔ ابنِ صوریا نے کہا کہ وہ تو ہمارا پرانا دشمن ہے، ہمیشہ غضب و عذاب ہی لے کر ہم پر اترتا رہا۔ ہم اس کی لائی ہوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں۔ مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ اس کا رد فرما رہا ہے کہ جبریل علیہ السلام اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر مقرر ہیں۔ اگر جبریل علیہ السلام سے تمھیں دشمنی ہے تو اللہ بھی تمھارا دشمن ہے۔

یہود نے جبریل علیہ السلام کا عذر کر کے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو ماننے سے انکار کیا اور بہانہ تراشا کہ یہ وہ فرشتہ ہے جس سے ہماری پرانی دشمنی ہے۔

"خوئے بدرا بہانۂ بسیار"، اس لیے اللہ تعالیٰ کو جلال آیا کہ تم لوگ دراصل میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے ہو اور عذر تمھارا جبریل علیہ السلام ہے جس سے تم اپنی دشمنی ظاہر کر رہے ہو تو سن لو کہ جبریل علیہ السلام سے تمھاری دشمنی ہے تو پھر اللہ بھی تمھارا دشمن ہے۔

جمال الدین اصفہانی کے اشعار میں جبریلِ امین علیہ السلام:

استاد جمال الدین اصفہانی فارسی کے عظیم شاعر ہیں۔ آپ کا وصال ۱۱۹۲ء میں ہوا، اس سے ان کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خوبصورت شعر کہتے ہیں، چھوٹی چھوٹی بحر میں فنِ

شاعری کی خوبیاں کمال کی ہیں۔ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں:

جبریل علیہ السلام مقیمِ آستانت
افلاک حریمِ بارگاہت
نابودہ بوقتِ خلوت تو
نہ عرش و نہ جبریل علیہ السلام محرم

کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عالیہ کے مقیم ہیں اور آپ کی بارگاہ اقدس میں آسمان حریمِ بارگاہ ہے۔ جب خلوت کا لمحہ آیا، قربِ الٰہی کی منزل آئی تو وہاں نہ جبریل علیہ السلام تھے اور نہ ہی عرش محرمِ راز تھا۔ کوئی نہ تھا۔

انھیں اشعار میں مطلع دیکھیے کتنا حسین ہے:

اے از برِ سدرہ شاہراہت وے قبۂ عرش تکیہ گاہت

ایک اور شعر دیکھیے:

چرخ ارچہ رفیع، خاک پایت عقل ارچہ بزرگ، طفلِ راہت

الغرض حضرت جبریل علیہ السلام کا تعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نزولِ وحی کے سبب گہرا تھا لیکن کوئی شاعر ایسا نہیں جس نے معراج کے واقعے کو قلم بند نہ کیا ہو یا دو چار شعر نہ کہے ہوں اور انھیں میں بیشتر اشعار میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر بھی آیا ہے۔

دو شعر حکیم ابوالمجد ود بن آدم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے:

چوں نباشی خاکِ درگاہ سرائے را کہ ہست
پاسبانِ بامِ روح القدس دربانِ مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آن کز برائے خیرِ حال
در ادائے وحیِ جبریلش علیہ السلام ندیدے متہم

فارسی کے ایک اور عظیم شاعر، خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل، جن کی وفات ۱۲۳۸ء میں ہوئی، وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

در موکبِ جلال تو از عجز باز ماند
روح القدس، بمنزلِ الا لہٗ مقام

یعنی شبِ معراج آسمانی سفر میں سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبریل علیہ السلام رک گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ میری یہ آخری حد ہے، میں آگے نہیں جا سکتا۔

جبریل امین علیہ السلام وہ ہیں جو لوحِ محفوظ سے قرآنِ مجید کو آسمانِ دنیا (بیت العزۃ) میں بحکم ربی لائے، تمام ملائکہ کو قرآنِ کریم کا املا کرایا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر سال قرآنِ کریم کا دور کرتے، لیکن جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور قرآن دو مرتبہ ہوا۔ (بخاری شریف)

حضور رحمتِ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں جبریل علیہ السلام کو حاضری کا شرف چوبیس ہزار مرتبہ حاصل ہوا۔ سیرت کی کتب میں ایسے واقعات کثرت سے پائے جاتے ہیں جن میں جبریل علیہ السلام بارگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی پہنچانے ہی کے لیے نہیں آئے بلکہ بغیر وحی کے بھی آئے ہیں۔ ان ملاقاتوں اور لمحات کا شمار کیا جائے تو یہ تعداد بعید از قیاس نہیں ہے۔ بزم میں، رزم میں، امِّ ہانی سلام اللہ علیہا کے گھر، بدر میں، احد میں، بسترِ علالت میں، معراج کے سفر میں۔۔۔ ہزارہا مقامات ہیں جہاں آپ علیہ السلام تشریف لائے۔

جبریلِ امین علیہ السلام کی عظمت کے لیے یہ جملہ دیکھیے جسے اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک زبان سے ادا فرماتا ہے:

من کلمه روح القدس لم یوذن لارض ان تاکل من لحمه۔

ترجمہ: جس شخص سے روح القدس علیہ السلام نے گفتگو کر لی، زمین کو اجازت نہیں کہ اس کے جسم کو کھائے۔"

(جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، خصائص الکبریٰ جلد دویم، ص ۲۷۹)

قرآن کس طرح آپ کا (جبریل علیہ السلام کا) ذکر کرتا ہے۔

وَ اٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

"اور عیسیٰ علیہ السلام ابنِ مریم سلام اللہ علیہا کو بینات عطا کیے اور روح القدس سے ان کو مدد دی۔" (سورہ بقرہ: آیت ۸۷)

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا

وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ

''کہہ دو کہ اس کو روح القدس علیہ السلام تمھارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تا کہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے اور حکم ماننے والوں کے لیے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔''

(سورہ النحل: آیت ۱۰۱-۱۰۲)

اسی طرح سورہ قدر کی آیت ۱ تا ۵ میں روح الامین علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اللہ نے اپنے دیگر فرشتوں کا ذکر بھی (روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام کے علاوہ) مختلف سورتوں میں کیا ہے اور ان کے فرایض سے انسانوں کو آگاہ کیا ہے چنانچہ میری نظر سے جہاں تک یہ ذکر ملائکہ گزرا ہے ان میں مندرجہ ذیل سورتیں ہیں:

دیگر ملائکہ کا ذکر قرآنِ کریم میں کہاں کہاں آیا:

البقرہ کی آیت: ۳۰-۳۴-۱۰۲-۱۶۱-۱۷۷-۲۴۸، آل عمران میں آیت: ۸۰، الاعراف میں: ۱۱-۳۷، الانفال میں آیت: ۹-۱۲-۵۰، الرعد میں آیت: ۱۱، الحجر میں آیت: ۳۱، النجم میں آیت: ۲۷، المدثر میں: ۳۰-۳۱، النازعات میں: ۱-۲، النحل میں آیت: ۲۹-۳۲-۳۳، بنی اسرائیل میں آیت: ۶۱، الکہف میں آیت: ۵۰، طہٰ میں آیت: ۱۱۶، سباء میں آیت: ۴۰-۴۱، الصّٰفّٰت میں آیت: ۱۴۹-۱۵۰، الزخرف میں آیت: ۱۹، سورہ محمد ﷺ میں آیت: ۲۷، سورہ ق میں آیت: ۱۷-۱۸، سورہ الحاقہ میں آیت: ۱۷، سورہ الشوریٰ میں آیت: ۵۔ یہ فرشتے کتنے ہیں، کہاں ہیں، ان کے فرایض کیا ہیں؟ کوئی نہیں جانتا۔

عقل حیراں ہے نارسائی پر صفتِ شانِ کبریائی پر

خدائے قدوس فرماتا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ (ربّ کے لشکروں کو وہی جانتا ہے۔)

وَالْبُرَاقُ مَرْکَبُہٗ

ملا نہ تھا اسے ایسا سوار پہلے کبھی
ہے اس شرف پہ وہ نازاں، درود تاج میں ہے

وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهٗ

حقیقتِ براق پر تحقیقی بحث (حدیث کی روشنی میں):

براق کی تفصیل اس سے قبل گزشتہ اوراق میں پیش کی جا چکی ہے البتہ وہاں براق کا حلیہ بیان نہیں کیا گیا۔ میں نے حتی الامکان اپنے تشریحی مواد میں اصل عربی عبارت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اکثر سیرت کی کتابوں میں عربی متن نہ ہونے کی وجہ سے شبہات پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ مشہور مورخ ابنِ ہشام نے ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کامل میں، جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں براق کا حلیہ بیان کیا ہے، جس کے بعد واقعہِ اسراء کو بہت تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ عربی سے اردو میں ترجمے کا سہرا مولانا عبدالجلیل صدیقی اور مشہور ادبی شخصیت غلام رسول مہر کے سر ہے۔ اس تاریخ کی بہت اہمیت ہے، اس پر بعد میں خیال ظاہر کروں گا پہلے براق کا حلیہ جو ابنِ ہشام بیان کرتے ہیں۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام سفرِ معراج کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حطیم میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کیا:

فاخذ بعضدی فقمت معه فخرج بی الیٰ باب المسجد فاذا دابة ابیض بین البغل والحمار فی فخذیه جناحان یحفر بهما یضع یده فی منتهی طرفه فحملنی علیه ثم خرج معی لا یفوتنی ولا افوته۔

''انھوں نے میرا بازو پکڑ لیا تو میں ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مجھے لے کر مسجد کے دروازے کی طرف نکلے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید چوپایہ، خچر اور گدھے کے درمیان قد والا، موجود ہے۔ اس کی رانوں میں

دو پنکھ ہیں جن سے وہ اپنے دونوں پاؤں کرید رہا ہے۔ (اس کی صفت یہ ہے کہ) اپنی نظر کی انتہا پر اپنا اگلا پاؤں رکھتا ہے۔ انھوں نے مجھے اس پر سوار کرایا، اس کے بعد میرے ساتھ نکل چلے۔ نہ وہ مجھ سے دور ہوتے اور نہ میں ان سے۔"

ابنِ اسحاق نے کہا: قتادہ رضی اللہ عنہ سے مجھے حدیث پہنچی ہے، انھوں نے کہا مجھ سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لما دنوت منه لا ركبه شمس فوضع جبريل يده على معرفته ثم قال، الا تستحي يا براق مما تصنع فو الله ما ركبك عبدالله قبل محمد اكرم على الله منه قال فاستحيا حتىٰ ارفضّ عرقا۔ ثم قرحتي ركبته۔

"جب میں سوار ہونے کے لیے اس (براق) کے پاس گیا تو شوخی کرنے لگا۔ جبریل علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کی ایال پر رکھا اور کہا: اے براق! تو جو کچھ کر رہا ہے اس سے تجھے شرم نہیں آتی؟ اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے تجھ پر اللہ کا کوئی ایسا بندہ سوار نہیں ہوا جو اللہ کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت والا ہو۔ اس پر براق ایسا شرمندہ ہوا کہ پسینے پسینے ہو گیا اور چپ چاپ ٹھیر گیا یہاں تک کہ میں اس پر سوار ہو گیا۔"

سیرت ابنِ ہشام کی تاریخی حیثیت:

سیرتِ طیبہ پر اولین کتابوں میں دو کتابوں کی بڑی شہرت ہے۔ عربی کتابوں میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ ان میں پہلی تو ابنِ اسحاق نے مرتب کی تھی اور غالباً یہ سب سے پہلی کتاب تھی جو اب نایاب ہے۔ دوسری کتاب سیرت ابنِ ہشام ہے۔ چونکہ اس کتاب میں ابنِ اسحاق کی سیرت کی کتاب کا تمام مواد آ گیا ہے یہ اس کی یادگار بن گئی ہے۔ مولانا شبلی کی تحقیق کے مطابق ابنِ اسحاق کی سیرت طیبہ کو چار حضرات نے منظوم کیا تھا جس میں سے ایک فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۱۳۹۱ء ۷۹۳ھ تھا۔ اس منظوم

کتاب کا نام ''فتح الغریب فی سیرت الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم '' ہے۔ اس میں اشعار کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ سیرتِ طیبہ کا سب سے پہلا مصنف مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ تاریخ ولادت ۸۵ھ ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنے قریب کا زمانہ تھا۔ دنیا کی سیاحت کے بعد بغداد میں مقیم ہو گئے جہاں منصور عباسی کا دور تھا۔ وہیں وفات پائی اور خیزراں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی۔ اس اعتبار سے قدیم ترین سیرت ابنِ اسحاق ہی کی تھی، ابنِ ہشام ان کے بعد آتے ہیں اور ان کی کتاب ''سیرت ابنِ ہشام'' کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

ابنِ ہشام کا پورا نام ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری ہے۔ قبیلہ حمیر کی شاخ معافر سے تھے۔ بصرے میں پیدا ہوئے پھر مصر چلے گئے۔ وفات ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ کہی جاتی ہے، تاریخِ پیدائش نہیں مل سکی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے، جو فاتح مصر تھے، ایک شہر آباد کیا تھا جس کا نام فسطاط تھا، وہیں دفن ہوئے۔ آج کل یہ قاہرہ کا ایک حصہ ہے۔

کسی مؤرخ یا سیرت نگار کے متعلق معلومات پہنچانے کے کئی فایدے ہیں: قاری کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف کتنی قدیم ہے جو اصل واقعات سے قریب کا تعلق رکھتی ہے اس لیے اس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اگر وہ قابلِ اعتبار اپنے کمزور حوالوں کی وجہ سے نہ ہو تو مقبولیت کا تاج اس کے سر نہیں ہوتا اور اگر دنیائے تاریخ میں اسے شہرت حاصل ہے تو پھر وہ زیادہ معتبر ہے۔ براق کے متعلق بیشتر کتب میں ذکر آیا ہے اور آتا رہے گا لیکن بعد کی صدیوں میں، یہاں تک کہ ہماری صدی میں یا ہم سے ایک دو صدی قبل کی صدیوں میں، جو تحقیقی مواد ہے وہ آخر کہاں سے آیا؟ وہ انھی قدیم کتب کا مرہونِ منت ہے۔ ابنِ ہشام اہلِ زبان تھے، نحو اور لغت میں انھیں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ مصر میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کرتے تھے۔

ابو بکر سعد زنگی نے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اس کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا۔ اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں مولانا شبلی نے دیکھا تھا۔ انگریزی، جرمن اور فرانسیسی میں بھی اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ اس کتاب پر بہترین کام انگریزی میں ہوا جس میں تمام عربی اشعار شامل کیے گئے، کوئی شعر چھوڑا نہیں۔ انگریزی مترجم نے سیرت ابنِ اسحاق کو متن

بنایا، ابنِ ہشام نے جتنے اضافے کیے یا جو تصحیحات کیں انھیں علیحدہ نمبر لگا کر بتا دیا ہے۔
میں نے براق پر حوالے کے ساتھ، اس حوالے کی سند کے لیے، اس تاریخی کتاب کا تعارف
کرایا جو یقین ہے کہ قاری کے علم میں بے بہا اضافہ ہوگا۔

وَالمِعرَاجُ سَفرُہٗ

بیانِ سورہ والنجم و سورہ اسریٰ
سفر کا اُن صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ عنواں درود تاج میں ہے

والمعراج سفرہ

واقعۂ معراج کا ابتدائی تعارف:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

’’(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گردونواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بے شک وہی ہے سب کچھ دیکھنے والا۔‘‘

مصنف **درود تاج** نے آغاز میں ’’صاحب التاج‘‘ کے بعد ’’والمعراج‘‘ کہا ہے اور دوسری مرتبہ، جہاں کہ سفر میں تسلسلِ الفاظ ہیں، وہ یہاں سفر کے حوالے سے کہا ہے۔ ’’والمعراج‘‘ کی تشریح میں گزشتہ اوراق میں نہایت اختصار سے معراج کا بیان صرف چند جملوں میں پیش کیا جس میں اعتراض کے حوالے بھی گزرے، جس میں کونسٹانس جیورجیو (سابق وزیر خارجہ رومانیہ) کی کتاب کا حوالہ اور انجیل مرقس اور انجیل لوقا کے سولھویں باب اور چوبیسویں باب کا حوالہ بھی دیا گیا، ساتھ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بھی پیش کیا، یہاں **درود تاج** کے مصنف نے معراج کے سفر کے حوالے سے جبریل علیہ السلام کے خدمتِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے، براق کو ہمراہ لانے، پھر سفر پر روانگی، سدرہ تک رسائی، پھر اس کے آگے کی منزلوں کا حوالہ دیا ہے اس لیے یہاں تشریح میں سفر کا تذکرہ ہوگا۔ اختصار سے

اس لیے کہ ایسا کون کلمہ گو مومن ہے جو معراج کے واقعے سے واقف نہیں؟ ہر سال ۲۷ رجب المرجب کی شب آتی ہے، مسجدوں میں چراغاں ہوتا ہے اور واعظینِ کرام تمام رات حسنِ بیان کے ساتھ عوام کو اس واقعے سے روشناس کراتے ہیں، شعرائے کرام اور نعت خواں حضرات مشاعرے اور محافلِ نعت میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں اور یہ سب کچھ صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پڑوسی ملک بھارت میں، مصر اور اردن میں، لبنان میں، افریقی ممالک میں، تمام مغربی ممالک اور امریکہ میں آباد مسلمانوں، جاپان، انڈونیشیا، وسطی ایشیاء، افغانستان میں، الغرض زمین کے چپے چپے پر اپنے اپنے ملک کے رواج اور روایات کے مطابق جشن منایا جاتا ہے، تمام رات تہجد اور نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ اگر کہیں پابندی ہے تو لوگ محبت کی خامشی کے ساتھ اپنے گھروں میں یہ تقریب مناتے ہیں۔ اس لیے اس واقعے کی بنیادی باتوں کا یہاں اختصار سے ذکر کرتا ہوں لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جو واقعے پر کیے گئے اعتراضات سے واقف نہیں اس لیے ان کے صاف وشفاف ذہنوں میں شکوک وشبہات کا میل داخل کرنے والوں کا، ان کے ارادوں کا اور ان کے اعتراضات کا تعارف بہت ضروری ہے۔

حقیقتِ واقعہ پر شکوک پیدا کیے گئے:

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان کیا اور توحید کا پیغام سنایا اچانک عداوت کا بازار گرم ہو گیا۔ اگر اس تنہا و یکہ ذات اقدس ﷺ کا کوئی سہارا بعد از خدا تسلی، طمانیت اور حوصلہ افزائی کے لیے تھے وہ آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب اور امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھے۔ لیکن پردہ غیب سے کیا کیا ہونا تھا، کسے خبر تھی؟ پہلے آپ ﷺ کے چچا داغ مفارقت دے گئے اور زخم کے مندمل ہونے سے پہلے امّ المومنین رضی اللہ عنہا نے بھی پردہ فرما لیا۔ ان دونوں کے وفات پا جانے کے بعد کفار و مشرکینِ مکہ ظلم وستم ڈھانے کے لیے بالکل آزاد ہو گئے اور ایذا رسانیوں کے دور کا آغاز ہو گیا۔ مکے نے اللہ کے حبیب ﷺ کو اس قدر مایوس کر دیا کہ آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا۔ آپ ﷺ نے بڑی امیدوں کے ساتھ وہاں تبلیغ کا آغاز کیا لیکن وہاں جو برتاؤ رحمت

دو جہاں کے ساتھ ہوا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد رنجیدہ کر دیا۔ تمام ظاہری اسباب اور سہارے ٹوٹ چکے تھے، یہی وہ وقت تھا جب ذات باری تعالیٰ نے اپنے ملول اور رنجیدہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بندے کی نہ صرف دلجوئی کے لیے بلکہ اللہ کی جانب سے وقتِ مقررہ پر فتح و کامیابی پر حق الیقین اپنے پاس بلا بھیجا اور اس شان واہتمام سے یہ سفر کرایا کہ ایسا سفر نہ اس سے قبل کسی کو میسر آیا نہ قیامت تک کسی کا نصیب بن سکے گا۔ اس واقعۂ معراج کا ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو جتنی تکلیف اٹھائے گا انعام بھی اسی درجے کا پائے گا۔ یہ واقعہ ایک اور بات کا بھی سبب بنا کہ دودھ اور پانی الگ ہو گئے، جن کا ظاہر باطن سے جدا تھا وہ پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس واقعے کی مخالفت کفار و مشرکین کی جانب سے ہونا تعجب کی بات نہیں لیکن جہاں دلوں میں نورِ ایمان کا چراغ بالکل مدھم تھا ان کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ مشرکین و کفار اور یورپ کے مستشرقین کے نقشِ قدم پر چل پڑے، اگرچہ مسلمان تھے اور ہیں۔ مگر جن کے ایمان کی حفاظت خدا نے کی ان کے یقین کے چراغ ضوفشاں رہے، وہ نہ کسی شک وشبہے میں گئے نہ کسی تذبذب کا شکار ہوئے، نہ دشمنانِ دین کے شور مچانے سے متاثر ہوئے۔

یہ وہ صاحبِ ایمان تھے، اور آج بھی ہیں، جو اس واقعے پر اس انداز سے نہیں سوچتے: کیا نظامِ فطرت ہے، قدرت کے معین اصول کیا ہیں، خدا کی قدرت کاملہ کے لیے کیا ممکن ہے، عقل کیا رائے دیتی ہے بلکہ وہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح سوچتے ہیں کہ ہم نے خدا کو کب جانا، اور ہم کیا جانیں وہ کیا ہے، اس کی طاقت کتنی ہے، اس کی قدرت میں کیا کچھ ہے، کیا ہو سکتا ہے کیا نہیں ہو سکتا، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے تصدیق کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی۔ خدا سے یہ سب سے زیادہ قریب ہیں، انھیں جو خبر ہے کسی اور کو نہیں۔ اب جو کچھ انھوں نے بتایا، جو کلام انھوں نے سنایا اگر وہ برحق ہے تو سب کچھ برحق ہے لہٰذا پہلے اس حق کو جان و دل سے تسلیم کر لیا۔ جب اس مقام پر آ گئے تو اس ہستی نے جو فرمایا جو بتایا تمام دنیا کے اہلِ فلسفہ، سائنسدان اور دیگر علوم کے ماہرین ایک طرف اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف۔ ذرا غور کیجیے کہ مغربی فلسفیوں نے معراج کے واقعے اور معجزات کی تو بڑی شد و مد سے مخالفت کی لیکن حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی مخالفت نہ کر سکے بلکہ کسی کی زبان کھلی بھی تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی تعریف کی۔ جب ان کی ذات پر اعتراض کی گنجائش نہ نکل سکے تو پھر

ان کے کسی اعتراض پر اہلِ ایمان کیسے یقین لائیں۔ کتنے بدقسمت وہ لوگ ہیں جو واقعہ معراج پر اپنی عقلِ ناقص کو حکم بنا رہے ہیں اور ایک سچے واقعے کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

مفسّرِ قرآن پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں:

''اہلِ ایمان کے نزدیک کسی واقعے کی صحت اور عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی (اپنی) عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ ان کا یقین یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے، جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کیے ہوئے قواعد وضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہو سکتے اور جو اس واقعے کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک وشبہہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اس نے بتا دیا، جس کی صداقت ہر شبہے سے بالاتر ہے، کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے تو پھر وہ امکان وعدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں؟ اس لیے جب شبِ اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے بھرے مجمعے میں اس عنایتِ ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے: بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون وچرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔''

(ضیاء القرآن، تفسیر سورہ بنی اسرائیل)

بات یہاں بھی وہی ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ معاملے عقل وخرد سے سلجھانے کے نہیں ہیں۔ اکثر واقعات، جو تاریخ اسلام سے گزشتہ اوراق میں پیش کر چکا ہوں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی تصدیق خود کیا کرتے اور شہادت (گواہی) دیتے تھے اگرچہ واقعے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے۔ اس لیے کہ ان کے ایمان کا یہ عالم تھا کہ وہ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کسی بھی کلمے کو جھوٹ تصور نہیں کرتے تھے، اور ''گفتۂ او گفتۂ اللہ بود'' ہی سمجھتے تھے کیونکہ ان کی نگاہ قرآن پر جہاں ہوتی: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ

الھُدیٰ وہیں صاحبِ قرآن کے چہرے پر بھی ہوتی جس کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مبارک میں وحیِ الٰہی، معجزات اور دیگر دلایلِ نبوت کا اثر و ظہور نہ بھی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیلِ نبوت کے لیے کافی تھا۔

(زرقانی علی المواہب، ص ۲۷، جلد چہارم)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے) فرماتے ہیں: ''جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔'' اس طرح کے کئی واقعات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھ کر لوگ ایمان لے آتے، یہ کہہ کر کہ یہ چہرہ کسی جھوٹ بولنے والے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔

منکرین کا حلقہ بگوش تیسرا گروہ آج بھی ہے:

مفسرِ ''ضیاء القرآن'' نے اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا، وہ فرماتے ہیں:

> ''لیکن آج صورتِ حال قدرے مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے، دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور اِدھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے، نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضا مند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات و نظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن)

اعتراضات اور جوابات:

ایک سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ سفر جسمانی ہوا یا روحانی؟ اس کے علاوہ بھی معترضین اپنے قیاس، قیاسِ باطل، میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام واقعہ خواب میں ہوا۔ ان کے جواب کے لیے دلیل کی ضرورت بھی ہے لیکن جہاں مستشرقین کے فلسفیانہ افکار سے مرعوب معترضین نے غیر منطقی بات کی ہے اس کے لیے تو کسی دلیل سے رد کرنے کی بھی ضرورت نہیں، مثلاً: عبد روح کو نہیں بلکہ جسم اور روح کے مرکب کو کہا جاتا ہے اور قرآن میں اس کی مثال موجود ہے، جہاں روح کا تذکرہ ہے وہاں روح کا لفظ آیا ہے عبد کا لفظ نہیں آیا۔ دوسرا

اعتراض، خواب کی بات، تواس کے دو جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ اگر آپ رات ایک خواب دیکھیں اور صبح اٹھ کر اس طرح وہ خواب بیان کریں کہ رات خواب میں اس ناچیز نے آسمان کی سیر کی، تمام رات میں آسمانوں کی سیر کرتا رہا، عجیب وغریب مناظر دیکھے یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا، وہاں دیکھا کہ ایک کرسی رکھی ہے، میں اس پر بیٹھ گیا، پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اب ذرا آپ بتائیے کہ اس خواب کو سن کر کیا آپ کوئی شور مچائیں گے، کوئی احتجاج کریں گے۔ خواب آخر خواب ہے، جیسا بیان کیا گیا، دیکھا ہوگا، ہم بھی ایسے خواب دیکھ سکتے ہیں لیکن تمام کفار و مشرکین نے ملّہ سر پر اٹھالیا۔ ان واقعات کی تفصیل میں جایئے تو معلوم ہوگا کہ کیا کسی خواب کے بیان پر اتنا شور مچایا گیا تھا؟ پھر جو حضرات مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے وہ ان شور مچانے والوں سے کہتے کہ آخر اس خواب پر آپ کو کیا اعتراض ہے، کیا آپ لوگ خواب نہیں دیکھتے؟ لہٰذا جو لوگ واقعۂ معراج کو خواب تخیل کرتے ہیں وہ انتہائی احمقانہ بات کہتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے ان واقعات کی، جو واقعۂ اسریٰ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، مدت معلوم کیجیے تو ان تمام واقعات کے لیے رات کا قلیل حصہ ناکافی ہے۔ اس کی تفصیل کچھ میں یہاں دیتا ہوں کچھ قاری حضرات سیرت کی کتابوں سے اپنے مطالعے میں لائیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اگر یہ مدت جسمانی سفر کے لیے ناکافی ہے تو خواب کے لیے بھی ناکافی ہے کیونکہ ان واقعات سے گزر کر سفر مکمل کرنے میں جتنا وقت جسم کو چاہیے خواب کو بھی اتنا ہی وقت چاہیے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ کیا ان معترضین نے قرآنِ کریم کا مطالعہ کیا بھی یا نہیں جس میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ، اپنے اختیارات، اپنی مشیت کا ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اعلان کیا ہے۔ کہیں کفار و مشرکین کو عتاب کی آیات میں اور کہیں ایمان لانے والوں کو انعام و اکرام کے مژدہ جانفزاء کی صورت میں، پھر یہ سب جان کر اس کی مشیت، اس کی منشا، اس کی قدرتِ کاملہ پر شک کرنا کہ ایسا ممکن ہے اور اس طرح ممکن نہیں، یہ بات عقل و فہم سے بالاتر ہے تو یہ سراسر ایمان کی کمزوری ہے ورنہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی پچاسوں آیات میں سے صرف ایک ہی آیت اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کافی ہے۔ وہ آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر سکتا ہے، وہ موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کو اژدھا بنا سکتا ہے، وہ کوہِ طور کو سرمہ بنا سکتا ہے، وہ کنکریوں کو قوت

گویائی بخش دیتا ہے، وہ یونس علیہ السلام کی حفاظت مچھلی کے شکم میں کرسکتا ہے، وہ آتشِ نمرود کو گلزار بنا سکتا ہے، وہ دریائے نیل سے موسیٰ علیہ السلام کے گزرنے کے لیے راستہ بنا سکتا ہے۔

تو جس کی خاطر یہ سب کچھ پیدا کیا، جو سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ ہیں ان کو جسدِ اطہر کے ساتھ آسمانوں کی سیر نہیں کرا سکتا؟ نعوذ باللہ! یہ اعتراض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات پر نہیں جاتا بلکہ یہ اعتراض اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر جاتا ہے جو کفر ہے یعنی ربّ تبارک وتعالیٰ کی بابت ایسی بات سوچنا جو اس کے اختیار کے لیے چیلنج ہو۔ ان سوچنے والوں کو اپنا مقام سوچنا چاہیے۔

میں پہلے اختصار سے واقعۂ اسراء میں دکھائے جانے والے واقعات بیان کرتا ہوں جو معراج کے سفر کی غرض وغایت کا ایک حصہ ہیں جسے آکر حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ پہلے واقعۂ معراج کو اختصار کے ساتھ دہراتا ہوں تاکہ اس بحث میں وہ پیشِ نگاہ رہے، سارا واقعہ یہ ہے۔

واقعۂ معراج کی تفصیل:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات خانۂ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریلِ امین علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، چاہ زمزم کے قریب لائے گئے، سینۂ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقے سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء علیہم السلام سابقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم براہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے روزِ ازل جو وعدہ لیا تھا: لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: آیت ۸۱) کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، کی تکمیل ہوئی۔ ازاں بعد مرکبِ ہمایوں بلندیوں کی طرف پَر کشا ہوا۔ مختلف طبقاتِ آسمانی پر مختلف

انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔

پہلے آسمان پر ابوالبشر آدم علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر اپنے جدِّ کریم، ابوالانبیاء حضرت خلیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے "مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح" یعنی اے نبیِ صالح خوش آمدید اور اے فرزندِ دلبند مرحبا! کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی تک پہنچے جو انوارِ ربانی کی تجلی گاہ تھی۔ اس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقابِ ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا، اور آگے بڑھے، کہاں تک گئے؟ ہما و شما اسے کیا سمجھیں۔ زبانِ قدرت نے مقامِ قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی

"پھر وہ قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔"

(سورہ النجم: آیات ۸-۹)

وہاں کیا ہوا؟ یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے، قرآنِ کریم نے بتایا ہے:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی

"پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی۔"

(سورہ النجم: آیت ۱۰)

(اقتباس از "ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" جلد دوم، ص ۴۸۳-۴۸۴)

آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ:

نہایت اختصار کے ساتھ واقعۂ معراج آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس واقعے میں بھی پیغمبروں سے ملاقات اور گفتگو کا ذکر ہے۔ اس سفر میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں شرفِ معراج بخشا، اپنا انتہائی قرب عطا کیا، اپنی آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ کرایا ان سب کے علاوہ چند ایسے اعمال کو، جن پر ان کے مطابق اثرات ہوں گے، "محسوس پیکر" میں پیش کیا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جب ان کا ذکر ہو تو وہ عبرت حاصل کرے۔ ان حقایق اور مکاشفات کو امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی، جن کی وفات ۹۴۲

ہجری میں ہوئی، اپنی مشہور و معروف تصنیف "سبل الھدیٰ والرشاد" میں تحریر فرمایا ہے، دیگر علما نے بھی ان مکاشفات کو سپردِ قلم کیا ہے، "ضیاء النبی ﷺ" نے بھی اسی حوالے سے پیش کیا ہے، میں انھی کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ سفر کتنا طویل تھا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ امت کو خبردار کرنے اور ان کی عبرت کے لیے اعمال انسانی پر ہونے والے اثرات کو دکھایا گیا لیکن اس کے لیے محسوس پیکر دیا گیا۔ اعتراض کرنے والوں کو جہاں جسم کا سفر کرنا ان کے ایمان کے مطابق ممکنات سے نہیں اعمال پر مرتب ہونے والے اثرات کو مرتب ہونے سے قبل پیکرِ محسوس میں ڈھالنا کیوں کر ممکن ہے؟ انھیں ان واقعات سے بھی انکار کر دینا چاہیے کیونکہ عقلِ انسانی تو ان کا احاطہ نہیں کر پاتی۔

دورانِ سفر مکاشفات:

جب اللہ کا محبوب ﷺ قَابَ قَوْسَیْنِ کی منزل کی جانب براق پر سوار ہو کر روانہ ہوا اس وقت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے مرکب کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ میکائیل علیہ السلام بھی ہمراہ تھے۔ ابھی حرم سے کچھ ہی فاصلہ طے ہوا تھا کہ یہ ایسی زمین پر پہنچے جہاں کھجوروں کی باغات تھے۔ جبریل علیہ السلام نے اترنے اور نماز ادا کرنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ سواری سے نیچے آئے، نماز ادا فرمائی پھر سفر پر روانہ ہوگئے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ (ﷺ) کیا آپ ﷺ جانتے ہیں کہ جس جگہ آپ ﷺ نے نماز ادا کی وہ کون سا مقام تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے مطلع کیا: یہ طیبہ کی سرزمین تھی اور یہی آپ ﷺ کی ہجرت گاہ ہے۔ پھر براق آگے بڑھا اور ایک اور مقام آیا تو جبریل علیہ السلام نے اسی طرح عرض کی کہ سواری سے نیچے تشریف لے آئیے اور یہاں بھی دو رکعت نفل ادا فرمائیے۔

حضور ﷺ نے یہاں بھی ایسا ہی کیا، پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی طرح دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو خبر ہے کہ آپ ﷺ نے کہاں نماز ادا کی؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں نہیں فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی: آپ ﷺ نے مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی۔ پھر سفر کا آغاز ہوا۔

اسی طرح پھر ایک مقام پر آپ سے اترنے کے لیے کہا گیا اور نماز کے لیے عرض کیا گیا۔ آپ ﷺ اترے اور آپ ﷺ نے دو رکعت نماز یہاں بھی ادا فرمائی۔ پھر سفر شروع ہوا تو اسی طرح جبریل علیہ السلام نے دریافت کیا اور آپ ﷺ کے نفی میں جواب پر کہا کہ یہ طورِ سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ جب آپ ﷺ کی سواری بیت اللحم پہنچی، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے، وہاں بھی اتر کر آپ ﷺ نے نماز ادا کی۔ اس سفر میں ہر ہر جگہ پر سواری کو روکنا، اترنا، نماز ادا کرنا، اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نماز، یہ کوئی عجلت اور بھاگ دوڑ کی نماز تو نہیں ہوگی! وقت کا اندازہ فرماتے جایئے۔ بات صرف یہیں ختم نہیں جاتی، جب یہاں سے بڑھے حضور ﷺ نے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لیے ہوئے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: کیا میں آپ ﷺ کو ایسے کلمات نہ بتاؤں جب آپ ﷺ ان کی تلاوت کریں تو اس کا یہ شعلہ بجھ جائے اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ضرور۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ دعا سکھائی۔

جبریل علیہ السلام نے دعا سکھائی:

قل اعوذ بوجه الله الكريم و بكلمات الله التامّات التی لايجاوزهن بر ولا فاجر من شر ما ينزل من السماء ومن شر ما يعرج فيها ومن شر ما ذرأ فی الارض ومن شر ما يخرج منها ومن شر فتن الّيل والنهار ومن طوارق الّيل والنهار الا طارقاً يطرق بخير يا رحمن۔

(سبل الہدیٰ جلد سویم، ص ۱۱۶)

حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی۔ وہ شعلۂ عفریت بجھ گیا اور وہ منہ کے بل گرا۔

ابھی سفر جاری ہے لیکن ان مندرجہ بالا سطور کے احوال سے آپ کے لیے جو ایک اہم نکتہ ان واقعات کے نتیجے میں سامنے آیا وہ یہ کہ مزاراتِ انبیاء ہی نہیں ان مقامات کو بھی، جنھیں نسبت ہوگئی نبیوں سے، اس درجہ قابلِ احترام ہوگئے کہ وہاں نفل نماز ادا کرائی گئی اور

وہ بھی اس ہستی سے جو بعد از خدا بزرگ ہے۔ طورِ سینا نبی کا مزار نہیں ہے لیکن نسبت ہے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے، بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون نہیں ہیں لیکن نسبت ہے نبی علیہ السلام کی، مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی حتیٰ کہ طیبہ کی سرزمین پر نہ کوئی نبی ہے نہ نبی کا مزار مبارک ہے اور ہجرت کے بعد اس شہر کو خصوصی اعزاز ملنے والا ہے لیکن حرمت پہلے سے دے دی گئی ہے۔ طیبہ کی حرمت کا اندازہ کیجیے کہ پہلے سے حق تعالیٰ نے اہتمام فرمایا ہے۔ ایک اور نتیجہ اخذ کیجیے۔

مدینہ منورہ کی سرزمین کی بزرگی وعظمت ہجرت سے پہلے:

بغض وعناد میں ڈوبے ہوئے بعض بدبخت صاف صاف لوگوں کو تلقین کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ حج سے پہلے یا بعد مدینہ طیبہ جانا لازم نہیں۔ ابھی اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مدینے پہنچا نہیں ہے، اس کے قدم مبارک نے اس زمین کو بوسہ لینے کا شرف نہیں بخشا اور اس کی حرمت کا یہ عالم ہے کہ خود جس کے قدموں سے اس زمین کو یہ اعزاز پہنچے گا اس ذات ہی کو دو رکعت نماز خدا کے حضور پیش کرنے کا حکم دے کر اسے تمام امتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سنّت قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے مقدس مزارات ہی نہیں بلکہ ان کے آثار بھی جہاں ہوں ان کے احترام کو لازم قرار دیا گیا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت علیہم السلام اور خلفاء نیز صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات اور ان کے جہاں جہاں آثار پائے جاتے ہیں جو لوگ وہاں حاضر ہوتے ہیں وہ اسی سنّت کو ادا کرتے ہیں۔ اب کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مولد پر نماز پڑھی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام یا حضرت یوسف علیہ السلام یا کسی اور نبی کے آثار پر نہیں پڑھی اس لیے یہ طریقہ صرف انھی دو انبیاء کے لیے جائز ہے تو جہلِ علم کا اس سے بڑا کوئی مظاہرہ نہیں ہو سکتا۔

اب آگے امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو منظر پیش کیا ہے وہ خاص طور سے ان معترضین کے لیے بلکہ گروہ معترضین کے لیے عبرت کا مقام بھی ہے اور ان کی اصلاح کا ذریعہ بھی جو قانونِ قدرت کا راگ الاپ رہے ہیں اور law of nature کا

شکار ہیں، وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کو تسلیم بھی کرتے ہیں اور دل میں قبول بھی نہیں کرتے، یعنی تذبذب کا شکار ہیں۔

نیک اور برے کاموں کے انجام دکھا دیے گئے:

پھر اثنائے سفر یہ منظر دیکھا کہ ایک قوم ہے جو کھیتی باڑی کرتی ہے۔ وہ لوگ آج جو فصل بوتے ہیں دوسرے دن وہ فصل تیار ہو جاتی ہے۔ وہ اسے کاٹ لیتے ہیں پھر وہ فصل جوں کی توں لہلہانے لگتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہ اللہ کے مجاہد ہیں جن کی نیکیوں کو سات سو گنا کر دیا جاتا ہے اور جو وہ خرچ کرتے ہیں اس کی جگہ ان کو اسی وقت دے دیا جاتا ہے۔

(اس واقعے میں مصنف نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ ان لمحات کا اندازہ لمحات میں ٹھیر کر کیا یا حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا۔ معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ ایک دن کی فصل دوسرے دن اگنے کا ذکر حضرت جبریل علیہ السلام نے ہی بیان کیا ہوگا۔)

اس کے بعد فرعون کی بیٹی کی مشاطہ (بناؤ سنگھار کرنے والی) کا واقعہ ہے، اس کے بعد بے نمازیوں کا عبرتناک واقعہ کہ ان پر کیا گزر رہی ہے، پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حال میں پایا، ہولناک مناظر ہیں، ان کے بعد بدکاری کرنے والے شوہروں اور بیویوں کے عبرتناک مناظر ہیں، پھر سود کھانے والوں کا دردناک منظر ہے۔ ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر یکے بعد دیگرے اس گروہ کے پاس ہوتا ہے جو لوگوں کی امانت کھا بیٹھے اور دردناک عذاب میں گرفتار ہیں، پھر ایک ہیبت ناک منظر کے قریب آئے جہاں قینچی سے ایک گروہ کی زبانیں اور ان کے ہونٹ کاٹے جا رہے ہیں، پھر جوں کے توں ہو جاتے ہیں پھر کاٹے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی:

هؤلاء خطباء الفتنة من امتک یقولون مالا یفعلون

"یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں، جو دوسروں کو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔" (سبل الہدیٰ جلد سویم، ص ۱۱۷)

ان کے بعد پھر غیبت کرنے والوں کا انجام دکھایا گیا ہے جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں، جن کے ناخن تانبے کے ہیں اور وہ اپنے چہروں کو اور سینوں کو ان ناخنوں سے کھرچ رہے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کی عزتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ راستے میں ایک خوبصورت عورت (دنیا) ملتی ہے، پھر سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر شریف کے پاس سے گزرتے ہیں جہاں وہ قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ دونوں جانب سے سلام ہوتا ہے۔

بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور امامتِ انبیاء علیہم السلام:

آخر میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور جبریل علیہ السلام نے بھی دو رکعت نماز پڑھی۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ پھر مؤذن نے اذان دی اور اقامت کہی۔ سب اس انتظار میں تھے کہ کون امامت کا شرف حاصل کرے گا، جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑا اور مصلّے پر کھڑا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

نماز کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر خطبہ:

نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد ان احسانات کو گنوایا جو ان کے ربِّ جلیل نے ان پر فرمائے تھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا:

الحمد لله الذی اتخذنی خلیلاً واعطانی ملکا عظیما وجعلنی امة قانتا یؤتمّ بی وانقذنی من النار وجعلها علیّ بردا وسلماً۔

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا، مجھے ملکِ عظیم عطا فرمایا، مجھے اپنا فرمانبردار بنایا جس کی پیروی کی جاتی ہے، مجھے آگ سے بچایا اور اسے میرے لیے ٹھنڈا اور سلامتی کا باعث بنایا۔"

(سبل الہدیٰ جلد سویم، ص ۱۲۰)

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا:

آپ علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام ، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور ان احسانات اور انعامات کو بیان کیا جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ آخر میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: آپ سب نے میرے ربّ کی ثناء کی ہے اور اب میں اپنے ربّ کی ثناء گستری میں لب کشا ہوتا ہوں۔ پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله الذی ارسلنی رحمة للعالمین و کافة للناس بشیراً و نذیراً وانزل علیّ الفرقان فیه تبیان کل شيءٍ وجعل امتی خیر امة اُخرجت للناس وجعل امتی وسطاً وجعل امتی هم الاولون والاٰخرون۔ وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحاً وخاتماً۔

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے مجھے سارے جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھ پر یہ فرقان نازل کیا۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور اسے لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کیا اور میری امت کو وسط بنایا۔ میری امت ہی اوّل و آخر ہے۔ مجھے شرح صدر کی نعمت سے نوازا، میرا بوجھ مجھ سے اٹھالیا۔ میرے ذکر کو میرے لیے بلند فرمایا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔

(سبل الہدیٰ جلد سویم، ص ۱۲۱)

یہ جان پرور کلمات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گروہ انبیاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بهذا فضلكم محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ انھیں احسانات اور انعامات کے باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب پر فضیلت پا گئے۔

والمعراج سفره دراصل سفرِ معراج کا واقعہ ہے۔ تاریخِ اسلام ہی نہیں تاریخ انسانی میں بھی عظمت و بزرگی کا ایسا کوئی دوسرا واقعہ نہیں اور کسی واقعے پر اتنے اعتراضات بھی

(ب)یں اٹھائے گئے جتنے واقعہِ معراج پر مخالف مذہب والوں نے اور اپنوں نے لیکن اس پر (ا)تنا غور ہونا چاہیے اتنا نہیں کیا جاتا، مثلاً: اتنی نشانیاں جو دکھائی گئیں اس کا مطلب یہ تھا کہ (ا)مت کو خبر دے دی جائے کہ سود خوری، امانت میں خیانت، عورتوں اور مردوں کی بدکاری، (خ)طابت کے فتنوں، غیبت کرنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے، نماز کے چور — ان تمام (گ)روہوں کے حالات دکھادیے گئے۔

(مم)کنہ سوال اور اس کا جواب:

ممکن ہے یہ سوال پیدا ہو اور ذہن میں آئے کہ ابھی قیامت نہیں آئی، حشر برپا نہیں (ہ)وا، میدانِ حشر کا فیصلہ نہیں ہوا پھر یہ سب کچھ پہلے کیسے ہوگیا؟ تو اس پر ایک جملہ پہلے ہی (تح)ریر کیا گیا جسے یہاں اسی بات کو سمجھانے کے لیے دوبارہ پیش کرتا ہوں۔

"اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوت کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا نیز چند اعمال (پر) (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) مرتب ہونے والے اثرات (جنھیں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا) اور عواقب کو "محسوس پیکر" میں پیش کیا گیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ان سے عبرت حاصل کرسکیں۔"

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پر ایمان ہے تو مستقبل میں ہونے والے واقعات کو "محسوس پیکر" میں ڈھال کر دکھانا اس کی ذات کے لیے کب دشوار ہے۔ اپنی عقلِ نارسا سے، جس کی پہنچ نہ سدرہ تک ہے نہ عرش تک، کیا اس عقل کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ وہ خالقِ عقل کے کمال پر معترض ہو؟

اندازہ کیجیے کہ ابھی یہ تمام سفر ادھورا ہے۔ حطیم سے شروع ہوکر صرف بیت المقدس تک کے واقعات ہیں جن کی اگرچہ تفصیل بہت ہے لیکن اختصار سے بیان کیا گیا اور ان تمام واقعات کی مدت کتنی ہوگی؟ اس کا اندازہ بھی کیجیے، پھر یہاں سے سدرۃ المنتہیٰ کا سفر ہوگا اور وہاں کی بات آیندہ اوراق میں آئے گی زیرِ عنوان "سدرۃ المنتہیٰ مقامہ" اور "قاب قوسین مطلوبہ" جس میں اس سفر کی تفصیل، اعتراضات اور جوابات دیے گئے ہیں۔

وَسِدرَۃُ المُنتَھیٰ مَقَامُہٗ

جو عشق ہوتا خرد کا شریکِ بینائی
نہ ہوتا سدرہ پہ حیراں، درود تاج میں ہے

وَسِدۡرَةُ الۡمُنۡتَهٰى مَقَامُهٗ

اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ کی بات:

سدرۃ المنتہیٰ مقامہٗ کے زیرِ عنوان مسجدِ اقصیٰ تا سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے ماورا کے سفر کا احوال، جو اللہ اور اللہ کے محبوب ﷺ نے بیان کیا یعنی قرآن اور حدیث کے ذریعے ہم آپ تک پہنچا، اس سے ہٹ کر جو کوئی بیان کرے وہ غلط ہے، دویم اس کی تشریح میں دو گروہ جدا جدا اپنا خیال پیش کرتے ہیں اور ان میں بڑی بڑی شخصیات ہیں۔ ان دونوں کے افکار پیش کرنا اور اس کے ذریعے نتائج حاصل کرنا، سویم لفظ مقامہ پر اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب بھی شامل ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل والمعراج سفرہٗ میں یہ بات واضح طور پر بتائی گئی ہے کہ تاریخِ اسلام میں یہ واقعہ بہت عظیم واقعہ ہے، اس کے بعد ہی تبلیغِ اسلام میں انقلابی تبدیلی آئی۔ دوسرا واقعہ ہجرت کا ہے جہاں اسلام کی سربلندی کا آغاز کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔ جو واقعہ جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی مخالفت بھی اتنی ہی شدومد سے ہوتی ہے۔ واقعہِ معراج کی مخالفت اور اس پر اعتراض صرف کفار و مشرکین اور قریش کے قبایل ہی نے نہیں کیے یہ سلسلہ دراز ہو کر ہمارے زمانے تک آ گیا ہے۔

عہدِ جاہلیت میں سرے سے واقعے ہی کی تکذیب کی جاتی رہی، عصرِ جدید میں یورپ کے فلاسفر اور مفکرین نے یہی کوشش جدید علمی انداز میں کچھ اس طرح کی کہ ان کے مادہ پرستی کے افکار و نظریات سے مرعوب مسلمانوں نے بھی اعتراضات میں ان کی ہم نوائی کی۔ اس لیے صرف واقعے کو بیان کر دینا میرے نزدیک کافی نہیں بلکہ اس آئینے کو تمام گرد و غبار سے صاف و شفاف کرنا اس لیے ضروری ہے کہ وہ اہلِ محبت، جو نہایت ادب و احترام، جذبہِ شوق اور عقیدت سے اس درود تاج کا شب و روز ورد کرتے ہیں، انھیں اعتراضات کا

پس منظر، اس کی غرض و غایت اور ان کے اطمینان بخش جواب کے ساتھ ساتھ اس واقعے کی، جو تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے، اور جس میں اور بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کی حقیقتوں سے خود بخود پردہ اٹھتا جاتا ہے تو اس کے مطالعے اور اس کے ورد میں جو کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے قرآنِ کریم سے اصل واقعہ (مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا واقعہ گزشتہ اوراق میں گزرا اب اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک کے سفر کا بیان ہے)۔ اس سفر کو ہی معراج کہا جاتا ہے، اس سے پہلے جو سفر اقصیٰ تک کا ہے اسے اِسراء کہتے ہیں۔

سورہ النجم اور اس کا ترجمہ:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى

قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى

تمھارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى

اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى

انھیں سکھایا ہے زبردست قوت والے نے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى

بڑے دانا نے، پھر اس نے بلندیوں کا قصد کیا۔

وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى

اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى

پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی

پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب ﷺ) بندے کی طرف جو وحی کی۔

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی

نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشمِ مصطفیٰ ﷺ) نے۔

اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی

کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انھوں نے دیکھا۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی

اور انھوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔

عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی

اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی

جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی

نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ ﷺ) اور نہ (حدِ ادب سے) آگے بڑھی۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی

یقیناً انھوں نے اپنے ربّ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

(سورہ النجم کی وہ آیات جن میں یہ واقعہ بیان ہوا)

اب ہم اس بحث کو آسانی سے سمجھنے کے لیے جدید انداز سے ہر بات پیش کر رہے ہیں۔ پہلے آیات اور ان کا لفظی ترجمہ پیش کر دیا گیا، اب ان کتابوں اور ان کے مصنفین کے نام جن کے حوالے اس بحث کا ذریعہ ہیں تاکہ قاری ایک نظر انھیں بھی دیکھ لے اور اپنے ذہن میں رکھے۔

وہ کتب جن کے حوالوں سے یہ بحث کی جائے گی:

۱- مشکوٰۃ شریف	امام ابو محمد حسین بن حنبل الفراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ
۲- مسلم شریف	امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ
۳- فیض الباری شرح بخاری	مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
۴- فتح الباری شرح بخاری	علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ
۵- کتاب الشفاء	قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ
۶- روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
۷- عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ
۸- سبل الہدیٰ والرشاد	امام یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ
۹- روح البیان	علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰- اشعۃ اللمعات	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱- مفردات (لغت)	علامہ راغب الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲- انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ
	(سیرت حلبیہ)

جس طرح جدید انداز اختیار کرتے ہوئے سورہ النجم کی آیات کے ترجمے اوپر نیچے پیش کیے اسی طرح حوالوں پر مشتمل تصانیف اور ان کے مصنفین کے نام بھی پیش کر دیے تا کہ قاری ایک نظر میں انھیں دیکھ لے اور ذہن میں محفوظ کر لے۔ یہ تمام وہ حضرات ہیں جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں ان امور پر قابلِ قدر تحقیقی خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی تصنیفات ہمارے عہد کے ہر تحقیقی کام میں مددگار ہیں، مستند ہیں، معتبر ہیں اور شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔

اب ہم ان اصحاب کی فہرست پیش کرتے ہیں جو دو گروہوں میں تقسیم ہیں: ایک وہ گروہ جو اس واقعے کو خواب کا واقعہ تصور کرتا ہے اور اللہ سے صاحبِ معراج کے کلام اور ربّ کے دیدار کو تسلیم نہیں کرتا۔ دوسرا وہ گروہ جو اس سفر کو خواب نہیں بلکہ جسمانی بیان کرتا ہے، ربّ سے ہم کلام ہونے اور اس کا دیدار کرنے کو تسلیم کرتا ہے۔ دونوں اپنے اپنے

دلائل پیش کرتے ہیں۔

اختلاف کے دو گروہ اور ان کے نام:

پہلے گروہ میں:

۱-امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

۲-حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۳-حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابنِ مسعود

دوسرے گروہ میں:

۱-حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ	صحابی
۲-حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ	صحابی
۳-حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ	صحابی
۴-حضرت انس رضی اللہ عنہ	صحابی
۵-حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ	تابعین
۶-حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ	تابعین
۷-حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	تابعین
۸-حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ	تابعین

وہ آیات جن پر اختلاف نہیں:

جس سورہ مبارکہ ''النجم'' کی آیات میں واقعہِ معراج کا ذکر ہے یہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى سے شروع ہوکر لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى پر ختم ہو جاتی ہیں۔ان میں وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى سے اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى تک کسی کو اختلاف نہیں ہے۔کیوں اختلاف نہیں،اس لیے کہ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان الزامات کی تردید فرمارہا ہے جو معراج سے واپس آکر،جب اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کا اعلان کیا تو بڑی شدومد سے اس واقعے کو جھٹلانے کی کفار و مشرکین نے کوشش کی اور گمراہی کا الزام لگایا،اللہ تعالیٰ نے ان الزامات کی تردید کرنے سے قبل قسم کھائی پھر ان کی تردید کے لیے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے

عقیدے میں کوئی خرابی نہیں۔ کیا تم انھیں بچپن سے دیکھتے نہیں آئے؟ وہ تمھارا ہی ساتھی ہے، زندگی بھر کا ساتھ تمھارا اس کا رہا۔ صَاحِبُكُمْ کہہ کر یہی بات واضح کی کہ تم اس کے کردار اوراس کی سیرت سے اچھی طرح واقف ہو، وہ کبھی جھوٹ نہیں کہتا، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى وہ تو اپنی مرضی سے کچھ بولتا ہی نہیں، جو کچھ وحی کی جاتی ہے وہی اس کا کلام ہے۔ اس کی راست گوئی کے تو تم لوگ خود گواہ ہو پھر تم اس پر بہتان لگاتے ہو۔ یہاں ایک اور نکتہ نکل آیا: سورہ والضحیٰ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو لغوی اور اصطلاحی معنوں میں ٹھوکر کھائی: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں یہ ترجمہ کر دیا: تم بھٹکے ہوئے تھے، ہم نے راہ دکھائی۔ وہ یہاں کیا کہیں گے؟

اہلِ حق نے تو یہ تفسیر کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کی تلاش میں سرگرداں تھے، ہم نے راہ دکھائی۔ حق کی جستجو اور ہے، بھٹکا ہوا یعنی گمراہ ہونا اور ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وحی کے آغاز سے پہلے عرصے کے لیے یہ مفہوم ہے تو یہاں اس کی بھی تردید ہو رہی ہے اور کہا جا رہا ہے: صَاحِبُكُمْ۔ وہ تمھارا ہی ساتھی ہے، تم بچپن سے آج تک اس کے بلند کردار سے واقف ہو، پھر اس پر الزام لگاتے ہو۔

وہ آیات جن کے مفہوم پر اختلاف ہوا:

اختلاف اس آیت سے ہوتا ہے: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى یہاں سے لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى تک علماء میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں بھی رہا، اس کا پتا چلتا ہے۔ آیاتِ نصوص سے دونوں مفہوم لیے جا سکتے ہیں، اسی لیے ہم دونوں گروہ کے افکار پیش کر دیتے ہیں، جسے پیش کرنے میں ہم مفسّرِ قرآن حضرت علامہ پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات سے استفادہ کرتے ہیں کہ ان کی شخصیت اعتدال پسند ہے۔

عام مفسّرین کے نزدیک شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، یعنی جبریلِ امین علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا۔ جبریل علیہ السلام کے شَدِيْدُ الْقُوٰى ہونے میں کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے جو چشم زدن میں سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى سے زمین پر پہنچ جائے، جو وحی کے بارِ گراں کا متحمل ہو، جس نے لوط علیہ السلام کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا پھر انھیں آسمان کی

بلندیوں تک اٹھایا اور پھر انھیں اوندھا کر کے پھینک دیا۔ ایسی ہستی کی قوت وطاقت کا کیا کہنا!

شَدِیْدُ الْقُوٰی سے حضرت جبریل علیہ السلام کی جسمانی قوتوں کا بیان اور ذُو مِرَّۃ سے ان کی دانشمندی اور عقل مندی کا ذکر ہے۔ فَاسْتَوٰی کا فاعل بھی جبریلِ امین علیہ السلام ہیں۔ فاستقام علیٰ صورته الحقيقية التى خلقه الله تعالىٰ عليها۔ یعنی جبریلِ امین علیہ السلام اپنی حقیقی ملکی شکل میں نمودار ہوئے۔

(اس گروہ اول کا نظریہ یہ ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (جبریل علیہ السلام سے) اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی ملکی شکل میں (فرشتے کی اصلی صورت میں) ظاہر ہو کر دکھائیں۔ اوائلِ نبوت کا زمانہ ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا کے باہر تشریف فرما ہیں، مشرقی افق پر جبریل علیہ السلام اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کے شرقی غربی کنارے بھر گئے حالانکہ ابھی آپ نے اپنے چھ سو پروں میں سے صرف دو ہی پر پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔

(ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد دوئم)

پہلے گروہ کا بیان:

پہلے گروہ کے مفسرین نے ایک ایک لفظ سے یہی اخذ کیا کہ یہ جبریل علیہ السلام ہی کے لیے کہا گیا ہے، مثلاً: وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى۔ وہ کہتے ہیں هُوَ کا مرجع بھی جبریل علیہ السلام ہیں، الافق سے مراد یہاں وہ کنارا ہے جہاں آسمان وزمین ملتے نظر آتے ہیں، اَلْاَعْلٰى سے مراد بلند ترین ہے۔ اس طرح آیات کا مطلب یہ ہوا: جبریل علیہ السلام آسمان کے مشرقی کناروں پر، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

یہ حضرات دَنَا اور فَتَدَلّٰى کا فاعل بھی جبریلِ امین علیہ السلام کو ہی بیان کرتے ہیں (پھر وہ قریب ہوا، قریب ہوا) یعنی جبریلِ امین علیہ السلام مشرقی افق سے نمودار ہوئے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آئے اور بلندیوں سے نزول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب ہو گئے۔ اب کتنے قریب ہوئے اسے قَابَ قَوْسَيْنِ اور اس کے بعد اَوْ اَدْنٰى کہہ کر ظاہر فرمایا گیا۔ قَابَ کے معنی مقدار اور اندازے کے ہیں۔ قَوْسَيْنِ کمان کے لیے آتا ہے۔ یہ محاورہ

عربی کا ہے جسے عرب نہایت قرب ظاہر کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عربی زبان میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں یعنی جس طرح دو کمانیں ملی ہوئی ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں جبریل علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے ہی قریب آ گئے بلکہ اَوْ اَدْنٰی کہہ کر مزید قرب کا ذکر کیا ہے۔ دو کمانوں میں تو پھر کچھ فاصلہ ہے یہاں اس سے بھی زیادہ قرب ہوا۔

اب جو آیت آگے آ رہی ہے فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) بندے کی طرف جو وحی کی) اسے اس سے پہلے گروہ کے مفسرین اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جبریلِ امین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ اس آیت میں دو بار اَوْحٰی آیا ہے بعض نے پہلے اَوْحٰی کا فاعل جبریل علیہ السلام کو اور دوسرے اَوْحٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ کو بتایا ہے۔ اگر اسے ایسا ہی مان لیا جائے تو آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام پر وحی کی۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرہ پر پہنچے تو وہاں جبریل علیہ السلام مشرقی افق سے نمودار ہوئے، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے گئے۔ دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ، پھر اس فرشتے نے وحی کی جو کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیدار کیا وہ اللہ کا دیدار نہیں کیا بلکہ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی ملکوتی شکل میں دیکھا اور کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ (مزید تفصیل کے لیے قرآنِ کریم کی تفاسیر سے استفادہ کریں۔)

دوسرے مکتبِ فکر کا بیان:

اب ہم دوسرے مکتبۂ فکر کا خیال پیش کرتے ہیں۔ ان کے سرخیل حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان حضرات نے آیات کی جو تشریح کی ہے وہ اس طرح ہے۔ مفسرِ قرآن پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> عَلَّمَهٗ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شَدِیْدُ الْقُوٰی اور ذُوْ مِرَّةٍ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا اور دانا ہے اس نے اپنے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم کی تعلیم دی جس طرح اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ میں صراحتاً مذکور ہے۔

فَاسْتَوٰى کا فاعل نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ معراج میں افقِ اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں ربّ العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر فَتَدَلّٰى (سجدہ ریز ہو گئے)۔ پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انھیں ملایا جاتا ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالتِ قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس حریمِ ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور تمھارا (کافرو مشرکینِ مکّہ) یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا محض بے سود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا دکھا دیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضایع کر رہے ہو۔ یہ نعمتِ دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرف دیدار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔"

(بحوالہ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد سویم)

وہ احادیثِ صحیحہ، جن میں واقعاتِ معراج کا بیان ہے، وہ اس مفہوم کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ علامہ نے دو احادیث اس مفہوم کی تائید میں پیش کی ہیں اور نتیجہ انھی دو احادیث سے حاصل ہو جاتا ہے۔ حدیث کا، جس کے ذریعے ہمارا کسی نتیجے پر پہنچنا ممکن ہے، کیا مقام ہے؟ اسے بھی سمجھ لیجیے: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، دیگر تابعین نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت البنانی نے روایت کی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

جود ثابت رضی اللہ عنہ ھذا الحدیث عن انس ماشاء ولم یات احد عنہ باصوب من ھذا۔

''یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جتنے راویوں نے یہ حدیث روایت کی ان میں سے صحیح ترین وہ حدیث ہے جو ثابت البنانی کے واسطے سے مروی ہے۔''

(الشفاء جلد اول، ص ۲۳۵، دار الکتاب العربی، بیروت)

الشفاء ہی کے دوسرے صفحے پر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ثابت عن انس اتقن و اجود

''وہ حدیث، جو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ سب سے زیادہ محفوظ اور اعلیٰ پایے کی ہے۔''

(الشفاء جلد اول، ص ۲۳۶)

بحث کا نتیجہ حاصل کرنے والی حدیث:

جو حدیث پیش کر رہا ہوں اس کے صحیح ترین ہونے میں دو اقوال پیش کیے، اب وہ حدیث جس کی بنیاد پر اس ساری بحث کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے:

ثم عرج بنا الیٰ السماء السابعة فاستفتح جبریلؑ فقیل من ھذا قال جبریلؑ قیل ومن معک قال محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قیل قد بعث الیہ قال قد بعث الیہ ۔ ففتح لنا فاذا انا بابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسندا ظھرہ الی البیت المعمور و اذا ھو یدخلہ کل یوم سبعون الف ملک لا یعودون الیہ ثم ذھب بی الی سدرۃ المنتھیٰ فاذا ورقھا کاذان الفیل و اذا ثمرھا کالقلال قال فلما غشیھا من امر اللہ ما غشی تغیرت وما احد من خلق اللہ یستطیع ان ینعتھا من حسنھا فاوحیٰ الیّ ما اوحیٰ ففرض علیّ خمسین صلوٰۃ فی

كل يوم و ليلة فنزلت الىٰ موسىٰ عليه السلام فقال ما فرض ربك علىٰ امتك قلت خمسين صلوٰة قال ارجع الىٰ ربك فاسئله التخفيف فان امتك لا يطيقون لذلك فانى قد بلوت بنى اسرائيل و خبرتهم قال فرجعت الىٰ ربى فقلت يا رب خفف علىٰ امتى وحط عنى خمساً قال ان امتك لا يطيقون ذلك فارجع الى ربك فاسئله التخفيف قال فلم ازل ارجع بين ربى و بين موسىٰ عليه السلام حتى قال يا محمدً انهن خمس صلوات كل يوم و ليلة لكل صلوٰة عشر كذلك خمسون صلوٰة ومن هم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة فان عملها كتبت له عشرا و من هم بسيئة ولم يعملها لم تكتب له شئى فان عملها كتبت سيئة واحدة قال فنزلت و انتهيت الى موسىٰ عليه السلام فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف وقال رسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلم فقلت قد رجعت الىٰ ربى حتى استحييت منه۔

’’پھر مجھے اور جبریل علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا: جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا، آواز آئی کون ہے؟ کہا: میں جبریل علیہ السلام ہوں۔ پوچھا: ساتھ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔ پھر پوچھا: کیا انھیں بلایا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور وہ مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن دوبارہ انھیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا (فقط مجھے لے جایا گیا)۔ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے فرمایا: پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا تو وہ اتنا خوبصورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی، اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں، میں وہاں سے اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے پوچھا: فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اپنے ربّ کی طرف واپس جایئے اور تخفیف کی التجا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے ربّ کی طرف لوٹا اور عرض کی: اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما (درمیان میں اب جبریل علیہ السلام واسطہ نہیں ہیں)۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں۔ چنانچہ میں بار بار اپنے ربّ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادے پر عمل نہ کیا تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا، اور جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہیں کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا، اور اگر اس نے اس برائی کو کیا تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انھیں خبر دی۔ انھوں نے کہا: پھر اپنے ربّ کے پاس جایئے اور تخفیف کے لیے عرض کیجیے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے ربّ کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے۔''

(مسلم شریف جلد اول، ص ۹۱)

اگرچہ یہ حدیث طویل ہے، اول تو اس کے قطعی درست ہونے کی سند نقل کرنے سے پہلے ہی دے دی گئی۔ اس میں امت پر کیا کیا کرم فرمایا گیا؟ اس پر سے بھی پردہ اٹھایا گیا۔ نیکی کرنے یا گناہ کرنے کی بابت، پھر نمازیں پانچ اور ثواب پچاس کا۔ اب آپ ان جملوں کو غور سے دوبارہ پڑھیے تو حقیقت صاف صاف واضح ہوجائے گی یعنی ساتویں آسمان تک جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ہیں۔ یہاں تک کے لیے جمع کی ضمیر "عرج بنا" استعمال کی جاتی رہی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جب تک سفر میں جبریل علیہ السلام رہے، اس کے بعد جبریل علیہ السلام کی حدِ پرواز ختم ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے لے جایا گیا۔ اس لیے واحد متکلم کی ضمیر "ذھب بی" استعمال کی گئی (آغاز حدیث میں ہے: "ثم عرج بنا الی السماء السابعته ...... اور آگے جاکر "ثم ذھب بی الی سدرة المنتھی" فرمایا)۔ پھر فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی اور فَاَوْحٰی اِلیَّ مَآ اَوْحٰی میں یکسانیت محتاجِ بیان نہیں۔ یہاں صاف ظاہر ہے کہ وحی جبریل علیہ السلام نہیں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ وحی کرنے والا ہے اور وحی اس مقام پر کی جارہی ہے جہاں جبریل علیہ السلام کی مجال نہیں۔ پھر فرض کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے (ففرض علیّ خمسین صلوٰۃ کل یوم ولیلته۔ اور مجھ پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں)۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی تو وہ بارگاہِ الٰہی میں لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبریل علیہ السلام کے پاس نہیں (جیسا کہ پہلے گروہ نے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے وحی کی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں بار بار اپنے ربّ کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ کا حوالہ:

ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابنِ حزم نے خبر دی کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلام (قلم کی جمع) تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔

ابنِ حزم رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔

(مسلم شریف، ص ۹۳ / مشکوٰۃ متفق علیہ)

کیا، جس مقام کا یہاں ذکر ہے، وہاں جبریل علیہ السلام موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟

جلتے ہیں جبریل علیہ السلام کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہیں تو ہو

کیا، جو نمازیں فرض کی گئیں، جبریل علیہ السلام وہاں درمیان میں واسطہ تھے؟ پھر بار بار تخفیف میں کوئی واسطہ درمیان میں ہے؟

حدیثِ مبارکہ آپ کے سامنے مع ترجمے کے پیش ہوئی، خط کشیدہ الفاظ نے اس مشکل کو آسان کر دیا کہ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی سے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی تک آیات کو کس پر منطبق کیا جائے۔ اب ایک آخری اعتراض کا جواب دے کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں، جعفر شاہ پھلواروی نے لفظ مقامہ پر اعتراض کیا ہے۔

جعفر شاہ پھلواروی کا اعتراض:

"سدرۃ المنتھیٰ مقامہ" واقعہ یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جبریل علیہ السلام کا مقام ہے جہاں جا کر وہ ٹھیر گئے، اور آگے نہ جا سکے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گزرگاہ تھی، مقام نہ تھا۔"

اس کا جواب غزالیِ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اختصار کے ساتھ دیا ہے جو نہایت مدلل ہے، علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"محترم (پھلواروی صاحب) نے اس جملے کو سمجھنے میں بھی غلطی کی، حقیقت یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے مقام جبریل ہونے کے جو معنی ہیں وہ یہاں مراد نہیں بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفعتِ شان کا بیان مقصود ہے، وہ یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک کوئی بشر نہیں پہنچا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریتِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچے۔ "مقامہ" سے یہاں صرف پہنچنے کی جگہ مراد ہے۔ "مقام ابراہیم علیہ السلام" کا ذکر قرآنِ کریم میں وارد ہے اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبر شریف کو اپنا مقام فرمایا، حدیث کے الفاظ ہیں: مادمت فی مقامی ھذا۔ (بخاری جلد ا، ص ۲۶۳) جس کے معنی پہنچنے اور کھڑے ہونے کی جگہ کے سوا کچھ نہیں۔ درود تاج کے اس جملے میں مقامہ کا یہی مفہوم ہے۔ مقام جبریل علیہ السلام پر مقام

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس جبریل علیہ السلام پر۔"
(یہاں پر علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ختم ہو گیا۔)

حرم شریف (کعبہ) میں مقام ابراہیم اس پتھر کو کہا جاتا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک اس وقت پڑے جب آپ علیہ السلام کعبے کی تعمیر میں مصروف تھے۔ جب دیوار اونچی ہوئی تو آپ علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کے لیے اپنا قد بلند کیا۔ مشیتِ خداوندی، اللہ کو اپنے نبی علیہ السلام کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ پتھر کو گداز بخشا اور آپ علیہ السلام کے قدم اس میں گہرے اتر گئے، پھر وہ پتھر اپنی جگہ پر واپس سخت ہو گیا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی

"اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انھیں حکم دیا) بنا لو ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔" (سورہ بقرہ: آیت ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر قیامت تک کے لیے وہ جگہ جائے نماز بن گئی۔ اب آپ اسے مقام ابراہیم کہیں تو اس کے یہ معنی لیں گے کہ مقام ابراہیم بہت بلند ہے، اس سے آگے ہے۔ آپ اس پتھر کو مقام ابراہیم کیوں کہہ رہے ہیں؟ قرآنِ کریم میں یہ لفظ بیشتر آیات میں انھیں معنی میں آیا ہے۔ خدا آپ کے ذوقِ مطالعہ میں فراوانی دے تو آپ خود دیکھیں گے کہ آل عمران: آیت ۹۷، الشعراء: آیت ۵۸، الصّٰفّٰت: آیت ۱۶۴، الدخان: آیت ۲۶ اور ۵۱، الرحمٰن: آیت ۴۶، النازعات: آیت ۴۰، بنی اسرائیل: آیت ۷۹، النحل: آیت ۳۹، المائدہ: آیت ۱۰۷ میں مقامہ آیا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ معاملات عقل و خرد کے ساتھ دل بینا کے بھی متقاضی ہیں، اسی لیے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

کیا، جس مقام کا یہاں ذکر ہے، وہاں جبریل علیہ السلام موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟

جلتے ہیں جبریل علیہ السلام کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمھیں تو ہو

کیا، جو نمازیں فرض کی گئیں، جبریل علیہ السلام وہاں درمیان میں واسطہ تھے؟ پھر بار بار تخفیف میں کوئی واسطہ درمیان میں ہے؟

حدیثِ مبارکہ آپ کے سامنے مع ترجمے کے پیش ہوئی، خط کشیدہ الفاظ نے اس مشکل کو آسان کر دیا کہ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی سے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی تک آیات کو کس پر منطبق کیا جائے۔ اب ایک آخری اعتراض کا جواب دے کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ جعفر شاہ پھلواروی نے لفظ مقامہ پر اعتراض کیا ہے۔

جعفر شاہ پھلواروی کا اعتراض:

"سدرة المنتهیٰ مقامه" واقعہ یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جبریل علیہ السلام کا مقام ہے جہاں جا کر وہ ٹھہر گئے، اور آگے نہ جا سکے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گزرگاہ تھی، مقام نہ تھا۔"

اس کا جواب غزالیِ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اختصار کے ساتھ دیا ہے جو نہایت مدلل ہے، علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"محترم (پھلواروی صاحب) نے اس جملے کو سمجھنے میں بھی غلطی کی، حقیقت یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے مقام جبریل ہونے کے جو معنی ہیں وہ یہاں مراد نہیں بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفعتِ شان کا بیان مقصود ہے، وہ یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک کوئی بشر نہیں پہنچا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریتِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچے۔ "مقامہ" سے یہاں صرف پہنچنے کی جگہ مراد ہے۔ "مقام ابراہیم علیہ السلام" کا ذکر قرآنِ کریم میں وارد ہے اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبر شریف کو اپنا مقام فرمایا، حدیث کے الفاظ ہیں: مادمت فی مقامی هذا۔ (بخاری جلد ا، ص ۲۶۳) جس کے معنی پہنچنے اور کھڑے ہونے کی جگہ کے سوا کچھ نہیں۔ درود تاج کے اس جملے میں مقامہٗ کا یہی مفہوم ہے۔ مقامِ جبریل علیہ السلام پر مقام

مصطفیٰ ﷺ کا قیاس ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت محمد ﷺ کا قیاس جبریل علیہ السلام پر۔"
(یہاں پر علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ختم ہوگیا۔)

حرم شریف (کعبہ) میں مقام ابراہیم اس پتھر کو کہا جاتا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک اس وقت پڑے جب آپ علیہ السلام کعبے کی تعمیر میں مصروف تھے۔ جب دیوار اونچی ہوئی تو آپ علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کے لیے اپنا قد بلند کیا۔ مشیتِ خداوندی، اللہ کو اپنے نبی علیہ السلام کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ پتھر کو گداز بخشا اور آپ علیہ السلام کے قدم اس میں گہرے اتر گئے، پھر وہ پتھر اپنی جگہ پر واپس سخت ہوگیا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی

"اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انھیں حکم دیا) بنالو ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔" (سورہ بقرہ: آیت ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر قیامت تک کے لیے وہ جگہ جائے نماز بن گئی۔ اب آپ اسے مقام ابراہیم کہیں تو اس کے یہ معنی لیں گے کہ مقام ابراہیم بہت بلند ہے، اس سے آگے ہے۔ آپ اس پتھر کو مقام ابراہیم کیوں کہہ رہے ہیں؟ قرآنِ کریم میں یہ لفظ بیشتر آیات میں انھیں معنی میں آیا ہے۔ خدا آپ کے ذوقِ مطالعہ میں فراوانی دے تو آپ خود دیکھیں گے کہ آل عمران: آیت ۹۷، الشعراء: آیت ۵۸، الصّٰفّٰت: آیت ۱۶۴، الدخان: آیت ۲۶ اور ۵۱، الرحمٰن: آیت ۴۶، النازعات: آیت ۴۰، بنی اسرائیل: آیت ۷۹، النحل: آیت ۳۹، المائدہ: آیت ۱۰۷ میں مقامہ آیا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ معاملات عقل و خرد کے ساتھ دل بینا کے بھی متقاضی ہیں، اسی لیے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

وَقَابَ قَوسَینِ مَطلُوبُہٗ

یہ وعدہ گاہ ملاقات ، وادی حیراں
ہزار معنیٔ پنہاں درود تاج میں ہے

وَقَابَ قَوسَینِ مَطلُوبُہٗ

کیا عقل کرے گی شرحِ قاب قوسین
محرم اس راز کے ہیں راغبؔ طرفین
حاصل ہے خدا سے ہم کلامی کا شرف
اللہ رے معراجِ رسول ﷺ الثقلین

(راغبؔ مرادآبادی)

مطلوب دید جلوۂ شرفِ کلام ہے:

واقعۂ معراج پر مصنف درود تاج نے جس تسلسل سے الفاظ جامع کو سفر کرایا ہے حسنِ بیان کی بہترین مثال ہے: مرتع عبارت، مقفیٰ و مسجع ترتیب، جبریل علیہ السلام خادمہ، والبراق مرکبہ، والمعراج سفرہ، وسدرۃ المنتہیٰ مقامہ، وقاب قوسین مطلوبہ۔ پھر اس کے بعد والمطلوب مقصود، والمقصود موجودہ۔ کتنی مٹھاس ہے لفظوں میں اور کیسا ترنم ہے، کس قدر خوش آہنگی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ عبارت الہامی ہے۔ یہاں قاب قوسین کا ذکر ہے اور مطلوبہ میں طلب کا حسین پہلو پوشیدہ ہے۔ مومن کی شان اسی میں ہے کہ وہ قربِ الٰہی کا متمنی ہو اور اسے قربِ الٰہی میسر آجائے۔ یہ بات ایک عام مومن کے لیے ہے تو جو صاحبانِ ایمان کی جان ہو، خود اللہ تعالیٰ کا محبوب ﷺ ہو، اس کا مقصود اپنے مقام سے ہوگا۔ یہاں جو مقصود حضور رحمت للعالمین ﷺ کا ہے وہ کمال قرب حاصل کرنا ہے جسے درود تاج میں بڑے اہتمام سے ظاہر کیا گیا ہے۔ پھر جب قرب حاصل ہو جائے تو محبّ اور محبوب ﷺ میں جو بات ہو وہ وہی جانیں، ہاں یہ بات عشق کے حوالے سے ذہن میں آتی ہے کہ جب بندے کو

اتنا کمال قرب حاصل ہو جائے جو کمال عبدیت کا معیار ہے تو وہ اپنے مقصود کا دیدار بھی چاہے گا۔ اقبال نے اسی موقعے کے لیے کہا تھا کہ جب اتنا کمال قرب حاصل ہو گیا تو عشق بھی حجاب میں رہے اور حسن بھی حجاب میں رہے، آخر کب تک؟ ''یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر'' (اقبال)۔ کیونکہ جب محبوب کا قرب حاصل ہو اور بات حجاب میں ہو تو عشق کی بے تابیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہا اس فلسفۂ عشق اور طلب کو عجیب معرفت کے انداز میں بیان فرماتی ہیں:

احبک حُبَّین حب الھویٰ
وحبا لانک اھل لذاکا
فاما الذی ھو حب الھویٰ
فشیغلنی شغلت بہ عن سواک
واما الذی انت اھل لہ
فکشفک لی الحجب حتیٰ اراکا (المنار)

''اے مولیٰ! میں تجھ سے دوہری محبت کرتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ تو میرا محبوب ہے، دوسری یہ کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ پہلی محبت نے مجھے ماسوا سے بے خبر کر دیا، دوسری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حجاب سرک جائیں اور چشمِ شوق لذت دید حاصل کرے۔''

یہ بات عشق تو سمجھا سکتا ہے، بتا سکتا ہے، منزل تک پہنچا سکتا ہے لیکن جن کے سینے اس نعمت سے خالی ہوں، جن کے قلوب میں تاریکی ہو اور عشق کے چراغ جلائے ہی نہ گئے ہوں وہ بیچارے عقل کی بیساکھی لگا کر اس طویل سفر کو آسانی سے طے کرنے کا تصور کرتے ہیں اور منزل تک رسائی نہیں ہوتی۔

پھلواروی کا اعتراض اور اس کا جواب:

جعفر شاہ پھلواروی بھی انھی میں سے ایک ہیں جو دل کو پاسبانِ عقل کے بغیر ایک لمحے کو بھی تنہا چھوڑنے پر آمادہ نہیں اس لیے وہ ہر بات پر تنقید کا نشتر لگاتے ہیں۔ ان کا یہ نشتر

بھی دیکھیے جس میں انھوں نے از خود یہ ثابت کر دیا کہ انھیں نشتر لگانا بھی نہیں آتا، جس کے لیے ایک سلیقہ چاہیے، وہ اس سے محروم ہیں۔ جب کوئی اعتراض اٹھایا جاتا ہے تو اس کے لیے صرف اپنا ذاتی خیال کافی نہیں ہوتا کسی دلیل کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جعفر شاہ پھلواروی اپنا اعتراض تحریر فرماتے ہیں:

''قابَ قوسین کو حضور ﷺ کا مطلوب و مقصود قرار دینا اس وقت تک محلِ نظر رہے گا جب تک کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔''

حیرت اس بات پر ہے کہ قرآن کی آیات بھی موجود ہیں اور حدیث شریف بھی موجود ہے پھر بھی پھلواروی صاحب اعتراض کر رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ درود تاج سے انھیں پرخاش ہوگئی ہے اور اس پرخاش مزاجی نے انھیں حق بات کو چھپانے پر مایل کر دیا ہے ورنہ جو آیت قرآن کی اور جو حدیثِ مبارکہ دوسروں کو صاف نظر آرہی ہے وہ ان کی نگاہ تنقید سے پوشیدہ کیوں ہے؟ علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ پھلواروی صاحب کو بچوں کی طرح سمجھاتے ہیں:

> ''شاید قابَ قوسین کے مرادی معنی پھلواروی صاحب نہیں سمجھتے، اس سے مراد کمال قربِ الٰہی ہے اور یہ قرب اپنے حسبِ حال ہر مومن کا مطلوب اور مقصود ہے۔ کتاب و سنّت کا خلاصہ یہی ہے کہ بندے کو کمال قرب حاصل ہو جو کمال عبدیت کا معیار ہے۔ جعفر شاہ نے جو کتاب اللہ اور سنّتِ رسول ﷺ سے اس کی تصدیق چاہی، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:
> قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ مضمون وارد ہے مثلاً: وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ ''اور جو سبقت کرنے والے ہیں وہ تو سبقت ہی کرنے والے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔''

(سورہ الواقعہ: آیت ۱۰-۱۱)

اور بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ودنا الجبار رب العزة فتدلّیٰ حتیٰ کان منه قاب قوسین او ادنیٰ

''قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا یہاں تک کہ وہ اس (عبدِ مقدس) سے دو کمانوں کی مقدار تھا یا اس سے زیادہ قریب۔'' (بخاری جلد دویم، ص ۱۲۰)

”اب تو پھلواروی صاحب سمجھ گئے ہوں گے کہ قاب قوسین کے معنی کمال قرب ہیں جو یقیناً حضور ﷺ کا مطلوب و مقصود ہے۔“ (علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

کاش پھلواروی صاحب نے عشق کا مفہوم سمجھا ہوتا، وہ تو لفظ عشق سے بھی چڑتے ہیں اور حد سے زیادہ لفظ عشق کی مذمت فرماتے ہیں۔ آیندہ اوراق میں ”راحت العاشقین“ پر پھلواروی کے اعتراض میں ان کی علمیت کا بھانڈا بھی پھوٹ جائے گا، اس لیے کہ انھیں یہ نہیں معلوم کہ عشق کس طرح منزلیں طے کرتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

گاہ بہ حیلہ می برد ، گاہ بہ زور می کشد
عشق کی ابتداء عجب ، عشق کی انتہاء عجب

وَالْمَطْلُوبُ مَقْصُوْدُہٗ

وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُہٗ

نہ کھل سکا نہ کھلے گا کسی پہ یہ مقصود
یہاں ملائکہ حیراں ، درود تاج میں ہے

سمجھ سکے نہ جسے فلسفی زمانے کے
وہ رمزِ آیۂ قرآں درود تاج میں ہے

وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ

دیدہ جاں را لقائے تو بس است

(جامی رحمۃ اللہ علیہ)

محبّ کو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم ہے:

ابھی وہ لمحات نہیں آئے کہ حرم کعبہ سے مسجدِ اقصیٰ ہوتے ہوئے سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی تک سفر کریں لیکن ہر لمحہ خالقِ حقیقی کے وصل کی تمنا دل میں سمندر کی موجوں کی طرح جوش مارتی رہتی ہے، سفرِ معراج سے پہلے اس آرزو کا سفر جاری ہے۔ یہ طلب، کہ لقائے ربّ میسر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے پوری طرح آگاہ ہے۔ خالقِ حقیقی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا جو زمانہ انتخاب فرمایا اس کی تفصیل والمعراج سفرہٗ میں دی جا چکی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ محض آسمانوں کی سیران کا مطلوب نہیں، وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود سے بخوبی آگاہ ہے: وہ سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی کے حسین اور ناقابلِ بیان درختوں کو دیکھنے کے لیے بے چین نہیں ہے، وہ جنت و دوزخ کا احوال معلوم کرنے کا خواہش مند نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس سفر میں حسین منظر اور اس کی دلکشی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق لقاء سے توجہ نہیں ہٹا سکے گی اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرش سے عرش پر بلایا، اپنا قربِ خاص بخشا لیکن جس آرزو اور جس تمنا کو لیے میرا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور جو اس کا مطلوب و مقصود ہے میں اسے اس نعمت سے محروم واپس بھیج دوں گا۔ اسے عرش کی زینت اور راستے کی رونق سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں جسے آج اپنا قرب بخشوں گا وہ دیار جود و وجود کا بادشاہ ہے، عالمِ مقصود بھی ہے اور مقصدِ علم بھی وہی ہے۔ اس نکتے کو اہلِ خرد کیا جان سکتے ہیں، کیا سمجھ سکتے ہیں کہ وہ میری خانقاہ کا صوفی ہے، وہ علم القرآن کے علم کا عالم ہے، وہ جس منزل اور مقام پر ہے اسے نہ عقل سمجھ پائی نہ عشق ہی سمجھ سکا۔

که عقل تواں رسد بہ پایاں
ہم عشق ہنوز نارسیدہ

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ جن سے خود محبت کرتا ہے تو وہ خود مقصود ہو جاتے ہیں۔ جب اولیاء اللہ کا مقصود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس میں قرب و حاضری ہو، اللہ تعالیٰ انھیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، محبوبِ کبریا، مقصودِ کائنات کے مقصود کو کس میں جرأت ہے جو بیان کر سکے۔ سورہ القمر دیکھیے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

(القمر: آیت ۵۴-۵۵)

”بے شک پرہیز گار باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔“

یہ صرف جنت میں داخلے کا مژدہ نہیں بلکہ وہ بڑی پسندیدہ جگہ کیا ہوگی؟ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو صفتِ صدق سے موصوف فرمایا ہے اس لیے وہاں صرف اہلِ صدق ہی کو بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔“ مقعدِ صدق اس نشست گاہ کو اس لیے فرمایا گیا ہے۔

شاہدِ رعنا کے دیدار کا اذنِ عام ہوگا:

روح المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح یوں کرتے ہیں:

”یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے کرے گا۔ اس وقت ان دلفگار عاشقوں کو اذنِ عام ہوگا کہ اے آتشِ عشق میں جلنے والو! محبوبِ ازل اپنے رخِ زیبا سے پردہ اٹھا رہا ہے، آنکھیں اٹھاؤ اور سیر ہو کر شاہدِ رعنا کا دیدار کر لو۔“

اس موقع پر مفسرِ ”ضیاء القرآن“ حضرت پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ ایک خوبصورت حوالہ پیش کرتے ہیں۔

اولیاء اللہ کا مقصود لقائے ربّ ہوگا:

''علامہ قرطبی، خالد بن معران سے نقل کرتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی کہ قیامت کے روز دو فرشتے مومنین کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے: یا اولیاء اللہ انطلقوا۔ اے اللہ کے دوستو! تشریف لے چلیے۔ وہ دریافت کریں گے: کدھر؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف۔ اہلِ ایمان (اولیاء اللہ) جواب دیں گے: انکم تذھبون بنا الی غیر بغیتنا۔ اے ملائکہ! تم ہمیں ادھر تو نہیں لے جا رہے ہو جو ہماری آرزو اور تمنا تھی۔ فرشتے پوچھیں گے: تمھاری کیا آرزو تھی؟ فیقولون مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ ''ہم تو قدرت والے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔'' اولیاء اللہ کے مقصود کو دیکھیے کہ شاہدِ رعنا کی طلب ہوگی۔ جن کے قدموں کی خاک کو سرمہ بنا کر اولیائے کرام نے یہ بصارت و بصیرت حاصل کی خود ان کا مقصود و معراج کیا ہوگا؟

معین الکاشفی کے لفظوں میں مقصود کا بیان:

حضرت معین الکاشفی جس انداز سے اس مقصود کو بیان کرتے ہیں ایسی تحریر اب تک آپ کی نظر سے نہ گزری ہوگی، ایک ایک جملے پر جھوم جائیں گے۔ دیکھیے وہ کیا بیان کرتے ہیں۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے راستے میں کیسی کیسی دلکشی اور نظر فریبی ہوتی ہے مگر صاحبِ معراج انھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ پہلے کائنات کی تمام اہم چیزیں اپنا اپنا تعارف حسن و کمال کے ساتھ بیان کرتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان سے اپنے محبوب ﷺ کا تعارف کراتا ہے تو وہ تمام گرویدہ ہو کر ان ﷺ کی زیارت اور آمد کی عاجزانہ درخواست کرتی ہیں جو قبول ہوتی ہے اور حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ ایک ایک لفظ نہ صرف حسنِ بیان کے خزانوں کا موتی ہے بلکہ موتیوں میں تولا جانا چاہیے۔

پہلے زمین نے اپنے کمالات و محاسن کی تحسین و توصیف میں زبان کھولی اور فخر و غرور سے یوں کہا: حیوانات کی خوراک کا مخزن، پودوں کے پھولوں کا اور انوار کا مطلع، پھلوں کے نہال اطفال کی درختوں کے کالبد میں پرورش کرتی ہوں، قیمتی جواہرات اور ابرار کا قالب میں ہوں، فراشِ لطف نے میرے عیش و نشاط کے بستر پر بہترین فرش بچھایا: والارض

فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۔ خدا کے نقاشِ عنایت نے موزوں صورتیں اور طرح طرح کے نقوش میری فرحت انگیز لوح پر بنائے۔ آسمان نے کہا: کواکب، ثواقب کے خوبرد میرے پاس ہیں، مناسب مناقب وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ میں دکھاتا ہوں، عالم کُنْ فَيَكُوْنُ کی عبادت گاہوں میں رہنے والوں کا مسکن میں ہوں، خوانچہ نعمت میں ہوں وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ، چاند کے بادشاہ اور خورشید کی دلہن وجمع الشمس والقمر کو میرے ہی تختِ بخت پر جلوہ گر کرتے ہیں، حکمتِ خداوندی کی مشاطہ نے زینت کا غازہ وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ میرے اسرار کی دلہن کے رخساروں پر لگایا۔ کرسی نے کہا: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وسعت کی چادر میرے منقوش کندھوں پر ڈالی، وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ بلند برج میری بے مثال ذات میں پوشیدہ کردیے۔ لوح نے کہا: عشق ومحبت کے اسرار کی کشتی میں ہوں، اہل معرفت کی ارواح کی آرام گاہ میں ہوں، علوم غیبی کا مظہر، حکمتِ لاریبی کا منبع، مطلعِ انوار قدس اور شبہات کا تصرف۔ محفوظ میں ہوں، اسرار قدسی کی شعاعیں مجھ سے پھوٹتی ہیں۔ قلم بولا: ذات قدیم کا راز دار اور علم بالقلم کا صاحبِ اسرار میں ہوں، ن والقلم کا جھنڈا میرے وسیع مقدمۃ الجیش پر لہرا رہا ہے، اکتب کے دستور کا مامور اور بے حجاب نگاہوں کا منظور نظر میں ہوں، میرے رفیع الشان دیوان کے منشور پر علم بالقلم کے دستور سے زینت دی گئی ہے۔ عرش نے کہا: حمد وثناء کا ہار میری گردن میں ڈالا گیا ہے اور استوٰی کی چادر رحمتِ رحمانی نے میرے سروقد پر سایہ فگن کی ہے، میں نیاز مندوں کی دعاؤں کا قبلہ، درویشوں کی مناجات کا محراب اور مقربین کی ارواح کے طیور کا آشیانہ ہوں، ہر وہ چیز جسے دائرہ پیدائش میں خلعتِ وجود عطا ہوا، اور اس لیے جود وبخشش کی جرعہ آشامی سے نوازا گیا ہے، تمام میرے قدموں پر سر رکھتے ہیں اور میرے جود وکرم کے مائدے اور انعام واکرام کے دستر خوان پر نیاز مندی کے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔

ربّ الارباب کا پاکیزہ خطاب آیا: ہمارا ایک منتخب اور پسندیدہ بندہ ہے کہ تمھاری یہ تمام عظمت وشان اس کے مقابلے میں آفتاب عالم تاب کے پرتو میں ایک ذرے یا بحر بیکراں میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتی ہے۔ مالک الملک کے اراکین نے حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی: اگر آں حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی مہربانی کے قدموں

سے ہمارے سروں کو مشرف فرمائیں تو کیا مضائقہ ہے!

حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے عزّ وجلال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمۂ اقبال کو ہفت آسمان پر گاڑ دیا۔ خواجۂ کونین کا دونوں جہانوں سے دامنِ ہمت کھینچا اور دونوں جہانوں کی نقدی سے دامن جھاڑ دیا۔

خطائرِ قدس کے ساکنین نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اطراف و جوانب سرسری نگاہ ڈالیں تاکہ ایک عالم کا کام ایک نظر سے بن جائے۔

فرمایا: یہ تمام اقطاع میری امت کے ہیں سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ۔ نوکروں کی جائداد کا جائزہ لینا عالی ہمتوں کے شایانِ شان نہیں۔ وہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی تماشا گاہ تھی وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ انھوں نے عرض کیا: چاند ہی کو دیکھ لیجیے کہ نیرین میں سے ایک ہے اور اندھیری رات میں سورج کا قایم مقام ہے۔ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ یہی ہے۔ فرمایا: یہ میری امت کے اعمال کا دفتر ہے يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ ۔ وہ جگہ، جہاں جمالِ دلربا کا مشاہدہ ہو، میں اپنی امت کے محاسبے میں مشغول ہو جاؤں۔ یہ چاند اپنے کمال کے وقت حسینانِ جہاں کے جمال جہاں آرا کی کہانیاں سناتا ہے اور جب یہ ہلال کی صورت اختیار کرتا ہے تو عشاق کے احوال کا انگشت نما ہوتا ہے اس لیے کہ آسمانِ عرفان پر جب میں چودھویں رات کے چاند کی مانند جلوہ ریزیاں کرتا ہوں میری امت کے خدام میں سے ہر ایک ستاروں کی طرح جنّات کی نافرمانی سے راہ نجات تلاش کرتا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم ۔ ایک انگلی کے اشارے سے، جو اس پُرشوکت چاند کی طرف کرتا ہوں تو، اس کی نورانی خلعت کو بارگاہِ ظہور میں چاک کر دیتا ہوں۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ میں کس لیے اپنے عشاق کا مشاہدہ نہ کروں؟ کل، روزِ قیامت، ان کے چہروں کا عکس در و بام جنت کو منور کر دے گا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔

قدسیوں نے کہا کہ آفتاب جہاں تاب جو مخلوقاتِ آسمانی کے لیے شمعِ جہاں تاب کی حیثیت رکھتا ہے اس عالی شان قندیلِ نور، جو فلکِ فیروزہ کے طاقوں میں ہر روز ضیاء بار ہے اور اس کا عود چودھویں سے پاک ہے، جہانِ ظہور کے آتش دانوں میں فروزاں ہے، اس کی طرف نگاہ

ڈالیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ایسے غلام ہیں کہ اس دن، جب قضا و قدر کے فراش مقراضِ فنا سے اس سنہری شمع کے فتیلے کے سرے کو کاٹ دیں گے اور خورشید کی رو پہلی بط، جو سطحِ دریائے فلک پر تیر رہی ہے، لقمۂ نہنگِ اجل بنا دی جائے گی اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ان کی مشعل اس طرح روشن ہوگی کہ مکینانِ روزِ محشر کے چہرے ان کے نور سے منور ہو جائیں گے یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ قدسیانِ فلک نے عرض کیا کہ آسمانِ زبرجد مجسمہ اور لاجوردی اس منظرِ فلک کی طرف نگاہ اٹھایئے جو جواہرِ نور کا دریا ہے، جو ملائکہ کا قلعۂ محکم، جو حوروں اور رضوان کا قصرِ دیوان اور پناہ گاہ ہے، اس کا سیارہ پُر کارِ عالمِ خاک کے بساط کے مخروطی مراکز پر بڑی مستعدی سے گھومتا رہا ہے، اس سیارے کے بالائی حصہ میں ایک لہریں مارنے والے دریا کی سطح پر گوہر باری ہو رہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر چہ یہ نیلگوں آسمان اور طبقِ محدود ایک ایسا نامہ ہے کہ منشی تقدیر نے اپنے خامۂ تقدیر سے ہزاروں کواکب و نجوم کے نقوش سے اس کو آراستہ کیا ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ مگر اس نامے کو لپیٹ دیا جائے گا يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ اور جو دل سوختہ نامۂ اعمال رکھتے ہیں اسے روزِ قیامت پھیلا دیا جائے گا وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا۔

ملائکہ نے عرض کی: بہشت کی طرف نگاہ کیجیے کہ دوستوں کا چمن زار ہے، مشتاقوں کی ملاقات کی وعدہ گاہ ہے، روزِ بازارِ عاشقاں اور صادقوں کی منزل قرارگاہ ہے، رحیق اور سلسبیل کا سرچشمہ ہے، مطلعِ انوارِ تحقیق و اسرارِ حسبی اللہ ہے، لعل و دُر مروارید کے بے خطا محلات ہیں، وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے معانیِ پنہاں کا مشاہدہ کرنے والی ہے اور کھانے وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْۤ اَنْفُسُكُمْ کہ نوالۂ مشتاقان ہے، وہاں موجود ہیں، جو منظر دیکھا جاتا ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ کا منظر ہے اور وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: ایسا ہی ہے لیکن میں صبر کرتا ہوں تا آں وقتیکہ اس بہشت

کی زنجیر میری امت کے خاکساروں کے استقبال کے ہنگام ان کی گردن میں ڈال دی جائے اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور عرش کی طرف بھی نظر ڈالیے کہ سقفِ جنت پر اپنے طائرِ خاطرِ عاطر سے ایک لمحے کو ادھر پرواز فرمائیے کہ رحمتِ الٰہی کا مقام عرش ہے، حق پرستوں کی نظارہ گاہ عرش ہے۔

ارواحِ مشتاقان کی قندیل عرش ہے
مست و مدہوش دلوں کا قتیل عرش ہے
اقرب الاجسام الی الملکوت عرش ہے
انسب الاشیاء الی الجبروت عرش ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک، مگر بایں ہمہ عظمت میرے چاکرانِ درگاہ کی وفات سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے، اهتز العرش لموت سعد بن معاذ۔ اسے (عرش کو) طاقتِ برداشت کہاں، میری امت کے خاکساروں کے درمیان جب طلاق کی جدائی ہو تو وہ لرزتا ہے ان الطلاق يهتز به عرش الرحمن، جب کوئی یتیم آہ وزاری میں ڈوب جاتا ہے تو اس میں لرزہ پڑتا ہے، وہ میری ملاقات اور وصال کا کس طرح متحمل ہو سکتا ہے؟ واهتزاز العرش ببكاء اليتيم عرشِ عظیم کی گردن اس دُرِّ یتیم کا قلادہ کس طرح اٹھا سکتی ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا گیا: آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کو ملاحظہ فرما رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کی کاریگری کے جمال کو دیکھتا ہوں اور اس کے کمالاتِ قدرت کا مطالعہ کرتا ہوں کہ میں نقطہ تھا، اس کے اثرِ تربیت سے نطفہ بنا، علقہ تھا مضغہ بنا، جنین تھا جنین بنا، امّی سے عارف راز بنا، پسرِ عبداللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوا۔ آج عالمِ فنا اور اس جہانِ پُر مشقت میں یہ تمام فضل و اکرام حق تعالیٰ نے مجھے ارزانی فرمائے، کل جب میں عالمِ جاوداں میں قدم رکھوں گا مقام محمود، حوضِ کوثر اور شفاعت کا پرچم میرے ہاتھوں میں دیا جائے گا اور مژدہ وعطا کا وعدہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کی امید کے ساتھ مجھے پیش کیا جائے گا۔ میں جس کسی کے جان و دل میں تتبع کا فرماں بری کا داغ پاؤں گا اپنے ظلِّ رافت اور سایۂ شفاعت میں بٹھاؤں گا اور برزخ اور دوزخ کی سرکش آگ کے نہنگ کے چنگل

سے نجات دلاؤں گا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے جوار میں مقررہ بلندیوں اور بلند منازل تک پہنچاؤں گا۔

ایک مخصوص انداز بیان، مخصوص لب ولہجہ، قرآنی آیات کے سایے سایے ہر منظر اپنی دلفریبی، اپنی رعنائی، خوشگواری، پُرکشش اور اسرار ورموز کے انکشافات کے ساتھ، جن سے بصارت انسانی محروم رہی ہے، فطرت کا حسن، حسنِ کمالات یہ سب کچھ دیکھ کر بھی دیکھنے والی ہستی نہ شاداں ہے نہ مطمئن، اس لیے کہ اس کا گوہرِ مقصود ان میں نہیں۔ وہ آنکھیں رویت ربی کے لیے بے قرار ہیں اور یہ ممکن کہاں کہ محبّ اپنے محبوب کو اپنا مہمان بنائے اور محبوب کی آرزو کو پورا نہ کرے، اسے مایوس کر کے لوٹائے۔ لیکن بات وہی کہنی پڑتی ہے کہ جس کو دکھایا اس نے دیکھا، جس نے دکھایا اسے خبر ہے یا دیکھنے والے کو۔

کے عقل تواں رسد بہ پایاں

هم عشق هنوز نارسیده

والمقصود موجودہٗ پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ جو مقصود ہے وہ موجود ہے، اس کا کیا مطلب؟ تو نہایت واضح چیز بھی سمجھ میں نہ آئے تو کیا کہا جا سکتا ہے یعنی قَابَ قَوسَینِ کا مطلب کمال قرب ہے اور یہی کمال قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب ہے۔ مطلوب وہی چیز ہوتی ہے جو کسی کا مقصود ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس کو مطلوب بنایا ایسا کبھی نہ ہوا کہ اسے پایا نہ ہو، اس کی گواہی قرآن میں بھی ہے، احادیث میں بھی ہے، تاریخ میں بھی ہے اور سیرت کا بیان بھی، لہٰذا موجودہ کی ترکیب کو غلط سمجھنا خود ایک غلطی ہے۔

رُویتِ باری میں اختلاف ہے:

دیدارِ الٰہی بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔ معراج کی شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوا تھا یا نہیں؟ یہ بھی ایک سوال ہے۔ اس مسئلے پر بھی دو گروہ ہیں: حضرت امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکار کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج دیدارِ الٰہی نہیں ہوا لیکن حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور ان کے ہمنوا حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرف ہوئے۔ ان دونوں گروہ کے دلایل پیش کرنے سے قبل یہ بات واضح کرتا

چلوں کہ رویتِ باری تعالیٰ ممکن ہے، اس دنیا میں عالمِ بیداری میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اس کا ایک ثبوت، یا دلیل کہیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا دیدار کے لیے ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں محال اور ممتنع ،لہٰذا محال اور ممتنع کے لیے نہیں بلکہ امکان موجود تھا اس لیے ہی سوال کیا۔

رُویتِ باری کا انکار کرنے والوں کے دلایل:

رُویتِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے کیا دلایل پیش کرتے ہیں؟ پہلے ان سے اور ان کے دلایل سے متعارف کراتے ہیں:

۱۔ عن ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فی قوله تعالیٰ و کان قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی وفی قوله ما کذب الفواد ما رای وفی قوله لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی رای جبریل علیه السلام له ستمائة جناح۔

''حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پَر تھے۔''

۲۔ ماکذب الفؤاد ما رای قال ابنِ مسعودؓ رای رسول الله جبریلً فی حلة من رفرف قد ملاء مابین السماء والارض۔

''ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو ایک ریشمی حلّے (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے زمین اور آسمان کے درمیان خلا کو پُر کر دیا۔'' (رواہ الترمذی)

۳۔ وللترمذی والبخاری فی قوله تعالیٰ لقد رای من اٰیات ربه الکبری قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ رای رفرفا اخضر سد افق السماء۔

''ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لقد رای الایۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ لیا تھا۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خیال:

۴۔ عن الشعبی قال لقی ابن عباس رضی اللہ عنہ کعباً بعرفة فساله عن شئی فکر حتی جاوبته الجبال فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ انا بنو هاشم فقال کعب ان الله قسم رویته و کلامه بین محمد صلی اللہ علیہ وسلم و موسٰی علیہ السلام و کلم موسٰی علیہ السلام......

''شعبی کہتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اوران سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو دیکھ کر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندانِ نبوت سے ہے۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں تو کعب رضی اللہ عنہ نے کہا، گویا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا جواب تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا؟ آپ رضی اللہ عنہا بولیں: تو نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں نے عرض کی: مادرِ محترم! ذرا ٹھیریے۔ پھر میں نے آیت پڑھی: لقد رای الایتة۔ آپ (حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: تم کدھر جا رہے ہو؟ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہے۔ جو شخص تمھیں یہ خبر دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کا دیدار کیا ہے اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا، ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔''

(حوالہ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دویم)

مسلم شریف کی روایت:

۵- عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشة وقالت یا ابا عائشه ثلاث من تکلم بواحدة منهن فقد اعظم علی الله الفریة قلت ما هن قالت من زعم ان محمد ارای ربه فقد اعظم علی الله الفریة قال و کنت متکئا فجلست وقلت یا ام المومنین انظرینی فلا تعجلینی الم یقل الله تعالیٰ ولقد راه بالافق المبین ولقد راه نزلة اخریٰ وقالت انا اول هذه الامة سال عن ذلک رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال انما هو جبریل علیه السلام لم اره علی صورته التی خلق علیها غیر هاتین المرتین رایته منهبطا من السماء ساد اعظم خلقه ما بین السماء والارض وقالت اولم تسمع ان الله عزّوجل یقول لا تدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر۔ اولم تسمع ان الله یقول وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب او یرسل رسولاً۔

''مسروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے مسروق (رضی اللہ عنہ)! (ابو عائشہ آپ کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں، جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا: وہ کیا ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا: جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا، اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی: اے امّ المومنین رضی اللہ عنہا! میری طرف دیکھیے، جلدی نہ کیجیے، کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا: لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے افقِ مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اس امت سے میں پہلی ہوں جس نے رسول

اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا، حضور ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ اے مسروق رضی اللہ عنہ! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کہ آنکھیں اس کو نہیں پاسکتیں وہ آنکھوں کو پالیتا ہے، وہ لطیف وخبیر ہے، اور کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا۔ ''کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پسِ پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔'' (مسلم شریف)

۲۔ روی الشیخان قال مسروق قلت لعائشة این قوله ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى قالت ذاک جبریل کان یاتیه فی صورة رجل وانه اتاه فی هذه المرة فی صورته التی هی صورته فسد الافق۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور ﷺ نے اللہ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس معاملے میں بڑی متشدد تھیں۔ انھوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دو آیتوں سے استدلال کیا۔
(پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ ضیاء القرآن)

دیدار الٰہی ہونے کے حق میں دلایل:

اب ہم ان لوگوں کے دلایل پیش کرتے ہیں جو اس بات کے حق میں ہیں کہ حضور ﷺ کو دیدار الٰہی ہوا۔ مسلم شریف ہی کی روایت ہے:

۱۔ عن ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ما کذب الفواد ما رای۔ ولقد رآہ نزلة اخریٰ قال رآہ بفؤادہ مرتین۔ (رواہ مسلم)

''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے ان آیات کے متعلق فرمایا کہ حضور ﷺ نے اپنے

ربّ کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے کیا دو مرتبہ۔"

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۲۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ رای محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ربہ قال عکرمة قلت الیس اللہ یقول لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ قال ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ و قد رای ربہ مرتین۔

"حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ آپ نے فرمایا: افسوس، تم سمجھے نہیں۔ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دو مرتبہ دیکھا۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابنِ عمر دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ پرسید کہ ہل رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربہ؟ پس وے گفت: راہ۔ پس ابنِ عمر تسلیم نمودہ قطعاً براہ تردد وانکار نرفتہ۔"

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کا دیدار کیا؟ پس ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور نے اپنے ربّ کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد وانکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔" (اشعۃ اللمعات، شیخ عبدالحق جلد چہارم، ص ۴۳۱)

نسائی، بخاری ومسلم کی روایتیں:

۳۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری شریف میں یہ روایت نقل کرتے ہیں:

روی ابن خزیمة باسناد قوی عن انس قال رای محمدؐ ربہ وبہ قال سائر اصحاب ابنِ عباسؓ و کعب الاحبار و الزھری وصاحب معمر۔

''ابنِ خزیمہ رضی اللہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ آپ (حضرت انس رضی اللہ) نے کہا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ربّ کو دیکھا۔ اسی طرح ابنِ عباس رضی اللہ کے شاگرد، کعب رضی اللہ، احبار رضی اللہ، زہری رضی اللہ اور معمر رضی اللہ کہا کرتے تھے۔''

اب نسائی اور حاکم کی روایت بھی دیکھیے:

۴- اخرج النسائی باسناد صحیح وصححہ الحاکم ایضاً من طریق عکرمۃ عن ابنِ عباسؓ اتعجبون ان تکون الخلۃ لا براھیمؑ والکلام لموسیٰؑ والرؤیۃ لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

''یہ روایت نسائی نے سندِ صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ رضی اللہ کے واسطے سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ سے نقل کی ہے۔ آپ رضی اللہ کہا کرتے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو۔''

۵- امام مسلم حضرت ابوذر رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں: قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل رایت ربک قال نورانی اراہ۔

اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: نورانی اراہ اور نور انی راہ۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے: ''وہ سراپا نور ہے، میں نے اسے دیکھا۔'' دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے: ''وہ نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔''

۶- مسلم شریف کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے:

عن عبد اللہ بن شفیق قال قلت لابی ذر لو رایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لسالتہ فقال عن ای شیئی کنت تسالہ قال کنت اسالہ ھل رایت ربک قال ابو ذرؓ قد سالتہ فقال رایت نوراً۔

''کہ میں نے نور دیکھا ہے۔'' یہ روایت بھی پہلی توجیہ کی تائید کرتی ہے۔

۷- حکی عبدالرزاق عن معمر عن الحسن انه حلف ان محمدا رآی ربه۔
''کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کا دیدار کیا۔'' (عمدۃ القاری جلد ۱۹ ، ص ۱۹۸)

۸- واخرج ابن خزیمۃ رضی اللہ عنہ عن عروۃ بن الزبیر اثباتاً۔
''عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ابنِ خزیمہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رویت کے قایل تھے۔''

۹- علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا:

فروی الخلال فی کتاب السنة عن المروزی قلت لا حمد رحمۃ اللہ علیہ انهم یقولون ان عائشة رضی اللہ عنہا قالت من زعم ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارای ربه فقد اعظم علی الله الفریة فبای شیئی یدفع قولها ۔ قال یقول النبی صلی الله علیه وسلم رایت ربی ۔ قول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اکبر من قولها۔

''مروزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں امّ المومنین رضی اللہ عنہا یہ کہا کرتی تھیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا کیا جواب دیا جائے؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس ارشاد کے ساتھ ''رایت ربی'' (کہ میں نے اپنے ربّ کو دیکھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بہت بڑا ہے۔''
(فتح الباری جلد ۸، ص ۴۹۴)

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلینِ رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں فحول صحابہ مثلاً ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، کعب احبار رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ، کے علاوہ کبار تابعین عروہ رضی اللہ عنہ بن زبیر، حسن بصری رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ جیسے تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی آپ سن چکے ہیں، ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی پیش کی گئی ہیں۔''

رایت ربی والے قول کے حق میں ابھی اور بہت اقوال باقی ہیں لیکن مضمون بہت طویل ہو گیا ہے، اگر قول صادق ہو تو ایک ہی مضبوط حوالہ کافی ہوتا ہے جب کہ ناچیز نے کئی مستند حوالے پیش کر دیے ہیں۔ کچھ آپ کے ذوق کے لیے بھی چھوڑتا ہوں کہ اگر یہ ذوق بڑھ جائے تو آپ کی تشنگی کو دور کر دے گا۔

مزید حوالے رُویتِ باری کے حق میں:

یہ موضوع خالص علمی بھی ہے اور اتنا ہی نازک بھی لہٰذا میری کوشش یہی ہے کہ جو حوالہ پیش کیا جائے وہ انتہائی مستند ہو اور جس محقق کے حوالے سے پیش ہو اس کا اپنا مقام علم انتہائی معتبر ہو چنانچہ اب میں اس تحقیق میں اس عظیم البرکت ہستی کے تحقیقی حوالے پیش کرتا ہوں جو علم اور عمل دونوں میں انتہائی بلند مقام کی حامل ہے یعنی امام اہلِ سنّت الشاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر جو تحقیق فرمائی اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دس آیات اور گیارہ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و اقوال صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نو اقوالِ ائمہ کرام علیہم السلام سے رُویتِ باری تعالیٰ کو ثابت فرمایا۔ ان میں سے چند پیشِ خدمت ہیں۔

۱- حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت ربی عزّوجل۔**

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے ربّ عزّوجل کو دیکھا۔'' اس حدیث شریف سے متعلق امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''خصائص الکبریٰ'' میں اور علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ ''تیسیر شرح جامع صغیر'' میں فرماتے ہیں یہ حدیث بہ سندِ صحیح ہے۔

۲- ابنِ عساکر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان اللہ اعطی موسیٰ الکلام واعطانی الرؤیۃ لوجھہ وفضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود۔

''بیشک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دولتِ کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا۔ مجھ کو شفاعتِ کبریٰ اور حوضِ کوثر سے فضیلت بخشی۔''

۳- ابنِ عساکر رضی اللہ عنہ ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی ربی لخلّت ابراھیم علیہ السلام خلتی و کلمت موسٰی علیہ السلام تکلیما و اعطینک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفاحا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے ربّ عزّوجل نے فرمایا: میں نے ابراھیم علیہ السلام کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور تمھیں اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مواجہہ بخشا کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا۔''

۴- ابنِ مردویہ رضی اللہ عنہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصف سدرۃ المنتھیٰ (وذکر الحدیث الیٰ ان قالت) فقلت یا رسول اللہ ما رأیت عند ھا قال رأیت عندھا یعنی ربی۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان فرما رہے تھے، میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس کیا ملاحظہ فرمایا؟ فرمایا: مجھے اس کے پاس دیدار ہوا۔''

۱- ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس سے مروی ہے:

اما نحن بنو ھاشم فنقول ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رای ربہ مرتین۔

''ہم بنی ہاشم اہلِ بیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کہتے ہیں بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دوبار دیکھا۔''

۲- ابنِ اسحاق عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی سلمہ سے راوی ہیں:

عن ابن عمر ارسل الیٰ عباس یسالہ ھل رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ربہ فقال نعم۔

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ (ان کے شاگرد) کہتے ہیں میں نے ان سے عرض کی: کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں۔''

۳- حدیث شریف میں ارشاد ہوا:

''اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے کلام رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اپنی دوستی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنا دیدار۔ اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔''

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

۴- امام نسائی اور امام ابنِ خزیمہ و حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے:

واللفظ للبیھقی اتعجبون ان تکون الخلة لا براھیمؑ والکلام لموسیٰ والرؤیة لمحمد صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم۔

''کیا ابراہیم علیہ السلام کے لیے دوستی اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیدار ہونے میں تمھیں کچھ حیرت ہے؟'' حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ و زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کی سند جید ہے۔

۵- طبرانی ''معجم اوسط'' میں راوی ہے:

عن عبد اللہ بن عباس انه کان یقول ان محمدا صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم رای ربه مرتین ببصرہ مرة و بفؤادہ۔

''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: بیشک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار اپنے ربّ کو دیکھا، ایک بار اس آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔''

حضرت جلال الدین سیوطی و امام قسطلانی و علامہ شامی و علامہ زرقانی رحمۃ اللہ اجمعین فرماتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سبحان اللہ!)

۶- حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے:

ان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ وسلم رای ربه عزّ وجل۔

''بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ عزّ وجل کو دیکھا۔''

امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور عبد الباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں اس کی سند قوی ہے۔

۷- محمد بن اسحاق کی حدیث میں ہے:

ان مروان سأل ابا ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه ھل رآی محمد صلی

الله علیه و آله وسلم ربه فقال نعم۔

''مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں۔''

اب تابعین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

۱- اخبار التابعین (مصحفِ عبدالرزاق) میں ہے:

عن معمر عن الحسن البصری انه کان یحلف با الله لقد رای محمد صلی الله علیه و آله وسلم۔

''امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر فرمایا کرتے: بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا۔''

۲- امام ابنِ خزیمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے، جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے اور سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں دیدارِ الٰہی ہونا مانتے ہیں اور اس کا انکار ان پر سخت گراں گزرتا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ اجمعین میں محدّثین و مفسّرینِ قرآن، یعنی جمہور ائمہِ کرام کی آراء رُویتِ باری میں کیا ہیں۔ میں نے اتنی آراء کا پیش کرنا مناسب سمجھا جن میں حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بن زبیر، حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ دویہ رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابنِ خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، امام بزار رحمۃ اللہ علیہ، عالمِ کتبِ سابقہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ، امام ابنِ

شہاب رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ، امام مجاہد مخزومی مکّی رحمۃ اللہ علیہ، امام عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ مدنی ہاشمی، امام عطاء رحمۃ اللہ علیہ بن رباح قریشی مکی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بن صبیح ابوالضحیٰ کوفی رحمۃ اللہ علیہ اور عالمِ قرآن حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن عباس کے جمیع تلامذہ کا یہی مذہب ہے۔
ان کے علاوہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن الخطیب مصری رحمۃ اللہ علیہ، امام معمرؔ بن راشد بصری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔
(بحوالہ: منبۃ المنیۃ فی بوصول الحبیب الی العرش والرویۃ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ)

اشاعرہ اور معتزلہ کے نظریات:

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ اشاعرہ کا ہم آہنگ نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک خداوند تعالیٰ جسم، مکان، حیز اور جہت وغیرہ سے منزہ ہے اور جب تک کسی چیز میں یہ تمام خصوصیتیں موجود نہ ہوں وہ آنکھ سے نظر نہیں آسکتی اس لیے ان کے نزدیک خداوند تعالیٰ آنکھ سے نظر نہیں آسکتا۔ مجسمہ اور مشبہ کے نزدیک اگرچہ خداوند تعالیٰ آنکھ سے نظر آسکتا ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ اس کے لیے جسم، مکان، حیز اور جہت وغیرہ بھی ثابت کرتے ہیں اور اگر خداوند تعالیٰ کے لیے ان خصوصیات کو تسلیم نہ کیا جائے تو وہ بھی اس کی رُویت کا انکار کردیں گے۔ صرف اشاعرہ کا فرقہ ایک ایسا فرقہ ہے جو خدا کو ان خصوصیات سے منزہ بھی مانتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کی رویت کا بھی قایل ہے۔

اشاعرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ عقاید کے مسایل کو عقلی اور نقلی دونوں قسم کے دلایل سے ثابت کرتے ہیں اور انھوں نے اس مسئلے پر جو عقلی دلیل قایم کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کے دیکھے جانے کی علت صرف اس کا وجود ہے اور چونکہ خدا موجود ہے اس لیے وہ آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن اس دلیل پر بہ کثرت اعتراضات ہوتے ہیں جن کا کوئی قابلِ اطمینان جواب نہیں ہوسکتا۔ اس لیے علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نہایت الاقدام'' میں لکھا ہے کہ جس طرح وجوب رویت یعنی خدا کا لازمی طور پر نظر آنا ایک سمعی مسئلہ ہے، یعنی صرف قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اسی طرح امکانِ رویت کو بھی ایک سمعی مسئلہ قرار دینا چاہیے۔ امام صاحب کے نزدیک بھی یہ مسئلہ عقلی دلایل سے ثابت

نہیں ہوسکتا بلکہ وہ محض ایک نقلی مسئلہ ہے، چنانچہ ''اربعین'' میں لکھتے ہیں کہ ''اس مسئلے میں ہمارا مذہب وہ ہے جس کو شیخ ابو منصور ماتریدی سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کی رویت کے امکان کو عقلی دلیل سے ثابت نہیں کرتے بلکہ اس پر ظواہرِ قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگر فریقِ مخالف عقلی دلایل سے، جن کو وہ انکارِ رویت کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، قرآن وحدیث کے یہ ظاہری معنی مراد نہیں لے گا تو ہم اس کے دلایل پر اعتراض کریں گے، اس کی کمزوری دکھائیں گے اور قرآن وحدیث کے ظاہری معنوں کی تاویل سے اس کو روکیں گے۔''

اس مسئلے کے متعلق اشاعرہ اور معتزلہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ خدا کی رویت اس دنیا میں نہیں ہوسکتی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ:

(۱) خدا کی رُویت فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں؟

(۲) اور قیامت میں مسلمانوں کو اس کا دیدار نصیب ہوگا یا نہیں؟

معتزلہ کو ان دونوں باتوں سے انکار ہے، ان کے نزدیک نہ خدا کی رویت فی نفسہ ممکن ہے اور نہ قیامت کے دن مسلمانوں کو اس کا دیدار نصیب ہوگا، اور اس دعوے کو وہ قرآن مجید کی اس آیت سے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الانعام ۱۰۳)

ترجمہ: (لوگوں کی) نظریں تو اس کو معلوم نہیں کرسکتیں اور (لوگوں کی) نظروں کو وہ خوب جانتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔

اس طرح ثابت کرتے ہیں:

(۱) ادراکِ بصری کے معنی رُویت کے ہیں اور اس کے مان لینے کے بعد اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی آنکھ کسی حالت میں خدا کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ جب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں خدا کو دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت سے ان کے قول کی تردید کی۔ اس لیے اگر اس آیت سے عموماً خدا کی رُویت کی نفی نہ ثابت ہوتی تو یہ استدلال صحیح نہ ہوتا۔

(۲) اس آیت سے پہلے جو آیت ہے وہ خدا کی مدح پر مشتمل ہے اور اس آیت کے بعد کا

ٹکڑا یعنی وَھُوَیُدْرِکُ الْاَبْصَارَ بھی خدا کی مدح پر مشتمل ہے اور اس آیت سے پہلے کا ٹکڑا یعنی لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ کو بھی مدح پر محمول کرنا چاہیے ورنہ یہ ٹکڑا آگے اور پیچھے کے ٹکڑوں سے اَنمل اور بے جوڑ ہو جائے گا۔ اس بنا پر جب رویت کی نفی خدا کی مدح ہے تو اس کا ثبوت اس کے لیے نقص ہوگا۔ مثلاً: خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ اب اگر اس کے لیے ان دونوں چیزوں کا اثبات کیا جائے تو یہ اس کے لیے موجبِ نقص ہوگا۔

اشاعرہ کی طرف سے پہلے استدلال کا یہ جواب دیا جاتا ہے:

(۱) ادراک بصری کے معنی رویت کے نہیں ہیں کیونکہ لغت میں ادراک کے معنی ملنے اور پہنچنے کے ہیں۔ اب جو چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی حد اور نہایت ہوتی ہے اور نگاہ ان کے تمام حدود کا احاطہ کر لیتی ہے تو اس قسم کی رویت کو ادراک بصری کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس شے میں حد و نہایت ہی نہیں نکلتی یا نگاہ اس کے حدود کا احاطہ نہیں کر سکتی تو اس قسم کی رویت کو ادراک بصری نہیں کہتے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ رویت کی دو قسمیں ہیں اور آیت میں صرف پہلی قسم کی رویت کی نفی کی گئی ہے اور اس سے دوسری قسم کی رویت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۲) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ادراک بصری کے معنی رویت کے ہیں تو اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی حالت یا کسی وقت میں خدا کو نہیں دیکھ سکتا بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص، ہر حالت اور ہر وقت میں خدا کو نہیں دیکھ سکتا اور اس سے اشاعرہ کو بھی انکار نہیں۔ اسی بات کو اصطلاحی طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ نفیِ عموم سے عموم نفی کا اثبات نہیں ہوتا۔

(۳) اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہماری دنیوی نگاہیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آخرت میں، جب ان نگاہوں کے اوصاف بدل جائیں گے، تو وہ اس وقت بھی خدا کو نہیں دیکھ سکتیں۔

دوسرے استدلال کے جواب میں وہ کہتے ہیں:

(۱) رویت کی نفی سے مدح تو اس وقت ہو سکتی ہے جب خدا کی رویت فی نفسہٖ ممکن ہو لیکن

وہ نگاہوں کو رویت سے روک دے۔ لیکن اگر خدا کی رویت ممکن ہی نہ ہوتو یہ کوئی قابلِ مدح چیز نہیں ہوسکتی کیونکہ نفیِ محض بداہتہً مدح کا سبب نہیں ہوسکتی۔ البتہ اگر اس سے کسی قابلِ مدح صفت کا ثبوت ہوتو وہ موجبِ مدح ہوسکتی ہے، مثلاً: خدانے جو یہ فرمایا ہے کہ اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی تو محض یہ نفی موجبِ مدح نہیں کیونکہ جمادات کو بھی اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ لیکن یہ نفی خدا کے لیے اس بناء پر موجبِ مدح ہوجاتی ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو تمام معلومات کا علم ہمیشہ حاصل رہتا ہے، اسی طرح لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ اسی وقت موجبِ مدح ہوسکتا ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خدا کو دیکھ تو سکتے ہیں لیکن اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ نگاہوں کو اپنی رویت سے روک دیتا ہے لیکن اگر وہ رویت کے قابل ہی نہ ہوتا تو یہ نفی کوئی مدح نہ ہوتی جس طرح جمادات کے لیے نیند کا نہ آنا کوئی مدح نہیں۔ انھی اعتراضات کو استدلال کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے تو یہ آیت خود اشاعرہ کے مذہب کی دلیل بن جاتی ہے، مثلاً:

(۱) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ خدا کی مدح میں ہے لیکن اگر اس کی رویت فی نفسہٖ ناممکن ہوتو یہ کوئی مدح نہیں۔ علم، ارادہ، قدرت، خوشبو یہ تمام چیزیں دیکھی نہیں جاسکتیں اور یہ ان کی کوئی مدح نہیں، البتہ اگر خدا کی رویت فی نفسہٖ ممکن ہو اور وہ لوگوں کو نظر نہ آئے تو اس کی مدح ہوسکتی ہے اور یہ تسلیم کر لینے کے بعد یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمان خدا کو قیامت کے دن دیکھیں گے کیوں کہ صرف دو ہی قسم کے لوگ ہیں:

ایک تو وہ جو خدا کی رویت کو ممکن مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ خدا مسلمانوں کو قیامت کے دن نظر آئے گا۔

دوسرے وہ جو خدا کی رویت کو ناممکن کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان خدا کو قیامت کے دن نہیں دیکھیں گے۔

ایسا کوئی فرقہ نہیں ہے جو خدا کی رویت کو تو ممکن مانتا ہو لیکن اسی کے ساتھ اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ قیامت کے دن مسلمانوں کو نظر نہ آئے گا۔

(۲) ابصار جمع کا صیغہ ہے اور اس پر الف لام استغراق کا داخل ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کل نگاہیں تو خدا کو نہیں دیکھ سکتیں البتہ بعض نگاہیں دیکھ سکتی ہیں۔ مثلاً: اگر یہ کہا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام لوگ ایمان نہیں لائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اشاعرہ کا مذہب یہی ہے کہ قیامت میں صرف مسلمان خدا کو دیکھیں گے اور کافر اس کے دیدار سے محروم رہیں گے۔

اس آیت کے علاوہ ایک اور آیت ہے جس سے معتزلہ اور اشاعرہ دونوں اپنے اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(الاعراف ۱۴۳)

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے کے مطابق (کوہ طور پر) حاضر ہوئے اور ان کا پروردگار ان سے ہم کلام ہوا تو (موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! تو (اپنے تئیں) مجھے دکھا کہ میں تیری طرف ایک نظر دیکھوں۔ (خدا نے) فرمایا: تم مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے مگر ہاں (ایسا ہی شوق ہے تو سامنے کے اس) پہاڑ پر نظر کرو۔ پس اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو (جاننا کہ) مجھ کو بھی دیکھ سکو گے۔ پھر جب ان کا پروردگار پہاڑ پر جلوہ فرما ہوا تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو بول اٹھے کہ (اے پروردگار) تیری ذات پاک ہے۔ میں نے جو دیکھنے کی درخواست کی تھی تیری جناب میں (اس سے) توبہ کرتا ہو اور (تجھ پر) ایمان لانے والوں میں پہلا ایمان لانے والا (بندہ) ہوں۔

اور اس آیت کے متعلق علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ ''نہایۃ اقدام'' میں لکھتے ہیں:

واقوی الادلۃ السمعیۃ فیھا قصۃ موسیٰ علیہ السلام وذالک مما یعتمد کل الاعتماد علیہ۔

ترجمہ: اور اس مسئلے کے متعلق سب سے قوی سمعی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے اور اس پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اور اس قابلِ اعتماد سمعی دلیل سے اشاعرہ مختلف طریقوں سے رویتِ باری پر استدلال کرتے ہیں:

(۱) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے رویت کی درخواست کی، اس لیے اگر خدا کی رویت محال ہوتی تو وہ یہ درخواست کیوں کرتے؟

(۲) اگر خدا کی رویت محال ہوتی تو خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں کہتا کہ ''لا اُریٰ'' یعنی میں دیکھا نہیں جاسکتا، یہ نہ کہتا کہ ''لن ترانی'' یعنی تم مجھ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی رویت فی نفسہٖ ممکن تھی، یہ دوسری بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مادی علایق کی بناء پر اس کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

(۳) اس آیت میں خدا نے اپنی رویت کو پہاڑ کے ٹھیرنے پر معلق کیا ہے اور پہاڑ کا ٹھیرنا ایک امرِ ممکن ہے، اور جو چیز ممکن پر معلق ہوتی ہے وہ بذات خود ممکن ہوتی ہے اس لیے خدا کی رویت ممکن ہے۔

(۴) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے پہاڑ کو اپنی تجلی دکھائی، اور اسی تجلی کا نام رویت ہے، اس سے ثابت ہوا کہ خدا کی رویت بذات خود ممکن ہے، یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اس رویت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

سَیِّدِالمُرسَلِین

لتومنن به اور وہ قالوا اقررنا
مقام جملہ رسولاں، درود تاج میں ہے

سَیِّدِ المُرسلین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سردار ہونا بلا تردید ہے:

سیّد کے معنی سردار کے ہیں اور اس لفظ پر طویل بحث جس میں لغوی اور اصطلاحی مفہوم، لغاتِ عرب سے اس کی تشریح، اعتراضات اور ان کے جوابات احادیث اور اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالوں کے ساتھ پیش کیے جا چکے ہیں کہ حضور نبی کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں بلکہ جنھیں دنیا میں سردار کہا گیا اور کہا جائے ان سرداروں کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سردار ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور قصیدہ نعمانیہ کا آغاز ہی یا سیّد السادات سے کیا ہے اور اس قصیدے میں تمام انبیاء و رسولوں پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہوا ہے وہ ایک ایک کر کے شمار کرایا ہے، مثلاً: ان کرم نوازیوں کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے کیا:

انت الذی لما توسّل اٰدم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو جب انھوں نے وسیلہ پکڑا۔

من زلّة بک فاز و هو اباکا

اگرچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربّ نے بخشش عطا۔

و بک الخلیل دعا فعادت ناره

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں کہ مانگی دعا جب خلیل علیہ السلام نے اور توسل کیا۔

بردا و قد خمدت بنور سناکا

سردآتش ہوئی برکتِ نور سے، نور تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سب کا اسی طرح ذکر فرماتے ہوئے پھر کہتے ہیں:

قد فُقت یا طٰہٰ جمیع الانبیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں از جملۂ انبیاء اے طٰہٰ لقب۔

طرا فسبحٰن الذی اسرا کا

پاک ہے جس نے ملکوت کی سیر کروائی تھی ایک شب۔

ایک اور شعر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور برتری کا ذکر اسی قصیدے میں فرمایا ہے، کہتے ہیں:

یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ

جملہ مخلوق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں اے حاصلِ کائنات۔

جُد لی بجودک و ارضنی برضا کا

بخشیے مجھ کو اپنی رضا و عطا اور مسرت کی بات۔

اس قصیدے کے کل ۱۶ شعر ہیں، اس کے اردو ترجمے کو منظوم اس ناچیز نے کیا ہے۔ یہ سعادت بھی اس احقر کو نصیب ہوئی ہے اور یہ منظوم ترجمے کے ساتھ میری پہلی تحقیقی تصنیف ''مدارج النعت'' میں شایع ہو چکا ہے۔ شعری محاسن اور زبان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس قصیدے میں چند اہم باتیں بھی ہیں جو اس کے مکمل مطالعے سے آپ کو حاصل ہوں گی بالخصوص شعرائے کرام کے لیے اور توسل پر اعتراض کرنے والوں کے لیے بھی یعنی آپ نے سکھایا ہے، تعلیم دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب کس طرح بیان کرو اور القاب میں کیسے کیسے منتخب لفظ شامل کرو اور فریاد و دادرسی کے لیے لہجہ کیا ہو۔

ایک عرض اور کر دوں کہ اس قصیدے میں صرف شاعری نہیں ہے۔ شاعر کس مقام سے شعر کہہ رہا ہے؟ یہ سمجھ میں آئے تو پھر ہر شعر کی نہ صرف لذت دوبالا ہو جائے گی بلکہ ہر شعر سے

معرفت حاصل ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد آدم علیہ السلام پر برتری اور سرداری حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار ہونے کا راز سمجھ میں آجائے گا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق دو ایک کلمات پیش کرتا ہوں، ان کی عظمت کا حال بیان کرنے کے لیے تو ایک دفتر چاہیے لیکن ان قارئین کے لیے، جو بالکل ہی ناواقف ہوں، مختصر تعارف کراتا ہوں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا رُوحانی مرتبہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے اس لیے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔ ان کے نصیب کتنے بلند ہوں گے جو اہلِ بیت علیہ السلام کی آغوش میں تربیت پائیں، اور وہ تربیت بھی کیسی ہوگی۔ عہدِ طفولیت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی معصوم آنکھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا:

''اے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! تجھے خدا نے میری سنّت زندہ کرنے کے لیے بنایا ہے، گوشہ نشینی کا ارادہ نہ کر۔''

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف ''مکتوبات'' کی دوسری جلد میں فرماتے ہیں:

''مثل روح اللہ علیہ السلام کے مثل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کوفی کی ہے۔''

ایک اور جگہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کل فقہاء امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عیال ہیں فقہ میں۔'' (مکتوبات جلد دوئم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیّد المرسلین ہونے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں جیسا کہ اس سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ایک دو حوالے پیش کر چکا ہوں جس میں کہا گیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں معجزات اور کرامات کی قدرت نہ بھی ہوتی تو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ہی نبوت کے اعلان کے لیے کافی تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، بزرگی اور مراتب، جو

اب تک بیان ہوئے اور حشر تک آنے والے اسی طرح بیان کرتے جائیں گے، اس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت تو نہیں لیکن انھیں بھی پیش کرتا ہوں۔ اِدھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبد المطلب کا یہ شعر دیکھیے، میں آپ کو واپس عہدِ نبوت کے اصحاب میں لیے چلتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے غم اور بے قراری کو دیکھ کر فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تمام قبور کی سردار ہے:

فقبر ابیک سیّد کل قبر　　وفیہ سیّد الناس الرّسول صلی اللہ علیہ وسلم

"آپ رضی اللہ عنہا کے والد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے جس کے اندر تمام انسانوں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔" دیکھیے شہاب الدین محمود حلبی کیا فرماتے ہیں، آپ بھی کس طرح اپنے شعر میں تمام انبیاء کے سردار کا ذکر بیان کرتے ہیں:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیّد السادات اکرم من　　علت بمثلہ فوق الوریٰ الرتب

"وہ ذاتِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو تمام سرداروں کے سردار ہیں اور جن جن پیغمبروں کے لائے ہوئے دین سے دنیا میں روشنی پھیلی ان سب کے امام اور ان سب میں عالی مقام ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بھی رحمت ہیں
جو زمانے ابھی نہیں آئے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ رحمت کا کوئی زمانہ محدود نہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل جتنے بھی زمانے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد جتنے بھی زمانے آئیں گے، پھر عالم کتنے ہیں؟ کہاں کہاں ہیں؟ عرش و فرش کے درمیان سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ کیا فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلۂ رحمت میں نہیں؟ ارواحِ انبیاء علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے سایے میں نہیں؟ جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہے وہاں وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سردار ہیں۔ یہ

صرف میں اپنے عقیدے کی بات نہیں کرتا بلکہ ہر وہ ہستی، جس کو حوضِ معرفت سے جام پلایا گیا، علم کی سچائی اور روشنی بخشی انھی میں ایک الشیخ الاکبر، ابو بکر محی الدین ابنِ عربی، جن کا وصال ۱۲۴۰ عیسوی میں ہوا، فرماتے ہیں:

الا بابی من کان ملکا و سیدا و آدم بین الماء والطین واقف

"سنو! میرے باپ قربان، وہ فرماں روا کون تھا اور وہ سردار کون تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان ٹھیرے ہوئے تھے۔"

تمام انبیاء علیہم السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں:

آیئے اب میں قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کی جانب لے جاتا ہوں جس کا ہر حرف جملہ حروف علم وادب کے لیے حق اور صداقت کا پیمانہ، تمیز کا زاویہ ہے۔ جس کے ایوانِ فصاحت میں زبان کو حضوری مل جائے تو خلعتِ معنی پہنا دی جاتی ہے، جہاں سدرۃ المعنی سے فکر کو پر پرواز عطا ہوتے ہیں اور جہاں اسرار ورموز کے کنزِ مخفی سے ذہنوں کے کشکول کو ہرِ معرفت سے لبریز کر دیے جاتے ہیں۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

"اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمھیں اس کی جو دوں میں تمھیں کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تصدیق کرنے والا ہو۔ ان (کتابوں) کی جو تمھارے پاس ہیں تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور مدد کرنا اس کی۔ (اس کے بعد) فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی: ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا: تو گواہ

رہنا اور میں (بھی) تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“

(آلِ عمران: آیت ۸۱)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ومن هنا ذهب العارفون الى انه صلى الله عليه وآله وسلم هو النبى المطلق والرسول الحقيقي والمشرع الاستقلالي وان من سواه من الانبياء عليهم الصلوة والسلام فى حكم التبعية له صلى الله عليه وسلم۔“

”اسی لیے عارفین نے فرمایا ہے کہ نبیِ مطلق، رسولِ حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جملہ دیگر انبیاء علیہم السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہیں۔“

(روح المعانی، علامہ آلوسی اقتباس از ضیاء القرآن جلد اول، ص ۲۴۸)

یہ عہد تو اللہ تعالیٰ نے تمام ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے روزِ میثاق لیا تھا، لیکن شاید آپ کے علم میں یہ نہ ہو کہ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

حضرت سیّدنا علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ اور سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور اس جہانِ آب و گل کو اپنے نور سے منور فرمائیں تو اس نبی پر لازم ہوگا کہ وہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ان کے دین کی تائید اور نصرت کرے اور پھر تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے یہی عہد، جو حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان سے لیا تھا، انھوں نے (انبیائے کرام علیہم السلام نے) اپنی اپنی امتوں سے لیا۔

کمال کچھ نہ رہا صاحبِ کمال کے بعد
ہر آئنہ ہوا دھندلا ترے جمال کے بعد

(شاعر لکھنوی)

خَاتَمِ النَّبِيّٖن

بیانِ سورہ احزاب کیا نہیں کافی
سنا رہا ہے جو قرآں درود تاج میں ہے

خَاتَمِ النَّبِیّٖن

النبی کی لغوی تعریف:

حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاتم النبیین کا لقب نہ کسی بحث کا محتاج ہے نہ کسی تعارف کی ضرورت ہے۔ قرآنِ مجید کی سورہ احزاب میں خالقِ کون ومکاں نے اسے بیان فرمادیا ہے۔

اس کی لغوی تشریح یوں ہے:

النبی: صاحبِ ''لسان العرب'' لفظ نبی کی تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اس کے ماخذِ اشتقاق کے متعلق اہلِ لغت کے تین قول ہیں:

۱- یہ نباء سے مشتق ہے ۲- یہ نبوۃ سے مشتق ہے ۳- یہ نباوۃ سے مشتق ہے۔

پہلے قول کے مطابق نبی بروزنِ فعیل بمعنی مفعل مخبر ہوگا یعنی جو ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو''۔ علامہ جوہری اور فراء دونوں کی رائے یہ ہے کہ نباء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: ''اللہ کی طرف سے خبر دینے والا''۔

الجوہری: والنبی المخبر من اللہ عزّوجل لا له انبا عنه و هو فعيل بمعنى مفعل

قال الفراء: النبی هو من انبا عن الله وترک همزته۔

اور اگر اس کا ماخذِ اشتقاق النبوۃ یا النباوۃ ہو تو اس کے معنی ہیں بلند اور اونچی چیز۔ چونکہ نبی دوسروں سے ہر لحاظ سے ارفع واعلیٰ ہوتا ہے اس لیے اسے نبی کہتے ہیں۔

لیکن علامہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نباء ہر خبر کو نہیں کہتے بلکہ صرف اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین اوصاف ہوں: ۱- فایدہ مند ہو۔ ۲- اہم اور عظیم ہو۔ ۳- ایسی ہو کہ اس کے سننے سے علم یا کم از کم غلبہ ظن حاصل ہو۔

اس لفظ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان پیغام رسانی کو کہتے ہیں جس سے ان کی دنیا اور عقبیٰ کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ نبی چونکہ ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس سے عقلِ سلیم کو تسکین ہوتی ہے اس لیے یہ فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔
(المفردات، لفظ نبی)

مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ لفظ نبی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کا لفظ نباء سے مشتق ہے اور لغت میں انباء کو ہر چیز کے لیے مستعمل ہو سکتا ہے لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں میں ہونے لگا ہے، اس لحاظ سے نبی اللہ کے معنی یہ ہوں گے الذی نبّاہ اللہ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دیں ہوں۔ (ترجمان السنہ جلد چہارم، ص ۴۴۱)

یہ تو باعتبار لغت لفظ نبی کا مفہوم تھا جو پیش کیا گیا اور اکثر اس لفظ پر میں نے لوگوں کو بے معنی بحث کرتے پایا اس لیے اتنی تفصیل میں جانا پڑا۔ حقیقتِ انبیاء و رسل علیہم السلام کو بیان کرنا نفوسِ قدسیہ ہی کا حصہ ہے۔ اس منصب پر جو فائز ہیں ان میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایسی بلند پایہ ہستی ہیں جنھوں نے اس مفہوم کو، بقول پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ، ہمارے اذہان سے قریب تر کرنے کی سعیِ مشکور کی ہے۔ درود تاج کا محبت اور عقیدت سے ورد کرنے والوں کو جہاں اس کے ایک ایک لفظ کی پر اسرار کیفیات سے حجاب دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، لفظ نبی سے متعلق تمام معلومات کا پہنچانا بھی ان تحریروں کا بنیادی مقصد ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور حقیقتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان:

حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف ”المنقذ من الضلال“، جو درحقیقت ان کی اپنی آپ بیتی ہے، اس ایمان افروز اور روح پرور تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

”جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ان گنت اور بے شمار جہانوں سے وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے لمس یعنی چھونے کی حِس پیدا کی جاتی ہے۔ اس حِس کی تخلیق سے موجودات کے متعدد اقسام اس پر بے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وہ حرارت اور ٹھنڈک، خشکی و تری، ملایم اور درشت امور کا ادراک کرنے لگتا ہے لیکن رنگ و روپ اور لفظ

صوت کی دنیا سے وہ محض بے خبر ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک گویا ان اشیاء کا کوئی وجود ہی نہیں۔ پھر اس کو بینائی عطا کی جاتی ہے جس سے وہ رنگوں، شکلوں اور صورتوں کے عالم سے آگاہ ہونے لگتا ہے۔ اس سے اس کی دنیا پہلے سے وسیع تر ہو جاتی ہے لیکن آواز اور کسی شے کے شیریں و تلخ ہونے کا اسے کچھ پتا نہیں ہوتا۔ گویا صوت و آہنگ و شیریں و تلخ کا جہان اس کے لیے ابھی کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر آیا ہی نہیں۔ بعد ازاں اسے ذوق کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ اب وہ میٹھے، کڑوے اور ترش وغیرہ اشیاء کو بھی پہچاننے لگتا ہے۔ اس طرح وہ قدم بقدم آگے بڑھتا رہتا ہے۔ جب اس کی عمر سات سال کے قریب ہوتی ہے تو اسے قوت تمیز سے بہرہ ور کر دیا جاتا ہے جس سے وہ پہلے بے بہرہ تھا۔ جب اس میں قوت تمیز کی آنکھ کھلتی ہے تو اسے ایک انوکھی حالت سے دوچار کر دیا جاتا ہے جو پہلے اسے میسر نہیں تھی۔

صلاحیتوں کی نشوونما میں اس کی پیش رفت جاری رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جب عقل کی قوت اس میں تخلیق کی جاتی ہے۔ اس قوت سے وہ واجبات، فرائض، ممکنات و مستحیلات وغیرہ امور پر آگاہی حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس عقل وفہم کی حالت سے ماوریٰ ایک اور حالت ہے جس میں انسان کی وہ آنکھ کھلتی ہے جس سے وہ امور غیبیہ کو اور جو کچھ آیندہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والا ہے اس کو دیکھنے لگتا ہے یعنی وہ امور، جن کو سمجھنے سے عقل عاجز تھی، جس طرح قوت تمیز عقل کے مدرکات کے فہم سے عاجز تھی، بعینہٖ اسی طرح جس طرح حواسِ ظاہری مدرکات تمیز پا لینے سے بے بہرہ اور بے بس تھے۔

اب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس بحث کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں:

فکما ان العقل طور من اطوار الآدمی یحصل فیه عین یبصربها انواعا من المعقولات والحواس معزولة عنها فالنبوة ایضاً عبارة عن طور یحصل فیه عین لها نور یظهر فی نورها الغیب و امور لا یدرکها العقل۔

"جس طرح عقل انسان کی ایک مخصوص حالت کا نام ہے جس سے انسان

کو وہ آنکھ ملتی ہے جس سے وہ معقولات کے مختلف انواع کو دیکھنے لگتا ہے، جن کے ادراک سے حواس بے بہرہ ہوتے ہیں، پس نبوت بھی اسی طرح ایک مخصوص حالت کا نام ہے جس میں نبی کو وہ آنکھ ارزانی ہوتی ہے جو روشن اور بینا ہوتی ہے، جس کے انوار کی روشنی میں غیب اور وہ امور نظر آنے لگتے ہیں جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہیں۔

(امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، المنقذ من الضلال، ص ۱۳۱-۱۳۲، طبع دکتور عبدالحلیم محمود)

نبوّت کے اظہار اور رسالت کے آغاز میں فرق:

نبوت کے اظہار اور رسالت کے آغاز میں ایک فرق ہے یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اظہار سورۃ العلق کی آیات سے ہوا جن کی تعداد پانچ ہے اور رسالت کا آغاز سورۃ المدثر کی آیات سے ہوا اور خاتم النّبیین کا اعلان سورہ احزاب کی آیات سے ہوا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور خاتم الانبیاء ہیں۔

خاتم کے لغوی معنی پھر اصطلاحات:

ختم: مہر لگانا، ختم کرنا، انگوٹھی پہنانا، مٹی وغیرہ سے برتن کو بند کر دینا۔

ختم الکتب: کتاب اچھی طرح پڑھ لی۔

ختم علیک الباب: اس نے تم پر اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا۔

ختم النحل: شہد کی مکھی نے شہد کے خلیوں کو شہد سے بھر دیا۔

الختم: انگوٹھی

خاتم: انگوٹھی۔ انجام۔ آخری۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرہ: آیت ۷)

(مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر اور ان کی آنکھوں پر

پردہ ہے۔) یہ استعارے میں کہا گیا ہے، اس کا مفہوم ہے: دلوں اور کانوں پر مہر لگا دینا۔ قریشِ مکہ کی کج روی، گمراہی اور حق کے مقابل ان کی بے جا ضد اس مقام تک پہنچ گئی ہے گویا یہ سب بہرے ہو گئے ہیں اور سچ سننے کے لیے آمادہ نہیں، اندھے ہو گئے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیاں نظر نہیں آتیں یا جسے دیکھنے کو تیار نہیں۔

اس طویل بحث کا خلاصہ اور نتیجہ:

بظاہر رسول اللہ ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں، آپ ﷺ کے بعد رشد و ہدایت کا سلسلہ وحی کے ذریعے ختم کر دیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہدایت کا جو ایک نظام حق سبحانہ وتعالیٰ نے قایم فرمایا اس کی تکمیل کر دی گئی اور اپنے محبوب کو لولاک لما خلقت الافلاک کہہ کر اوّل کیا، خاتم النّبیین کہہ کر اوّل و آخر کا جو مرتبہ مرحمت فرمایا یہ بھی اس کی ایک کڑی ہے۔ آپ ﷺ سے قبل جتنے بھی انبیاء ورسل علیہم السلام آئے وہ اپنی اپنی امتوں کے لیے آئے۔ ان کی شریعت، زمان و مکاں کے اعتبار سے، محدود تھی۔ جو نبی علیہ السلام جاتا اس کے جانے کے بعد گمراہی پلٹ آتی۔ پھر طویل عرصہ گزرتا، ایک اور نبی کی زمانے کو ضرورت ہوتی جسے حق تعالیٰ پوری فرماتا۔ آپ ﷺ کے آنے کے بعد رشد و ہدایت کے تمام پیمانے بدل دیے گئے جو قیامت تک کے لیے بنائے گئے۔

بعد از خدا بزرگ محمد ﷺ کی ذات ہے:

غور کیجیے کہ ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ ہر ہر مقام پر اپنے محبوب ﷺ کو انتہائی درجہ کمال کے ساتھ پیش کر رہا ہے: آپ ﷺ کا نور خدا کی ذات نے سب سے پہلے خلق کیا، آپ ﷺ کو وجہ کائنات ٹھیرایا، آپ ﷺ کے لیے عالمِ ارواح میں تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے عہد لیا، آپ ﷺ سے روزِ محشر مقام محمود اور لواء الحمد کا وعدہ فرمایا، گنہ گاروں کی شفاعت کا سہرا آپ ﷺ کے سر باندھا گیا اور واقعۂ معراج اس دنیا میں ایسا عظیم واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ کو وہ بلندی عطا کی کہ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں کسی کا مقدر نہ بن سکی، آپ ﷺ پر جو کتاب نازل فرمائی اسے اور آپ ﷺ کی شریعتِ

مطہر کو بھی قیامت تک کے لیے تحفظ کا وعدہ فرمایا۔ ان تمام مراتب و درجات پر غور فرمایئے
—— ایک تسلسل ہے، منشائے ربّ کا کتنا حسین تسلسل۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ
ہوتے تو یہ تسلسل ٹوٹ جاتا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدا ہے، اسے ہرگز گوارا نہ
تھا کہ یہ اعزاز کسی اور کو جائے۔ ربّ کی اپنے بندہ محبوب سے محبتِ بے حد کی یہ حد ہے۔ پھر
میثاق میں جو عہد لیا وہ نہ لیا جاتا، وہی اوّل وہی آخر کے معنی بدل جاتے، اس امت کو امت
آخر کہہ کر جو فضیلت عطا فرمائی وہ نہ ملتی، اس امت کے اولیاء اور علماء کو جو فضیلت دی گئی یہ
مقامات نہ ہوتے —— وہ تسلسل، جو منشائے ربّ تھا، وہ تبدیل ہو کر ٹوٹ جاتا۔ اس میں اور کیا
کیا راز پوشیدہ ہیں یہ اہلِ معرفت ہی جانیں۔

تاریخ انگشت بدنداں ہے، عقلِ انسانی دنگ ہے، فلاسفہ حیران ہیں، زمین سجدہ گاہ
بن گئی ہے، عظمت وجلال ربانی، جمال قرآنی نے تسخیرِ کائنات کا نسخہ کمزور، ضعیف اور ناتواں
انسانوں کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ انسانیت ماتم کدوں سے نکل کر شادمانی کے نغموں
میں ڈھل گئی ہے۔ بندہ بندگی کے بلند ترین مقام تک پہنچ گیا ہے۔ رحمت کو جن آنسوؤں کی
تلاش تھی وہ مل گئے ہیں۔ عاصیوں کو جس دامنِ رحمت کی طلب تھی وہ ہاتھ آ گیا ہے۔ یہ شرف
انسانی کی انتہا، عبدیت کا اوجِ کمال اور ربِّ کریم کے کرم کی حد ہے اس لیے اس نے اپنے
محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام صفات اعلیٰ دے کر خاتم کا درجہ دے دیا کہ اب ان کے بعد کوئی نہیں۔
آخر میں دو احادیث ختمِ رسالت پر قرآن کی آیت کی سند کے بعد۔

ختمِ نبوت پر بخاری کی حدیث:

”حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء علیہم
السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک
کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ لوگ اس عمارت کے اردگرد پھرتے ہیں اور
اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ
رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“

(بخاری شریف، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین)

خدانخواستہ کسی ذہن میں یہ سوال آجائے کہ یہ تو کوئی فضیلت نہیں، تمام عمارت میں

جیسے اور اینٹیں لگی ہیں ایک اینٹ یہ بھی لگی ہے۔ اس کا اوّل تو تصور آنا ہی نہیں چاہیے لیکن اگر ایسا کوئی خیال آ گیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ بھی پتھروں کی ایک عمارت ہے لیکن ایک پتھر اس ساری عمارت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا لگایا کہ قیامت تک اس پتھر کی عظمت کو کوئی پتھر نہ پہنچ سکا۔ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی ہو بلند و بالا ہے۔ چشم انسانی یہ تماشا نہ دیکھ سکے، نگاہ اس مقام تک نہ پہنچ سکے لیکن مراتب و درجات خود وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم نے ''کتاب الفضائل'' باب خاتم النبیین میں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب المناقب'' میں، ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی مسانید میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ختم نبوت پر مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ باتوں میں انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی:

۱۔ مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا (یعنی الفاظ مختصر اور معانی بحرِ بے پیدا کنار)۔

۲۔ رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی۔

۳۔ میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔

۴۔ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس (مٹی) سے تیمم کی اجازت دی گئی۔

۵۔ مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنایا گیا۔

۶۔ اور میری ذات سے تمام انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

شَفِیعُ المُذنِبِین

بہا کے اشک منا لو شفیعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کو
ملیں جو دیدہ گریاں، درود تاج میں ہے

شَفِیعُ المُذنِبِین

اللہ ! کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا؟
رو رو کے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریا بہا دیے ہیں

(امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ)

میدانِ حشر اور مقام محمود:

عابد وزاہد ہوں یا عاصیانِ پُر معاصی، عالم وفقیہ ہوں یا ارباب فکر وفن، سب کا اس پر یقین ہے کہ روزِ حساب ہے لیکن اس کا دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ اس کا عمل قبول بارگاہ ہو چکا۔ روزِ محشر جہاں انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کی شفاعت کے لیے پریشان ہوں گے وہاں ہما وشما کا مقام کیا ہوگا؟ ہاں، نا امیدی بھی کفر ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ذہن میں ہوگا اور زبان پر:

مذنبِ چوں من نباشد در تمامی امتت
رحم کن بر حال ما یا رحمت للعالمیں صلی اللہ علیہ وسلم (جامی رحمۃ اللہ علیہ)

بیک وقت سب کی نگاہیں جس جانب ہوں گی وہ میدانِ حشر میں ''مقام محمود'' ہوگا۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا:

وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

''اور رات کے بعض حصے میں (اٹھو) اور تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ)۔ (یہ نماز) زاید ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے۔ یقیناً فایز فرمائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ربّ مقام محمود پر۔''

مقام محمود کیا ہے؟ کس کی مجال کہ اس مقام کو بے حجاب کرے۔ جسے حق سبحانہ وتعالیٰ نے منتخب فرمالیا وہ واقفِ اسرارالٰہی خود اپنی زبان سے فرماتے ہیں: ھو المقام الذی اشفع فیہ لامتی (یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غمِ امت میں رونا اور جبریل علیہ السلام کا خوشخبری لانا:

حضرت امام مسلم نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز غمگسار عاصیاں، چارہ ساز بیکساں، صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کو، جو حضرت خلیل علیہ السلام کا تھا، پڑھا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

''اے ربّ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے۔ جنھوں نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ میں ہوں گے اور جنھوں نے میری نافرمانی کی تو تُو غفور رحیم ہے۔''

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جملے کو دہرایا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

''اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تو ہی عزیز وحکیم ہے۔''

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور اپنے ربّ کی بارگاہ میں عرض کی: ''امتی۔ امتی۔ ثم بکی (اے میرے رب میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے)۔ پھر حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم زاروقطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یا جبریل اذھب الیٰ محمد فقل لہ انا سنرضیک فی امتک ولا نسوءک۔

''اے جبریل علیہ السلام! میرے محبوب کے پاس جاؤ اور جا کر خبردو (میرا پیغام دو): اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور تجھے تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔''

(ضیا القرآن جلد دویم، ص ۶۷۸)

ہر کس بہ جہاں گناہ گار است
گشتہ بہ شفاعتِ تو مغفور

(شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

جو صاحبِ ایمان ہیں وہ شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل یقین رکھتے ہیں لیکن اس راستے کے وہ مسافر، جن کے ہاتھوں سے متاعِ کارواں جاتا رہا، ان کے لیے مزید دعوتِ فکر دیتا ہوں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے قاضی ابو الفضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ شفاعتیں فرمائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ شفاعتیں فرمائیں گے:

۱- شفاعتِ عامہ جس سے مومن اور کافر، اپنے اور بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔
۲- بعض خوش نصیبوں کے لیے بغیر حساب جنت میں داخل ہونے کی شفاعت فرمائیں گے۔
۳- وہ موحد کہ اپنے گناہوں کے باعث عذابِ دوزخ کے مستحق قرار پا جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخش دیے جائیں گے۔
۴- وہ گنہ گار جنھیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرما کر انھیں وہاں سے نکالیں گے۔
۵- اہلِ جنت میں ترقی کے مدارج کے لیے سفارش کریں گے۔

روز قیامت بے گماں باشی شفیعِ اُمتاں
رضواں مثال خادماں خدمت کند از جان تو

(خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ)

محشر کا منظر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے:

بابِ شفاعت میں احادیث کی تعداد بہت ہے جن سب کو یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔
علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ستائیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حدیثِ شفاعت مروی ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔

”روزِ محشر جب ہر دل پر خوف طاری ہوگا اس وقت جلال خداوندی ہوگا جس کے آگے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ تمام مخلوق خدا اپنے اپنے نبیوں علیہ السلام ـــ حضرت آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ـــ سے فریاد کناں ہوگی مگر کہیں شنوائی نہ ہوگی کہ روزِ محشر کا معاملہ تمام انبیاء علیہم السلام کے علم میں ہوگا۔ آخر یہ تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور گریہ وزاری کریں گے اور شفاعت کے لیے درخواست کریں گے۔ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) اس آستانِ رحمت کی طرف اشارہ فرمائیں گے جہاں سے کوئی نامراد ہو کر واپس نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ خلقِ خدا رحمتِ عالم و عالمیان، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کریں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: ”انا لہا، انا لہا“ (ہاں میں تمھاری مدد کروں گا)۔ پھر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ عظیم کے قریب ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اپنے ربِّ ذوالجلال کی حمد و ثناء کریں گے اور پھر گناہ گاروں، شفاعت کے طلبگاروں کے لیے بخشش ورحمت اور فضل وکرم کی خوشبو لیے ہوئے یہ صدا آئے گی:

یا محمد ارفع راسک قل تسمع اسئل تعط اشفع تشفع۔

”اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے سر مبارک کو اٹھایئے، کہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگتے جائیں، ہم دیتے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرتے جائیں، ہم قبول کرتے جائیں گے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار:

ملاذ عباد اللہ ملجأ خوفهم
اذا جاء يوم فيه شيب الذوائب
اذا ماأتوا نوحاً وموسیٰ و آدماً
وقدها لهم إبصار تلك الصعائب
هناك رسولُ الله ينحو لربه
شفيعاً و فتاحاً لباب المواهب

۱- اس دن جب کہ پُر ہول وقت ہوگا اور جس کی دہشت سے سیاہ بال یکایک سفید ہو جائیں گے، اس وقت ڈر سے کانپتے ہوئے بندگانِ خدا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ملجا و ماویٰ اور سہارا ہوں گے۔

۲- جب وہ دن آئے گا کہ سارے انسان حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رجوع کریں گے، حضرت آدم علیہ السلام سے مدد مانگیں گے تو یہ سب کے سب اس کٹھن گھڑی کی صعوبتوں سے لرزاں اور خائف ہوں گے۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر وہیں ہوں گے، جو اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوں گے، شفاعت کریں گے اور بخشش کے در کھلوائیں گے۔

دیکھیے کیا تسکینِ جان، اطمینانِ قلب اور روح پرور حوالہ سامنے آرہا ہے جو شفاعت قبلِ محشر کی بات ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا

(سورۃ مریم: آیت ۸۷)

محشر سے پہلے ہی شفاعت کی خوشخبری:

"وہ دن، جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیز گاروں کو رحمٰن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر)، اور اس روز ہانک کر لائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح۔ انھیں کوئی اختیار نہیں ہوگا شفاعت کا بجز ان کے جنھوں نے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔"

ترجمے میں قوسین کے درمیان "معزز و مکرم مہمان بنا کر" پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ ترجمے سے زاید ہے۔ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کی تفسیر میں یونہی کہا گیا ہے: **وفدا ای رکبانا علیٰ نجائب طاعتهم** یعنی وہ اپنی طاعتوں کی سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے۔

عرب کی ممتاز شخصیت، عظیم شاعر امرؤ القیس نے کہا:

"جب مومن قبر سے اٹھے گا تو اس کا عمل ایک خوبرو انسان کی شکل میں اس کا

استقبال کرے گا اور اس کا جسم خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔ وہ اس مومن سے پوچھے گا: کیا تم نے مجھے پہچانا؟ وہ کہے گا: نہیں، مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل دلآویز بنائی ہے اور تیری مہک عطر بیز ہے۔ وہ کہے گا: میں تیرا عملِ صالح ہوں، دنیا میں تجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ کو کندھوں پر اٹھانے کے لیے آیا ہوں۔" (ضیاء القرآن)

اب رحمت للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم یہ مژدہ سنا رہے ہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

جنت میں بغیر حساب کے جانے والے:

"ان ربی اعطانی سبعین الفاً من امتی یدخلون الجنۃ بغیر حساب فقال عمر رضی اللہ عنہ ھلا استزدتہ قال فاعطانی ھکذا و فرج بین یدیہ و بسط باعیہ وحتیٰ................"

"میرے پروردگار نے میری امت میں سے ستر ہزار ایسے عطا فرمائے جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا اچھا ہوتا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے۔ رؤف ورحیم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! میں نے زیادہ کے لیے درخواست کی اور مجھے میرے ربّ نے اس قدر عطا فرمایا۔ اس قدر کی وضاحت فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کھول دیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو کشادہ کر دیا اور ہشام کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔"

(روح المعانی)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور صحبتِ نورانی کا یہ اثر تھا کہ وہ حضرات بھی امت کی بخشش کے لیے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مژدہ شفاعت کی سماعت کے منتظر ہوتے، بلکہ موقع کی مناسبت سے آدابِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

کو ملحوظ رکھتے ہوئے معروضے کی شکل میں تمام امت کی بخشش کے لیے سوال کرتے جس کی ایک مثال مندرجہ بالا سطور میں گزری۔ ایک اور روح پرور ارشاد ملاحظہ ہو:

شفاعت کے امیدواروں کے لیے بڑی خوشخبری:

عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ تین دن تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنجگانہ کے لیے تشریف لاتے اور پھر خلوت نشین ہو جاتے۔ چوتھے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تین دن تک ہم سے علیحدہ رہے، یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لم یحدث الا خیرا ان ربی و عدنی ان یدخل من امتی الجنة سبعین الفاً بلا حساب وانی سالت ربی فی هذه الثلاث الایام المزید فوجدت ربی ماجداً کریماً فاعطانی مع کل واحد سبعین الفاً۔

''اے میرے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)! فکر واندیشے کی بات نہیں۔ بڑا دل خوش کن واقع ہوا ہے۔ میرے ربّ نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار آدمیوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں اپنے ربّ سے تین دن تک اس تعداد میں اضافے کی التجا کرتا رہا۔ پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم وکریم پایا اور اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر ہر شخص کے لیے ستر ستر ہزار عطا فرمایا۔'' (روح المعانی)

شفاعت کا ایک نسخہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہی بتا گئے:

ولادت سے وصال تک سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امت کی بخشش اور شفاعت کے لیے لمحہ لمحہ بارگاہ خداوندی میں التجا بن کر گزری۔ روز محشر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شفاعت فرمائیں گے، عجیب بات یہ ہے کہ شفاعت کا ایک نسخہ دنیا میں ہی عطا فرما گئے۔ یہ واقعہ شفاعت کے ذکر میں بڑا ہی عجیب ہے۔

علامہ قرطبی نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ فرماتے سنا ہے کہ کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ صبح وشام اپنے ربّ سے ایک عہد کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کس طرح؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح وشام یہ کہے:

اللھم فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشھادۃ انی اعھد الیک فی ھذہ الحیوٰۃ بانی اشھد ان لآ الٰہ الا انت وحدک لاشریک لک وان محمدا عبدک ورسولک فلا تکلنی الیٰ نفسی فانک ان تکلنی الیٰ نفسی تباعدنی من الخیر وتقربنی الی الشر وانی لا اثق الا برحمتک فاجعل لی عندک عھداً توفینیہ یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد۔

”اے اللہ تعالیٰ! اے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے! اے غیب (پوشیدہ) اور شہادت (ظاہر) کو جاننے والے میں تیرے پاس اس زندگی میں ایک اپنا عہد رکھتا ہوں، وہ یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود بغیر تیرے، تو ایک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر کیونکہ تو اگر مجھے میرے نفس کے حوالے کر دے گا تو وہ مجھے خیر سے دور، شر کے قریب کر دے گا۔ اور میں تیری رحمت کے بغیر کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتا۔ میرے اس اقرار کو بطور عہد نامہ محفوظ فرما اور قیامت کے دن مجھے وہ عطا کر، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔“

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص یہ کہے گا، اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا کر عرش کے نیچے رکھ دے گا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی کرنے والا منادی کرے گا:

”کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ کے پاس عہد ہے۔ پس وہ آدمی کھڑا ہوگا اور اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔“

سرسیّد احمد کی شفاعت سے مایوسی:

اس کے معنی یہ ہوے کہ قرآنِ کریم میں جو آیات بار بار نازل ہوئیں کہ کسی کی سفارش ہم قبول نہیں کریں گے یا کسی کو نفع نہیں دے گی کوئی سفارش، سوائے اس شخص کی سفارش کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا، ہم تلاوت کر جاتے ہیں اور سمجھتے نہیں کہ اصل مفہوم کیا ہے۔ سرسیّد نے آیات پیش کیں، جو کسی کی سفارش قبول نہ کرنے کے اعلان پر مبنی ہیں، لیکن وہ ایسی آیات کو اپنی بات منوانے کے لیے چھپا گئے جیسے سورہ طٰہٰ میں ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا

"اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کے جسے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور پسند فرماتا ہو اس کے قول کو۔"

سورہ والضحیٰ کی آیت کی تشریح میں، جس میں ربّ العزت فرماتا ہے: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ، علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام باقر علیہ السّلام سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ سب سے امید افزا آیت ہے۔"

حرب بن شریح کہتے ہیں میں نے سیّدنا امام باقر علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ جس شفاعت کا ذکر اہلِ عراق کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ علیہ السّلام نے فرمایا: بخدا حق ہے۔ مجھ سے محمد بن حنیفہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کی ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قال اشفع لامتی حتی ینادی ربی ارضیت یا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) فاقول نعم یا رب رضیت۔

حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ حضور علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:

"میں اپنی امت کے لیے سفارش کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ میرا ربّ مجھے ندا کرے گا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے؟ میں عرض کروں گا: ہاں میرے پروردگار! میں راضی ہو گیا۔"

اس طویل بیان کے بعد امام باقر علیہ السّلام نے حرب بن شریح سے فرمایا: اے اہلِ

عراق! تم یہ کہتے ہو کہ قرآنِ کریم کی سب سے امید افزاء آیت یہ ہے۔

لِعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا

لیکن ہم اہلِ بیت علیہ السلام یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت یہ ہے: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔

مسلّم الثبوت عالم، اصحاب ظواہر کے امام علامہ بن حزم کی تصنیف ''کتاب الفضل فی الملل والنحل'' میں امام صاحب نے ایک سوال اٹھایا:

''ھل شاء اللہ عزوجل کون الکفر والفسق اولم یشأ ذالک ولا اراد کونہ۔''

''خدانے چاہا کہ کفر وفسق ہو یا اس کا ہونا نہیں چاہا ہے اور نہ اس کے ہونے کا ارادہ کیا ہے؟ اصحاب ظواہر کا یہ مذہب ہے کہ خدا نے چاہا کہ کافر کفر کرے اور فاسق فسق کرے مگر وہ ان کاموں میں سے کسی پر راضی نہیں ہے، پس اس کے کرنے والوں پر غصہ ہوتا ہے اور غضب کرتا ہے۔ اسی کام پر، جس کو اس نے خود چاہا تھا کہ کافر اور فاسق کریں، اور جو کچھ اس نے کیا وہ عین حکمت، عین عدل اور عین حق ہے۔ اور یہ بات، کہ جس کام کو خدا نے چاہا کہ کافر و فاسق کرے، اس کے کرنے پر کیوں خفا ہوتا ہے؟ یہ بات اس سے (خدا سے) نہیں پوچھی جاسکتی کیونکہ خدا نے خود فرمایا:

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ (جو کچھ خدا کرتا ہے اس سے نہیں پوچھا جاتا ہے اور بندے اپنے کاموں کے متعلق پوچھے جائیں گے۔ سورہ انبیاء: ۲۳)۔ یہاں اصل بات شفاعت کی ہے۔ دراصل یہ بحث دلچسپ اور معلومات افزاء ہے لیکن اس کو یہیں ختم کرتے ہوے اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں کیونکہ یہ ایک عقیدہ ہے، ایک خیال ہے۔ اس سے مختلف خیال معتزلہ کا ہے اور دونوں سے متضاد اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

سر سیّد کا دعویٰ کہ شفاعت ناممکن ہے:

اب شفاعت کے باب میں اعتراض ہوتے ہیں۔ سر سیّد احمد خان نے ''ماشاءاللہ''

کے زیرِ عنوان ''تہذیب الاخلاق'' جلد دویم میں تفصیل سے بحث کی ہے اور قرآنِ کریم سے اکتالیس آیات کا حوالہ پیش کیا ہے۔ ان اکتالیس حوالوں میں سے ایک آیت بطور مثال پیش کر رہا ہوں:

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا

''جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے وہ ہدایت پانے والا ہے اور جس کو گمراہ کرتا ہے نہ پائے گا تو اس کا کوئی دوست، راہ بتانے والا۔'' سر سیّد احمد کہتے ہیں: اس سے صاف ظاہر ہے ہدایت اور گمراہی دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔ ان حوالوں کے بعد ان اکتالیس آیات میں سے جب وہ (سر سیّد احمد) اس آیت کو پیش کرتے ہیں، جس میں ارشاد ہوا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ کون شخص ہے جو خدا کے پاس کسی کی سفارش کرے گا۔ سر سیّد احمد کہتے ہیں کہ دوسری جگہ خدا نے شفاعت کی نفی کردی ہے اور فرمایا:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ

''ڈرو اس دن سے جب کوئی کچھ بھی کسی کے کام نہ آئے گا اور اس کے لیے کوئی شفاعت قبول نہ ہوگی اور نہ کچھ اس کے بدلے میں لیا جائے گا اور نہ اس کی مدد کی جائے گی۔'' سر سیّد کہتے ہیں: پس اس آیت میں الّا باذنہ سے مراد یہ نہیں ہوسکتی کہ خدا کسی کو شفاعت کا اذن دے گا بلکہ ان لفظوں سے توثیق اور تائید اس حکم کی مراد ہوتی ہے جو کہ استثناء سے پہلے بیان ہے۔ (مقالات سر سیّد جلد سویم، ص ۲۱۴)

قرآنِ کریم کی آیات کی تشریح میں یہاں سر سید کا وہی نظریہ ہے جسے وہ ''ورک آف گاڈ'' اور ''ورڈ آف گاڈ'' کے حوالے سے پیش کر چکے ہیں یعنی ان (اکتالیس) آیات کی روشنی میں جو طے کر چکا اس میں اب کوئی تبدیلی قرآن کے خلاف ہوگی۔

وہ آیات قرآنی جن سے شفاعت کی تصدیق ہوتی ہے اور انکار شفاعت کا رد ہوتا ہے:

آیئے دیکھیں شفاعت کے حق میں قرآنِ کریم میں ربّ تبارک وتعالیٰ کیا ارشاد فرما رہا ہے:

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (یونس: آیت ۳)

''کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت کے بعد۔''

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سورہ سباء: آیت ۲۳)

''اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے یہاں مگر جس کے لیے اس نے اجازت دے دی۔''

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا (سورہ الزمر: آیت ۴۴)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے سب شفاعت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ

''اور نہیں اختیار رکھتے، یہ جنھیں پوجتے ہیں، شفاعت کرنے کا۔ ہاں شفاعت کا حق انھیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور وہ اس کو جانتے بھی ہیں۔''

(سورہ الزخرف: آیت ۸۶)

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى (سورہ النجم: آیت ۲۶)

''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے۔''

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا

(سورہ النساء: آیت ۸۵)

''اور جو کرے گا سفارش اچھی، ہوگا اس کا حصہ اس میں سے اور جو کرے گا سفارش بری تو ہوگا اس کے لیے بوجھ اس سے۔''

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (سورہ مریم: آیت ۸۷)

''انھیں کوئی اختیار نہیں ہوگا شفاعت کا بجز ان کے جنھوں نے خداوند رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔''

گزشتہ اوراق میں حضور نبی کریم ﷺ کا قول علامہ قرطبی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کیا، اللّٰہم فاطر السموات والی حدیث۔ اسی وعدے کا تعلق اس آیت سے ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا

''اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو۔''

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (سورہ انبیاء: آیت ۲۸)

''اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈرتا ہے۔''

سر سید نے جن آیات کے حوالے دیے اور میں جو حوالے پیش کر رہا ہوں اب آپ دونوں کا موازنہ کیجیے۔ یہی چند آیات نہیں ہیں جس میں حق سبحانہ وتعالیٰ وعدہ فرما رہا ہے شفاعت قبول کرنے کا بلکہ بسببِ اختصار یہ آیات پیش کیں ورنہ مندرجہ ذیل آیات میں بھی شفاعت کا بیان اسی طرح ہے:

سورۃ	آیت	سورۃ	آیت	سورۃ	آیت
البقرہ	۲۵۴	اعراف	۵۳	الانعام	۵۱
البقرہ	۲۵۵	النساء	۸۵	الانعام	۷۰
البقرہ	۱۲۳	النساء	۸۵	الانعام	۹۴
البقرہ	۴۸	النساء	۸۵	الفجر	۳
المدثر	۴۸	الشعراء	۱۰۰	غافر	۱۸
المدثر	۷۴	الروم	۱۳		

یہ وہ چند آیات ہیں جو سر سید کے جواب میں ناچیز نے تلاش کیں۔ ممکن ہے مزید آیات بھی ہوں لیکن حوالے کے لیے یہی کافی ہیں۔ قطعی انکار شفاعت قبول کرنے کا ان

کافروں سے کیا گیا جو کسی نصیحت کو سننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنی ہٹ دھرمی پر قایم رہ کر اپنے بتوں کو ہی اپنی شفاعت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن مومنین کے لیے شفاعت کے قبول کرنے کا صاف صاف مژدہ ان آیات میں دیا جا رہا ہے۔

کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ کہ گناہ گاروں اور عاصیوں کی بخشش کے اور شفاعت کے معاملات کو عدالتی کارروائی سمجھ کر اور بنا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور آیات قرآنی کے حوالے دے کر رحمتِ صلی اللہ علیہ وسلم دو جہاں کی امت کو شفاعت سے محرومی کا خوف دلا رہے ہیں۔ میں آخر میں دو حوالے سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے پیش کرنے جا رہا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے صرف نیک، زاہدین و عابدین کے لیے ہی نہیں بلکہ امت کے ایک ایک فرد کی بخشش کے لیے کس قدر بے چین، بے قرار رہا کرتے تھے۔ مرض الموت کے عالم میں، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید تکلیف میں تھے، ہر سانس میں اپنے گنہ گار امتیوں کی فکر کے کلمات ادا ہو رہے تھے۔ ان واقعات کو پڑھ کر آپ کو حیرت ہوگی اور آنسو بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں سے بہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تر کر دیں گے۔ کوئی شقی القلب ہوگا جو اس واقعے کو سن کر یا پڑھ کر گریے میں مبتلا نہ ہو جائے۔

مرض الموت میں بھی فکرِ امت:

عجیب المناک منظر ہے۔ مرض الموت کی شدت سے روئے انور پر کرب کے آثار ہیں، بخار کی تیزی سے چہرہ مبارک دمک رہا ہے، بار بار پانی میں دستِ اقدس ڈال کر چہرے پر پھیرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے دونوں شہزادوں علیہم السلام کے ساتھ سرہانے موجود ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے ہوئے ہیں، حجرے کے باہر صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بے چین و بے قرار ہیں۔ کبھی کبھی ان کی سسکیوں کی آوازیں حجرہ مبارک کے اندر بھی آجاتی ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام حجرہ اقدس کے باہر منتظر ہیں کہ اندر باریابی کی اجازت ملے تو داخل ہوں۔ جبریل علیہ السلام بھی تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے آنسو رو کے نہیں رک رہے۔ ان کی بے قراری اور زاری کو دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! چپ رہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اے علی (کرم اللہ وجہہٗ)! چھوڑ دو تا کہ آنکھوں کا پانی اپنے باپ پر بہالے۔

بگزار تا بریزد خوں ناب دل ز دیدہ

آں دیدہ اے کہ ہرگز ایں واقعہ ندیدہ

بے دوست زندگانی، صعب است گر بدانی

کے زندہ ماند آں تن، کز جاں شود بریدہ

(معین الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت جبریل علیہ السلام سے رحمتِ عالم، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی بارگاہ خداوندی میں کہ اے ذات باری تمام خوش خبریاں میں نے تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع ہمایوں تک پہنچادی ہیں لیکن ابھی تک ان کی خاطرِ مبارک کو پوری طرح خوشی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ حکم پہنچا کہ اے جبریل علیہ السلام! میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچاؤ اور کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ہر بندہ، جس نے اپنے آئینۂ روزگار کو معاصی اور ضلالت کے غبار سے مکدّر کرلیا ہے، اگر وہ موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے گا، ان معاصی سے پشیمان ہوگا، میں اسے بخش دوں گا۔ جبریل علیہ السلام نے جب یہ پیغام پہنچایا کہ اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ خوشخبری سن کر شادمان ہوگا، خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: موت سے ایک سال پہلے کا عرصہ بہت طویل ہے۔ موت ایک ایسا امر ہے جو معلوم نہیں۔ نفس اور شیطان ساتھ ہیں، شاید ایک سال پہلے میرا امتی توبہ نہ کرسکے۔ اس سے بہتر بشارت پہنچا۔ جبریل علیہ السلام جاتے اور مدت کم ہوجاتی: ایک ماہ، پھر ایک ہفتہ، ایک دن اور ہر مرتبہ امت کا غمخوار راضی نہ ہوتا۔ پھر بات ایک ساعت پر آگئی جسے سن کر شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ساعت بھی بہت ہے شاید میری امت کو میسر نہ ہو۔ جبریل علیہ السلام گئے اور واپس آکر یہ پیغام سنایا: الرب یقولک السلام ویقول ان کانت السنة والشهر والجمعة كثيرا واليوم كثيرا والساعة كثيرا فمن عصانى فى جميع عمره وبلغ روحه حلقه ولم يمكن ان يجرى على لسانه التوبة فدمعت عيناه و ندم علىٰ فعله غفرت له ولا ابالى وان لم يندم اقمتك له شفيعا يوم القيمة۔ جس شخص نے اپنی بساطِ عمر معاصی

کے ہاتھوں طے کی ہوگی جب اس کی جان کا معاملہ اس کے حجرہ حلق تک پہنچے اور توبہ کی طاقت نہ رہی ہوگی، حسرت کے آنسو آنکھوں سے بہاتا اور اپنے کرتوت سے پشیمان ہوتا ہے میں اسے بخش دوں گا اور مجھے خوف نہیں اور اگر پشیمان نہ بھی ہو تو قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا شفیع بناؤں گا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دوں گا۔ جب یہ بات سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔

نزع کا عالم ہے، ہر چہرہ اشکوں سے بھیگا ہوا ہے، ہر طرف غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور اس حال میں بھی ان کی غمگساری کا یہ عالم ہے۔ یہی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا:

> "میں اپنی امت کی مفارقت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ حق تعالیٰ سے اپنی تین ضرورتیں پوری کرنے کی نیازمندی رکھتا ہوں: اوّل یہ کہ تمام گناہ گاروں کا قیامت کے روز شفیع بنائے۔ دوئم یہ کہ میری امت کو گناہ کی شامت سے دنیا میں تباہ نہ کرے۔ اگر عذاب مقرر ہو تو قیامت پر چھوڑ دے اور سوئم یہ کہ ہفتے میں دو روز، دوشنبہ پنج شنبہ کو، میری امت کے اعمال میرے سامنے پیش کریں اور اس حال میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات ادا ہوئے کہ میں اپنی امت کی مفارقت برداشت نہیں کر سکتا۔"

جبریل علیہ السلام بارگاہ ربِ قدیر میں گئے اور واپس آ کر قبولیت کا مژدہ سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الآن طاب قلبی ۔ جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے اس درجہ محبت میں وارفتہ پا کر دریافت کیا: حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق یہ دوستی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کس نے رکھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی: اے میرے پروردگار، تو نے۔ (اس جواب کو سن کر حق سبحانہ وتعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا وہ شاید کسی نگاہ سے گزرا ہو۔ وہ جو خدا کو صرف قہار ہی بتاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ تمام امت کو بخشوانے، ہر گناہ گار کی شفاعت طلب کرنے کا اختیار دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جہان میں کس نے بھیجا؟)

لیکن سرسیّد اور ان جیسے لوگوں کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔ آپ دیکھیے کہ ربّ نے کیا کہا، فرمایا:

انی ارحم الیھم الف مرۃ سلّمھم الی (اے محمد ﷺ میں تین ہزار مرتبہ ان پر زیادہ رحیم ہوں، انھیں میرے سپرد کر دو)۔ حضور ﷺ نے سنا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ خلیفتی علی امتی۔ خدا تعالیٰ میری امت پر میرا خلیفہ ہے۔
(معارج النبوت، معین الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ)

(اب بھی اگر رحمت کا مطلب اور شفاعت کی دلیل کوئی نہ سمجھے تو اللہ اس کو عقلِ سلیم عطا کرے۔)

بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ حضور ﷺ شافعِ محشر کا امت سے محبت کا عالم کہاں تک ہے، یہ آخری منظر بھی دیکھیے اور اپنے دامن کو ندامت کے آنسوؤں سے بھر لیجیے اور اپنی زندگی پر غور کیجیے۔ اللہ تعالیٰ کا جواب سن کر حضور ﷺ مطمئن ہو گئے، ملک الموت سے فرمایا: آگے آؤ اور جس کام پر مامور ہوئے ہو انجام دو۔ پس ملک الموت حضور ﷺ کی روحِ اقدس کو قبض کرنے میں مشغول ہوا، حضور ﷺ پر سکراتِ موت نے اس طرح غلبہ کیا کہ رنگِ مبارک کبھی سرخ ہو جاتا کبھی زرد۔ تکلیف سے کبھی دایاں ہاتھ کبھی بایاں ہاتھ کھینچتے۔ رخسار انور پسینے سے تر ہو گیا تھا۔ سامنے پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ دستِ مبارک اس میں ڈالتے اور اپنے چہرہ مبارک کو اس سے مسح فرماتے اور فرماتے: اللّٰھم اعنی علیٰ سکرات الموت۔
اس عالم کرب میں بھی حضور ﷺ نے فرمایا:

"اے ملک الموت! میرے امتیوں کی جان اس شدت سے ہی قبض کرے گا؟ عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم کسی شخص کی جان کو اس قدر آسانی کے ساتھ قبض نہیں کیا جیسا کہ آپ ﷺ کی جانِ نازنین کو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ملک الموت! میری تجھ سے درخواست ہے کہ میری امت کی شدت موت اور جان دینے کی تلخی میری جان پر رکھ دے، ان کی روح آسانی سے قبض کرنا۔"
(معارج النبوت، معین الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ)

اس کے بعد نہ قلم میں کچھ اور لکھنے کی طاقت ہے اور نہ دل میں حوصلہ۔

قبر شریف کی زیارت اور شفاعت کا مژدہ:

اب تک شفاعتِ عام کا ذکر ہوا، اس نعمت سے ہر مسلمان کو نوازا جائے گا البتہ شفاعتِ خاص کے لیے اس دعا کے الفاظ نقل کیے گئے جس کی تعلیم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ اپنے ربّ سے عہد باندھ لو پھر روزِ محشر عرش کے نیچے سے وہ عہد نامہ نکال کر فرشتہ آواز دے گا اور وہ بندہ مومن جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اب میں اس شفاعتِ خاص کا ذکر کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد قیامت سے قبل تک جو مسلمان رحمت اور شفاعت کے طلب گار ہیں، جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدِ مبارک نہیں ملا ان پر شفاعت کا در کس طرح کھلے گا۔ اس ضمن میں جب ان احادیث پر نظر جاتی ہے تو رحمتِ عالم کی کرم نوازی اپنی انتہا پر نظر آتی ہے۔ ان احادیث کا تعلق زیارتِ قبرِ انور سے ہے اور جنھیں بعد بصد تحقیق حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

پہلی حدیث: من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

''جو شخص میری قبر شریف کی زیارت کرے میری شفاعت اس کے لیے واجب ولازم ہے۔''

یہ شفاعت درجہ خاص میں آ گئی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ غیر زائرین کا اپنی زیادتِ اعمال اور کثرت فضائل کے باوجود اس درجہ (شفاعت) پر پہنچا میسر نہ ہوگا۔

مزید احادیث پیش کرنے سے قبل اس کی وضاحت کر دوں کہ شفاعت کے اس اعلان کا واقعتاً پورا ہو جانا اس لیے ضروری ہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس یہ وعدہ فرما رہی ہے اس لیے ایفائے عہد کا یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اس کے علاوہ زایر کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ وہ دینِ اسلام پر مرے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زایر کو جب شفاعت کا وعدہ فرما لیا گیا تو شفاعت کے لیے مومن ہونا ضروری ہے چنانچہ حق وسبحانہ تعالیٰ زایر کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کی لاج رکھنے کے لیے بے دین ہونے سے بچائے گا۔ یہ بھی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے طفیل ہوگا۔

دوسری حدیث: من زار قبری حلت له شفاعتی۔

''جس نے ہماری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت ہم پر لازم ہے۔''

تیسری حدیث: من جاء نی زائرا لا تعمله حاجة الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون له شفیعاً یوم القیمة۔

''جو شخص کہ آئے میری زیارت کے لیے اور نہ ہو اس کی چاہت سوائے ہماری زیارت کے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے شفیع ہو جائیں دن قیامت کے۔''

دوسری اور تیسری دونوں حدیثیں حدیثِ اول کی تقریباً ہم معنی ہیں لیکن تیسری حدیث میں صدق و اخلاص کی شرط واضح کر دی گئی ہے اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انسان کے اعمال اور افعال کا دارومدار اخلاص پر ہی ہے۔

چوتھی حدیث: من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

''میری قبر کی زیارت میری وفات کے بعد میری صحبت کا حکم رکھتی ہے۔ گویا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی گویا وہ شخص میری زندگی میں میری صحبت سے فیض یاب ہوا۔''

یہاں ایک شبہے کا ازالہ ضروری ہو گیا ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں یہ وارد ہوا ہے کہ جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا وہ میری زندگی میں میری صحبت سے فیض یاب ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کو پہنچا کیونکہ وہاں اس درجہ صحابیت کے لیے، خواہ زندگی میں ایک بار ہی زیارت کی ہو، ایک مرتبہ ہی اس رُخِ پُرنور کو دیکھا ہو، ایک لمحے کی صحبت اختیار کی ہو (دیدار شرط نہیں صحبت کے لیے کہ نابینا اس شرط سے آزاد ہے) صحابی میں شمار ہوتا ہے اور اسی طرح خواب میں زیارت سے مشرف ہونے والا بھی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

پانچویں حدیث: من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔

''جس نے خانۂ کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی مجھ پر ظلم کیا۔''

اس حدیث میں تنبیہ اور سرزنش ہے لیکن غور کیجیے تو یہ کمال شفقت ہے کہ رحمتِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تو یہ ہے کہ کسی طرح امتی ثواب حاصل کرے اور محروم نہ رہ جائے۔

اس سے زیادہ شفاعت اور شفقت کی کیا مثال ہوگی کہ ہم دے رہے ہیں تم کو، ہر حال لینا، اگر نہ لو تو ہم تم سے ناراض ہیں۔ اب بھلا کون امتی ہے جو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی مول لے گا؟

ان پانچ احادیثِ شریفہ سے شفاعت کے لیے کرم نوازی اور شفقت کی انتہا کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث کی تعداد کافی ہے لیکن سمجھانے کا جو اصل مقصد تھا اس کے لیے انھیں پانچ پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ کتبِ سیر و احادیث میں مزید احادیث کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

اَنیسُ الغَرِیبِین

وہ بے وطن نہ رہا جو مدینے آ پہنچا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے نگہباں، درود تاج میں ہے

اَنیسِ الغَرِیبِین

اِن ہاتھوں کے قربان کہ اِن ہاتھوں سے تم نے
خارِ رہِ غم پائے غریباں سے نکالا

(حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ)

جو ترنم اور جو موسیقیت درود تاج کی بندشوں میں ہے اسے پڑھتے پڑھتے ایک سرور سا ملتا ہے۔ مراعات تناسب نے اسے اس قدر جاندار اور راحت آفریں بنا دیا ہے کہ پڑھتے جایئے اور اس کی سحر انگیزی میں گرفتار ہوتے جایئے، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، رحمۃ للعالمین، راحت العاشقین، مراد المشتاقین، شمس العارفین، سراج السالکین، مصباح المقربین، محب الفقراء والغرباء والمساکین صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ ایک موجِ دریا ہے جو کھنکتی چلی جا رہی ہے، بادِ نسیم کے جھونکے ہیں جو گلوں کا منہ چوم چوم کر آ رہے ہیں ـــــ تمام عبارت کے مسجع ہونے نے ایک عجیب دلکشی پیدا کر دی ہے۔

لفظ غریبین پر پھلواروی کا اعتراض اور اس کا جواب:

جعفر شاہ پھلواروی صاحب نے یہاں بھی اعتراض کا گڑھا بڑی دقت سے کھودا، اب کوئی آنکھ کا بالکل اندھا ہو تو وہی اس میں گرے گا ورنہ چشمِ بینا جس کو ملی وہ اس کا شکار نہ ہو گا۔ علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال سے، کہ اس گڑھے میں بھولے بھالے اور معصوم لوگ گر سکتے ہیں، اس کو پاٹ دیا ہے اور اپنے دلایل سے اس کو اس طرح بھر دیا ہے کہ اب اس کو دوبارہ اس کام میں نہیں لایا جا سکتا۔ یہ گڑھا کس طرح پاٹ دیا گیا، وہ عرض کرتا ہوں: لفظ غریبین پر ایک نہیں دو اعتراض ہیں۔ میں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جواب پیش کرتا ہوں۔ پھلواروی صاحب فرماتے ہیں، اور ''بزعمِ علم'' فرماتے ہیں:

''کس عربی داں کو نہیں معلوم کہ ''غریب'' کی جمع غربا ہے نہ کہ ''غریبین''، کیونکہ درود تاج کے مصنف نے آگے خود ہی ''محبّ الفقراء والغرباء والمساکین'' لکھا ہے۔

موصوف کا دوسرا اعتراض یوں ہے:

''درود تاج میں دونوں جگہ لفظ ''غریب'' کا وہ مفہوم لیا گیا ہے جو ہماری اردو زبان میں یعنی محتاج، بے مایہ۔''

میں ان دونوں بے دلیل اعتراضات کے جواب پیش کرتا ہوں:

پہلا اعتراض عربی قواعد کے پیشِ نظر کیا گیا ہے لہٰذا اسی اصول کو پیشِ نظر رکھ کر جواب دیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فعیل کے ہم وزن جس صیغے کی جمع سالم نہیں آتی وہ وہی صیغہ ہے جو مفعول کے معنی میں ہو۔ (اسی عربی قاعدے کو شافیہ کی مشہور شرح ''جار بردی شرح شافیہ'' کے حوالے سے علامہ فرماتے ہیں):

ثم مذکر وهذا لجمع لا يجمع بالو او والنون فرقاً بينه وبين فعيل بمعنى فاعل ككريم ۔ یعنی فعیل بمعنی مفعول کی جمع سالم کے نہیں آتی ہے تا کہ فعیل بمعنی مفعول اور فعیل بمعنی فاعل کے امتیاز باقی رہے جیسے کریم۔ (جار بردی شرح شافیہ، ص ۹۸)

یعنی ''کریم'' چونکہ فاعل کے معنی میں ہے اس لیے یہ اس قانون کے ماتحت نہیں بلکہ اس کی جمع کریمون آتی ہے (صاحبانِ علم مزید مطالعے کے لیے جار بردی شرح شافیہ اور رضی شرح شافیہ سے استفادہ کریں کہ یہ بحث عام لوگوں کے لیے نہیں ہے)۔ فعیل کے وزن پر جو صیغہ فاعل کے معنی میں آئے اس کی جمع سالم آتی ہے جیسے رحیم کی جمع رحیمون اور رحیمۃ کی جمع رحیمات اور کریم کی جمع کریمون اور کریمیۃ کی جمع کریمات ہے۔ تو فعیل کے وزن پر جو صیغہ کے مفعول کے معنی میں ہو اس کی جمع سالم نہیں آتی تا کہ دونوں کے درمیان فرق باقی رہے۔ (رضی شرح شافیہ جلد دوئم، ص ۱۴۸)

اب دیکھیے کہ لفظ غریب فعیل کے وزن پر صرف فاعل کے معنوں میں آتا ہے لہٰذا

اس کی جمع ''غریبون'' اور غریبین'' اسی طرح جائز ہے جس طرح رحیم کی جمع رحیمون اور کریم کی جمع کریمون جائز ہے۔ علامہ فرماتے ہیں: ایک اور بات یہ کہ صاحبِ درود تاج نے ''غریبین'' کے بعد ''غربا'' کا لفظ وارد کر کے اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے کہ اس کی جمع سالم اور مکسّر دونوں یعنی رحماء اور کرماء دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

تعجب کی بات یہ ہے کہ معترض، جسے اپنی عربی دانی پر بہت ناز ہے، اس کی نظر سے کسی ایسی کتاب کا نظر سے نہ گزرنا، جو خود اس کے اعتراض کا جواب ہو، مقام حیرت ہے۔

حضرت علامہ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ لغتِ حدیث کے امام ہیں۔ آپ کی مشہور و معروف تصنیف ''مجمع البحار الانوار'' ہے۔ امام نے اپنی اس تصنیف کا جو مقدمہ تحریر فرمایا اس میں اپنے ماخذ کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے اور آپ کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ امام صاحب کی تصنیف ''مجمع البحار الانوار'' کے ماخذ کا نام ہی ''ناظر عین الغریبین'' ہے، صرف یہی نہیں بلکہ غریبین کی مناسبت سے حرف ''غ'' اس کے لیے رمز قرار دیا اور متعدد مقامات پر ''ناظر عین الغریبین'' سے حدیث کے مطالب وفواید اخذ فرمائے۔ علامہ طاہر جو کچھ ''نہایہ'' سے اخذ کرتے ہیں اکثر اس کے ساتھ اس کے فواید بھی شامل کیا کرتے ہیں جو ''ناظر عین الغریبین'' سے اخذ فرماتے ہیں۔ خود امام محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کے آغاز میں فرمایا:

واضم الی ذالک ما فی ناظر عین الغریبین من الفواید۔

(مجمع البحار الانوار جلد اول، ص ۳)

تنوین کے ساتھ پڑھنے کی قرآنی آیات سے مثالیں:

علامہ محمد طاہر تو اہلِ علم بھی ہیں اور اہلِ زبان بھی، ان کے ان حوالوں کے بعد مطلع غبار آلود نہیں رہتا اور درود تاج کی عبارت شفاف ہو جاتی ہے البتہ یہ کہنا مشکل ہے کہ معترض کے مکدّرات بھی دور ہوئے یا نہیں۔ یہ بحث صرف ونحو کی ہے لیکن رعایتِ تناسب بھی اسے جائز قرار دیتی ہے اور اس کے استعمال کی مثال اللہ کی کتاب میں بھی موجود ہے، مثلاً: سورہ دہر میں سلاسلاً اور قواریراً کے الفاظ آئے ہیں جنھیں تنوین کے ساتھ پڑھنا ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا۔

''بے شک ہم نے بالکل تیار کر رکھی ہیں کفار کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ۔''

(الدہر: آیت ۴)

ان الفاظ کو تنوین کے ساتھ پڑھنا خلاف قاعدہ ہے اور اہلِ عرب کے استعمالات اور محاورات کے خلاف ہے کیونکہ یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں اور غیر منصرف پر تنوین جائز نہیں لیکن بقول علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سجع یا فاصلے کی صورت میں ایک دوسرے کے متصلاً استعمال ہونے والے کلمات کے آخر میں تناسب کی رعایت کی بناء پر بلاشبہ اسے جائز کہا ہے۔

(النحو الوافی جلد چہارم، ص ۲۷۰-۲۷۱)

اس کی ایک اور مثال ہے:

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا

''اور گردش میں ہوں گے ان کے آگے چاندی کے ظروف اور شیشے کے چمکدار گلاس۔''

(الدہر: آیت ۱۵)

اب ان دونوں تنوین کی سند لیجیے: سلاً سلاً (بالتنوین) نافع، کسائی، ابوبکر اور ہشام کی قراءت ہے۔ (تفسیرِ مظہری جلد دہم، ص ۱۵۷)

یہ دونوں قراءتیں مراعات تناسب کی وجہ سے جائز ہیں۔

اردو فارسی شاعری میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ یہ تناسبِ کلمات مخاطب کی سمع کو لذت بخشتا ہے، سننے والوں کے کان کو صوت و آہنگ کا نغمہ دیتا ہے، تقویتِ معنی میں موثر ہے، قاری اور سامع دونوں کی روح کو سرور پہنچاتا ہے۔

غریب کے معنی محتاج (پھلواروی):

دوسرا اعتراض ہے لفظ غریب کے معنی محتاج و بے مایہ کے ہیں اور ساتھ جملہ یہ بھی ہے: ''ہماری اردو زبان میں۔'' موصوف اردو کے اہلِ زبان ہیں عربی کے نہیں البتہ عربی دانی کا دعویٰ ضرور ہے۔ وہ آج ختم ہوگیا لیکن حیرت اس امر پر ہے کہ اپنی زبان اردو پر بھی انھیں عبور حاصل نہیں ورنہ وہ بہ اعتبار زبان ''غریب'' کے معنی محتاج و بے مایہ نہ لیتے اصطلاحی معنی کی طرف بھی قدم بڑھاتے، دیگر لغات پر بھی نظر ڈالتے۔

درود تاج میں جہاں لفظ غریب آیا ہے اس سے مراد اجنبی ہے۔ پردیسی کا کون محب ہوتا ہے، پردیس میں کون کسی کو پوچھتا ہے، کون اس کو دوست بناتا ہے؟ اگر کوئی ہے تو وہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو پردیسی کے لیے انیس و مہربان ہیں، رفیق و میزبان ہیں۔ چونکہ موصوف نے لفظ غریب کے لیے اردو زبان کا حوالہ دیا، چند شعر بطور مثال پیش کرتا ہوں کہ ہمارے ادب میں غریب کے معنی محتاج ہیں یا پردیسی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت کے مضمون کو اپنی فکر کے سانچوں میں ڈھالا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے امام عالی مقام سیّدنا حسین ابنِ علی کرم اللہ وجہہٗ تک کے سفرِ شہادت کو دریا میں کوزے کی طرح مصرعوں میں فرمادیا:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین علیہ السلام ابتداء ہے اسمٰعیل علیہ السلام

یہ شعر عربی فارسی کا نہیں بلکہ معترض کی مادری زبان اردو کا ہے، یہاں شعر کا آغاز ہی لفظ غریب سے ہو رہا ہے۔ کیا یہاں غربت و افلاس، بے مائگی اور محتاجی کا تصور قایم ہو سکتا ہے؟ چونکہ سفر دونوں کا تھا، وہ بھی غریب الدیار ہوئے یہ بھی غریب الدیار ہوئے، اس لیے علامہ اقبال نے کمال بیان کے ساتھ اس لفظ کو ادا کیا ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے فریاد رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کی۔ بڑی پُر درد فریاد ہے جس میں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنی قوم کی بربادی کا ذکر کیا ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ تمام اشعار نقل کروں۔ کل تعداد اشعار انتالیس (ایک کم چالیس) ہے اور ہر شعر میں مسلمان قوم اپنے جس مقام سے نیچے آئی ہے اس کا بڑے پُرسوز انداز میں بیان ہے، مثلاً:

وہ دین، ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں،
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جس دین نے غیروں کے دل آ کے تھے ملائے
اس دین میں اب بھائی سے خود بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوع بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس کے بپا ہے

آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ادب وتمیز، نہایت سلیقے سے اور کرب کے ساتھ مدعا بیان کیا ہے:

اے چشمۂ رحمت ، بابی انت و امی
دنیا میں ترا لطف سدا عام رہا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں ، پھر آخر ہیں تمھارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے
گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ اور زیادہ
اخبار میں الطالح لی ہم نے سنا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

اسی فریاد، اسی استغاثے کے آغاز میں حالؔی نے لفظ غریب کو دوسرے شعر میں کہا تھا:

اے خاصۂ خاصانِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج ''غریب الغربا'' ہے

اب آپ اندازہ لگائیے کہ یہاں آپ کیا معنی اس لفظ کے لیں گے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری پر جو قصاید لکھے گئے عربی، فارسی، اردو زبانوں کے ادب میں وہ بیش بہا موتی ہیں جن کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ انھیں میں مولانا حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ آپ نے بھی صبحِ سعادت کی لفظوں سے تصویر بنائی اور بہت خوب بنائی۔ اس کے دوسرے شعر میں لفظ غریب کا استعمال دیکھیے، پہلا شعر ہے:

سرِ صبحِ سعادت نے گریباں سے نکالا
ظلمت کو ملا عالمِ امکاں سے نکالا

پھر کہتے ہیں:

اس ماہ نے جب مہر سے کی جلوہ نمائی
تاریکیوں کو شامِ غریباں سے نکالا
پیدائشِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی میں خدا نے
مدت کے گرفتاروں کو زنداں سے نکالا

(یہاں لفظ ''شادی'' آیا ہے۔ نہ جانے موصوف اس سے کیا مراد لے بیٹھیں؟)

ہم ڈوبنے ہی کو تھے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نے
گرداب سے کھینچا، ہمیں طوفاں سے نکالا

کیا خوبصورت شعر ہے، روانی اور برجستگی بھی دیکھیے اور اب پھر لفظ غریب کا استعمال دیکھیے:

ان ہاتھوں کے قربان کہ ان ہاتھوں سے تم نے
خارِ رہِ غم پائے غریباں سے نکالا

اردو شاعری میں جب یہ خیال پیش کرنا ہوا ''مفلسی'' کا تو لفظ غریب سے اس کی ترجمانی نہیں کی، مسافرت اور پردیسی کے معنوں میں یہ لفظ آیا۔ جناب م حسن لطیفی کہتے ہیں، اور آپ بھارت سے روضۂ اقدس کی حاضری کے لیے پہنچے ہیں، اس دوری کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:

اس بعید اقلیم سے حاضر ہوا ہے یہ ''غریب''
ہے جو عرفِ عام میں گنگ و جمن کی سرزمیں
کیا کہوں اپنے وطن سے تحفہ کیا لایا ہوں میں
آنسوؤں سے بھیگتی جاتی ہے میری آستیں

حضور رحمتِ عالم ﷺ کا حسنِ سلوک غریب الوطن لوگوں کے ساتھ کیا ہوتا ہوگا یہ جاننے کے لیے سیرت کے واقعات کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ داستان تیئیس سالوں پر محیط ہے۔ اسلام سے پہلے بھی عربوں میں مہمانداری ایک جوہر تھا جس پر عربوں کو بے حد فخر تھا اور جب کہیں مناظرہ ہوتا تو وہ اپنی شجاعت و بہادری کا ذکر کرتے، اپنی صفات وسخاوت بیان کرتے اور اپنی میزبانی اور مہمان نوازی کے واقعات ایک دوسرے کو سناتے۔ گزشتہ اوراق میں جس طرح آپ ﷺ کی سخاوت میں تمام عربوں پر برتری کا بیان گزرا آپ ﷺ کی مہمان نوازی اور پردیسی سے حسنِ سلوک تو آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد آج بھی جاری وساری ہے۔ جو مدینہ منورہ جاتا ہے وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لوٹتا ہے۔

رحمۃ للعلمین

بنے گا سایۂ رحمت ، اسی لقب کے طفیل ،
تمام حشر کا میداں ، درود تاج میں ہے

رَحمةٌ لِلعٰلمین

نسخۂ کونین را دیباچہ اُوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اُوست
(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

کیا اس کو خریدیں گے سلاطینِ زمانہ
اے رحمتِ عالم! تری رحمت کا خریدار
(ادیب)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو آیات نازل ہوئیں، اس آیت میں جو جامعیت ہے اس نے اسے دیگر آیات سے ممتاز کر دیا ہے یعنی جو صفات اور کمالاتِ عالیہ منتشر اور متفرق تھیں وہ سب یہاں یکجان ہوگئیں۔ حسنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری رعنائیاں بکمال لطافت جلوہ نما ہیں۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دامانِ کرم اتنا وسیع ہوگیا کہ اس کا اندازہ لگانا کسی کے اختیار میں نہیں۔ کچھ اس انداز سے عطائے ربّ ہوئی کہ جس کی تشریح عالم اپنے علم کے مطابق اور عارفین اپنی معرفت سے جو بیان کریں وہ اس حقیقت سے کم ہے جو اس میں پوشیدہ ہے۔ اتنی بات واضح ہے کہ اس کی ظاہری غرض و غایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لیے، جہان والوں کے لیے، اپنے اور بیگانے سب کے لیے حتیٰ کہ دوستوں اور دشمنوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ضیاء القرآن کے مصنف حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لغت میں رحمت کے معنی:

لغت میں رحمت دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: الرحمۃ، الرقۃ والتعطف

(الصحاح) یعنی رحمت، رقّت اور احسان و مہربانی کے مجموعے کا نام ہے۔ علامہ راغب اصفہانی کی تشریح ملاحظہ ہو: الرحمۃ : تقتضی الاحسان الی المرحوم ۔رحمت اس رقّت کو کہتے ہیں جو اس شخص پر احسان کرنے کا تقاضا کرے جس پر رحمت کی جا رہی ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت میں رقّت نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے پاک ہے بلکہ صرف تعطّف اور احسان ہے اور کہیں صرف رقّت ہوتی ہے لیکن یارائے احسان نہیں ہوتا۔''

(المفردات بحوالہ ضیاء القرآن جلد سویم)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو رحمتِ جامع یعنی رحمت کے دونوں مفہوموں سے نوازا ہے۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ (جس سے تمھیں تکلیف ہوتی ہے وہ چیز میرے محبوب ﷺ کو بڑی شاق گزرتی ہے)۔ دیکھیے اس میں رقّت کا اظہار ہے اور بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ میں شانِ تعطّف و احسان کا یعنی ہر دردمند کے درد کا احساس بھی ہے اور ہر درد کا درماں بھی ہے۔ کسی غمزدہ اور دکھ درد کے مارے کو دیکھ کر غایت رافت سے آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور نوکِ مژگانِ پاک پر دُرِّ یتیم سے ارجمند تر، تابندہ تر آنسوؤں کے موتی سراپا التجا بن کر بارگاہِ ربّ العالمین میں گرتے ہیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

(ضیاء القرآن)

رحمۃ للعالمین ﷺ کی شرح:

یہاں تک آپ ﷺ کو رحمت کے مفہوم سے روشناس کرایا گیا۔ اب رحمۃ للعالمین کے اس ارشاد سے: ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔'' پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت بلیغ انداز میں اس کی شرح یوں بیان کرتے ہیں:

''ارشاد ہے اے محبوب ﷺ! جو کتاب مجید، دینِ حنیف، شریعتِ بیضاء، خلقِ عظیم، دلائلِ قاہرہ، آیاتِ بیّنات اور معجزاتِ ساطعات غرضیکہ جن ظاہری و باطنی، جسمانی و روحانی نعمتوں سے مالا مال کر کے ہم نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ آپ ﷺ سارے جہانوں، جہان والوں کے لیے، اپنے اور بیگانوں کے لیے سراپا رحمت بن کر ظہور فرمائیں۔

اس رحمت کا یہ پہلو کتنا عجیب ہے کہ پچھلی امتوں پر اپنے نبی کی نافرمانی پر عذاب الٰہی نازل ہو جاتا تھا لیکن اس امت پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیوں اور فسق و فجور کے باوجود عذاب سے محفوظ رکھا گیا ہے اور یہ اسی لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی رحمت للعالمین نہیں تھا، یہ فضیلت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حصے میں آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کافروں کے لیے بددعا کرنے کی درخواست کی گئی تو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے شانِ رحمت سے نقاب سرکاتے ہوئے فرمایا:

انما بعثت رحمة ولم ابعث عذابا۔

(اللہ تعالیٰ نے مجھے عذاب بنا کر نہیں بھیجا بلکہ سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

کونه صلی الله علیه وآلہٖ وسلم رحمة للجمیع باعتبار انه علیه الصلوٰة والسلام واسطة الفیض الالھی علی الممکنات علی حسب القوابل ولذا کان نوره صلی الله وآلہٖ وسلم اول المخلوقات و فی الخبر اول ماخلق الله تعالیٰ نور نبیک یا جابر وجاء الله تعالیٰ المعطی وانا قاسم وللصوفیة قدست اسرارھم فی ھذا الفصل کلام فوق ذالک۔

(روح المعانی، علامہ سید محمد آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

"حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کائنات کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ عالمِ امکان کی ہر چیز کو حسبِ استعداد جو فیضِ الٰہی ملتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی ملتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تمام مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔ حدیث شریف میں ہے: "اے جابر رضی اللہ عنہ، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کو پیدا فرمایا۔" دوسری حدیث شریف میں ہے: "اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں (اس کی رحمت کے خزانوں کو) بانٹنے والا ہوں۔" اور صوفیائے کرام قُدِّست اسرارہم نے اس ضمن میں جو اسرار و معارف بیان فرمائے وہ اس سے بلند ہیں جو ہم نے

بیان کیے۔"

مکّی و مدنی سورتوں میں ۱۱۸ مقامات پر لفظ رحمت آیا ہے:

قارئینِ محترم! اس لفظِ رحمت کا پھیلاؤ اتنا ہے کہ تمام مخلوقات اور تمام کائنات اس کے سایے میں ہے۔ قرآنِ کریم کی اٹھارہ مدنی آیات اور اناسی مکّی آیات میں لفظ رحمت اپنے انداز سے جملہ ایک سو تیرہ مقام پر بار بار آیا ہے (یہ اعداد و شمار آپ کی آگہی اور اس لفظ سے آپ کی محبت و عقیدت کے پیشِ نظر جمع کیے ہیں)، مثلاً:

أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ ایک نظر اس تفصیل پر بھی ڈالیے:

سورۃ	تعداد آیات	سورۃ	تعداد آیات
بقرہ	۳	القصص	۳
آلِ عمران	۴	عنکبوت	۱
النساء	۲	الروم	۴
الانعام	۶	لقمان	۱
الاعراف	۲	الاحزاب	۱
التوبہ	۲	فاطر	۱
یونس	۲	یٰسٓ	۱
ہود	۸	صٓ	۲
یوسف	۱	الزمر	۳
الحجر	۱	غافر	۱
النحل	۲	فصلت	۱
بنی اسرائیل	۵	الشوریٰ	۱
الکہف	۵	الزخرف	۲

مریم	۲	الدخان	۱
الانبیاء	۲	الجاثیۃ	۱
النمل	۲	الاحقاف	۱
الحدید	۲		

مندرجہ بالاتمام سورتوں میں اوران کی جملہ پیش کردہ مثالوں میں لفظ رحمت یارحمۃ آیا ہے،ان کے علاوہ رحمتک ،رحمتنا ،رحمتی اورالراحمین بھی اٹھارہ مقامات پرآیا ہے۔

سورۃ	تعدادآیات	سورۃ	تعدادآیات
البقرہ	۲	الفرقان	۱
الحدید	۱	آل عمران	۱
النمل	۱	الانسان	۱
النساء	۲	الروم	۱
الاعراف	۱	القصص	۱
التوبہ	۱	الزمر	۱
یونس	۱	الشوریٰ	۲
بنی اسرائیل	۱	الجاثیہ	۱
النور	۴	الفتح	۱

''جب استفادہ قرآن کومختص بمومنین کیاتوحضور صلی اللہ علیہ وسلم کوعام کردیا، جیسا کہ کفار سے دنیا میں عذاب مسخ وفسخ وغیرہ اٹھالیا گیااور ہر معاصی کے لیے معاصی سے توبہ دم آخرتک مقبول کی گئی اور مذہب یہی ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم کے لیے رحمت ہیں: آسمانی ہوں یا زمینی، جماد ہوں یا حیوان، ذی عقل ہوں یالایعقل، کافرومنکرہوں یامطیع ومومن۔لیکن ہر ہر صفت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کارحمت ہونابیانِ طویل چاہتا ہےاورحنفیہ کے

اصول پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے، اس لیے کہ استثناء تکلم بالباقی ہے۔"

(خلاصۃ التفاسیر جلد سویم، ص ۲۱۰)

سورہ فرقان کا آغاز ہی حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے اس کی رحمت للعالمین کے اعلان کے ساتھ فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا

"(بڑی خیر) وبرکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضبِ الٰہی سے) ڈرانے والا۔" اب یہاں پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"للعالمین کے لفظ سے واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت مکان وزمان کی حدود سے آشنا نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا، کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ ہے سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں اور جب تک یہ عالم برقرار رہے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا پرچم لہراتا رہے گا۔ (ضیاء القرآن جلد سویم، سورہ فرقان، ص ۳۴۹)

آئینہ دار پرتَوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است (غالبؔ)

شعراء کا رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت للعالمین پر ہر زبان اور عہد کے شعراء نے جو نذر پیش کی ہے وہ مضمون بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ بعض شعراء نے دریائے معنی کو الفاظ کے کوزوں میں اس طرح بند کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ بالخصوص فارسی کلام میں اس کا لطف تمام ہے، بعض اردو کے شعراء نے بھی یہ کمال دکھایا ہے۔ ان تمام کو پیش کرنا تو کجا ان تمام کا خلاصہ بھی پیش کرنا دشوار ہے لیکن بطور نمونہ چند اشعار مختلف شعراء کے یہاں پیش کرتا ہوں۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عقیدت کے نذرانے میں شاعری اپنا جمال دکھا رہی ہے:

اے از شعاعِ نُورِ تو خورشیدِ تاباں را ضیاء
آنی کہ ہستی از شرف بالا تر از عرشِ علیٰ

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تو وہ ہے جس سے چمکتا دمکتا سورج روشنی حاصل کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو وہ ہے جس سے عرشِ اعلیٰ کو شرف ملا۔

در بارگاہ عزتت ، بہرِ علوِ مرتبت
جبریل علیہ السلام ہمچون خادماں نشستہ است یکدم زپا

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عزت اور علوئے مرتبت حاصل کرنے کے لیے جبریل علیہ السلام بھی خادموں کی طرح بالکل قدموں میں بیٹھے ہیں۔

گرچہ بصورت آمدی بعد از ہمہ پیغمبراں
امّا بمعنی بودہ ای سرخیلِ جملہ انبیاء

ترجمہ: اگرچہ آپ لباسِ بشری میں دوسرے پیغمبروں کے بعد آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے سرخیل (سردار) ہے۔

از عالمِ پاک آمدی ، مقصود لولاک آمدی
بس چست و چالاک آمدی، جانہا فدایت، مرحبا!

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ پاک (عالم بالا) سے تشریف لائے اور مقصود لولاک بن کر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چست و چالاک (ہمہ صفت موصوف) بن کر تشریف لائے، مرحبا، صلِ علیٰ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں قربان۔

حکیم سنائیؔ، فارسی کے عظیم شاعر، ان کا پورا نام حکیم ابوالمجد مجدود بن آدم سنائیؔ غزنوی، ۱۱۴۰ء عیسوی ان کا سالِ وفات ہے، یہ عظیم شاعر کہتا ہے:

اے سنائیؔ گر ہمی جوئی ز لطفِ حق سنا
عقل را قرباں کن در بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: اے سنائی! اگر تو بارگاہِ حق تعالیٰ سے عزت حاصل کرنا چاہے تو عقل و خرد کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نذر کر دے۔

شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کس خوبصورت انداز میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذر پیش کرتے ہیں:

سایہ از تاب آفتاب رُخت

در نہاں خانۂ زوال شدہ

عقل در مکتبِ ہدایتِ تو

دیو بودہ، ملک خصال شدہ

ز انعکاسِ شعاع طلعتِ تو

آفتاب آئنۂ مثال شدہ

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ روشن کی روشنی سے شرما کر سایہ زوال کے نہاں خانے میں چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت دینے والی درس گاہ سے پراگندہ عقل فرشتہ صفت بن گئی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلعت کے انعکاس سے آفتاب آئینہ مثال بن گیا یعنی آفتاب میں جو روشنی ہے یہ عکسِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

خواجہ ہمام تبریزی کے نام کے بغیر ایوانِ کلام فارسی کی نشستیں مکمل نہیں ہوتیں۔ آپ فرماتے ہیں، کیا خوبصورت مطلع ہے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں:

دلم ز عہدہ عشقت بروں نمی آید

بجائے ہر سرِ موئے مرادلے باید

ترجمہ: میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے میرے ہر بُنِ مُو کو دل ہونا چاہیے۔ (لفظ ''مُو'' فارسی میں بال کو کہتے ہیں یعنی بال بال کو میرے دل بن جانا چاہیے، تب شاید یہ حق ادا ہو سکے۔)

شیخ سعدی نے بھی لفظ ''مُو'' (بمعنی بال) پر خوبصورت بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

کاش ہر مُوئے من زباں بودے

در ثنائے تو یا رسول اللہ ﷺ

یعنی آپ کی ثناء گوئی کے لیے صرف زبان کافی نہیں ہے بلکہ اے کاش میرا بال بال زبان بن جائے۔خواجہ ہمامؔ کا دوسرا شعر دیکھیے:

روان شود زلبم چشمہ ہائے آب حیات

چو نام دوست مرا بر سرِ زباں آید

جب دوست کا نام (محبوب کا نام) میرے لبوں پر آیا تو میرے لبوں سے آب حیات کے چشمے پھوٹ پڑے۔

ہزار بار بشستم دہن زمشک وگلاب

ہنوز نام تو بردن مرا نمی شاید

اگر میں اپنے منہ کو گلاب ومشک کے زمزمے سے دھوؤں باوجود اس کے آپ ﷺ کا نام ادا کرنا بے ادبی ہوگی۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ یہ شعر کچھ اس طرح مشہور ہے:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

حافظؔ شیرازی سے کون واقف نہیں؟ سب سے جدا انداز بیان ہے۔صرف تین شعر پیش کرتا ہوں۔تشبیہات واستعاروں کا کمال اور حسن ملاحظہ ہو:

اے قصہِ بہشت ز کویت حکایتی

شرحِ جمال حور ز رُویت روایتی

انفاسِ عیسیٰ علیہ السلام از لبِ لعلت لطیفہ ای

آب خضر علیہ السلام ز نوشِ لبانت کنایتی

کے عطر سای مجلسِ روحانیاں شدی

گل را اگر نہ بوئے تو کردی رعایتی

حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے سورج کے زرد ہونے پر کیا نکتہ پیدا کیا ہے:

خورشید چوں برآمد گفتم کہ زرد روئے
گفتا ز شرم رُویش رنگِ نزار دارم
گر ماہ در رُخت بخیانت نظر کند
چشمش بروں کند بسر خنجر آفتاب

یہ بیس شعر نمونہ ہیں ان بیس ہزار اشعار سے جو نہ جانے کتنے اشعار کا انتخاب ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اور کس کس عالم میں یہ ذکر ہو رہا ہے اس کی خبر خدا کو ہے یا جن کا لقب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے انھیں خبر ہے۔ ہمارا یہ عالم محوِ ثنائے حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم ربّ ہے۔ ہر عقیدت مند اپنے افکار کو پاکیزہ تر کرتا ہے، خوشبوؤں میں بساتا ہے، جواہرات جڑتا ہے، پھر پیش کرتا ہے۔

یوں کر رہے ہیں مِدحتِ سلطانِ ذوالمنن صلی اللہ علیہ وسلم
کوثر سے دھو کے لائے ہیں تعریف کا متن
پھرتے رہے بہار میں لے کر چمن چمن
پہنا دیا زبان کو عنبر کا پیرہن
سرمہ ہے کوہ طور کا ، غازہ گلاب کا
آغاز نعت یوں ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا

(ادیبؔ)

رَاحَۃِ الْعَاشِقِیْنَ

جو ایک پل نہ دکھائی دیے تو ہو جائیں
وہ لوگ چاک گریباں، درود تاج میں ہے

راحۃ العاشقین

ما عاشقِ ظہور جمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایم
سرمست از شراب وصال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایم
(حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ)

متاعِ عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مذاق عام نہیں:

سرمایہ محراب و منبر ہو، سوز و سرور انجمن ہو یا تنہائی کوہ و دمن ہو، عشق ہی ساری زندگی کا ماحصل، رونقِ حیات، رونقِ کائنات اور پھر یہ تعلق اگر خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو ساری کائنات یہی بن جاتا ہے لیکن:

متاعِ عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مذاق عام نہیں
عطائے ربّ ہے یہ، لیکن کسی کسی کے لیے (ادیبؔ)

لفظ عشق پر پھلواروی کا انتہائی گھٹیا اعتراض:

لیکن پھلواروی صاحب نے اس لفظ کو اپنے افکار فاسدہ سے مذاق عام ہی بنا دیا۔

موصوف راحۃ العاشقین کے لفظ پر معترض ہیں، اس اعتراض کی تشریح یوں کرتے ہیں:

''محبت ایک لطیف میلانِ قلب کا نام ہے مگر عشق محض ''زورِ گندم'' ہوتا ہے جس کا سارا تعلق حسن و شباب سے ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دے کر کہتے ہیں):

عشق نبود آں کہ در مردم بود
ایں خمار از خوردنِ گندم بود

''لفظ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف ہے کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ نے اس لفظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔''

پھلواروی صاحب نے عشق کے معنی ''زور گندم'' بتائے ہیں جو آج تک کسی نے نہیں بتائے۔ لغت کی کسی بھی کتاب میں ''زور گندم'' عشق کے معنی کے لیے نہیں آیا البتہ موصوف نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے استدلال ضرور کیا ہے اور یہی استدلال پھلواروی صاحب کے حواس باختہ ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ جو کہنا چاہتے اور مثنوی کے اشعار سے جو سمجھانا چاہتے ہیں وہ ہماری آپ کی سمجھ میں بآسانی آ گیا، تعجب ہے کہ موصوف کی سمجھ میں نہ آیا۔ (حجاب علم کی بحث گزشتہ اوراق میں یعنی مقدمہِ کتاب میں گزری ہے، اسے ذہن میں رکھ کر مولانا پھلواروی کے نکتہِ اعتراض پر غور فرمائیں۔)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا غلط حوالہ اور پھلواروی:

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں یہ فرما رہے ہیں کہ لوگوں میں جو خواہشِ نفسانی پائی جاتی ہے وہ عشق نہیں وہ تو محض گندم کھانے کا خمار ہے لیکن پھلواروی صاحب نے اسی خمار گندم کو عشق قرار دے دیا جس کے عشق ہونے کی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نفی فرما رہے ہیں۔ پھلواروی صاحب نے اس جگہ علمی خیانت کی ہے یعنی خمار گندم اور حقیقی عشق کو سمجھانے کے لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اشعار کہے ان میں سے دیگر اشعار کو یعنی سیاق و سباق کو چھوڑ کر اپنے مقصدِ عناد کے لیے صرف ایک شعر کا انتخاب کر لیا جب کہ بعد کے اشعار میں اس کی وضاحت فرما رہے ہیں۔

دیکھیے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اشعار میں خود ہی خمار گندم کی مذمت کر رہے ہیں مگر دیگر اشعار میں عشق کی تعریف و مدح بیان کی ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل اشعار اور معترض کی خیانت:

ہر کہ را جامہ ز عشقے چاک شد
او ز حرص و عیبِ کلّی پاک شد
شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما
جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

ترجمہ: جس کے وجودِ نفسانی کا جامہ عشق سے چاک ہوگیا وہ حرص اور ہر عیب سے پاک ہوگیا، پھر فرماتے ہیں: اے ہمارے عشقِ خوش سودا اور ہماری تمام بیماریوں کے طبیب، تو خوش رہ۔ اے ہمارے نخوت وغرور کی دوا، اے ہمارے عشق، تو ہی ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے۔ جسمِ خاکی عشق سے افلاک پر پہنچا۔ پہاڑ رقص میں آکر چست و چالاک ہوگیا۔ آپ خود غور فرمایئے کہ ان اشعار میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عشقِ خوش سودا کو تمام بیماریوں کا طبیب اور اسی عشق کو اپنی نخوت و ناموس کی دوا اور پھر اسی عشق کو اپنا افلاطون و جالینوس فرما کر اس کی مدح فرمائی ہے۔ اب آپ پہلے شعر کو (جسے پھلواروی صاحب نے نہایت بلند و بانگ دعوے اور بڑے طمطراق کے ساتھ بطورِ دلیل کے پیش کیا ہے) ان اشعار کے ساتھ ملا کر پڑھیے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مفہوم آپ پر واضح ہوجائے گا کہ زورِ گندم عشق نہیں کیونکہ وہ خواہشاتِ نفسانی کو ابھارتا ہے اور انسان کو بیشمار امراضِ قلبیہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عشق تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا جوہرِ لطیف ہے کہ اگر وہ کسی کے وجودِ نفسانی کا جامہ چاک کر دے تو وہ حرص اور ہر عیب سے پاک ہوجائے۔ وہ فرماتے ہیں: عشق ہی تمام بیماریوں کا طبیب اور نخوت و ناموس کی دوا ہے، اسی عشق نے جسدِ خاکی کو افلاک پر پہنچایا اور اسی عشق سے پہاڑ رقص میں آیا۔

کوئی پھلواروی صاحب سے دریافت کرے کہ کیا کوئی زورِ گندم سے افلاک پر پہنچا ہے؟ البتہ اس کے سبب افلاک سے زمین پر بھیج دیا گیا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ پھلواروی صاحب تاریخ سے بھی نابلد ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زورِ گندم عشق نہیں کیونکہ اسے وہ امراضِ قلبیہ کا سبب قرار دیتے ہیں جب کہ عشق ان کے نزدیک تمام امراضِ قلبیہ کا طبیب ہے۔

لطیف میلانِ قلب اور علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

پھلواروی صاحب محبت کو میلانِ قلب قرار دیتے ہیں، دیکھیے علامہ کاظمی اس پر کیا فرماتے ہیں: محبت: اس ضمن میں پھلواروی صاحب نے ایک لطیف میلانِ قلب کا نام محبت رکھا ہے گویا ان کے نزدیک محبت میں نفسانی خواہش، زور گندم اور حسنِ شباب سے تعلق کا شائبہ ممکن نہیں حالانکہ اہلِ عرب کے کلام اور محاورات میں محبت کا لفظ حسن وشباب کے تعلق، نفسانی خواہش اور زور گندم کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ حدیث میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: بخاری شریف میں ہے:

انها كانت لي بنت عم احببتها كاشد ما يحب الرجال النساء فطلبت منها فابت۔

''یعنی غار میں پھنسے ہوئے تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا: میرے چچا کی بیٹی تھی جس سے میں ایسی محبت کرتا تھا جیسی شدید ترین محبت مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے، لہٰذا میں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی تو اس نے انکار کردیا۔'' (بخاری شریف جلد اول، ص ۳۱۴)

الفاظ حدیث کی روشنی میں پھلواروی صاحب کے خود ساختہ اور من گھڑت عشق کے معنی (زور گندم) اور محبت میں کیا فرق رہا؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار میں تو عارفین کے عشق کا ذکر تھا جو ''راحۃ العاشقین'' کے الفاظ سے مراد تھا۔ اب اہلِ لغت کی طرف آئیے۔

اہلِ لغت عشق کے معنی ''فرط محبت'' قرار دیتے ہیں:

تمام اہلِ لغت نے لفظ عشق پر کلام کرتے ہوئے اس کے معنی ''فرط محبت'' کے لکھے ہیں: محبت میں زیادتی، افراط۔ مختار الصحاح صفحہ ۴۳۷ پر ہے: العشق فرط الحب۔ اسی طرح ''لسان العرب'' میں ہے (جلد دہم، ص ۲۵)، ''تاج العروس'' میں یہی ہے (جلد ہفتم، ص ۱۳) اور قاموس (جلد سویم، ص ۲۵۶) میں ہے۔

جس طرح محبت پاکیزہ بھی ہوتی ہے اور خبیث بھی اسی طرح عشق بھی پاکیزگی اور خبث دونوں میں پایا جاتا ہے، ملاحظہ ہو ''قاموس'' (لغت کی معروف کتاب):

العشق افراط الحب و یکون فی عفاف وفی دعارۃ۔
(جلد سویم، ص ۲۵۶)

یعنی عشق کے معنی افراط محبت ہے جو پاک دامنی میں بھی ہوتا ہے اور خبث میں بھی۔
معلوم ہوا کہ عشق اور محبت میں شدت اور افراط کے سوا کوئی فرق نہیں۔

قارئینِ کرام یہ بحث بہت دلچسپ بھی ہے اور معلومات میں اضافے کا باعث بھی کیونکہ یہ اعتراض لفظ عشق پر ایسی آسانی سے معترضین چسپاں کرتے ہیں جیسے لفظ بدعت پر جس کا جواب آغاز میں ہی دے دیا گیا ہے۔
علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس پر مزید بحث فرما رہے ہیں اور تفصیلی بحث، جو بہت دلچسپ ہے، مثلاً: ''قرآن میں اور حدیث میں لفظ عشق کیوں وارد نہیں ہوا؟ اگر کوئی لفظ قرآن میں نہ ہو تو کیا وہ گھٹیا ہو جاتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ لفظ عشق گھٹیا اور گرا ہوا نہیں ہے، نہ بقول پھلواروی صاحب قرآن وحدیث میں اس کا عدم استعمال اس کے گھٹیا، سخیف (سخافت بمعنی سبکی، ہلکا پن، کم ظرفی، نادانی: لغات کشوری)، (سخیف = کم عقل، پتلا، جھر جھرا بدن، ناقص العقل، کمزور رائے، پتلا پتلا بادل: المنجد) اور گرا ہوا ہونے کی دلیل ہے بلکہ پھلواروی صاحب کی ذہنیت رکھنے والے اگلے پچھلے لوگوں نے اس کے معنی زورِ گندم سمجھ کر اسے گرے ہوئے، گھٹیا اور سخیف معنوں میں استعمال کیا، اسی لیے اس کا استعمال عام مذموم قرار پایا، بجز ایسے بعض استعمالات کے جہاں سخیف اور گھٹیا معنی کا واہمہ متصور ہی نہ ہو، جیسے: راحۃ العاشقین۔ یہاں اس قسم کے توہم کا کوئی شائبہ پایا نہیں جاتا۔''

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی روح پھلواروی کو جواب دیتی ہے:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھلواروی صاحب حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قبل دنیا میں آئے اور چلے گئے ورنہ ان کی عالمانہ جستجو اور ظالمانہ استفسار کی ان اشعار پر ضرور نظر جاتی اور وہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو زورِ گندم کا مبلغ قرار دیتے۔ اگر یہ تعارف نہیں کرایا گیا تو ناچیز یہ خدمت انجام دیتا ہے۔
علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات
صدقِ خلیل علیہ السلام بھی ہے عشق، صبرِ حسین علیہ السلام بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

پھر نعت میں کہتے ہیں:

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، عقل تمام بولہب
گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتداء عجب، عشق کی انتہاء عجب

یہ تفاوت ملاحظہ کیجیے جسے پھلواروی صاحب زورِ گندم کہہ رہے ہیں اسے اقبال "تمام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ رہے ہیں۔ عشق کی جیسی تشریحات اقبال کے یہاں پائی جاتی ہیں اس انداز اور اس پیرایے میں کسی اور کے بیان میں نہیں ملتیں، فرماتے ہیں:

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

یہ شعر غالباً پھلواروی صاحب کے لیے کہا ہو:

عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے؟
عقل کے ہاتھ میں خالی ہے نیام، اے ساقی!

کبھی اتنے پر جوش ہو کر عشق کی تعریف کرتے ہیں اور اسی جذبے میں خوبصورت تشبیہات بھی دیتے ہیں:

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم
آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

اور پھر اسی راحۃ العاشقین کے لیے مقام عشق بیان کرتے ہیں۔ انھیں بھی اس کا احساس ہوتا تھا جب ان کی اس بات کو کوئی قبول نہ کرے، کہتے ہیں:

مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

الغرض پھلواروی صاحب کا مفہوم عشق زور گندم ہو کر رہ گیا جب کہ علامہ کا عشق کبھی آوارہ و بے خانماں ہے اور کبھی وہ نوشیرواں ہے، کبھی وہ میدان میں زرہ پوش ہو کر آتا ہے اور کبھی وہ بے تیغ و سناں ہوتا ہے، کبھی وہ کوہ و دمن کی تنہائی بن جاتا ہے تو کبھی سوز و سرورِ انجمن رہتا ہے، کبھی اس کا عشق سمٹ کر سرمایہ محراب و منبر ہو جاتا ہے اور کبھی وہ اپنے شہپر پھیلاتا ہے تو مولیٰ علی کرّم اللہ وجہہٗ خیبر شکن بن جاتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عشق کی جتنی تعبیریں ہیں وہ شاید ہی کسی اور کے کلام میں پائی جاتی ہوں اور یہ سب کچھ فیض ہے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اسے صحبتِ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے ملا ہے۔ یہ صحبتِ روحانی ہے فیضِ مدرسہ نہیں ہے۔

فارسی شعراء اور مضامینِ عشق:

فارسی کے شعراء نے بھی لفظ عشق کو انھیں معنی کا جامہ پہنایا ہے، عشق کا وہی لباس رکھا ہے اور اس کے معنی العشق فرط الحب ہی لیے ہیں۔ ان شعراء کی تعداد کثیر ہے جن میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ، عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، مخدوم علاء الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نمایاں ہیں۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے شہسوارِ تست کہ جانم فدائے تست
ہر جا سر است خاکِ رہِ باد پائے تست
بیچارہ عاشقِ تو کہ با درد و انتظار
شد در رہت غبار و ہنوزش ہوائے تست

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی عشق کے لفظ کا استعمال اسی طرح فرماتے ہیں:

سعدی اگر عاشقی کنی و دانی
عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بس است و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چو تو برتر ز افلاکی ، بجز عشق
کہ داند تا چہ نوری و چہ نقشی

اور اب حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ:

ما عاشقِ ظہور جمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایم
سرمست از شراب وصال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایم

ان مقتدر و محترم صاحبانِ کمال، قادر الکلام، فصیح البیان شعراء کے علاوہ بیشمار صوفیا و اولیاء کے کلام عاشقانہ میں کہیں بھی دور دور تک زورِ گندم کا نشان نہیں ملتا۔

یہ مسلک صرف پھلواروی صاحب کا ہی نہیں بلکہ ایک اور صاحب، جنھیں وقت نے وفاقی وزیر مذہبی امور کسی زمانے میں بنادیا تھا، ایک تقریب میں، جو اسلام آباد حاجی کیمپ میں ہوئی تھی، ایک محترم شخصیت نے موصوف کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ (اس تقریب کا تعلق مقابلہِ حسنِ نعت سے تھا۔) سپاسنامے میں اس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔ جب وزیر موصوف کے جواب کی باری آئی تو من و عن لفظ عشق سے اپنی بیزاری کا اظہار فرماتے ہوئے یہی اعلان فرمایا کہ قرآن و حدیث میں اس کا تذکرہ اس لیے نہیں کہ یہ لفظ گھٹیا ہے۔

اگرچہ قرآن اور حدیث میں حوالے کی بات گزشتہ اوراق میں گزر چکی اور بخاری شریف کی ایک حدیث بھی پیش ہوئی لیکن یہاں ایک مرتبہ پھر واضح کردوں کہ قرآن میں اس لفظ کے نہ ہونے سے یہ دلیل قایم نہیں ہوتی کہ جو لفظ قرآن میں نہیں ہے وہ گھٹیا ہے۔

علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حوالہ اور پیش خدمت ہے:

"بکثرت کلمات فصیحہ کتاب و سنت میں وارد نہیں ہوئے، مثلاً: لفظ "ظروف" اور اس کا واحد "ظرف" ہے، قرآن میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ اس

کے علاوہ ''نظم'' اور ''نسق'' دونوں لفظ عرب محاورات میں کثیر الاستعمال ہیں اور فصیح ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی قرآنِ مجید میں وارد نہیں ہوا، نہ ان دونوں میں سے کوئی لفظ حدیث میں آیا۔ کیا انھیں بھی اس بنیاد پر کوئی صاحبِ علم گھٹیا قرار دے سکتا ہے؟''

یہی حال ترجموں کا ہے۔ اردو زبان مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہے، اس میں ہر زبان کا لفظ شامل ہے اسی لیے اس کو اردو کہتے ہیں (بمعنی لشکر)۔ بعض لفظ قرآن کے اردو میں مستعمل ہیں مگر ترجمہ ہو کر، مثلاً: قرآن میں لفظ صلوٰۃ، نماز کے لیے آیا، اسی مفہوم کو اردو میں نماز کہا جاتا ہے۔ صوم کے مفہوم کو روزے کے لفظ میں سمویا گیا ہے۔ اب کیا آپ لفظ ''نماز'' اور لفظ ''روزہ'' کو قرآن میں نہ ہونے کے سبب گھٹیا کہیں گے؟ (مقدمہ کتاب میں یہ بحث تفصیل سے گزر چکی کہ عزّ و شرف الفاظ کا متعلقات سے ہوتا ہے، لغوی اعتبار سے نہیں۔)

اس بحث کو قرآن اور حدیث کے دو حوالوں پر ختم کرتا ہوں کہ شدت محبت یا فرط محبت کا دوسرا نام عشق ہے، دیکھیے: قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

''اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے لیے'' بہت زیادہ محبت'' رکھنے والے ہیں۔''

(سورہ بقرہ: پارہ ۲)

اسی طرح حدیث میں ہے: ''حتیٰ اکون احبّ الیہ'' مومن وہی ہے جس کے دل میں'' سب سے زیادہ میری محبت ہو۔''

(بخاری جلد اول، ص ۱۷ / مسلم شریف جلد اول، ص ۴۹)

میرے نزدیک اس مسئلے کی حقیقت واضح ہو کر سامنے آ چکی ہے، مثالیں اور بہت ہیں لیکن میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

اے اسمِ تو حرزِ جانِ عشاق
اے ذکرِ تو قلبِ نور دیدہ

مُرادِ المُشتاقِین

وہ سامنے نہیں ، بینائی چھین لے یا ربّ
یہ آنکھ والوں کا ارماں، درود تاج میں ہے

مُرادِ المُشتاقِین

مشتاقِ زیارت ہیں دل وجاں بھی، نظر بھی:

مصنف درود تاج کے قلم مشکیں نے قرطاسِ رنگیں پر فصیح و بلیغ انداز میں آئینہ دار وصفِ کمالات القابات زرنگار کو جس نظم کے ساتھ پیش کیا ان تمام اوصاف کی حامل وہ ذات اقدس ہے جن کے اوصاف و کمالات اور دیگر منسوبات متعلقات زندگی کو کما حقہ حیطہِ بیان اور حلقہِ تحریر میں لانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس کے باوجود گنجِ گرانمایہ معرفت سے جو موتی چن کر اس درود کے تاج پر جڑے ہیں اپنی جگہ یہ ایک منفرد کاوشِ خیر و سعادت اور ایک عظیم ادبی کارنامہ ہے جو عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے۔ اس لقبِ مبارک ''مراد المشتاقین'' نے ان کی مراد بر لادی جو مشتاقِ زیارت روئے پُر انوار بھی ہیں اور آرزو مندانِ قرب و عنایات بھی ہیں۔ جو مشتاق ہیں وہ ان کی محبت میں گرفتار ہیں اور گرفتارِ محبت کی مراد صرف محبوب ہوتی ہے۔ حضور رحمتِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور مشتاقانِ دید کے احوال پر تحقیق کے ساتھ لکھا جائے تو دفتر تمام ہو جائے گا مگر واقعات عشاق کا احاطہ ممکن نہیں۔ اس طلب، اس آرزو اور اس مراد کی داستانیں عربی، فارسی کے علاوہ اردو زبان میں ہزار ہا صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ صوفیاء و مشائخ کی تصانیف دیکھیے، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیجیے، سیرت پر کتب میں ان حوالوں پر نظر ڈالیے تو عشق کی ہر چنگاری شعلہ بنتی جاتی ہے اور دل کی دھڑکنوں کا تقاضا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گلیوں کا طواف بن جاتا ہے۔ ان واقعات کو پڑھ کر جسم و جاں خوشبو سے مہک اٹھتے ہیں اور تصور گنبدِ خضریٰ کو حلقہِ دیدہ آرزو میں کھینچ لاتا ہے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے حُبّ رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال فرما دیا ان کی آرزو، ان کی مراد، ان کا مقصدِ زندگی ذکرِ مصطفیٰ ﷺ، قرب مصطفیٰ ﷺ، دید مصطفیٰ ﷺ کے ماسوا کچھ اور نہیں۔ یہ عشق ہے۔ آتشِ عشق از خود بجھائی بھی نہیں جاسکتی۔ غالبؔ نے کیا خوب کہا اور کس خوبصورتی سے اس حقیقت کو بیان کیا:

عشق پر زور نہیں ، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

عاشق کی محبت محبوب کی محبت کا سبب ہوتی ہے:

اہلِ دل نے احب حبہا با فاته یحبک کے جملے کے متعلق بڑے لطیف نکتے بیان کیے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ عاشق کی محبت محبوب کی محبت کا سبب ہوتی ہے بلکہ محب کی محبت تو محبوب کی محبت کی علامت ہوا کرتی ہے۔ جب تک محبوب کی طرف سے محبت کا اشارہ نہ ہو محب اپنی محبت کی منزلیں طے نہیں کر سکتا۔ گزشتہ اوراق میں رحمت للعالمین، شفیع المذنبین کے عنوانات کے تحت اللہ کے محبوب ﷺ کو اپنی امت کے ایک ایک فرد سے کتنا پیار ہے، کتنی محبت ہے تحریر کر چکا ہوں۔ یاد کیجیے اور گزشتہ اوراق میں ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو گم کر لیجیے۔ آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہے۔ اِدھر جبریل امین علیہ السلام ہیں اُدھر فرشتہ اجل اجازت مانگ رہا ہے، اہل بیت علیہم السلام اجمعین گھر کے اندر حجرہ اقدس میں اور حجرہ ہمایوں سے باہر عاشقانِ رسول ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گریے کے عالم میں ہیں مگر اللہ کا محبوب ﷺ بار بار جبریلِ امین علیہ السلام سے تقاضا کر رہا ہے کہ کوئی ایسی خبر لاؤ کہ دل کو اطمینان نصیب ہو۔ آخر جب حضرت جبریل علیہ السلام وہ مژدہ سناتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ ﷺ کی تمام امت کو ساری امتوں سے پہلے جنت میں داخل فرمائے گا، سکرات کے عالم میں بھی اگر کوئی آپ ﷺ کا امتی توبہ کرے تو خدا اسے بخش دے گا تو آپ ﷺ اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ لیکن ٹھہریے، ابھی نہیں، جب فرشتہ اجل سے فرماتے ہیں کہ اب تم اس کام کو انجام دو جس کے لیے تمھیں بھیجا گیا ہے اور جب وہ آپ ﷺ کی روحِ مقدس کو حکمِ ربی سے قبض کرنے میں مشغول ہوتا ہے تو اس وقت بھی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتۂ اجل سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا میرے امتیوں کو بھی اتنی ہی تکلیف پہنچے گی؟ اللہ اللہ! امتی کو شاید خبر ہی نہیں کہ ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کس درجہ محبت فرماتا ہے اور جنھیں یہ احساس ہوگیا، جن کی روح نے یہ بوئے محبت سونگھ لی انھیں مشتاقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام نصیب ہوگیا اور ان کی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا تبار ہوگئی۔

صاحبِ تصنیف **درود تاج** نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات کے جامع القابات میں مشتاق زیارت کا ذکر کر کے اس گوشے پر بھی روشنی ڈالی۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والوں کا جو علم ہے تاریخ کے ہر دور میں ان کے واقعات تازگیِ ایمان کا سبب ہیں۔ ایک بات، جس پر میرا یقین اور میرا ایمان ہے، جو شخص کثرت سے درود بھیجتا ہے اور **درود تاج** بھی اس کے ورد میں شامل ہے وہ ''مشتاقین'' کی صف میں شامل ہے، کوئی کم کوئی زیادہ۔ یہ تعلق تو مضبوط سے مضبوط بنایا جاتا ہے اور جتنا **درود تاج** قلب و زباں پر جاری ہوگا یہ تعلق مضبوط سے مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ وہ صاحب الجمال صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا مشتاق ہوتا جائے گا اور سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ کرم اس کی مراد بن جائے گی اور ایک مومن کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا مراد ہوسکتی ہے کہ وہ ذات، جو اللہ کی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہے، امتی کی بھی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہوجائے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے عشق کا دعویٰ
بندوں کا بھی کیا حوصلہ اللہ غنی ہے

ہجرت کے واقعات اور مشتاقانِ جمال:

ہجرت کے واقعات پر ایک نظر ڈالیے جب کچھ صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کفار و مشرکین کے حد سے گزر جانے والے مظالم کے سبب ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ انھیں یہ تو گوارا تھا کہ ظلم کو سہہ لیں، جبر و تشدد کو برداشت کرلیں لیکن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو دیکھنے سے، زلف کا لمس پا کر مہکنے والی ہوا سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق و صداقت بیان کی سماعتوں سے محروم ہونا گوارا نہ تھا۔ زار و قطار گریہ پیہم میں ہجرت کا سفر اختیار کرلیا۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت اختیار فرمائی۔ ادھر جو لوگ مکّے میں رہ گئے ان کے لیے یہ جدائی کا غم اس غم سے زیادہ تھا جو کفار و مشرکین کے ظلم سے انھیں پہنچ رہا تھا۔ ان بے یار و مددگار رہ جانے والے غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی جو کیفیت تھی الفاظ ان حالات کی تصویر بنانے میں خود کو عاجز پاتے ہیں اور قلم تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔

جب ان کی صبح ہوتی ہے وہ شمس الضحیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے منور تلاش کرتے ہیں، جب شام کو آفتاب ڈھلتا ہے تو بدر الدجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ان کے زخمِ جدائی کو ہرا کر دیتی ہے۔

نگارے را کہ می جویم بہ جانش
نمی بینم میانِ حاضرانش
کجا رفت و میانِ حاضراں نیست
دریں مجلس نمی بینم نشانش
نظر می افگنم ہر سُو و ہر جا
نمی بینم اثر از گلستانش
مسلماناں! کجا شد آں نگارے
کہ می دیدم چو شمع اندر میانش

آنکھیں تلاش کر کے تھک گئیں، دریافت کر کے لب خشک ہو گئے کہ کوئی بتائے وہ زینتِ کون و مکاں، رونقِ محفلِ انس و جاں کہاں پوشیدہ ہے؟ پھر یہ کہہ کر خود کو تسلی دیتے ہیں:

زمینش گر نمی بیند عجب نیست
کہ می جوید دریں عشق آسمانش

جب کوئی عاشق اپنے محبوب سے دور ہو جاتا ہے تو اس کا جینا محال ہو جاتا ہے، پھر وہ کہتا ہے:

مر ہی جاؤں میں اگر اس در سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمارِ غم قربِ مسیحا چھوڑ کر (حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ)

یہ صرف شاعری نہیں جسے حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ نے جوشِ عقیدت میں کہہ دیا ہو، یہ سچے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جسے پیش کرتا ہوں۔

جب آنکھوں کے سامنے وہ جمالِ جہاں آرا نہ رہا تو گرفتارِ محبت بے قراری کی حد سے گزرنے لگے، ہر لحہ آئینۂ جمالِ خداوندی کو دیکھنے والے، جب ان کے روبرو نہ حسنِ ظاہر رہا نہ حسنِ باطن ایسے میں ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جن کا نام جندہ رضی اللہ عنہ بن ضمرہ تھا، بیمار تھے۔ جسم کی بیماری سے زیادہ روح کی بے قراری تڑپا رہی تھی۔ اپنے بیٹوں کو طلب کیا اور کہا: اے میرے فرزندو!

سر میں ہے سودائے جنوں، وحشت سے ہے حال زبوں
دل سے ہوا رخصت سکوں، آنکھوں سے اشکِ خوں رواں
شدت میں ہے دورانِ سر، زوروں پہ ہے دردِ جگر
خوں رو رہی ہے چشمِ تر، پھٹ کر ہوا ہے دل کتاں
جاتے رہے تاب و تواں، اعضا میں ہے قوت کہاں
غم نے کیا ہے نیم جاں، دردِ جدائی، الاماں!

(مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

میرے بچو! اب مجھ میں تاب نہیں، مجھے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لے چلو، بس کسی طرح لے چلو۔ شدتِ مرض کا احساس کر کے بیٹوں نے عرض کیا: الیٰ این؟ (اس حال میں کہاں لے جائیں؟) مرض کی شدت سے گویائی میں کمی آگئی تو ہاتھ سے مدینے کی طرف اشارہ کیا۔ بیٹے چونکہ نیک اور فرمانبردار تھے جندہ رضی اللہ عنہ بن ضمرہ کو چارپائی پر اٹھایا اور شہرِ مدینہ کا رخ کیا۔ ابھی وہ بنی غفار کے تالاب تک ہی پہنچے تھے کہ فرشتۂ اجل نے میزبانی کی:

"کیا بچے بیمارِ غم قربِ مسیحا چھوڑ کر"۔

لیکن ایسے عاشقوں کے انجام کے انعامات کو ظاہر بیں آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں جو مقامِ رشک بن جاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام، جو صرف نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کے لیے آیا کرتے، اس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آتے ہیں اور پیغام سناتے ہیں:

''جو شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے تاکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر جائے، پھر آئے اس کو (راستے میں) موت تو اس کا اجر اللہ پر واجب ہو جاتا ہے۔''

(انساب الاشراف)

کیا عہدِ رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کی جو داستانیں پائی جاتی ہیں اس عہد مبارک کے بعد ایسے واقعات نہیں ملتے؟ اس کا جواب تاریخِ اسلام اور سیرت کی کتابوں سے مل سکتا ہے لیکن تاریخ سے ہٹ کر تاریخ بنانے والی ہستی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہمارے عہد کا ذکر جس طرح فرمایا وہ پیشِ خدمت ہے۔

عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت:

ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:
''میرے ساتھ شدت سے محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ ان میں سے ہر شخص یہ تمنا کرے گا کہ تمام اہل اور مال کے عوض مجھ کو دیکھ لیں۔''

(مسلم شریف/مشکوٰۃ شریف)

یعنی اگر اسے کہا جائے کہ اگر سب اہل و مال سے دستبردار ہو تو زیارت میسر ہو جائے تو اس پر دل و جان سے راضی ہو جائے گا۔

(نشر الطیب فی ذکر الحبیب، اشرف علی تھانوی، ص ۱۵۹)

''یا ایھا المشتاقون بنور جمالہ'' کے زیرِ عنوان اس موضوع پر آئندہ اوراق میں بہت کچھ تحریر کیا ہے، وہ آپ کے مطالعے میں آنے والا ہے۔ جو ان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گرفتار ہیں، وہ مشتاق دیدار جن کی مراد سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ابد قرار ہیں ان کا حال ہمہ دم یہ ہوتا ہے:

بہ ہر وقتے کہ در آئینۂ دل
نظر کر دم تو بودی در مقابل

شمسِ العارفین

وہ معرفت کے گلستاں میں چشمۂ خاور
وہ سوزِ آتشِ عرفاں، درود تاج میں ہے

شمسِ العارفین

قال النبی صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلم لو عرفتم اللہ حق معرفته لمشیتم علیٰ البحور و لزالت بدعائکم الجبال۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''اگر تم اللہ کی معرفت و پہچان کر لیتے، جس طرح اس کا حق ہے، تو تم سمندروں پر چلتے اور تمھاری دعاؤں سے پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیتے۔''

(بحوالہ کشف المحجوب، ترجمہ اردو، ص ۶۴)

مقامِ معرفت کب ملتا ہے:

عراق کے مشائخ نے فرمایا: ''وہ شخص معرفت کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتا جس کے نزدیک منع وعطا (دینا اور نہ دینا) برابر نہ ہو جائے۔'' جب حضرت امام ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو فرمایا: ''یہ غلط ہے، آدمی اس وقت عارف ہوتا ہے جب اس کے نزدیک منع کو عطا پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ ''منع'' خصوصیت کے ساتھ مرادِ حق ہے اور بخشش وعطا بندے کی مراد سے تعلق رکھتی ہے اور حقیقتاً عارف وہی ہے جو اپنی مرادیں اللہ کی مراد پر قربان کردے۔'' (حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۴۷۹-۴۸۱)

سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی موت پر عرش ہل گیا:

صاحبِ لولاک لما کی صحبت نے کفر کو اسلام میں، جہل کو علم میں، کثافت کو لطافت میں، غضب کو رحم میں، ظلم کو عدل میں، بیباکی کو ادب میں، غلامی کو آزادی میں، گمنامی کو شہرت

میں، مایوسی کو حوصلے میں، بے یقینی کو یقین میں، بزدلی کو بہادری میں اور پستی کو بلندی میں بدل دیا۔ علم کو علم معرفت بخشا کہ صیدِ زبوں کی پست ہمتی یقینِ کامل کا اوجِ عرش بن گئی۔ محبوب ربّ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، تربیت، رفاقت اور محبت کے طفیل پستی سے اس طرح نکلے کہ عرش کی حقیقت کے آشنا ہو گئے۔ پھر ان بندوں کا یہ مقام بھی آیا کہ ایک ادنیٰ غلام کے انتقال پر حق نے فرمایا:

اهتز العرش بموت سعد بن معاذ۔

(حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی موت پر عرش ہل گیا۔)

عرش کی حقیقت کیا ہے؟ اگر صاحبِ عرش کی نشست نہ ہو تو مومن کا دل عرش سے افضل ہے۔ خود ہی فرماتا ہے:

انی فی قلب عبدی المومن التقیٰ والنقی۔

(میں پاک اور پرہیزگار مومنوں کے دل میں ہوں۔)

یہ معرفت کا وہ مقام ہے کہ اس تک پہنچنے والے "کُن" کے تحت جو چیزیں وجود میں آئی ہیں ان کو ذرا بھی نہیں دیکھتے، یہ دوزخ اور بہشت کو اپنی بارگاہ کا غلام بنانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت کے طفیل یہ مسِ خام کندنِ معرفت کا لمس پا کر عارف کے زمرے میں آئے جب ان کی جھولیوں میں خدارسی اور خداشناسی کے موتی ڈالے گئے، جب ان کے بوسیدہ جسم کو شناسائیِ حق تعالیٰ کی خلعت پہنائی گئی تو وہی نتیجہ ہوا جس کے لیے سب کچھ کیا گیا تھا۔ تو اپنے سے خودی کو دور کر دیا گیا۔ صبر کا لباس بوسیدہ ہو گیا۔ دونوں جہان کی پونجی کو حبِّ الٰہی کے عوض دے دیا۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے بے دین و بے زبان خدا کی ثناء کرنے لگے، جو لوگ عقلِ ناپختہ کی بیساکھی پر کھڑے تھے، کھڑے ہیں، نہ ہی سمجھ میں آیا اور نہ ہی آئے گا۔

کیا انھوں نے اس پر بھی غور کیا کہ ایک بات ایسی بھی کہی گئی جو آدمی کے سوا کسی دوسرے کی شان میں نہیں کہی گئی: نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ (میں نے اس میں اپنی روح پھونکی)۔

نَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِيۡ:

مخلوقات کے کسی گروہ میں نہ پیغمبر علیہ السلام آئے نہ ہی آسمانی کتابیں، سوائے حضرت انسان کے۔ روزِ اول میں روح سوائے انسان کے کسی کو نہیں دی گئی۔ جب ان عارفوں کو محبت کا زور ہوا، ہمت کی بلندی عطا ہوئی تو خدا نے دنیا میں ان کے لیے ان کے دل سے حجاب اٹھا دیا اور عقبیٰ میں بھی ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا۔ انھوں نے بھی دنیا میں پھر کسی کو نہ چاہا سوائے ربّ کے اور آخرت میں بھی کسی پر آنکھ نہ ڈالی، یہ وہ نکتۂ عروج تھا جو مکتبِ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ آنکھیں جھپکیں نہ بہکیں) میں سیکھا تھا۔ جس نے یہ سبق پڑھایا، جب وہ چلا اس طرف جہاں محبوب اور محبّ کا انفصال ختم ہوتا ہے اور اتصال کا مقام آتا ہے، مسجدِ اقصیٰ سے سدرہ تک، سدرہ سے قاب قوسین تک خلق ہونے والی ہر انوکھی اور حسین شے سے نظر ہٹا کر مطلوب ہی کو مقصود رکھا۔ اس ایک سفر نے کس کس کی تربیت کی۔ اس مکتب میں جو آیا اس نے ذاتِ ربّ کے سوا ہر ماسوا کی چاہت ترک کر دی، دامن میں دنیا کا جو کچھ بھی حصہ تھا جھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ اس سبق کو جس جس نے یاد کیا وہ صدّیق ہوا، فاروق ہوا، عثمان ہوا، علی ہوا، بلال و صہیب ہوا، طلحہ و زبیر ہوا، سلمان و ابوذر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہوا۔ انھیں سب کچھ چھوڑنے کا سبق محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ نے دیا اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ کو ربّ نے یہ کہہ دیا: قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرۡهُمۡ (اللہ کا نام لے اور سب کچھ چھوڑ دے)۔ اس سب کچھ چھوڑنے میں سب کچھ پانا تھا۔

خزانہ ہمیشہ ویران جگہ پر ہوتا ہے:

یاد رکھو: ''خزانہ ہمیشہ ویران جگہ پر ہوتا ہے''۔ مراد سے دل کو خالی رکھنے والے معرفت کو پاتے ہیں لیکن اس منزل تک پہنچنے میں بھی ان بزرگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور بارگاہ ربّ العزت میں پیکرِ عجز بن کر دعا مانگتے بھی دیکھا اور سیکھا۔ سیکھا اور عمل کیا، جب اس مقام تک پہنچے۔ حضرت ابو وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت دو رکعت نماز ہم ادا کرتے ہیں، جب سلام پھیرتے ہیں تو اپنی طاعت سے شرمگیں اور خجل ہو کر واپس آتے ہیں کہ اگر کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ ہم کہیں سے چوری کر کے آ رہے ہیں۔ یہ تھا

صدق طلب اور منزل و مقام کی پہچان۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کعبے کا قصد کیا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ بہت رویا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ایک رفیق تھے، اس نے دریافت کیا کہ کیا حضور (آپ) خوف گناہ سے رویا کرتے ہیں؟ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوکھی گھاس اٹھائی، فرمایا: اس میں تو شک نہیں کہ گناہ ہمارے بہت زیادہ ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس پر کاہ (تنکے) کے برابر بھی کھٹکا نہیں۔ ہاں اس کا ڈر البتہ ہے کہ جس توحید کو ہم اس کے دربار میں لے جا رہے ہیں یہ توحید ہے یا عین شرک! اللہ اللہ! کس شان کے لوگ تھے کہ دولت کا خزانہ رکھتے تھے مگر خیال یہ تھا کہ ہم مفلس اور بے نوا ہیں اور ایک ہم لوگ ہیں کہ ذرہ برابر بھی کوئی بات حاصل نہیں مگر ہچو ما دیگرے نیست۔

عارف کا مقام بہت بلند ہے اور ہر کوئی کہلانے کو عابد و زاہد کہلا سکتا ہے لیکن مقام عارف ان سب سے بلند ہے۔ صاحبِ تصنیفِ **درود تاج** نے اس لقب میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاص کرم ہے، خاص عنایت ہے ان لوگوں پر جو اس منزل سے بسلامت گزرنے کے آرزو مند تھے اور بسلامت گزر گئے ورنہ اس راہ معرفت میں بھٹک جانے والے بھی ہیں کہ باوجود زہد و تقویٰ اور ریاضت و مشقت کے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ وہ خوش نصیب تھے جنھیں راہنمائی نصیب ہوئی اور منزل پا گئے۔ اس لیے اس مقام تک پہنچنے میں بھی سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری ہی کارفرما ہے اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عارفین کے آفتاب ہیں۔

یہ جو ایک بات میں نے مندرجہ بالا سطور میں کہی کہ باوجود زہد و تقویٰ اور ریاضت و مشقت کے معرفت کا مقام حاصل نہیں ہوتا اس کا سبب یہی ہے کہ یہ مقام کسب سے نہیں کرم سے ملتا ہے اور دینے والا جب اپنی معرفت دینا چاہتا ہے تو کسی کو بغیر کوشش کے عطا کر دیتا ہے، یہ سبق بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ابد قرار نے پڑھایا۔ اس کی تصدیق میں حضرت شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط کا اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے ایک مرید خاص کو تحریر فرمایا تھا۔

شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

''معرفت مومن کی روح کا جوہر ہے۔ جس شخص کا خدا کی معرفت میں کوئی حصہ نہیں گویا حقیقتاً اس کا کوئی وجود نہیں اور پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہونے والوں کی معرفت سے ہوتی ہے اور پیدا کرنے والے کی معرفت سے عارفوں کو بقا اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ معرفت کا پہلا جز و یہ ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات کو مجبور، عاجز اور قیدی سمجھے اور سب چیزوں سے اپنے لگاؤ اور نسبت کو توڑ دے اور سمجھے کہ بس ایک ہی خدا ہے۔ اس کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے اور اس کی صفات بھی ہمیشہ قایم رہنے والی ہیں: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۔ یعنی اس کے مثل کوئی نہیں ہے اور وہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے اور دوسرا راستہ خالق تک پہنچنے کے لیے اپنے نفس کی پہچان ہے۔

حضرت یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نفس کی پہچان پر نہایت مدلل بحث کرتے ہیں، پھر ایک مقام پر آ کر وہ کہتے ہیں:

''کسی کو ریاضت اور مشقت کے ذریعے اللہ تعالیٰ معرفت تک پہنچاتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جن لوگوں نے مجاہدہ کیا اور میرے لیے تکلیف اٹھائی ان کو ہم اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں) اور کسی کو بغیر کسی اسباب اور وسیلے کے ہدایت کا نور منور کر دیتا ہے اور اپنی معرفت کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے: فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (وہ اپنے ربّ کی مہربانی سے نور کی منزل تک پہنچ گئے) اور بعض لوگوں کو معرفت کی حقیقت سے پردے میں ڈال دیتا ہے: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اے ما عرفوا اللہ حق معرفته (جہاں تک خدا کی معرفت کا حق تھا وہاں تک نہیں پہچانا) اور بعض لوگوں کو معرفت کی راہ سے بالکل حجاب میں ڈال دیتا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے)۔

چوں مجالش صد ہزاراں روئے داشت
بود در ہر ذرہ دیدارے دگر
لاجرم ہر ذرہ را بنمود باز
از جمال خویش رخسارے دگر

چوں یک است اصلِ عدد از بہر آنکہ
تا بود ہر دم گرفتارے دگر

ترجمہ: اس کا حسن لاکھوں چہرے رکھتا ہے اس لیے ہر ذرے میں ایک دوسرا نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کے چہرے کے ہر حصے نے اپنے بے انتہا حسن کے وجہ سے ہر ذرے کو ایک دوسرا ہی رخسار دکھایا ہے۔ اعداد و شمار کا اصل عدد ایک ہی ہے اور باقی اعداد اس لیے ہیں کہ وہی ایک ہر عدد میں ایک نیا جلوہ دکھائے۔

ان تفرقوں سے معلوم ہوگیا کہ خدا کی معرفت عقل و دانش سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ناواقف اور بیگانے اگرچہ صاحبِ عقل ہیں لیکن خدا کی معرفت سے محروم ہیں اور محض سننے سے بھی معرفت حاصل نہیں ہوتی بلکہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے وقتوں میں کفار کو بلا کر بیان کیا اور کفار نے سنا مگر کسی طرح کی معرفت ان کو حاصل نہ ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی معرفت بغیر اس کی رہنمائی کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عرفت اللہ باللہ و عرفت ما دون اللہ بنور اللہ (ہم نے اللہ کو اللہ ہی سے پہچانا اور ماسوی اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا)۔

اگرچہ یہ مضمون بڑی وضاحت چاہتا ہے اور چونکہ مجھے اس میں اتنی دسترس نہیں کہ میں اس پر روشنی ڈال سکوں مقصود صرف اتنا تھا کہ عارفانِ باللہ کی بابت اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں سمجھا سکوں کہ یہ مقام کسب سے نہیں اس کے کرم سے ہے اور اس کا کرم بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کرم سے ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری میں یہ شرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو میسر آیا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شمس العارفین لقب تھا جسے مصنف درود تاج نے شاملِ درود کیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سلطانِ معرفت اور بحرِ توحید کے شناور تھے۔ آپ کے بے شمار واقعات ہیں جن میں آپ کے ذوالنون ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آپ کشتی پر سفر کر رہے تھے کہ اس کشتی میں سوار کسی بیوپاری کا موتی کھوگیا۔ سب نے آپ کو

مشکوک تصور کر کے زدوکوب کرنا شروع کیا۔آپ نے آسمان کی جانب نظر اٹھا کر کہا: اے اللہ! تو علیم ہے کہ میں نے کبھی چوری نہیں کی۔ یہ کہتے ہی دریا میں صدہا مچھلیاں منہ میں ایک ایک موتی دبائے نمودار ہوئیں۔ آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی نکال کر اس بیوپاری کو دے دیا۔تمام مسافروں نے اس مشاہدے کے بعد آپ سے معافی طلب کی۔ اسی وجہ سے آپ کا خطاب ذوالنون پڑ گیا۔آپ فرماتے: عارف کی شناخت یہ ہے کہ بغیر علم کے خدا کو جانے، بغیر آنکھ کے دیکھے، بغیر سماعت کے اس سے واقف ہو، بغیر مشاہدے کے اس کو سمجھے، بغیر صفت کے پہچانے اور بغیر کشفِ حجابات کے اس کا مشاہدہ کر سکے یعنی ذات باری میں فنائیت کی یہ علامتیں ہیں جیسا کہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میں جس کو دوست بناتا ہوں اس کا کان بن جاتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے سنے، آنکھ بن جاتا ہوں تاکہ مجھ سے دیکھے، زبان بن جاتا ہوں تاکہ مجھ سے بات کرے اور ہاتھ بن جاتا ہوں کہ مجھ سے پکڑے (حدیثِ قدسی)۔ آپ نے فرمایا کہ زاہدین سلطانِ آخرت ہوا کرتے ہیں اور ان کے دوست عارفین ہوتے ہیں۔ جب ایک عارف کا یہ رتبہ اور یہ مقام ہے تو جو شمس العارفین ہیں ان کا رتبہ اور مقام کیا ہوگا؟

ایک آخری حوالہ:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اولیاء میں وہی اعزاز حاصل ہے جو ملائکہ میں حضرت جبریل علیہ السلام کو اور مقام توحید میں تمام بزرگوں کی انتہا آپ کی ابتداء ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ (آپ کا قول ہے) اگر لوگ دوسو سال تک بھی گلشنِ معرفت میں سرگشتہ رہیں جب کہیں جا کر ان کو ایک پھول ملتا ہے جو مجموعی طور پر مجھے ابتدا میں ہی مل گیا۔

آپ فرماتے ہیں: عارف وہ ہے جس کی نظر میں ہر برائی اچھائی میں تبدیل ہو جائے۔ خدا شناس جہنم کے لیے عذاب ہے اور ناخدا شناس کے لیے جہنم عذاب ہے۔آپ نے فرمایا کہ خدا نے جن کے قلوب کو بارِ محبت اٹھانے کے قابل تصور نہیں کیا ان کو عبادت کی طرف لگا دیا کیونکہ معرفتِ الٰہی کا بار سوائے عارف کے اور کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔

یہ تمام منزلیں اور یہ تمام مرحلے جو دشوار ہی نہیں دشوار ترین ہیں رہنمائی کے طلب گار ہیں اور جن خوش نصیبوں نے یہ مرحلے طے کیے ان پر حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے کہ ان کی نسبت ہی کام آتی ہے۔

سِرَاجُ السَّالِکِین

انھیں ﷺ تھا فقر پہ ناز اور خدا کو اُن ﷺ پر ناز
فقیر سارے ہیں نازاں، درود تاج میں ہے

سِراج السَّالِکِین

سلوک، راہ طریقت میں ایک مقام ہے:

سلوک طریقت میں ایک منزل ہے، ایک مقام معرفت ہے۔ اس مقام کے حامل اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہوئے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ سلوک راہ طریقت ہے، اس پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک سالک، دوسرے مجذوب۔ چونکہ یہاں موضوع سالک ہے اس لیے مجذوب پر بحث نہیں ہوگی کہ دونوں موضوع افہام و تفہیم کے لیے تفصیل چاہتے ہیں۔

عالم ہزاروں ہیں اور سالک کو ہر ہر عالم سے گزرنا ہے، اس عالم کی سیر بھی کرنی ہے۔ ایک عالمِ خاک ہے۔ جو سالک اس عالم سے گزرتا ہے اسے جو واقعات پیش آتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بستیوں، کوچوں، جا بجا تاریک گوشوں سے نکل رہے ہیں۔ ویرانوں، کھنڈروں، پانی کے جل تھل سے پہاڑوں کی طرف جا رہے ہیں۔ اس سیر کا یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ سرگرانی اور تیرگی دور ہو جاتی ہے اس کی جگہ سبکی اور لطافت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا عالمِ آب ہے۔ اس مقام کی سیر میں سبزہ زار ہیں، درخت ہائے سرسبز و شاداب، کشت زار، آبِ رواں، چشمے، آبشار، دریا نظر آتے ہیں۔ تیسرا عالمِ باد ہے۔ اس مقام کی سیر میں ہوا میں چلنا، اڑنا، بلندیوں پر جانا، وادیوں میں پرواز کرتا نظر آتا ہے۔ چوتھا عالمِ آتش ہے۔ اس مقام کی سیر میں شعلے، آتش، آتشکدے نظر آتے ہیں۔ پانچواں عالمِ افلاک ہے۔ سالک اس مقام میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی جانب سفر کرتا ہے، فرشتے بھی نظر آتے ہیں۔ چھٹا عالمِ ملکوتِ کواکب ہے۔ اس کی سیر میں سالک کو ستارے، مہ و خورشید، انوار اور اس کے مشابہ اشیاء نظر آتی ہیں اور ساتواں عالمِ حیوان ہے جس میں سالک درندوں کو دیکھتا ہے۔

جتنے بھی عالم ہیں سالک ان سے گزرتا ہے، سیر کرتا ہے، ہر عالم کے مناسبات سے اس کو مشاہدات ہوتے ہیں اور اس پر اسرار کھلتے ہیں۔ دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ اسم ذات اللہ کے سوا کسی طرف رخ نہیں کرتا۔ کشفِ احوال بھی ہوتا رہتا ہے، اسرار ملکوت بھی کھلتے رہتے ہیں، علاوہ مقام یہ کہ کرامات بھی ظاہر ہوتی ہیں، بیمار کو شفا بھی دیتے ہیں، ہمت دشمن کو ہلاک کر دیتی ہے۔

راہ سلوک میں صعوبتیں اور شیطان سے جنگ:

یہ تو منازل سلوک ہیں لیکن اس راہ کی صعوبتیں اور مشقتیں اپنی جگہ۔ نفس کی شرارتوں اور شیطان کے وسوسوں سے اپنے آپ کو بچانا سالک کے لیے ایک اور دشوار ترین مرحلہ ہے۔ سالک کو سلوک کی منزل سے اتنا کامیاب گزرتے دیکھ کر ابلیس کو رشک و حسد پیدا ہوتا ہے، وہ فکر مند ہو جاتا ہے کہ کس طرح اس شخص کو اپنے دام تزویر میں لائے چنانچہ وہ سالک کو پہلا مشورہ یوں دیتا ہے کہ ترک معصیت سے مقصود یہی ہے کہ خواہشات نفسانی دور ہو جائیں اور صفات بشریت مغلوب ہو جائیں تا کہ سالک کو خدا سے تقرب حاصل ہو (یہ اپنی طرف متوجہ کرنے کا ایک حربہ ہوتا ہے)۔ ابلیس کی یہ بات سالک کے کانوں کو بھلی لگتی ہے، معقول بھی معلوم ہوتی ہے۔ اب سالک کو اپنی طرف متوجہ پا کر دوسرا مشورہ یوں دیتا ہے کہ ریاضت کا مقصود تو یہ ہے کہ ذکرِ حق دل پر غالب آجائے اور دل میں ایسی جلاء پیدا ہو کہ تمام ظلمات بشریت دور ہو جائیں تا کہ سالک کو معرفت کی حقیقت حاصل ہو جائے اور کعبہ وصال تک پہنچیں۔ (اب ابلیس کہتا ہے) اور یہ تو تمھیں حاصل ہو چکا ہے۔ پھر جب وہاں تک رسائی ہوگئی تو زادو راحلہ (سامانِ سفر) کی اس سفر میں کیا حاجت رہتی ہے۔ ابلیس کے ان توہمات کے بعد جو نہ سنبھل سکا وہ غور کرتا ہے کہ نماز ادا کرنا حجاب ہے، سوچتا ہے کہ میں تو ہر وقت مشاہدے میں ہوں، مقصود نماز اور رکوع و سجود تو دل کی غفلت دور کرنا ہے، حضور دل پیدا کرنا ہے، جب ایک ساعت بھی غفلت نہیں، ہر لحہ حضور دل نصیب ہے، عالم ملکوت پیشِ نظر ہے، ارواحِ انبیاء علیہم السلام بھی دیکھی جا رہی ہیں تو (معاذ اللہ) اس بیکار (نماز) کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی جو خیال اور نظریہ خود ابلیس کا سجدہ آدم علیہ السلام کے لیے تھا بعینہ وہی اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور وہ سالک برباد ہو جاتا ہے۔

یہ کمائی سرِ بازار لٹ جاتی ہے:

قرآنِ کریم میں ابلیس کا یہ واقعہ، کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سے حقیر سمجھا اور سجدے کو بے سود سمجھ کر باز رہا، اس لیے بیان کیا گیا کہ مقرب سے مقرب بندہ بھی ہو تو فرمانبرداری میں کوتاہی اور تقصیر نہ کرے۔ کیونکہ سلوک کے سفر کی منزل میں عقل محو یا باطل نہیں ہو جاتی، وہ موجود ہوتی ہے لیکن ابلیس اسی کا سہارا لیتا ہے۔ یاد رکھیے جو بات دائرہ عقل میں نہ آئے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قدرت بھی اس سے عاری ہے جیسا کہ کہا گیا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (ہم نے تم کو بہت تھوڑا علم دیا)۔

احکام خداوندی میں جو بھید، جو اسرار و رموز ہیں اسے وہی جانتا ہے، اپنی عقل پر قیاس کرنے والا اس بھید کو جان نہیں سکتا لہٰذا غلط فیصلہ کر جاتا ہے اور جو کچھ کمایا تھا سرِ بازار لٹ جاتا ہے۔

احکام شریعت میں بھی بڑے اسرار ہیں، عقل پر پردہ ہو تو ان کا جاننا ممکن نہیں ہوتا۔ اگر شریعت میں اسرار و رموز نہ ہوتے تو خود سراج السالکین صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی نمازوں کی ضرورت کیا تھی کہ تمام شب کھڑے رہتے، یہاں تک کہ پیروں پر ورم آجاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معرفت کی سب سے اعلیٰ سب سے برتر منزل پر فائز تھے، فرما دیتے کہ نماز امت پر فرض ہے پیغمبر پر نہیں، وہ تو حق کے مشاہدے میں ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۔ اس کا مقام مشاہدہ ہے لیکن انبیاء و خلفاء علیہم السلام اس بات سے آگاہ تھے کہ ان احکامات میں بھی راز پوشیدہ ہیں، کسی کو معلوم ہیں کسی کو معلوم نہیں لیکن حکم کی بجا آوری کر رہے ہیں، کسی نے منہ نہیں موڑا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وقتِ آخر ہوا ضعف کا عالم طاری تھا، حسبِ حکم ایک صاحب وضو کرانے میں مشغول ہوئے۔ عجب اتفاق کہ وہ صاحب ریشِ مبارک میں خلال کرانا بھول گئے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے خود سے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس سنت کو پورا کیا۔ حاضرین نے عرض کی کہ اے دین کے سردار! ایسے نازک وقت میں تو اس قدر تکلف کی اجازت ہے۔ آپ نے فرمایا: سچ ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس کی بدولت ملا، اسی

شریعت ورزی نے یہاں تک پہنچایا۔

(اقتباسات از مکتوباتِ صدی اشرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ جلد اول، ص ۱۴۰)

اول تو حق کی جستجو، حق کی تلاش، حق کے سوا ہر شے سے منہ موڑ لینا، اس خیال کو قلب میں پیدا کرنے کے لیے جس آئینۂ قلب کی ضرورت ہے اسے کس نے جلاء بخشی، کس نے گمراہی کے غار، جہل کے اندھیروں اور بت پرستی کے شکنجے سے نکال کر اس راہ پر گامزن کر دیا کہ وہ سلوک کی منزلیں طے کرے، وہ ذات گرامی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جس نے زمین پر بے بس و بے سہارا انسان کو تسخیرِ کائنات کی راہ دکھائی اور وہ ستاروں پر کمند ڈالنے کا اہل ہو گیا۔ یہ تمام اسی کی ذات کا فیضان ہے جسے اس درود تاج میں منزلِ سلوک کے حوالے سے سراج السالکین کا لقب ہمارے لیے فخر کی بات ہے۔ سلوک اور جذب کے مقامات سے بہ عافیت گزرنا عقلِ ناتمام کی رسائی سے بہت بالا ہے، اور جو اس راہ سے گزرا ہے ابلیس نے اٹھ کر پہلے اس کا پیچھا کیا ہے کیونکہ وہ عام مسلمانوں کو، جو ان منازل سے گزرنا تو درکنار ظاہری شریعت پر بھی کاربند نہیں، ورغلانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا اور اس انتظار میں رہتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو خدا کے حضور درخواست گزار ہو جاتا ہے کہ تو نے انسان کو بہکانے کے لیے جو قوت مجھے دی آج اس کا کوئی مقابل نہیں ہے، میرے ان ہتھیاروں کو زنگ لگ رہا ہے اس لیے کسی ایسے مردِ کامل کو بھیج جس پر میں اپنے ہتھیاروں کو آزما سکوں۔

مِصباحِ المقرّبین

وہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چاہنے والوں کے طاقِ دل کے چراغ
یہ شانِ خاک نشیناں، درود تاج میں ہے

مِصباحُ المُقرّبِین

قرب کی دو قسمیں ہیں:

لفظ ولی کے جہاں دیگر لغوی معنی ہیں وہاں ایک معنی قرب کے بھی ہیں؛ محب، صدیق اور مددگار اس کے علاوہ ہیں۔ ''قاموس'' لغت کی مشہور کتاب ہے جس میں اس طرح ہے: الولی القرب والدنو یعنی ولی کا معنی قرب اور نزدیکی ہے۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قرب جو ہر انسان کو بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کو اپنے خالق سے ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے (اس کی مثال میں وہ آیت پیش کرتے ہیں) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)۔ دوسرا قرب وہ ہے جو خاص بندوں کو میسر ہے۔ اندازہ کیجیے کہ وہ خوش نصیب اپنا کیا مقام رکھتے ہیں جن کو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہو کیونکہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہو گیا اسے اللہ کا قرب بھی میسر آجائے گا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایک صاحبِ ایمان کو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب تو حاصل ہو جائے لیکن وہ قربِ الٰہی سے محروم رہے، اس کا وعدہ تو خود اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

صرف اتنی سی بات، کہ تم میرے پیارے حبیب کا اتباع کرو، اس اتباع کے عوض کتنا بڑا وعدہ فرما رہا ہے کہ میں تم کو اپنا محبوب بنا لوں گا۔ تمام اولیاء اللہ جب تک سیّد الکونین والثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور قرب کی سند حاصل نہیں کرتے مقامِ ولایت بارگاہِ ربّ العزت سے نہیں پا سکتے۔ یہ مقرب ہو کر تو اور بھی زیادہ اتباع کے پابند ہو جاتے ہیں اور محبوب ربّ

ﷺ کے جود و کرم اور لطف و عطا کے محتاج ہوتے ہیں اور طلب گار بھی۔ یہ سارا فیض انھیں کا ہے کہ معصیت کے غار سے نکال کر زہد و تقویٰ کی بلندی پر پہنچا دیا، جو متشددین تھے وہ متشکرین بن گئے۔

سلطانِ ہمت کا گروہ:

حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والوں میں ایک گروہ وہ ہے جن کے دلوں میں خواہشات دنیا کا زور ہے، دنیا کی محبت غالب ہے؛ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو آخرت پر نظر رکھتا ہے، بہشت کی آرام گاہ کا طالب اور عذاب جہنم سے رہائی اس کا مقصود ہے۔ اس کی عبادت اور ریاضت کا منتہا بھی یہی ہے لیکن ایک تیسرا گروہ بھی ہے جن کا نام ''سلطانِ ہمت'' ہے۔ نہ دنیا میں ان کا قدم جمتا ہے نہ آخرت میں۔ حضرت حق جل جلالہٗ کے سوا مطلوب و مقصود دوسرا نہیں رکھتے، بس یہی کہتے ہیں:

ما را بجز ایں جہاں جہانے دگر است
جز دوزخ و فردوس مکانے دگر است

یعنی ہمارے لیے اس جہان کو چھوڑ کر ایک دوسرا ہی جہان ہے۔ نہ دوزخ نہ بہشت ہمارا مکان ہی اور ہے، جن کی عبادت: اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (میری نماز، میرا مرنا اور جینا پروردگار عالم ہی کے لیے ہے۔) وہ اس فرمان کی، اس قول کی تفسیر بن گئے کیونکہ وہ ذاتِ حق کا مشاہدہ چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے ان کو اس بلند مقام تک پہنچا دیا ہے جس کے لیے پروردگارِ عالم فرماتا ہے: یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ (وہ اس کا مشاہدہ چاہتے ہیں)۔ ان مقرب بندوں کا ثواب لقائے باری ہے اور اس چاہت تک پہنچنے میں چاہتِ مصطفیٰ ﷺ نے رہبری کی ہے۔ وہاں مقصود صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کا قرب اور لقائے ربّ ہے، نہ وہ جنت کے خواہاں اور نہ دوزخ سے خائف۔ غالب نے خوب کہا تھا:

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

لفظ مصباح کی تشریح:

آغاز میں لغت کے حوالے سے لفظ قرب کی تعریف میں مشہور لغت ''قاموس'' کا حوالہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریحات پیش کی تھیں، لفظ مصباح پر بھی عرض کروں: مصباح بمعنی چراغ، وہ جام جس میں صبح کے وقت شراب نوش کرتے ہیں، علمِ نحو کی ایک کتاب کا نام بھی ہے۔ ہماری زبان اردو میں لفظ چراغ فارسی سے آیا اور ہماری ہی زبان کا لفظ ہوگیا جس کے معنی جو اندھیرے کو اجالے سے بدل دے۔ یہاں یہ لفظ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آیا ہے جنھوں نے پوشیدہ حقیقت کو ظاہر کر دیا۔ جہل کی تاریکی میں خدائے وحدہٗ کی ذات سے بت پرستی کے شکار واقف نہ تھے ان پر اس حقیقت کو اجاگر فرما دیا، جو آنکھوں سے اوجھل تھا وہ دکھا دیا، جہل کی گہری تاریکی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے چھٹ گئی، انسانیت کا چہرہ، جو ظلم و بربریت اور معصیت کے حجاب میں تھا، وہ نقاب اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل، روشن اور منور چہرے کو عام کر دیا اور ان خدا سے برگشتہ لوگوں کو اس طرح خدا پرست بنا دیا کہ خداوندِ عالم خود ان کی تعریف میں انھیں اپنا قرب عطا کرتے ہوے ''مقربون'' کے لقب سے یاد فرماتا ہے۔ سورہ واقعہ، جس کا آغاز ہی قیامت کے ذکر سے ہوتا ہے: اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (جب قیامت برپا ہو جائے گی)۔ قرآنِ کریم میں قیامت کے لیے مختلف الفاظ آتے ہیں، مثلاً: الصاقة، الطامة، الآذفة اور الواقعة۔ قیامت کا جو دن مقرر ہے اس روز ضرور واقع ہوگی جسے کوئی طاقت نہیں روک سکے گی اس لیے یہ لفظ کہا گیا ہے۔

سورہ واقعہ میں تین گروہوں کا ذکر:

اس سورہ میں ان بندوں کا ذکر کیا گیا ہے جو تین گروہوں میں بانٹ دیے جائیں گے۔ عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت کا لطف ان آیات کی تلاوت میں اٹھائیے جس میں مقربین کا ذکر کس بلند مقام پر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے (جب تم تین گروہوں میں بانٹ دیے جاؤ گے):

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۞ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۞ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۞ اُولٰٓىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۞ فِیْ جَنّٰتِ

النَّعِيْمِ

''پس ایک گروہ دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا۔ کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا۔ کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا اور (تیسرا گروہ) آگے رہنے والوں کا۔ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے۔ وہی 'مقرب بارگاہ' ہیں عیش و سرور کے باغوں میں۔''

یعنی جن لوگوں نے تمام بداعمالیوں سے صدق دل سے توبہ کر لی پھر دینِ حق کو قبول کیا اور اس کی پیروی میں جو مصائب انھوں نے برداشت کیے، جو ستم کے پہاڑ ان پر توڑے گئے مگر وہ منحرف نہ ہوے، زخم کھاتے اور مسکراتے کہ اس زخم میں معرفتِ حق کی خوشبو اور قربِ الٰہی کا مژدہ ہوتا۔ اللہ کی اور اس کے محبوب ﷺ کی رضا حاصل کرنے میں آگے بڑھ بڑھ کر جام شہادت نوش کرتے جاتے وہی قیامت کے دن سرخرو ہو کر مقربینِ بارگاہ حق تعالیٰ ہوں گے۔ یہ وہ مقام ہے جسے دیکھ کر دوزخ میں جانے والے بدنصیب ماتم کریں گے، جنت میں جانے والے ان پر رشک کریں گے۔

سورۃ النساء کی آیت ۱۷۲ میں بھی مقربون فرشتوں کے لیے آیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں ہے۔ المقربون میں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں ان کی تعداد بہت ہے لیکن کسی کی داستانِ عشق سے آغاز کرنا ہے تو وہ ہستی قیامت تک مقربین میں بھی اولین ہوگی۔

مقربین میں سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام اور واقعہ:

ایک دن سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! اب ہمیں اسلام کی تبلیغ کا فرض ادا کرنے کے لیے بلاخوف میدان میں آجانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! ابھی ہماری تعداد تھوڑی ہے۔ اس وقت تک صرف اڑتیس مسلمان تھے لیکن جذبہ ایمان کی موجیں تیز تیز اٹھ رہی تھیں۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر اصرار کیا تو اللہ کے رسول ﷺ اسلام قبول کرنے والے خوش بختوں اور خوش نصیبوں کو ہمراہ لے کر دار ارقم سے صحنِ حرم میں تشریف لے آئے۔

تمام مسلمان اپنے اپنے قبیلوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اچانک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنانے کے لیے کھڑے ہوئے اور خطاب فرمایا۔ یہ سن کر کفار آپے سے باہر ہو گئے اور اس قدر مشتعل ہوئے کہ نہ صرف سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر بلکہ تمام مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، سب کو مارا پیٹا، تشدد کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دھکا دے کر گرا دیا، ڈنڈوں سے مارا، پاؤں سے کچلا، اوپر چڑھ گئے۔

اسی دوران عتبہ بن ربیع آ گیا۔ اس بد بخت نے اپنے جوتے اتارے اور ان سے اس عاشقِ صادق محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر بارش کر دی حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے شکمِ مبارک پر کودنے لگا۔ اس منظر کے تصور سے ہی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا چہرہ اس طرح سوج گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ناک مبارک اس سوجن کے سبب نظر نہیں آتی تھی۔ رضائے الٰہی اور محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ ہر ستم گوارا تھا۔

جب آپ رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنی تمیم کو معلوم ہوا (سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تعلق بنی تمیم سے تھا) کہ ابنِ ابی قحافہ کے ساتھ یہ ہو رہا ہے تو انھوں نے ان ظالموں کو دھکے دے کر آپ رضی اللہ عنہ سے جدا کیا اور ظلم سے نجات دلائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ حالت ہو گئی کہ آپ رضی اللہ عنہ پر موت کا گمان ہونے لگا لہٰذا بنو تمیم کے لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور آپ رضی اللہ عنہ کے گھر لائے۔ انتہائی نازک حالت، جس میں زندگی کے آثار نہ تھے، دیکھ کر بنو تمیم دوبارہ حرم گئے اور اعلان کیا کہ اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ مر گئے تو ہم عتبہ بن ربیع کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، اسے ضرور قتل کر دیں گے۔

ادھر سارا دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش رہے۔ قبیلے والے اور آپ رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم ابو قحافہ آواز دیتے مگر جواب نہ ملتا۔ غروب آفتاب کے وقت آپ رضی اللہ عنہ پر جو غشی طاری تھی وہ کم ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آنکھ کھولی اور جب اپنے سامنے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو بے قرار ہو گئے اور پوچھا: ما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ (بتاؤ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟) قبیلہ تمیم والوں نے سنا تو برا بھلا کہا، ملامت کی، اٹھ گئے لیکن جاتے جاتے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ سے کہہ گئے کہ ان کا پورا خیال رکھیں۔ ماں کی مامتا جب جوش میں آتی تو دریافت کرتی: بیٹا کیسے ہو؟ اور بیٹا ماں سے پوچھتا: ما فعل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ، جن کا نام اُمّ الخیر تھا، بیان کرتیں کہ مجھے بخدا ان کی کوئی خبر نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ محترمہ سے عرض کی کہ اُمِّ جمیل کو بلاؤ، وہ کچھ بتا سکیں گی۔ والدہ اُمِّ جمیل کو ساتھ لے کر آئیں، انھوں نے آتے ہی جو یہ حال دیکھا تو بہت روئیں اور بلند آواز سے ان شقی اور ظالموں کو بددعائیں دینے لگیں۔ جب انھیں ضبط ہوا تو سیّدنا صدّیق رضی اللہ عنہ نے اُمِّ جمیل سے بھی یہی سوال کیا۔ اُمّ جمیل نے بتایا کہ وہ محفوظ اور سلامت ہیں۔ لیکن یہاں بحرِ محبت کی امواج مدوجزر کے عالم میں تھیں، چین کیسے آتا، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شرابِ دید کا جام پینے کے لیے تشنگی بڑھ رہی تھی، فرمایا: مجھے قسم ہے، جب تک میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور نہ دیکھ لوں نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔

رات کی تاریکی نے جب مکّے کو اپنی آغوش میں لے لیا، ہر طرف اندھیرا اور سناٹا پھیل گیا تو اس حال میں آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ نکلیں اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ تاریخ کے اوراق اس منظر کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے۔ گلِ قدس کی پتیاں حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے چہرے سے مس ہو گئیں۔ اس منظر کو ملایکہ بھی دیکھ رہے ہوں گے اور خالقِ کائنات، مالکِ بحروبر بھی دیکھ رہا ہوگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا کہا: ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، مجھے کوئی تکلیف نہیں سوائے ان ضربات کے جو عتبہ نے اپنی جوتیوں سے میرے چہرے کو پہنچائیں۔ اس تمام واقعے کا نتیجہ یہ کہ اللہ کی بارگاہ میں مقرّب کا مقام حاصل کرنے والے پہلے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے مقرّب کی سند حاصل کرتے ہیں کیونکہ قربِ الٰہی کا شوق اسی مکتب سے ملا ہے۔ غالب نے کہا:

تیرِ قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است
اما کشاد آں زکمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است

مقرّبِ بارگاہِ خداوندی کے لیے دستور اس وقت بھی یہی تھا اور جس طرح قرآن ضرورتِ زمانہ کے لیے نہیں بدلا، جس طرح شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وقت کے تقاضوں کے سبب نہیں بدلی، عشق و محبت کا فلسفہ تبدیل نہیں ہوا تو قربِ الٰہی پانے کا جو دستور عہدِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

میں تھا وہ اب کیسے بدل سکتا ہے اور کس میں یہ جرأت ہے کہ بدل دے؟ آج جن کو قربِ الٰہی چاہیے وہ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر زہد و تقوے اور کثرتِ عبادت، مجاہدے و مکاشفے سے ہرگز خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہہ گئے ہیں:

بخدا خدا کا یہی ہے در ، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو، یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اور علامہ اقبال نے اس مسئلے کا صاف صاف حل بتا دیا اور اپنا فلسفہ بھی سنا دیا:

بہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

مُحِبّ الفُقَرَآء

وہ اہلِ فقر، غریب الدیّار اور مسکیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کے ہیں درماں، درود تاج میں ہے

مُحِبُّ الفُقَرآءِ

فقر مقام نظر ، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب ، علم میں مستی گناہ

(علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو عالم کے محبوب اور فقراء حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب:

صاحبِ تصنیفِ درود تاج کی عظمت و بزرگی کا اسی سے اندازہ کیجیے کہ انھوں نے فقراء، غرباء اور مساکین کے لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات کو فقراء کا محبوب نہیں فرمایا، یعنی محبوب فقراء اور مساکین نہ کہہ کر محبّ الفقراء تحریر فرمایا یعنی فقراء اور مساکین آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فقراء کا محبّ فرمایا۔ ان کی نگاہ میں تاریخ کے وہ تمام روشن ابواب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزاجِ اقدس میں فقر سے محبت کا تصور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس درجہ ان فقراء سے محبت فرماتے تھے۔

فقر کیا ہے؟ فقراء کون ہیں؟

فقر کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ فقراء کون ہیں؟ بارگاہ خداوندی میں ان کا مقام کیا ہے؟ یہ منزل کن لوگوں کی ہے؟ اس راہ میں کیا کچھ گزرتی ہے؟ ہما و شما اور خود یہ ناچیز بھی اس کا اہل نہیں کہ سربستہ رازوں سے پردہ اٹھا سکے۔ ہماری یہ خوش نصیبی ہے کہ اہل اللہ نے، جو ان مقامات سے گزرے، ان منازل پر پہنچے، اس بھید کی گرہ کھولی اور اس راہ پر چلنے کا ارادہ کرنے والوں کی رہبری کے لیے بہت کچھ تحریر فرما گئے۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ، سیدنا شیخ عبد

القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور اس صف کے مشاہیر زمانہ اولیاء اور سردارانِ اولیاء نے مسئلہ فقر پر بہت کچھ لکھا اور جو مختصر اس کا تعارف کرایا وہ میں بطور تعارف کے پیش کرتا ہوں۔ آپ ابتداء سے میری تحریر میں یہ بات دیکھتے آ رہے ہیں کہ جن القاب کو زیرِ بحث لایا گیا ان میں سے بیشتر کے لغوی معنی سے بحث کی۔ یہ اس لیے کہ اس پر لغت کے اعتبار سے اعتراض کیے گئے تھے۔ جہاں یہ اعتراض نہیں وہاں اس مقام پر قرآن کی آیات، احادیثِ مبارکہ، اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور تاریخ و سیرت کے واقعات کے معتبر و مستند حوالے دیے ہیں۔ اس طرح ایک طرف اس لقب کی تعریف سے روشناس کرایا ہے دوسری جانب ایسے تاریخی واقعات قاری کے مطالعے میں آئے جو کسی ایک تصنیف میں جمع نہیں۔ ان واقعات کی بطور حوالہ کے بیشمار تصانیف میں جستجو کی گئی اور اس کتاب میں یکجا کر دیا۔ انھیں بزرگوں کی نادر تحریروں سے خوشہ چینی کرتے ہوئے مقام فقر پر خیال پیش کرتا ہوں۔

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مقام فقر:

الفقر فخری فافتخر علیٰ سائر الانبیاء و المرسلین۔

(فقر میرا فخر ہے اور میں اپنے فخر سے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے اعمال پر فخر کروں گا۔)

ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الفقر فخری و الفقر منی۔ (فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء کے مقام کو سمجھاتے ہیں:

حب الفقراء من اخلاق الانبیاء و بغض الفقراء من اخلاق الفرعون۔

(فقیروں سے محبت کرنا انبیاء علیہم السلام کے اخلاق سے ہے اور ان سے دشمنی کرنا فرعون کے خصائل سے ہے۔)

یہ آخری قول:

من نظر الیٰ فقیر لیسمع کلامہ یحشرہ اللہ تعالیٰ مع الانبیاء و المرسلین۔

(جو شخص کسی فقیر کو دیکھ کر اس کی بات سنے تو اللہ تعالیٰ اس کا حشر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے

ساتھ کرے گا۔)

اس قول میں فقراء کے مرتبے کی وضاحت ہو رہی ہے کہ اگر آپ یا میں فقراء سے ان کی صرف بات سنیں تو اللہ اتنا خوش ہوگا کہ آپ کا حشر انبیاء و رسل علیہم السلام کے ساتھ فرمائے گا تو خود فقراء کی کیا شان ہوگی اور کیا مراتب و درجات ہوں گے اس کی تشریح آپ اگر نہ کر سکیں تو؟

فقر کی تعریف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دریافت کریں کیونکہ ان کا مقام قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ (میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) اتنا بلند ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''رسالہ'' میں ارشاد فرمایا):

قال لی یا غوث لیس الفقر عندی من لیس له شئی بل الذی له امر فی کل شی اذ قال لشئی کن فیکون یا غوث محی الدین قل لا صحابک واحبائک فمن اراد منک فعلیه باختیار الفقر فاذا تم الفقر فهو اللہ یا غوث محی الدین قل لا صحابک اغتنموا دعوة الفقراء فانهم عندی وانا عندهم یا غوث الاعظم محی الدین اذا رایت بنار الفقر تکسره الفاقة فتقرب الیه لیس حجاب بینی و بینه۔

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فقر سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ کسی کے نزدیک کچھ نہ ہو بلکہ فقر سے میری مراد یہ ہے کہ فقیر صاحبِ امر ہو کہ اگر کسی چیز کو کہے کہ ہو جا تو وہ ہو جائے۔

اے غوث محی الدین رحمۃ اللہ علیہ! اپنے احباب سے کہہ دو، جو آپ سے ارادت رکھتے ہوں، انھیں فقر اختیار کرنا لازم ہے کیونکہ جب فقر کمال کو پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور انتہا کو پہنچتا ہے تو وہ اللہ ہی ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کے ''وصال'' کا مقام ہوتا ہے۔

یا غوث محی الدین رحمتہ اللہ علیہ! اپنے مصاحب سے فرما دیجیے کہ فقراء کی دعوت کو غنیمت سمجھو، وہ مجھ سے اور میں ان سے قریب ہوں۔ اے غوث رحمتہ اللہ علیہ! جب تم کسی کو فقر کی آگ سے جلا ہوا اور فاقے سے ٹوٹا ہوا دیکھو تو اس کے قریب ہو جاؤ، میرے اور اس کے مابین کوئی پردہ نہیں۔

(اقوال شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ: بہجتہ الاسرار)

شیخ رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے:

الفقر شین عند الناس و خزینة عند الله

(فقر عوام الناس کے نزدیک ملامت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک خزانہ ہے)

(عین الفقراء: سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ)

اور یہ ارشاد بھی شیخ رحمتہ اللہ علیہ ہی کا ہے:

الفقر بیاض الوجه فی الدارین۔

(فقر دونوں جہانوں میں سرخروئی ہے۔)

(عین الفقراء: سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ)

فقر کے ہیں معجزات ، تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم فقیہ و حکیم ، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ ، فقر ہے دانائے راہ

(علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ)

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فقر کی تعریف بیان فرمائی:

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ فقیری اور درویشی کیا ہے؟ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''فقیری اور درویشی یہ ہے کہ اگر سارے جہان کا سونا اور مال و منال فقیر کے ہاتھ پر رکھ دیا جائے تو ایک درہم بھی وہ اپنے پاس نہ رکھے اور سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دے۔''

(عین الفقراء: حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ)

در میانش کس نگنجد ہیچ کس
عاشقاں را بس بود اللہ بس

''ان کے درمیان غیر کی رسائی نہیں ہوتی، عاشقوں کو صرف اللہ ہی سے سروکار ہوتا ہے۔''

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، فرماتے ہیں:

''جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے گزر کر جب مقام قابَ قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے تو محبّ نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہژدہ ہزار عالم کا تم نے تماشا دیکھا اور تمام موجودات کو ہم نے تمھارے سپرد کر دیا، تمھیں کس چیز کی تمنا ہے؟ تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے ربّ! مجھے تو صرف تیرے نام سے اور تجھ سے محبت ہے اور تجھے میں تجھ سے چاہتا ہوں۔ ارشاد باری ہوا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری محبت کس چیز میں ہے اور میں کس چیز کو چاہتا ہوں اور دوست رکھتا ہوں۔ میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔''

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: الٰہی وہ چیز فنا فی اللہ ہے بقا باللہ ہے۔

چنانچہ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرمایا کرتے:

اللھم احینی مسکیناً وامتی مسکیناً اللھم احشرنی فی زمرۃ المساکین۔

''اے اللہ مجھے مساکین میں زندہ رکھ اور مساکین میں مجھے موت دے۔ اے اللہ قیامت کے دن مجھے مساکین میں اٹھا۔''

(عین الفقراء: سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ)

پھر اس محبّ الفقراء صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

سیّد القوم خادم الفقراء۔

(فقیروں کا خدمت گزار قوم کا سردار ہے۔)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: اذا تم الفقر فھو اللہ۔ (جب فقر تمام ہوتا ہے تو اس کے لیے اللہ ہی ہوتا ہے۔)

فقرِ عریاں گرمیِ بدر و حنین
فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسین علیہ السلام
(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ دراصل یہ وہ مقام ہے کہ کتابوں سے، تحریر سے، تقریر سے نہ سمجھایا جا سکتا ہے نہ سمجھ میں آسکتا ہے، اس کے لیے مرشدِ کامل کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے میں حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے ایک اور تشریحِ فقر کی بیان کرتا ہوں کہ یہ وہ ہستی ہے جو اس مقام سے بسلامت گزری ہے، ورنہ ضروری نہیں کہ ہر وہ طالب، جو اس راہ میں قدم رکھے، سلامت گزر جائے۔ بہت سے ایسے ہیں جو بھٹک گئے اور منزل مراد کو نہ پہنچ سکے۔ میری اس گفتگو کی تصدیق بھی انھیں کے ارشاد سے ہوتی ہے، فرمایا حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے:

فقر کے ستر ہزار مقامات ہیں:

''فقر کے ستر ہزار مقامات ہیں۔ فقیر جب تک ان مقامات کو عبور نہیں کر لیتا تب تک فقر کا تماشا خود دیکھتا ہے اور نہ دوسروں کو دکھا سکتا ہے، اسے فقیر نہیں کہنا چاہیے۔ حقیقت میں وہ فقیر نہیں بلکہ اپنے نفس کو پالنے کے لیے فقیری کا دعویدار ہے۔ فقیر جب ان تمام مقامات سے گزر کر عرش تک پہنچتا ہے تو تمام افراد سے واقف ہو جاتا ہے اور ہر ایک کے مقام سے شناسا ہوتا ہے۔ سلوک کے مذہب میں فقیر اسے کہتے ہیں جب وہ عرش و کرسی سے بھی گزر جاتا ہے تو اس کا مقام فہم و گمان سے ماورئی ہوتا ہے بلکہ وہ ایک بھید ہوتا ہے عابد و معبود کے مابین جس کا کشف بشر کی وسعت سے باہر ہے۔''

یہ ہے مقام فقر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر فرمایا۔

گزشتہ اوراق میں یہ ذکر گزر چکا ہے مراتب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فضیلتیں بیان فرمائیں، ایک ایک کر کے بیان فرمائیں اور ہر فضیلت کے بعد فرمایا: ''لیکن مجھے اس پر فخر نہیں۔'' ایک فقر ایسا مقام ہے جس پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اس پر فخر ہے۔'' کیا اندازہ لگا سکتا ہے کوئی اس مقام فخر کا؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب فقراء بھی ہیں اور محبّ الفقراء بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ سے مسکینی کی زندگی مانگی اور مسکینوں کے ساتھ حشر بھی مانگا۔

اللہ کے محبوب ﷺ نے فقراء سے اس درجہ محبت کا جو مظاہرہ فرمایا، دیکھیے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، جن کے لیے کہا گیا:

گنج بخشِ فیضِ عالم ، مظہرِ نُورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل ، کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فقر کی تعریف کس طرح فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا:

ادنو منی احبائی فیقول الملئکۃ من احبائک فیقول اللہ الفقراء و المساکین۔

''میرے دوستوں کو میرے قریب کرو۔ پس فرشتے کہیں گے: تیرے دوست کون لوگ ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فقراء و مساکین۔''

اس قسم کی آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ ان کی مشہوری کی حد اتنی زیادہ ہے کہ انھیں دلیل کے صحیح ہونے کے لیے ثابت کرنے کی حاجت نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جو فقراء و مہاجرین ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے آداب کے مطابق اور حضور ﷺ کی صحیح اتباع کرنے کے لیے ان کی مسجد میں بیٹھے رہا کرتے تھے۔ تمام مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، عذر و معاملات کو ترک کیا ہوا تھا۔ انھیں اللہ تعالیٰ کے روزی (ان کے لیے) پہنچانے پر کامل یقین تھا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ پر سچا توکل کیا ہوا تھا حتیٰ کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کی صحبت و مجلس اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

(سورۃ الانعام: آیت ۵۲)

''انھیں ایک طرف نہ کریں جو اپنے ربّ کو صبح و شام اس کی خوشنودی کے لیے پکارتے ہیں۔''

پھر یہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورۃ الکہف ۲۸)

''دنیاوی زیب و زینت کے پیشِ نظر اپنی آنکھیں مبارک ان سے نہ پھیریں۔''

حتیٰ کہ حضور ﷺ اصحابِ صفہ میں سے کسی کو بھی جہاں دیکھتے تو فرماتے: ''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری وجہ سے مجھے تنبیہ کی۔''

اصحابِ صفہ کی تاریخی حیثیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا جنھوں نے اسلام کی روحانی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔ تصوف کی تاریخ بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ یہ عظیم المرتبت لوگ رسول اللہ ﷺ کے مہمان تھے۔ ان کے پاس نہ اہل و عیال تھے نہ مال وزر، زن وفرزند اور مال وزر کے بندھن میں اپنی ذات کو پھنسایا ہی نہیں۔ ساری دنیا و مافیہا سے بے پروا ریاضت، عبادت اور مجاہدہ نفس کی مثال یہی لوگ تھے۔ دنیا سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ ساری توجہ روح کی طرف تھی۔ ماسوا کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔ حضور ﷺ ان سے بے حد محبت فرماتے۔ آپ ﷺ کی پیروی میں اہلِ بیت علیہم السلام بھی ان سے گہرا رابطہ رکھتے تھے۔ حضرت حسن علیہ السلام بن علی کرم اللہ وجہہٗ بن ابی طالب اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر وہ بزرگ تھے جو اہلِ صفہ کی محبت کو دین کی محبت سمجھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی گروہ سے تھا۔

بعض مدعیانِ علم اور خود ساختہ مجتہد العصر تصوف کو اسلام کے منافی قرار دے کر اسے حکمِ ربی کے خلاف سمجھانے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں کہ ترکِ دنیا کا حکم کہیں نہیں پایا جاتا۔ میں اس کے جواب میں صرف یہ دلیل پیش کرتا ہوں کہ حبِ دنیا کا حکم آپ ہمیں بتادیں تو ہم آپ کا قول تسلیم کرلیں گے۔ اگر حبِ دنیا کی نفی اسلام میں ہے تو یہی ترکِ دنیا کی دلیل ہے اور قرآن واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

''اپنے ربّ کی اس وقت تک عبادت کرو جب تک موت نہ آجائے۔''

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ

''جان لو دنیا کی زندگی لہو و لعب ہے۔''

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

''حیاتِ دنیاوی کی متاع فریب کے سوا کچھ نہیں۔''

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تمھیں فریب میں مبتلا کر دے۔''

مضمون کی طوالت کے خیال سے ان چار آیاتِ قرآنی پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ اور آیات کے علاوہ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ معترضین کسی ایک حدیث یا ایک آیتِ قرآنی کا حوالہ حُبِّ دنیا کے لیے پیش فرما دیں تو میں اپنے دعوے سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ سیدھی سی بات ہے، آپ سے میں کہتا ہوں: یہ اندھیرا شب کی تاریکی ہے۔ اب اگر آپ اس کی تردید کردیں تو صبح کا اجالا دکھانا لازمی ہوگا۔ اگر آپ ایسا کر سکتے ہیں تو ضرور کیجیے، لیکن اللہ کی طرف تن، من، دھن سے رجوع کرنے والوں اور ان کے اتباع کرنے والوں کو گمراہ نہ کریں۔

''پس اللہ تعالیٰ نے فقر کو بہت عظیم مرتبہ اور بزرگ درجہ عنایت کیا ہوا ہے اور فقراء کو اس میں مخصوص کیا۔''

(اقتباس از کشف المحجوب، اردو ترجمہ محمد الطاف نیرّوی)

فقر پر میرے پیشِ نگاہ شیخ عبدالقادر جیلانی، داتا گنج بخش، حضرت سلطان باہو، یحییٰ معاذ رازی، حضرت جنید بغدادی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت بشر حافی، حضرت شبلی، حضرت یحییٰ (شرف الدین احمد) منیری، حضرت ابوالحسن نوری، شیخ المشائخ حضرت ابوالقاسم الجنید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسی بزرگ ہستیوں کے اقوال ہیں جو ان کی فقیرانہ، درویشانہ زندگی کا نچوڑ ہیں۔ انھیں بزرگوں میں سے چند کے اقوال پیش کیے، قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بتایا کہ مقامِ فقر کیا ہے، فقیر کسے کہتے ہیں؟ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو فقر کے آئینے میں دیکھیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء کو کس لیے اتنا چاہتے تھے؟

اہلِ حقیقت کے نزدیک یہ گفتگو بہت گہری، باریک اور لطیف ہے اس لیے میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تشریح فرمائی اسی پر بحث کو ختم کرتا ہوں ورنہ یہ از خود ایک بحرِ بیکراں ہے اور میرے علم میں جو کچھ ہے وہ اس سمندر کے ایک قطرے سے بھی بہت تھوڑا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''الفقر بحر البلاء وبلاء کل عز۔ یعنی فقر بلاؤں کا دریا ہے اور اس کی تمام بلائیں بندے کے لیے عزت ہیں اور عزت فقیر کے ماسوا کے لیے ہوتی ہے اس لیے کہ وہ شخص، جو بلاؤں میں پڑا ہوا ہوتا ہے، اسے عزت کی

کوئی خبر نہیں ہوتی حتیٰ کہ جتنی دیر وہ بلاؤں میں رہتا ہے اتنی دیر بلا اس کے لیے عزت ہوتی ہے۔ اس کا تمام وقت خالص اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے ہوتا ہے اور اس کی تمام محبت اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے خیال کے غلبے کی وجہ سے طالبِ خدا کا دماغ دیدار کا محل بن جاتا ہے حتیٰ کہ ظاہری اعتبار سے بغیر آنکھوں کے دیکھنے والا ہو جاتا ہے اور بغیر کانوں کے سننے والا ہو جاتا ہے۔ پس اچھا اور لائق بندہ وہ ہوتا ہے جو دوست کی بلاء اور مصیبت کے وزن کو خوش دلی سے برداشت کرے۔ بلاء حقیقت میں عزت ہوتی ہے اور نعمت حقیقت میں ذلت ورسوائی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عزت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر رکھے اور ذلت وہ ہے جو بندے کو اللہ سے دور رکھے۔''

(اقتباس از اردو ترجمہ کشف المحجوب ص ۵۲)

اقبال رحمتہ اللہ علیہ اور فقر کی تعریف اشعار میں:

فقر کے مسئلے پر خود ان فقراء نے جو روشنی ڈالی ہے ان سے بہتر کوئی اور اس نازک و لطیف مسئلے کو نہیں سمجھا سکتا۔ بعد ازاں علمائے کرام نے بھی اس کی تشریح اپنی تصانیف میں اور اپنے مواعظِ حسنہ میں بہتر انداز سے کی ہے۔ شعراء کرام میں اس منفرد موضوع پر جو تشریحات علامہ اقبال نے کیں وہ نادر ہیں۔ ایک ایک شعر میں اس فلسفے کے اہم نکات پر کی جانے والی بحث کو ڈھال دیا ہے۔ یہ پیرِ رومی رحمتہ اللہ علیہ کا فیضِ روحانی تھا، آپ خود ملاحظہ فرمائیں!

چیست فقر؟ اے بندگانِ آب و گل
یک نگاہ راہ بیں ، یک زندہ دل
فقر خیبر گیر با نانِ شعیر
بستۂ فتراکِ او سلطان و میر
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینِ ایم، ایں متاعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم است

فقر بر کرّوبیاں شب خوں زند
بر نوامیسِ جہاں شب خوں زند
بر مقام دیگر اندازد ترا
از زجاج الماس می سازد ترا
برگ و ساز او ز قرآنِ عظیم
مرد درویشے نہ گنجد در گلیم
گرچہ اندر بزم کم گوید سخن
یک دم او گرمیِ صد انجمن
بے پراں را ذوق پروازے دہد
پشہ را تمکینِ شہبازے دہد
با سلاطیں درفتد مرد فقیر
از شکوہ بوریا لرزد سریر
قلبِ او را قوت جذب و سلوک
پیشِ سلطاں نعرہ او لا ملوک
حکمتِ دیں ، دلنوازی ہائے فقر
قوت دیں ، بے نیازی ہائے فقر

۱- اے آب و گل (پانی ومٹی) سے بنے ہوئے انسان! کیا تو جانتا ہے کہ فقر کیا چیز ہے؟ فقر راستے پر نگاہ رکھنے والی ایک نظر ہے، یہ ایک زندہ دل ہے۔

۲- جو فقر کی منزل میں ہو اگرچہ جَو کی روٹی کھا رہا ہو لیکن خیبر فتح کر لیتا ہے۔ یہ کمال قوت فقر ہی ہے اور فقر وہ فتراک ہے (وہ ڈوری جس سے شکار کو باندھا جاتا ہے جو شکاری کے گھوڑے کی زین کے ساتھ لٹک رہی ہوتی ہے) جس میں سلطان و میر سب ہی بندھے ہوئے ہیں۔

۳- فقر کیا ہے؟ ذوق وشوق ہے اور تسلیم و رضا ہے۔ یہ وہ متاع بے بہا ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے اور ہم اس کے امین ہیں۔

۴- وہ فرشتے، جو ہر لحہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں جنھیں ''کروبیاں'' کہتے ہیں، فقر ان پر شب خون مارتا ہے یعنی قوت فقر ذکرِ الٰہی میں ان فرشتوں کا مقابلہ کرتی ہے اور نوامیس جہاں (خلق سے عزت کی امید رکھنا۔ نوامیس، ناموس کی جمع ہے) پر شب خون مارتا ہے یعنی سوائے خالق و مالکِ حقیقی کے کسی سے آس نہیں لگاتا۔ یہ گویا اہلِ جہاں سے امید پر ضرب لگانا ہے۔

۵- فقر بندے کو ایسے مقام پر پہنچاتا ہے جیسے کہ اس کی تخلیق الماس (ہیرے) اور آبگینے پر ہوئی ہے۔

۶- فقر کی شاخیں اور پتے قرآنِ عظیم سے بنے ہوئے ہیں یعنی وہ سراپا احکام الٰہی میں ڈھل گیا ہے۔ مردِ درویش وہ ہے جسے ایک کملی کفایت نہیں کرتی۔

۷- اگرچہ صاحبِ فقر زیادہ گفتگو نہیں کرتے کہ خامشی ان کا مقام ہے لیکن ان کا ایک سانس سو انجمنوں کی گرمیِ محفل پیدا کرتا ہے۔

۸- وہ آب و گل سے بنے کمزور، ناتواں، بے بس ولاچار کو اتنی قوت و توانائی عطا کرتا ہے کہ یہ فرق جس طرح مچھر اور شہباز کا ہے۔

۹- فقر کی منزل یہ ہے کہ جو فقیر ہوتا ہے وہ سلاطین زمانہ کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ اس کے بوریا نشینی کے شکوہ سے سلاطین لرزتے ہیں۔

۱۰- وہ جذب وسلوک کی منزلیں طے کر چکے ہوتے ہیں اس لیے ان کے قلب میں جذب و سلوک کی قوتیں کارفرما ہوتی ہیں اور بادشاہوں کے سامنے ان کا بیباک نعرہ ''لاملوک'' (یعنی خدا کی ذات کے سوا کسی کی بادشاہی نہیں) ہوتا ہے۔

۱۱- فقر کی دلنوازیاں دراصل دین کی حکمت ہیں اور فقر کی بے نیازی دین کی قوت کا سبب ہے۔

اور اس شعر پر، جو اردو زبان کا ہے، ختم کرتا ہوں جس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قوم کی خوابیدگی پر طنز کیا ہے:

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ

وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ

لغوی تحقیق:

غرب، غربا: جانا؛ فلان عنا: جدا ہونا، علیحدہ ہونا؛ فی سفرہ: دور کا سفر کرنا؛ (غروبا) الرجل: دور ہونا؛ النجم: ستارے کا غروب ہونا۔

غرب (ن) غرابة و غرباً غرابة: وطن سے جدا ہونا، پردیسی ہونا۔

غــرب: دور ہونا، وطن سے جدا ہونا، مغرب میں پہنچنا، دور کرنا، علیحدہ کرنا، مسافت پر اکسانا، جلاوطن کرنا۔

الغریب: وطن سے دور، جمع غرباء، جمع الجمع غرائب۔

لغت کے ذریعے یہ بات ثابت ہوئی کہ غربا کے معنی وطن سے دور ہونا ہے۔ یہاں ہجرت کا ایک لفظ بھی ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کے لیے کہا جاتا ہے۔

غریب کسے کہتے ہیں؟

اب وطن کو چھوڑ کر کسی دوسرے وطن میں جانے کے دو پہلو ہیں: ایک راضی خوشی اپنی مرضی سے، خواہ تجارت کے لیے، خواہ شادی کے لیے، خواہ سیر و تفریح کے لیے لوگ ایک مقام سے دوسرے مقام پر جاتے ہیں۔ ایسے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تجارتی قافلوں کی صورت میں آتے جاتے تھے یا حج کے موقع پر لوگ اپنے وطن کو چھوڑ کر حرم کا رخ کرتے اور سعادت حج سے بہرہ ور ہو کر اپنے وطن واپس چلے جاتے۔ اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے لوگوں کی ملاقات ہوا کرتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کا چرچا سن کر مکے آتے، وفود کی صورت میں آتے کہ اس نئے دین کو سمجھیں۔ ان تمام مختلف نوعیت کے ترک وطن کرنے والوں کا مقام اور ہے اور دین سے محبت کے سبب، ایمان کی حفاظت میں، اللہ کے

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ بے پناہ میں آباد گھروں کو چھوڑ کر، بسی بسائی بستیوں کے خوشگوار ماحول سے نکل کر، جمے جمائے کاروبار اور روزگار کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر، اذیت دینے والوں کی اذیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے، حق کے پرچم کو اٹھائے، حکمِ ربی اور اطاعت فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بجالانے کے لیے غریب الوطن اور غریب الدیار ہو جانے والوں کا مقام اور ہے۔

جب اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم مکّے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی سرزمین کو منور فرمانے کے لیے جلوہ فرما ہوئے تو بچے کھچے مسلمان، جو مکّے میں ظلم کی چکی میں پسے جا رہے تھے، وہ بھی اپنا تمام اثاثہ چھوڑ کر ہجرت پر آمادہ ہو گئے اور رفتہ رفتہ مدینہ منورہ پہنچے۔

مکّے کے بڑے بڑے خاندانوں کے فرد، جن کے عظیم الشان حویلی نما مکان تھے، اپنا سب کچھ اطاعتِ فرمانِ الٰہی میں قربان کر کے مدینے آ گئے۔

بن مظعون بن جمع، بنو جحش بن راب (یہ بنو امیہ کے حلیف تھے)، بنو سعید بن قیس کا قبیلہ بنو بکر (جو بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے) یہ بھی عالیشان مکانات اور حویلیوں کو چھوڑ کر دین کی خاطر غریب الوطن ہو گئے۔ کفار نے ان کے تمام اثاثوں پر قبضہ کر لیا۔ بنو جحش بن راب کے محل نما مکان کو ابو سفیان نے اپنے قبضے میں لے لیا اور پھر اسے عمرو بن اقتم نامی شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیا اور جو قیمت وصول کی اس رقم سے اپنے قرض ادا کیے۔ حضرت عبداللہ بن جحش کو جب یہ خبر ہوئی تو انھیں اس کا صدمہ ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سائبانِ رحمت میں حاضر ہو کر یہ حال سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاں نثار کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا (حدیث):

"الا ترضى يا عبد الله ان يعطيك الله بها دار اخير منها في الجنة قال بلى۔ قال فذالك لك۔

"اے عبداللہ! کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس مکان کے بدلے اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں اس سے بہتر مکان عطا فرمائے۔ عرض کی: بے شک۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو وہ مکان جنت میں تجھے دے دیا گیا۔"

گزشتہ اوراق میں "محبّ" ہونے کا جو سبب تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اسے

یہاں دہرانا نہیں چاہتا البتہ اتنا ضرور بتانا ہے کہ فقراء کے آپ ﷺ اگر محب ہیں اور فقراء آپ ﷺ کے محبوب ہیں تو غرباء بھی آپ ﷺ کے محبوب ہیں اور یہ درجہ بہت بلند ہے لیکن ان غریب الوطنوں کے لیے آپ ﷺ محب کیوں ہیں؟ اس کے لیے دو حوالے پیش کرتا ہوں:

ایک حوالہ اس سے قبل ''مصباح المقربین'' کے زیرِ عنوان جندہ رضی اللہ عنہ بن ضمرہ کا پیش کر چکا ہوں کہ وہ عاشقِ صادق بیماری کی حالت میں اپنے بیٹوں کے ہمراہ ہجرت کرتا ہے اور راہ میں ہی دم توڑ دیتا ہے۔ اگرچہ وہ منزل تک نہیں پہنچ سکا لیکن غریب الدیار کی فہرست میں اپنا نام سرِفہرست لکھا گیا۔ دوسرا واقعہ بھی ایسے ہی ایک طالبِ دیدار مصطفےٰ ﷺ کا ہے۔

حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ بن عیص کا واقعہ:

حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ بن عیص، جو قبیلہ بنو خزاعہ سے تھے (العیص بن ضمرہ بن زنباع بھی بتایا گیا)، جب انھیں حبیبِ مکرّم ﷺ سے ہجرت کا حکم عطا ہوا تو یہ (ضمرہ رضی اللہ عنہ بن عیص) بیمار تھے اور حالت یہ تھی کہ انھیں چارپائی پر لے جانے کا اہتمام کرنا پڑا۔ گھر والے اس عاشقِ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ کی جانب لے کر چلے۔

ممکن نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے
اے سیلِ عشق! تو ہی بہا دے اُدھر مجھے

ابھی تنعیم کے مقام پر تھے، جو مکّہ مکرمہ سے صرف تین یا چار میل پر واقع ہے، کہ فرشتۂ اجل نے بڑھ کر راہ میں ہی مہمانداری کی۔

(الانساب الاشراف جلد اول، ص ۲۶۵)

غریب الوطن حضرات کا پہلا قافلہ:

بعثتِ نبوی ﷺ کے پانچویں سال حبشہ کی جانب جور و جفاء کی آندھیوں سے اپنی شمع ایمان کو بچانے کے لیے سب اثاثہ چھوڑ کر غریب الوطنی کا جامہ زیبِ تن کرنے والوں میں بارہ مرد اور چار خواتین تھیں جن کے قافلہ سالار سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں، شریکِ سفر

تھیں۔ شاید مؤرخ کی نظر سے آپ اسے دیکھیں تو یہ واقعہ صرف ایک شہر سے دوسرے شہر ہجرت کا معلوم ہو، لیکن آپ اسے جب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے دیکھیں تو ان حضرات کا مرتبہ ومقام معلوم ہوتا ہے۔ جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا:

انهما اول بيت هاجر في سبيل الله بعد ابراهيم ولوط عليهما السلام۔ (حدیث)

"ابراہیم اور لوط علیہم السلام کے بعد یہ پہلا گھرانا ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔"

حضرت عثمان بن عفان، حضرت اُمِّ یمن، حضرت ابوسلمہ مع زوجہ محترمہ حضرت اُمِّ سلمہ، حضرت ابوحذیفہ مع اپنی زوجہ محترمہ، سہلہ بنتِ سہیل، حضرت عامر بن ابی ربیعہ مع زوجہ لیلیٰ عدویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان کے علاوہ جن اصحاب نے بغیر اپنی بیویوں کے ہجرت کی ان کے نام یہ ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر، عثمان بن مظعون، سہیل بن بیضاء، ابوسبرہ بن ابی رہم، حاطب بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ عنہم اجمعین۔

(السیرۃ النبویہ: زینی حلان جلد اول، ص ۲۴۵)

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس مہاجرین کا ایک قافلہ حبشہ پہنچا۔ ایسی ہی صورت مکّے سے مدینے ترکِ وطن کرنے والوں کی رہی۔ آپ نے اگر تاریخِ اسلام کا مطالعہ کیا ہے تو خود جانتے ہوں گے اس فہرست میں کیسے کیسے جلیل القدر صحابیوں اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام ہیں اور مکّے میں ہجرت سے پہلے ان پر کیسے کیسے ستم کے پہاڑ توڑے گئے، وہ روح فرسا داستانیں انھی کی ہیں۔ ان جاں نثاروں سے کس قدر محبت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اس لیے ان کا مرتبہ اس طرح بلند فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محب بن گئے۔ یہ وہ نکتہ ہے جو اس لقب میں جھلک رہا ہے۔

سَیِّدِ الثَّقَلَین

حضور ﷺ سیّد و سردار ، خواجۂ عالم
ہیں جن و انس پہ یکساں ، درود تاج میں ہے

سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ

جن کے لغوی معنی:

جنّہ (جن کی جمع) بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جن کا ذکر قرآن میں ہے، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا تذکرہ واقعات کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام، اولیاء و عارفین، شہداء و صدیقین اور متقین و کاملین، تمام مخلوق کے لیے سرداری عطا فرمائی (سردارِ عالمین کی تعریف زیرِ عنوان ''سیّدنا'' تفصیل سے گزر چکی ہے) وہاں جنّہ کی سرداری بھی اس میں شامل ہے۔ جنّہ کے متعلق چند اہم تاریخی حوالے اور چند علمی باتیں پیش کرتا ہوں۔ جن (لغوی معنی): ہر چیز جو حواس سے پوشیدہ ہو جیسے محاورے میں کہتے ہیں: لا جنّ بھذا الامر یعنی اس معاملے میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ جنّیۃ (جن ۔ دیو)، جنّی (مفرد جن، چھپ جانا)، مجنّۃ وہ زمین جہاں کثرت سے جن ہوں)۔

اصطلاح میں ایسا وجود ناری ہے جو نظروں سے مخفی اور مختلف صورتوں کے بدلنے اور عجائبات کے ظاہر کرنے پر قادر ہے۔ ان میں سرکشی اور نافرمانی کا مادہ بھی ہے اس لیے انھیں شیاطین بھی کہا جاتا ہے۔

جنوں کا وجود اور تاریخ:

وجود: جن قرآن میں منصوص، حدیث میں مذکور، اجماعاً و قیاساً مستبعد ہے۔

(مدارج النعت، ص ۱۶۵)

خلقت: ''اکام الجان فی احکام الجان'' کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

آدمی جس طرح خاک سے مخلوق ہے جن آگ سے بنائے گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن آنچ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ خلق الجان من مارج من نار ۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مخلوق آگ سے بنائی گئی ہے۔ سارے جنوں کا باپ سومنا ہے۔ یہ طاقتور بھی ہیں، جسم بھی بدل سکتے ہیں۔ ان کی تعداد کل انسانوں سے دس گنا ہے۔

تاریخ: سورہ جن کی تفسیر میں حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خلاصۃ التفاسیر'' میں فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ساٹھ ہزار سال قبل حق تعالیٰ نے ان کو زمین پر آباد کیا۔ وہ زمین پر آزادی سے ساٹھ ہزار سال تک پھرتے رہے۔ آپس کے حسد نے جنگ و جدل اور قتل و غارت گری پر آمادہ کیا۔ پھر انھوں نے اپنے پیغمبر کو، جن کا نام یوسف علیہ السلام تھا، شہید کر ڈالا اور نافرمانیاں کرنے لگے تو عزازیل، جو مقرّب بارگاہ الٰہی تھا اور تمام ملایکہ میں عابد و زاہد تھا، اسے حکم ہوا کہ اپنے فرشتوں کی ایک جماعت لے جاؤ اور اس خون خرابے کو کھلی زمین سے ہٹا کر پہاڑوں اور جزیروں میں آباد کر دو۔ عزازیل نے ایسا ہی کیا۔ اس کے ساتھ آنے والے فرشتے بھی زمین پر ہی آباد کر دیے گئے۔ حق تعالیٰ نے اس خدمت کے انعام میں پہلے آسمان اور زمین کی بادشاہت عطا فرمائی چنانچہ یہ کبھی زمین پر کبھی آسمان پر اور کبھی جنت میں عبادت کرتا۔ اس طرح اس کے دل میں تکبّر پیدا ہوا اور اسی تکبّر نے اسے خوار کیا۔

(تفسیرِ کبیر ا مقدمہ تفسیرِ حقانی)

سر سیّد جن کے وجود کو نہیں مانتے:

ممکن ہے کسی ذہن میں یہ سوال آئے کہ ایسے محیّر العقول اور عجیب و غریب واقعات کس طرح ممکن ہیں کیونکہ ایسے سوالات صرف طالبانِ علم ہی نہیں مدعیانِ علم کے ذہن میں بھی انتشار کا سبب بن سکتے ہیں اور اس کی ایک مثال سر سیّد احمد خان ہیں جنھوں نے اپنی تفسیر قرآن میں (جسے وہ اپنی زندگی میں مکمل نہیں کر سکے) یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ کوئی علیحدہ مخلوق نہیں ہے جو آگ سے بنی ہو بلکہ یہ انسان ہیں جو وحشی اور درندے تھے، پہاڑوں میں چھپ کر رہتے تھے اور چھپ چھپ کر قرآن سنا کرتے تھے۔ سر سیّد کے یہ خیالات آپ زیرِ عنوان ''جنوں کی حقیقت'' (الجن و الجان علی مافی القرآن) کے صفحہ ۱۵۰ اور سورہ جن کی تفسیر میں صفحہ ۱۳۷ پر ''مقالات سر سیّد جلد دوئم'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں جے

مولانا محمد اسمٰعیل پانی پتی نے مرتب کیا ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خالق و مالکِ کون ومکاں ہے اور خالق کو اپنی تمام خلق کی جانے والی مخلوق پر مکمل اختیار ہے، وہ قادر و قدیر بھی ہے (گزشتہ اوراق میں یہ بحث گزر چکی کہ سرسیّد نے اللہ تعالیٰ کو، نعوذ باللہ، بے بس قرار دے دیا ہے)، اس کے لیے کسی کو آب سے، کسی کو قطرہ آب سے، کسی کو بغیر ماں اور باپ کے (حضرت آدم علیہ السلام) اور کسی کو صرف ماں سے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) وجود عطا کرنا ممکن ہے اس لیے ان تمام محیر العقول واقعات پر شک وگمان ایمان کی کمزوری تو ہو سکتی ہے قدرت کاملہ کے اختیار میں کمی خیال نہیں کی جاسکتی۔ پھر جو کچھ جنّہ کی بابت مندرجہ بالا سطور میں تحریر ہوا اسے جن مفسّرین نے بیان کیا ان میں حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "خلاصۃ التفاسیر" میں، دوئم "تفسیرِ کبیر" میں، جو تاریخِ اسلامی کی معتبر دستاویز ہے اور بطور سند پیش کی جاتی ہے، جس کے مصنف عالمِ اسلام کی عظیم المرتبت ہستی امام محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

قرآنِ کریم میں واضح بیان:

قرآنِ کریم میں ایک دو نہیں بلکہ بیشتر مقامات پر جنّہ کا تذکرہ ہے۔ یہاں تخلیقِ جنّہ پر دو آیات پیش کرتا ہوں تاکہ قرآن کے حوالے سے معلوم ہو کہ جنّہ کی تخلیق کس طرح ہوئی اور کب ہوئی؟ اس کے بعد تمام شکوک کافور ہو جائیں گے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ

"اور ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے اور جنّوں کو، اس سے پہلے، بے دھوئیں کی آگ سے۔"

(سورۃ الحجر: آیت ۲۷-۲۶)

یہاں خط کشیدہ الفاظ نے وضاحت کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّوں کو انسان سے بہت پہلے پیدا کیا ہے اور اس لیے یہ مخلوق اپنی نوع میں آدم سے جدا ہے۔ دوئم صاف بتا دیا گیا کہ اس کی تخلیق آب وگل کا مرقع نہیں جن سے انسان کو جسدِ خاکی عطا ہوا۔ جنّہ کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے کہیں زیادہ طاقت عطا کی، ایسی طاقت انسان میں نہیں، ہاں جسے وہ

چاہے ان پر بھاری کر دے۔ اس کی مثال بھی قرآن سے ہی ملتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ اس کی مثال ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ

(سورۃ النمل: آیت ۳۹)

"جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا: قبل اس کے آپ (سلیمان علیہ السلام) اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت (بھی) حاصل ہے (اور) امانت دار (بھی) ہوں۔"

(مضامینِ قرآنِ حکیم، ص ۳۱۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ بلقیس کا یہ واقعہ قرآنِ کریم میں سورۃ النمل کی آیات میں بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ وہ جن، جس کا ذکر قرآن نے "عفریت" کے نام سے کیا ہے، یہ چاہتا تھا کہ اسے اجازت ملے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا "دربار برخواست ہونے سے قبل" کہنا پسند نہیں آیا۔ پھر ایک انسان نے، جو صاحبِ کتاب تھا، عرض کیا کہ میں پلک جھپکتے میں لا سکتا ہوں، اسے اجازت عطا ہوئی۔

جن اگرچہ سرکش تھے، نافرمانی ان کا مزاج تھا لیکن ان میں سے بہت سے جن داخلِ اسلام ہو گئے۔ مقصود تو یہی تھا کہ اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین تھا اس لیے ان کے دامانِ کرم کے سایے سے جنہ، جو ایک علیحدہ مخلوق ہے، کس طرح محروم رہ جاتی۔ عجیب بات یہ ہے جو جنہ مشرّف بہ اسلام ہو گئے وہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار بھی کہتے تھے اور اسی طرح جس طرح عرب کے شعراء کہا کرتے تھے۔ جن مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ مسلمان جن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے، خصوصاً جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ رحمٰن کی تلاوت فرماتے تو یہ بصد شوق سنا کرتے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنہ کی تعریف اس طرح بھی بیان فرمائی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ رحمٰن کی تلاوت فرما رہے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ادب سے اسے سن رہے تھے۔ دورانِ تلاوت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نظر ڈالی اور فرمایا: ''اے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)! میں تم سے اس جیسا جواب نہیں سن رہا ہوں جیسا کہ جنّہ اس آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کو سنتے ہوے دیا کرتے تھے۔'' صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ تن محوِ سماعت تھے، عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کس طرح؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب میں اس آیت کو سناتا تو وہ جواب میں کہتے: لا بشئی من نعمۃ ربنا تکذب۔

''ہم اپنے پروردگار کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔''

سورہِ رحمٰن میں بھی جنّہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

''اے گروہِ جن وانس! اگر تم نکل سکتے ہو آسمان وزمین کے کناروں سے تو نکل جاؤ۔''

نَبِیُّ الحَرَمَیۡنِ

وہ بیتِ اقدس و کعبہ ، مدینہ ، عرش و فلک
سب ان کی شان کے عنواں ، درود تاج میں ہے

نَبِیُّ الْحَرَمَیْنِ

حرم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

الحرم: مص۔ وہ شے جو محفوظ رکھی جائے اور اسی کی طرف سے مدافعت کی جائے۔ مقدس۔ الحرم الاقصیٰ: بیت المقدس۔ الحرمان: مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ۔ البلد الحرام: مکّہ معظمہ۔ المسجد الحرام: کعبہ شریف (المنجد۔ لسان العرب۔ لغات کشوری)

لغت میں اس مصدر سے اور بھی کئی مشتق ہیں لیکن یہاں موضوع کی مناسبت سے اتنا ہی کافی ہے۔ حرم سے مراد وہ مقام ہے جسے محفوظ رکھا جائے اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے اس کی طرف سے مدافعت کی جائے۔ یہ حکم عام انسانوں کا نہیں بلکہ اللہ کی جانب سے انبیائے کرام علیہم السلام نے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ تعمیر فرمایا، اس کی حرمت قایم کی اور اسے حرم قرار دیا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو حرم قرار دیا اور اس کی حرمت قایم کی۔ اسی طرح بیت المقدس کی بھی تاریخ ہے جو انبیائے علیہم السلام بنی اسرائیل کا مرکز رہا ہے۔

پہلے کعبۃ اللہ کا ذکر: تعمیرِ کعبہ کی داستان بہت طویل ہے اور وہ تمام بیان ہمارا مقصود بھی نہیں، ہم اسے اختصار میں لا کر حرم کعبہ کی تعمیر تک محدود کرتے ہیں۔ دنیا کے بُت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا۔ اس کی تعمیر پر سب سے پہلے فرمانِ الٰہی ملاحظہ فرمائیے۔

> ”بے شک سب سے پہلا گھر جو مخلوق کے لیے (بغرضِ عبادت) تعمیر کیا گیا وہ مکّے میں ہے۔ تمام جہانوں کے لیے ہدایت اور برکت کا سرچشمہ ہے۔
> اس میں روشن نشانیاں ہیں اور وہ مقام بھی ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام عبادت

کیا کرتے تھے۔ جو شخص بھی اس گھر میں داخل ہو جاتا ہے مامون اور محفوظ ہو جاتا ہے۔'' (۳: آیت ۹۰ تا ۹۱)

ایک اور مقام پر تعمیر کے ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے:

''اور جب ہم نے اس گھر کو عبادت گاہ اور لوگوں کے لیے مامن قرار دیا اور ہم نے یہ حکم دیا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام میں نماز پڑھو اور اسمٰعیل علیہ السلام کو اس کام پر مامور کیا کہ طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اس گھر کو ہر طرح پاکیزہ رکھیں۔ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے: اے ربّ! اس شہر کو دار السلام بنائے رکھ اور ان میں سے لوگوں کے لیے، جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، پھلوں کی روزی دے تو (ربّ نے) کہا کہ جو شخص کفر پر آمادہ ہوگا ہم اسے کم حصہ دیں گے اور آخر میں اسے عذاب جہنم میں دھکیل دیا جائے گا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی معیت میں کعبے کی بنیادیں اٹھا رہے تھے دونوں کی زبان پر یہ کلمات تھے: خداوندا! محنت قبول فرما، تو سننے والا، دانا اور بینا ہے۔'' (۲-۱۲۵ تا ۱۲۷)

مدینہ حرم کیسے بنا؟

اب دوسرا حرم، حرم مدینہ ہے۔ کیا اس کے لیے قرآنِ کریم سے کوئی سند ہے؟ تو یہاں میں اتنا ہی عرض کروں گا کہ جی ہاں، ہے۔ آپ دریافت کریں گے: کہاں ہے؟ تو میں یہی عرض کروں گا کہ وہ تمام احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو صحیحین اور صحاح ستہ کی زینت ہیں اور تمام ائمہ احادیث کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم میں جن کی زبان سے نکلنے والے کلمات کے لیے ارشاد ہوا: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (کہ میرا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے تو کچھ بولتا ہی نہیں، وہ تو وہی کچھ بولتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے)۔ اس دلیل سے، جو قرآنی آیات سے ہے، یہ ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ کو حرم قرار دینے کے لیے جو احادیث بیان ہوئیں وہ حکمِ ربی کے بغیر نہیں۔

مدینہ کو حرم قرار دینے کی احادیث:

رسول اللہ ﷺ نے عرض کی: "اللھم ان ابراھیم حرّم مکّہ وانی احرّم ما بین لا بیتھا۔" "الٰہی! بے شک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکّہ معظّمہ کو حرم کر دیا اور میں دونوں سنگستانِ مدینہ کے درمیان جو کچھ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔" (سند ھما واحمد والطحاوی فی شرح معانی الاثار عن انس رضی اللہ عنہ)۔

قرآنِ کریم کی آیات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم کعبہ کی تعمیر کے ساتھ دعا بھی فرمائی۔ اب حدیث کے الفاظ دیکھیے:

صحیحین میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ان ابراھیم حرّم مکة ودعا لاھلھا وانی حرّمت المدینة کما حرم ابراھیم مکة وانی دعوت فی صاعھا ومدھا بمثل مادعا ابراھیم لأھل مکة۔

"بے شک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مکّہ معظّمہ کو حرم بنا دیا اور اس کے ساکنوں کے لیے دعا فرمائی اور بے شک میں نے مدینہ طیّبہ کو حرم کر دیا جس طرح انھوں نے مکّے کو حرم کیا اور میں نے اس کے پیمانوں میں اس سے دونی برکت کی دعا کی جو دعا انھوں نے اہلِ مکّہ کے لیے کی تھی۔"

(ہم جمیعاً عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زید بن عاصمہ)

اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں لیکن انھی دو احادیثِ مبارکہ سے وہ مقصد حل ہو گیا کہ مدینہ شریف بھی حرم شریف ہے۔ لغت کے اعتبار سے حرم کی جو تعریف آغاز میں دی گئی اس کا ذکر ان احادیث میں آ گیا، مزید احادیث میں شہرِ حرم کی حرمت کا تفصیلی بیان بھی ہے کہ مدینہ منورہ کے درختوں کو کاٹنے کی آپ ﷺ نے ممانعت فرما دی البتہ جانوروں کے چارے کے لیے اجازت عطا فرمائی۔

دونوں حرم میں امامت کی فضیلت کسی اور نبی علیہ السلام کو نہیں ملی:

''نبی الحرمین'' سے مراد دونوں حرم یعنی حرم مکہ اور حرم مدینہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و عظمت بیان کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو بھی نبی علیہم السلام اس جہان میں، آئے بیک وقت دو حرم کی فضیلت کسی کو نہیں عطا ہوئی۔ اب اگر اعتراض کی گنجایش تھی تو یہ کہ کعبہ حرم شریف ہے، جس کی سند قرآنِ کریم سے ملتی ہے لیکن مدینہ منورہ کو حرم کہنے کے لیے کیا دلیل ہے؟ اس اعتراض کا دروازہ مندرجہ بالا دو احادیثِ مبارکہ نے بند کر دیا، جس میں نہ صرف رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو حرم قرار دیا بلکہ اس کی حرمت کے قانون بھی سنا دیے۔

بیت المقدس کی تاریخ بھی عجیب و غریب ہے اور بہت طویل ہے، قرآنِ کریم میں اس کا کثرت سے ذکر آیا ہے خصوصاً سورہ بنی اسرائیل میں واقعۂ معراج میں۔ یہ ذکر تفصیل سے گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ تاریخِ اسلام میں کوئی نبی یا رسول علیہم السلام اس فضیلت کے بامِ بلند تک نہیں پہنچا کہ بیت اللہ شریف میں، مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور بیت المقدس میں امت اور انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی ہو۔ ان اعتبارات کی روشنی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ''نبی الحرمین'' اپنے اندر ان تمام مراتب و درجات کا آئینہ بن گیا ہے۔ ہر مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اعلیٰ و اولیٰ امام بھی ہے اور نبی بھی ہے، رسول بھی ہے اور خاتم المرسلین بھی ہے۔ ان بلند درجات تک (جو ظاہر ہیں ورنہ باطنی درجات تک کسی کی نظر جا ہی نہیں سکتی) جن کی نظر نہیں جا سکتی یہ ان کی کور نگاہی ہے، ان کی نگاہ کا عیب ہے۔ فیضی نے اسی لیے کہا:

بر دانشِ ما انجم و افلاک بہ خندند
گر صاحبِ لولاک لما صلی اللہ علیہ وسلم را نہ شناسیم

فیضی تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم صاحبِ ''لولاک لما'' کے مقام کو نہ پہچان سکے تو ہماری عقل و دانش پر آسمان اور ستارے ہنسی اڑائیں گے لیکن خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فیضی سے اتفاق نہیں فرماتے، وہ کہتے ہیں کہ عقل اور علم دونوں محدود ہیں اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ربّ کا مقام ان دونوں سے وراء الوراء ہے، کہتے ہیں:

عقل را در خلوت اُو راہ نیست
علم نیز از وقتِ اُو آگاہ نیست

مراتب و مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ابھی عقل کی رسائی ہوئی نہ دانش کی قوت اس کا ادراک کر سکی، نہ خیال کا گزر ہو سکا نہ تصور کی پہنچ ہو سکی لیکن، جیسا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، ”نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے“۔

عشاق کی ایک منزل علم و دانش سے جدا ہے۔ عشق کا اپنا ایک مقام ہے اور یہ خاص عطائے ربّ ہے، اسی لیے یہ عام نہیں ہے۔ اس ناچیز نے اپنی کم مائیگیِ علم کے باوجود علم اور عشق کا موازنہ پیش کیا ہے:

علم را اندیشۂ آزار ہست
عشق ہر جا زندہ و بیدار ہست
علم، پا در جستجو انداختن
کار الفت، بِسِرِّ منزل یافتن
صد ہزاراں عالمانِ قیل و قال
گردِ خاکِ پائے آں حضرت بلال رضی اللہ عنہ
(ادیبؔ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ ہیں اور کعبے کا کعبہ ہیں:

عشاق کے نزدیک کعبہ حرم ظاہر ہے اور قلبِ عاشق حرم باطن ہے۔ ان کے نزدیک ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف کعبۂ عشاق ہے بلکہ کعبے کا بھی کعبہ ہے۔ نہ یہ کسی دیوانے کی پکار ہے نہ مجذوب کی بڑ بلکہ ایک ایسے عاشقِ صادق کا قول ہے جو ہُما وشُما سے زیادہ شریعت کے آداب اور تقاضوں کو سمجھتا ہے، شرک و بدعت کا رڈ اوروں سے بہتر کرتا ہے، جنھیں سارا زمانہ نابغۂ عصر تسلیم کرتا ہے وہ اپنے خوش نصیب حاجیوں کو مخاطب کر کے مدینے کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

حاجیو! آؤ، شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
(امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ)

اور خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو یوں بیان فرماتے ہیں:

قبلۂ ذرّات عالم روئے تست
کعبہ اولادِ آدم علیہ السلام روئے تست

ذرا ڈوب کر دیکھیں، اس شعر میں غوطہ زن ہو جائیں یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ جہاں نہ ہوتا (حدیثِ قدسی لولاک لما)، جہاں نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام و آدم زادنہ ہوتے، آدم علیہ السلام نہ ہوتے تو ابراہیم علیہ السلام نہ ہوتے تو کعبہ کہاں ہوتا؟

وصلی اللہ علیٰ نورِ کز و شد نور ہا پیدا

(جامی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ کعبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فاقے میں اپنے شکم پر پتھر باندھا کرتے تھے اس لیے امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

شکم پر سنگِ اسود اور فاقے سے شکم خالی
ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلد ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

اِمَامِ الْقِبْلَتَيْن

امام قبلہ کی مرضی پہ قبلہ چھوڑ دیا
سبب، حبیب ﷺ ہو شاداں، درود تاج میں ہے

اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ

قبلہِ روئے صوفیاں پایگہِ صفائے او
سرمہِ چشمِ قدسیاں خاک درِ سرائے او
(فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ)

بیت المقدس میں امامت کا منظر:

مسجد اقصیٰ ہے، تمام انبیاء علیہم السلام صف بستہ ہیں، صاحبِ لولاک لما امامت فرما رہے ہیں۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ کا جو عہد ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا اس کی تکمیل ہو رہی ہے۔ ارواحِ عالم میں یہ نظارہ کاشفِ اسرارِ الٰہی ہے۔ ملایکہ دیکھ رہے ہیں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا تاج فرق اقدس پر سجایا جا رہا ہے، جبریل علیہ السلام انوارِ ربانی کی تجلی گاہ تک لے جانے کے لیے بیقرار ہیں۔

جو طلب تھی انبیاء کی رخِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں
یہ نماز کا وسیلہ انھیں کام آ گیا ہے
(ادیبؔ)

تحویلِ قبلہ کے واقعے کا پس منظر:

ادھر شاہدِ مستورِ ازل خلوت گاہ راز میں اپنے چہرے سے پردہ اٹھانے کا منتظر ہے۔ ایک یہ اکرام خاص تھا اور ایک یہ کرم کی ارزانی ہو رہی ہے۔ مقام ''مسجدِ قبلتین'' ہے (یہ نام تحویلِ قبلہ کے واقعے کے بعد مشہور ہوا)۔ اس کرم خاص کا پس منظر یہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت اختیار فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ طلع البدر علینا کی نغمگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے تو بیت المقدس کی طرف، جو اہلِ کتاب کا قبلہ

تھا، رخ فرما کر نماز ادا کرتے رہے۔ سولہ سترہ ماہ اسی پر عمل رہا لیکن محبوب ﷺ خدا کی دلی آرزو یہ تھی کہ کعبہ، جسے حضرت خلیل علیہ السلام نے تعمیر کیا، امتِ مسلمہ کا قبلہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی آرزو پوری کرنے سے قبل معترضین کے اعتراضات کا ذکر فرماتا ہے تاکہ اگر وہ اعتراضات کی بوچھاڑ بھی کریں تو مسلمان کسی تذبذب کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ تمام قیل وقال سے بے نیاز ہو کر آپ ﷺ کے فرمان کی تعمیل کریں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قادر مطلق ہے، کون ہے جو اس کے کام میں آڑے آئے؟ کون ہے جو اس کے ارادوں میں رکاوٹ پیدا کرے؟ کلام کا آغاز اعتراض کرنے والوں کو بیوقوف کہہ کر کیا جارہا ہے۔ وہ کیا اعتراض کریں گے، وہ بھی بتا رہا ہے اور اے حبیب ﷺ! آپ ﷺ کیا جواب دیں، یہ بھی بتا رہا ہے۔ امام القبلتین کے شرف خاص سے نوازنے کے لیے اتنا اہتمام کیا جارہا ہے کہ میرے محبوب ﷺ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ سورہ بقرہ کی آیات میں تبدیلیِ قبلہ کے حکم سے پہلے معترضین کو کس طرح خطاب ہوا:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلے سے جس پر وہ اب تک تھے۔ آپ ﷺ فرمائیے: اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی، ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔ اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمھیں (اے مسلمانو) بہترین امت، تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول ﷺ تم پر گواہ ہو۔ اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ ﷺ (اب تک) رہے مگر

اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون مڑتا ہے الٹے پاؤں۔ بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر ان پر (بھاری نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کردے تمھارا ایمان۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے۔"

لیکن دلداری محبوب ﷺ کے لیے اندازِ تخاطب مرحلۂ عشق سے گزرنے والوں کے لیے عجیب احساس کا حامل ہے، ارشاد ہو رہا ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

"ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ ﷺ کا منہ کرنا آسمان کی طرف۔ تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ ﷺ کو اس قبلے کی طرف جسے آپ ﷺ پسند کرتے ہیں۔ (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف۔"

(سورہ بقرہ: آیت ۱۴۴)

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی سیّد المرسلین ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مسجدِ سلمہ میں نماز ظہر ادا فرما رہے تھے۔ جماعت سے نماز ہو رہی تھی۔ ابھی دو رکعت ہی ادا ہوئی تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ رحمت للعالمین ﷺ نے اسی وقت بیت المقدس سے منہ پھیر کر کعبے کی طرف فرما لیا۔ سبحان اللہ! کیسے اطاعت گزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے؟ دامانِ مصطفےٰ ﷺ کو تھامے ہوئے تھے، رگ و پے میں عشق سرایت کر چکا تھا، ہر بُنِ مُو سے عشق کی خوشبو نکل رہی تھی، اللہ کے محبوب ﷺ نے جدھر رخ فرمایا تمام نے اپنا رخ بھی اسی جانب کر لیا، یہی نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں، جہاں جہاں اس وقت نماز ہو رہی تھی اس حکم کے پہنچتے ہی جدھر اللہ کے محبوب ﷺ کا رخ ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کعبہ ادھر ہی ہو گیا۔

درود تاج میں امام القبلتین کا لقب اپنی معنوی حیثیت میں اپنے اندر بہت سے اسرار لیے ہوئے ہے جس کے صرف یہی معنی نہیں کہ وہ بیت اللہ اور بیت المقدس کی سمتوں

کی امامت کے سبب احترام کے درجات میں اور بلند ہو گئے۔ یقیناً امام الانبیاء، امام القبلتین کے شرفِ خاص کے بعد بیک لحہ دو قبلوں کی امامت کا اعزاز بھی اپنی جگہ ربِّ قدیر کی کرم نوازی کا مظہر ہے۔

تحویلِ قبلہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے قراری کے اسباب:

اس تحویلِ قبلہ کے واقعے میں معترضین، بالخصوص مستشرقین، نے جس پہلو کو نظر انداز کر دیا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ صاحبِ ایمان نہیں تھے لہٰذا ان کی نگاہ ظاہر پر پڑ گئی اور اپنی عقلِ ناقص کے سہارے اس کے اسباب تلاش کرتے رہے۔ تحویلِ قبلہ کے لیے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر بے قراری اور بے چینی کا سببِ خاص یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انقلاب لانے اور مکّہ کو بتوں سے پاک کرنے کی ذمے داری دی تھی وہ بے قراری کا سبب تھی۔ مکّے سے بتوں کو نکالنا تھا، اسے مالکِ حقیقی کے لیے سجدہ گاہ بنانا تھا، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعاؤں کی تکمیل ہونی تھی، کفر و ضلالت کے نجس داغوں سے فرشِ صحنِ کعبہ کو پاک صاف کرنا تھا اور تمام عالم میں آباد توحید پرستوں کے لیے کعبے کو مرکز بنانا تھا۔ اس بے قراری کو خالقِ کائنات دیکھ رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنیادِ اسلام کو قیامت تک کے لیے مستحکم اور لازوال بنا دینا چاہتے تھے۔ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس خبر کی بابت فرماتے ہیں:

"باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا آنکہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ در دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمانِ او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہانِ شمارا و درجاتِ ایمانِ شمارا و اعمالِ نیک و بدِ شمارا و اخلاص و نفاقِ شمارا۔"

(تفسیر فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ)

"تمھارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہی دیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبے کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی کیا حقیقت ہے اور وہ کون سا

پردہ ہے، جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمھارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں، تمھارے ایمان کے درجوں کو، تمھارے نیک و بد سارے اعمال کو، تمھارے اخلاص و نفاق کو بھی پہنچانتے ہیں۔"

یہ تاریخ کا بہت اہم واقعہ ہے۔ اس کے سبب بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس کی مخالفت میں یہود نے کیا کیا باتیں بنائیں اس لیے کہ ان کے بہت سے ارادے دل میں ہی رہ گئے۔ اس تبدیلی کا ایک مقصد اور تھا کہ سیادت اور نبوت کو اپنے حصے میں رکھنے کا یہود کا جو تصور تھا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ یہ قوت بنی اسرائیل سے نکل کر اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں آجائے۔ اس کے علاوہ بھی جو باتیں تھیں وہ نورِ نبوت کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ بھی اسباب تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مالکِ حقیقی کی جانب آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔

امام القبلتین کا لقب اپنے دامن میں ایک تاریخ لیے ہوئے ہے جو تمام کی تمام یہاں بیان کرنا مقصود نہیں۔ قرآنِ کریم، تفسیر اور سیرت کے واقعات سے کچھ لمحوں کے لیے قارئینِ کرام اگر دوستی کر لیں کہ ان سے بہتر کوئی دوست نہیں۔ کتاب جو آپ کو کچھ دیتی ہی ہے مگر آپ سے کچھ لیتی نہیں، اور جو کچھ دیتی ہے اس کی حفاظت بھی کرتی ہے، اسے گم ہونے نہیں دیتی۔ عقل میں ترقی، علم میں اضافہ، فکر میں بلندی، عمل میں رغبت اور احباب میں عزت و افتخار مطالعے سے ہوتا ہے۔

اس واقعے کے بعد یہود نے جو شور مچایا وہ ایک طویل داستان ہے لیکن مستشرقین نے بھی اس واقعے کو اپنے مخصوص منافقانہ انداز میں پیش کیا۔ اس مضمون کے اختتام سے قبل یہ آخری مثال ہے۔

انسائیکلوپیڈیا میں تحویلِ قبلہ کے اسباب میں غلط بیانی:

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے الفاظ ہیں:

"Early in his prophetic ministry Mohammad (S.A.W.) seems to have disregarded the Ka'bah."

اس عبارت کا اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ کعبے کی حدود میں بت پرستی اور بتوں کے مجسموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے (جیسا کہ ابنِ ہشام نے بحیرہ کے حوالے

سے واقعہ تحریر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیرہ سے فرمایا: لات اور عزیٰ کی قسم دے کر مجھ سے کوئی بات نہ پوچھو۔ خدا کی قسم مجھے ان دونوں سے جتنی نفرت ہے کسی اور چیز سے نہیں) تو کعبے کو قبلہ نہ بنانے کا تصور کیوں قایم ہوا؟ disregarded the Ka'bah کا یہی مطلب مناسب اور درست معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ تصور کیا جائے کہ اہلِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کی انتہا کردی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر تشدد بہت ہوا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا کیونکہ انسائیکلوپیڈیا آگے چل کر لکھتا ہے:

"But after His emigration to Madina and His difficulties there with the Jews, He changed the direction, toward which the prayer is from Jerusalam to the Ka'bah."

(انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد نمبر ۱۵)

اب فیصلہ آپ خود کریں۔

درود تاج کے مرتب نے ''امام القبلتین'' کے واقعے کی تاریخی اہمیت کو پیشِ نظر رکھا اور اسے **درود تاج** میں شامل کیا۔ یہ ان کے علمی تبحر کی دلیل ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ بالخصوص یہود نے اس واقعے میں اعتراض کرنے کے مذموم ارادوں کی حوصلہ افزائی کی اسی لیے میں نے اس پر زیادہ تفصیل سے بحث کی اور اپنے قارئین کو ان مخالف باتوں سے روشناس کرایا ہے۔

جب اسلام دشمن قوتیں اتنے منظم انداز میں کام کرتی ہیں کہ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جس اعتراض کی بنیاد رکھی وہ ہمارے عہد کے انسائیکلوپیڈیا تک پہنچی تو ہمیں بھی اس کے جواب اور تردید میں تکلف سے کام نہیں لینا چاہیے اور **درود تاج** میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و منزلت میں کہے گئے الفاظ کے حسن کو ہر طرح کے گرد و غبار سے صاف کرنے اور صاف رکھنے کا عمل جاری رکھنا چاہیے۔۔۔ جو ہمارے ایمان کا عملی تقاضا ہے۔

وَسِیۡلَتِنَا فِی الدَّارَیۡنِ

اگر وسیلہ کوئی ہے گناہگاروں کا
بس اُن صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ داماں، درود تاج میں ہے

وَسِيلَتِنَا فِى الدَّارَيْنِ

انا طامع فی الجود منک و لم یکن
لابی حنیفۃ فی الانام سواکا

میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے) جود و کرم کا دل سے طلبگار رہوں کہ اس جہان میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے آپ کے سوا اور کوئی نہیں۔

(امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی، نعمان بن ثابت)

علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل تعارف:

وسیلہ کیا ہے؟ اس کا درجہ کیا ہے؟ اس کا مقام کہاں تک ہے؟ مخلوق خدا کیوں وسیلہ پیش کرتی ہے؟ اس کے سمجھانے کے لیے پہلے علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی ایسا نازک موضوع سخن ہے کہ اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہے لیکن میں اپنے اس مضمون میں انشاء اللہ احادیثِ صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کی ایسی مثالیں دوں گا کہ تمام اعتراضات کافور ہو جائیں گے۔ ایسی جید ہستیوں کے حوالے آپ کی نظر سے گزریں گے جو ہر مکتبِ فکر کے پیشوا اور رہنما ہیں۔ چونکہ آغاز علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے کر رہا ہوں اس لیے ان کی شخصیت کا تعارف کراتا ہوں۔

علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی عبدالرحمٰن بن ابی الحسن علی ابنِ محمد علی ابنِ عبداللہ بن حمادی بن محمد بن محمد بن جعفر الجوزی، کنیت ابوالفرج اور لقب جوزی ہے۔

علمِ حدیث میں ان کا مقام بہت بلند ہے، وہ خود فرماتے ہیں:

''علم کی محبت بچپن ہی سے میرے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھی اور حصولِ علم کے لیے کسی بڑی سے بڑی مہم کو سر کرنے میں لذت محسوس کرتا تھا چنانچہ اللہ نے مجھے مقام علم پر فایز کر دیا۔''

اپنے مقام علم و تجربہ پر اعتماد کی وجہ سے فرمایا کرتے:

''میرے زمانے تک رسول اکرم ﷺ سے روایت شدہ کوئی بھی حدیث میرے سامنے بیان کی جائے تو میں بتا سکتا ہوں کہ صحت وضعف کے کس درجے پر ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی حدیثِ پاک سے عشق کی حد تک اپنے قلبی لگاؤ بلکہ وارفتگی کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''مجھے نوعمری میں جب کبھی گھر آنے کا اتفاق ہوتا چند خشک روٹیاں توشہ دان میں ساتھ لے کر سرورِ انبیاء ﷺ کی حدیث کے حصول کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ میں صبح ہی صبح نہرِ عیسیٰ کی طرف نکلا اور شام تک اس کے کنارے بیٹھ کر احادیث کا متن یاد کرتا رہا مگر شام کا اندھیرا چھا جانے تک پاس رکھی ہوئی سوکھی روٹی کے دو لقمے بھی منہ میں ڈالنے کی فرصت نہیں ملی۔ بس دل میں یہی خیال اور دماغ میں یہی خمار تھا کہ بے ثبات زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی انھیں الفاظ میں یاد کیا جائے:
ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے محبوب ﷺ کی احادیث اور ان کے جاں نثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوالِ زندگی کا بہت بڑا حافظ تھا۔''

ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر محدّثین کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ جمع حدیث میں کیا کیا صعوبتیں ان محدّثین نے اٹھائیں اور کیسا زہد اور تقویٰ تھا ان ائمہ اسلام کا جنھیں آج تک کی دنیا میں حق گوئی اور صداقت کا اعتبار حاصل ہے۔ لیکن اس کا اندازہ تو اس وقت ہی ہوگا جب دیدہ فکر سے خزینۂ احادیث کے موتیوں کو چننے والے اور عشقِ رسول ﷺ میں سینہ سوزی کرنے والوں کے احوال سے آگہی کی خاطر آپ کا ذوق

مطالعہ اس طرف مائل ہو جائے۔

حدیثِ رسول ﷺ سے بے پناہ عشق کا واقعہ:

خلقان نے حضرت علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے احادیثِ نبوی ﷺ سے بے پناہ عشق اور اس کے ساتھ وابستہ مچلتی ہوئی تمناؤں کے اظہار کا تذکرہ ایسے وارفتہ انداز میں کیا ہے جس کو پڑھ کر دردِ عشق رکھنے والوں میں محبت نغمہ ریز ہو جاتی ہے اور روح معطر ہو کر اپنے گردوپیش کی دنیا کو عطر بیز بنا دیتی ہے۔

خلقان فرماتے ہیں کہ علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حالتِ نزع میں نحیف سی آواز میں پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا:

"وہ سارے قلم اکٹھے کر لیے جائیں جن سے میں نے تمام عمر شافعِ محشر، محبوب داور، ﷺ کی مبارک احادیث لکھیں ان کے سروں پر لگی ہوئی روشنائی کھرچ لی جائے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل کی گئی تو اس سیاہی کا ڈھیر لگ گیا۔ پھر اس شمعِ رسالت کے پروانے نے یہ وصیت کی کہ مرنے کے بعد میری نعش کو غسل دینے کے لیے تیار کردہ پانی میں یہ روشنائی ڈال دی جائے، شاید خدائے رحمان و رحیم اس جسم کو نارِ جہنم سے نہ جلائے جس پر اس کے محبوب ﷺ کی حدیث کی روشنائی کے ذرّات لگے ہوں۔"

وصیت کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دیا گیا تو کافی مقدار میں پھر بھی روشنائی بچ رہی۔

(الوفا باحوالِ مصطفیٰ ﷺ)

اس سے قبل کہ علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے وسیلے کے متعلق جو احادیث جمع کی ہیں وہ پیش کروں آپ نے اندازہ لگایا کہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے براہ راست وسیلے کی التجا تو بڑی بات ہے وہ سیاہی، جس سے ساری زندگی احادیث لکھتے رہے، اس سیاہی کو گناہ کی سیاہی مٹانے کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے اور وہ بھی علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم عالم اور محدّث ہستی نے۔

کہا قلم نے کہ تحریر میری لاثانی
ہر ایک سطر مری کہکشاں کی پیشانی
مری سیاہی گناہوں کو دھونے والی ہے
سیہ ضرور ہوں لیکن صفت بلالی رضی اللہ عنہ ہے
(ادیب)

وسیلہ کی تعریف اور ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ:

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''وسیلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک عظیم درجہ ہے جس سے بلند کوئی درجہ نہیں لہٰذا تم میرے لیے اللہ سے مقام وسیلہ عطا کرنے کی دعا کیا کرو۔''

(ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ: الوفاء)

حدیث کے الفاظ پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وسیلہ وہ عظیم درجہ ہے جس سے بلند کوئی درجہ نہیں! پھر آگے کے الفاظ دیکھیے اور غور کیجیے: میرے لیے یہ مقام وسیلہ وہ عظیم درجہ ہے جس سے بلند کوئی درجہ نہیں۔ مزید آگے کے الفاظ دیکھیے: میرے لیے یہ مقام وسیلہ عطا کرنے کی دعا کیجیے۔ اب نتیجہ اخذ کیجیے کہ جب اللہ اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرتبہ عطا فرمائے گا تو اس کا مقام بہت بلند ہو جائے گا اور اس لیے ہو جائے گا کہ یہ رتبہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوگا اور کسی کے پاس نہ ہوگا۔

ڈگمگاتے ہیں، گرے جاتے ہیں تیرے ناتواں
اے تری رحمت کے صدقے، تھام لے بڑھ کر ہمیں
تیرے در کو چھوڑ کر ہم بے نوا جائیں کہاں؟
یا بتا دے اپنے جیسا اور کوئی در ہمیں
(آغا حشر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب مجھ پر درود بھیجو تو میرے لیے دعائے وسیلہ کیا کرو۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے اندر ایک

انتہائی درجہ اور مقام ہے جس کو صرف ایک شخص ہی پا سکے گا اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں ہی وہ شخص ہوں گا۔" (ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ: الوفاء)

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محبوب ربّ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھ پر درود و سلام بھیجو، وہ تمھارے تزکیہ و طہارت کا موجب اور میرے لیے اللہ تعالیٰ سے جنت کے درجۂ وسیلہ کا سوال کیا کرو اور یہ ایک ہی شخص کے شایان اور سزاوار ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پر امید ہوں کہ میں ہی وہ شخص ہوں گا۔" (ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ: الوفاء)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

"جب تم مؤذن کو اذان کہتے سنو تو جو کلمات وہ ادا کرے اسی طرح تم بھی کہو، اذان ختم ہونے پر مجھ پر درود و سلام بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا، پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کی دعا کیا کرو۔ جو شخص میرے لیے وسیلے کی دعا کیا کرے گا اس پر میری شفاعت حلال ہوگی اور وہ سزاوار شفاعت ہو جائے گا۔"

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ بن ثابت سے روایت ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کہے کہ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیج اور انھیں جنت میں اپنے مقام قرب پر فائز فرما، اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت حلال ہو جائے گی۔"

ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "الوفاء بہ احوال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی ہے چنانچہ اب میں ایک آخری حدیث پیش کرتا ہوں جس کے راوی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف ہیں۔ یہ حدیث کتنے حوالوں سے مروی ہے، ملاحظہ فرمائیں: نسائی، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابنِ خزیمہ، طبرانی، حاکم، بیہقی، امام حافظ الحدیث زکی الدین عبدالعظیم منذری وغیرہ آئمۂ نقد و تنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلّم و برقرار رکھا، اب حدیث ملاحظہ کریں:

’’حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا کو دعا کی تعلیم فرمائی کہ بعد از نماز کہے:

’’اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لیقضیٰ لی اللھم فشفعہ فیّ۔‘‘

’’الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو مہربانی کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اپنے ربّ کی طرف اپنی حاجت میں توجہ کرتا ہوں تاکہ میری حاجت روائی ہو۔ الٰہی انھیں میرا شفیع کر، ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔‘‘

مونسِ دل شکستگاں، پشت پناہ خستگاں
شافعِ عرصہ جزاء، صلِ علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (حسرتؔ موہانی)

اور حضرت جگر مراد آبادی کہتے ہیں:

یک گوشہِ چشم التفات
بر اشیانِ غم رسیدہ
رحمت بہ اشارہ تو جوشاں
جنت بہ نگاہت آرمیدہ

جنگِ احد میں غلطی کا مرتکب ہونے والے مسلمانوں کے لیے درگزر کا وسیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی:

قرآنِ کریم سے وسیلے کا پہلا اور آخری حوالہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

(سورہ آلِ عمران: آیت ۱۵۹)

''پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے
اور اگر ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تند مزاج، سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس سے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم درگزر فرمایئے ان سے اور
بخشش طلب کیجیے ان کے لیے اور صلاح مشورہ کیجیے ان سے اس کام میں
اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ کرلیں (کسی بات کا) تو پھر توکل کریں اللہ پر،
بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔''

''درگزر فرمایئے ان سے اور بخشش طلب کیجیے ان کے لیے''۔ جانتے ہیں یہ کون لوگ ہیں جن کو درگزر کرنے اور ان کی خطا پر بخشش طلب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہے؟ اس کا پس منظر یہ ہے:

جنگِ احد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کا پیغام مل چکا تھا چنانچہ مسلمانوں نے بڑی دلیری اور شجاعت کے جوہر دکھا کر میدانِ بدر کی طرح اس میدان کا پانسہ پلٹ دیا لیکن دشمن جب بھاگنے لگا تو اس کا پیچھا کر کے بقایا کا بھی صفایا کرنے کی بجائے مالِ غنیمت کی لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جنگی تجربے اور مہارت کی دوراندیشی سے کام لے کر تیراندازوں کے ایک دستے کو ایک پہاڑی پر بٹھا دیا تھا تاکہ غنیم دوسری طرف سے حملہ آور نہ ہو جائے۔ لیکن مالِ غنیمت کی لوٹ مار دیکھ کر ان تیراندازوں کا دستہ اپنی جگہ چھوڑ کر حصہ لینے کے لیے نیچے اتر آیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید، جو بہترین جنگی مہارت رکھتے تھے، اس موقعے کو غنیمت جان کر اسی جگہ سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمان چونکہ مالِ غنیمت لینے میں مشغول تھے اس اچانک حملے سے سنبھل نہ پائے اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان کا رخ بدل گیا۔ مسلمان نہ صرف جیتی بازی ہار گئے بلکہ بہت سی قیمتی جانوں کا نقصان بھی ہو گیا اور اسی غلطی کے نتیجے میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، ان کے علاوہ دیگر صحابہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے اور اسی غلطی اور نافرمانی کے نتیجے میں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر زخم آئے اور دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ جنگِ احد سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے فتح کا جو پیغام دیا تھا اس پر لوگوں نے دریافت بھی کیا کہ جب وحی ہماری کامیابی کے

لیے نازل ہوئی تو پھر یہ ناکامی! اس سوال کو سن کر پھر وحی کا دوبارہ نزول ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے حکم کی نافرمانی کو اس کا سبب قرار دیا۔ اس واقعے سے جو نتائج نکلتے ہیں ان میں ایک یہ کہ اللہ کے محبوب ﷺ کی اطاعت کے بجائے نافرمانی کرو گے تو نتائج اس کے برعکس نکلیں گے۔ دوئم اتنی بڑی غلطی پر، جس میں بے شمار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہوگئے اور ذات والا مرتبت نبی کریم ﷺ کے چچا رضی اللہ عنہ بھی نہ صرف شہید ہوئے بلکہ ان کی نعشِ مبارک کی بے حرمتی کی گئی، اللہ کے محبوب ﷺ کا روئے انور لہولہان ہوا، تو ایسے لوگوں کے اس عظیم گناہ پر عفوو درگزر کا حکم آ گیا، سبحان اللہ! تاریخی جنگوں کا احوال پڑھیے تو ایسی غلطیوں پر سخت ترین سزائیں دی جاتی رہی ہیں جسے ہمارے زمانے میں ''کورٹ مارشل'' کہا جاتا ہے۔

لیکن جس کو قیامت تک کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا گیا، عفوو درگزر میں سب سے بلند مقام عنایت ہوا اس کی بارگاہ سے سزا کا تصور کیا؟ خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے فَاعْفُ عَنْهُمْ کہا کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ کا تو مزاج ہی درگزر کا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا دل نرم ہے، سختی نہیں ہے۔ آپ ﷺ اسی ادائے خاص کا مظاہرہ فرمائیں اور رہ گئی ان کی سزا، تو آپ ﷺ ان کے لیے بخشش طلب فرمائیں۔ جب آپ ﷺ ان کے لیے بخشش طلب فرمائیں گے تو ہم کبھی رد نہیں کریں گے۔ یہ نہیں کہا کہ ان سے کہہ دیجیے کہ وہ اس عظیم غلطی پر خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں، توبہ کریں اور اپنے ربّ سے معافی اور بخشش کے طلب گار ہوں۔ وہ تو چاہتا ہی یہ ہے کہ جو بھی کسی کو عطا کیا جائے اپنے محبوب ﷺ کے ہاتھوں سے دیا جائے۔ جو لوگ اس وسیلے کے مقام کو سمجھتے ہیں وہ وسیلے پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ نہایت ادب اور عاجزی سے یوں کہتے ہیں:

فریاد اے سلطانِ دیں ، اے رحمۃ للعالمیں
تم ہو شفیع المذنبیں ، اس در سے ہم جائیں کہاں؟
فریاد اے محبوب ربّ ﷺ، فریاد اے شاہ عرب ﷺ
ہم تجھ سے کرتے ہیں طلب دل کی مرادیں ہر زماں

(مولانا نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ مرادآبادی)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ربّ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے بڑھ کر، ان سے بہتر یا ان کے برابر کوئی غم خوار امت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے کس درجہ محبت ہے، اس کا احوال گزشتہ اوراق میں پیش کیا جا چکا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت کا منظر اور امت کی فکر کا سارا حال بیان ہو چکا۔ ایک اور عالمِ دین ان کی بارگاہ اقدس میں کس قدر عاجزانہ التجا کرتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامیِ کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار

(مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور التجا جب ان کی بارگاہ میں کی جاتی ہے تو ہر طرف سے امیدیں چھوڑ کر صرف انھی کو اپنا سب کچھ بنا کر پھر جھولی پھیلاؤ تو در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا!

ایک آخری واقعہ، جو اس وقت مجھے یاد آ گیا، اس بحث کو تکمیل کا تاج پہناتا ہوں۔ قرآنِ کریم کے حوالے سے یہ حوالہ بھی وسیلے کی دلیل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودیوں میں وسیلہ کا دستور:

سورہ بقرہ میں ان یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو آفت اور مصیبت کے وقت اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے جس کا ذکر ان کی کتاب تورات میں تھا، لیکن جب وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری کتاب لے کر آیا تو اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ وسیلے کی یہ عظیم الشان مثال ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

”وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔

"اور آئی جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسے وہ جانتے تھے، تو انکار کر دیا ان کے ماننے سے۔ سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔"

علامہ سیّد محمد آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ "روح المعانی" میں فرماتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر یہود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفار و مشرکین سے ان کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہونے لگتے تو اس وقت تورات کو سامنے رکھ کر اور وہ خاص مقام کھول کر، جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و کمالات کا ذکر ہوتا، وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دعا کرتے:

"اللھم انا نسئلک بحق نبیک الذی و عدتنا ان تبعثہ فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون۔"

(روح المعانی / ضیاء القرآن جلد اول، ص ۷۴)

"اے اللہ! ہم تجھے تیرے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں اپنے دشمنوں پر فتح دے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کو قبول فرماتا اور یہود کو فتح سے ہمکنار کرتا۔

ذرا غور کیجیے تو ایک اور بات، جو وسیلے کا ایک راز ہے، وہ سامنے آتی ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ فرمایا گیا: "وہ اس سے پہلے مانگتے تھے کافروں پر" یعنی یہ کوئی ایک مرتبہ فتح نہیں مانگی گئی بلکہ جب وہ شکست سے ہمکنار ہوتے نظر آتے تو اسی نام اقدس کے وسیلے سے مدد اور فتح مانگا کرتے۔ کیا اللہ جل جلالہ کو یہودیوں کی اس نیت کی خبر نہ تھی کہ جب میرا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

آئے گا تو یہ اسے ماننے سے انکار کر دیں گے؟ اس کی ذات عالم الغیب والشہادۃ ہے، اسے ماضی حال مستقبل کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک فرد کے عمل کی خبر ہے، پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ وہ انھیں فتح نہ دیتا بلکہ ان کی بدنیتی کا علم ہونے کے سبب ان کی التجا کو رد کر دیتا؟ اسے اس کا بھی اختیار تھا اور اس سے کون سوال کرنے والا ہے؟ بات صرف یہ تھی کہ جس کی خاطر اس نے یہ ساری کاینات بنائی جب اور جہاں اس کے واسطے کو کسی نے پیش کیا اس کی دعا رد نہیں ہوئی۔ یہ ہے اس وسیلے کا مقام۔ اہلِ محبت، اہلِ ایمان ہوں یا پریشان حال گنہگار، انفرادی مصایب ہوں یا اجتماعی، ملت کے لیے اس کا واسطہ دے کر مانگتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے کس درد کے ساتھ یہ کہا:

اے خاصہِ خاصانِ رُسل ﷺ وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین کہ نکلا تھا بڑی شان سے گھر سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

ایک اور شاعر جب اپنی قوم کے زوال پر نظر ڈالتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے، اس کا ضمیر جاگتا ہے، وہ راستہ تلاش کرتا ہے اور اس کی روح اپنی تمام کوتاہیوں کے گہرے احساسات کے ساتھ اسی آستانے پر سرنگوں ہو جاتی ہے اور وہ بول اٹھتا ہے:

تجھ پہ نثار جان و دل، مڑ کے ذرا تو دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہ کافری
تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور آئے ہیں
چہروں پہ رنگِ خستگی، سینوں میں دردِ بے پری
آج ہوائے دہر سے ان کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہِ سروری
جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں
اب نہ وہ تیغِ غزنوی، اب نہ وہ تاجِ اکبری

اٹھ کہ ترے دیار میں پرچمِ کفر کھل گیا
دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحنِ حرم میں ابتری
جوشؔ کے حالِ زار پر رحم کہ تیری ذات ہے
شعلۂ طور معرفت ، شمعِ حریمِ دلبری

(جوشؔ ملیح آبادی)

صَاحِبِ قَابَ قَوسَین

مقامِ قاب و قوسین میں کماں بن کر
وہ قربِ حضرتِ یزداں، درود تاج میں ہے

صَاحِبِ قَابَ قَوسَینِ

لفظ قاب قوسین کو درود تاج میں دو مرتبہ پیش کرنے کی وجہ:

اس سے قبل گزشتہ اوراق میں ''قاب قوسین مطلوبہ'' کے زیرِ عنوان لفظ ''قاب'' اور ''قوسین'' کی لغوی تشریح کی جا چکی ہے اور اس بلند ترین مقام پر محبوب رب ﷺ کے پہنچنے کا ذکر بھی تفصیل سے آچکا ہے پھر مصنف درود تاج نے اس لقب کو دوبارہ کیوں پیش کیا؟ یہ وہ سوال ہے جو ذہن میں آتا ہے، یعنی قاب قوسین کے حوالے سے دوبارہ ایک خیال کو پیش کرنے میں کیا مصلحت اور اس کا جواز کیا ہے؟ اس کا جواب بہت سادہ اور آسان ہے کہ پہلے جو ذکر آیا وہاں آپ ﷺ کا یہ لقب نہیں ہے یعنی وہ اس واقعۂ معراج کی حالت بیان کر رہا ہے کہ جب حضور ﷺ سفرِ معراج کے لیے چلے تو کن کن مقامات سے گزرے۔ یاد کیجیے، کہا گیا ہے:

واللہ عاصمہ و جبریل علیہ السلام خادمہ، والمعراج سفرہ و سدرۃ المنتھیٰ مقامہ، وقاب قوسین مطلوبہ، والمطلوب مقصودہ، والمقصود موجودہ۔ اس میں سفر کی حالت اور مدعائے سفر بیان کیا گیا ہے اگرچہ یہ بھی آپ ﷺ کے درجات بلند کی جانب خصوصی اشارہ ہے لیکن یہاں لقب نہیں ہے اور ''صاحبِ قاب قوسین'' لقب بن گیا جس طرح اس سے قبل ''صاحب التاج''، ''صاحب الجود والکرم'' آچکا ہے۔

صرف چند باتیں دہراتا ہوں۔ لفظ قاب کے معنی مقدار کے ہیں اور اندازے کے بھی، اس کے مقابل لفظ قوسین ہے جو لفظ قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ جب نہایت قرب کو بیان کرنا ہو تو اہلِ عرب ان دونوں لفظوں کو قاب قوسین کہتے ہیں۔ گزشتہ اوراق میں اس

کا روایتی پس منظر، مضمون کی طوالت کے سبب، تمام پیش نہیں کیا تھا، اب یہاں بیان کرتا ہوں۔

قابَ قوسین اور عرب کا دستور:

بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے، یعنی دورِ جاہلیت میں ایک دستور تھا وہ یہ کہ جب دو قبیلے اتحاد کرتے اور ان کے سردار اس اتحاد کا اعلان کرنا چاہتے تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو اٹھا کر ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اسے چھوڑتے۔ یہ ان کے اتحاد اور اتفاق و دوستی کا اعلان ہوتا۔ اب جو کوئی ان دونوں عہد و پیمان کردہ میں سے کسی ایک پر حملہ آور ہوتا تو یہ دونوں متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرتے۔ یہ اس لفظ قاب قوسین کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ بعد میں آیا۔ عربوں میں اس لفظ کا رواج اسلام کی آمد سے پہلے ہی تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عربوں کی زبان دورِ جاہلیت میں بھی کس قدر فصیح تھی، اگر یہ لفظ غیر فصیح ہوتا تو قرآن میں نہ آتا۔

قابَ قوسین کی تعریف صاحبِ قابَ قوسین ہی کر سکتے ہیں:

واقعۂ معراج میں جب قرب کی نسبت سے اس لفظ کا استعمال ہوا تو مقام بلند و بالا کے تعلق سے اس لفظ کی قدر و قیمت بدل گئی، یعنی واقعۂ معراج میں اگر اس لفظ کا استعمال نہ ہوتا تو کتنا ہی فصیح ہونے کے باوجود رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس کا استعمال ہرگز نہ آتا۔ مصنف **درود تاج** نے اس لفظ کی عظمت کے سبب، اور اس بلند مقام پر قربِ الٰہی کی مناسبت سے، اسے "صاحب" کے ساتھ ملا کر القابِ نایاب میں شامل کیا۔ مقام قاب قوسین کی آج تک جو تشریحات سامنے آئی ہیں وہ تمام وہی ہیں جو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بیان فرمائیں ورنہ کوئی بشر ایسا نہیں جو اس مقام پر روشنی ڈال سکے۔ یہ عقل و فہم اور ادراک کی منزلوں سے پرے ہے، یہاں خیال و تصورات معذور اور قیاس و گمان بے بس ہیں، ہاں جسے ذاتِ باری تعالیٰ اس بھید سے آگاہ فرما دے، اس مقام سے آشنا کر دے وہی ان اسرار و رموز کے چہروں کی نقاب کشائی کر سکتا

ہے۔ ایک ہی ذات ہے جس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا، جہاں محبّ نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بات کا مشاہدہ کرایا۔ صاحبِ قاب قوسین کا کیا مقام ہوگا جو تختِ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی کے سلطان ہوے۔ قاب قوسین ان کے لیے وہ مہمان سرائے بلند ہوئی کہ "اَوْ اَدْنٰی" جس کی بام محبت کہلائی۔ وہ جب اس فرشِ بے مایہ سے جدا ہوے تو حجرہ امکاں کے باہر گلشنِ واجب میں تنہا خراماں ہوے۔ اس عظمتِ خاص کے لمحات میں قدسیانِ خاص کو بھی دم مارنے کی اجازت نہ تھی کہ یہ ملاقات کی وعدہ گاہ تھی، یہ مقام صدیقین کا ہے، غوث وقطب کا ہے کہ وہ اس پر کچھ روشنی، جوان تک پہنچی ہے، ہم تک پہنچا سکیں۔ البتہ یہ ضرور کہتے ہیں:

اے آں کہ ز شوق بے نہایت
حق را ہمہ آشکار دیدہ
طے کردہ منازل و مراحل
تا سدرہ بہ ساعتے رسیدہ
وز سدرہ بہ انتہائے قوسین
باعظمتِ خاص رہ بریدہ (جگر مرادآبادی)

اور جامی رحمۃ اللہ علیہ کہہ سکتے ہیں:

ترا خانہ بلند از قاب قوسین و دنیٰ بامش
ز طٰہٰ روشنائی داں و یٰسٓ کنگرہ ایواں
تماشائے عجب کردی درونِ گلشنِ واجب
ولے تنہا خرامیدی بروں از حجرہ امکاں

جگر کہتے ہیں:

اے وہ ذاتِ اقدس (صاحبِ معراج) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوقِ بے حد نے جلوہ حق تعالیٰ کو ہمیشہ ظاہر اور کھلا دیکھا۔

سفرِ معراج میں تمام منازل ومراحل طے فرماتے ہوے ایک ساعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منزلِ سدرہ پر پہنچی۔

اور پھر سدرہ سے اس مقام تک، جسے قاب قوسین کہا گیا، عظمتِ خاص کے ساتھ پہنچے۔

جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''دنیٰ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر (محل) کا وہ بام ہے جو قاب قوسین سے بھی بلند ہے۔ اس محل کے کنگرے یٰسٓ اور اس کو روشنی ربّ کریم نے طٰہٰ سے دی ہے۔ یٰسٓ و طٰہٰ قرآنِ کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ القاب ہیں جو حق تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔

اس گلشنِ واجب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجب کمال کیا کہ حجرہ امکاں سے باہر (لامکان میں) تنہا خراماں ہوئے اور اس مقام کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

مُحبوبِ ربِّ المشرقینِ
وربِّ المغربینِ

خدا کے ذکر میں شامل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل
ہے شرق وغرب میں یکساں، درود تاج میں ہے

مَحبُوبِ رَبِّ المَشرِقَینِ وَرَبِّ المَغرِبَینِ

مشرق ومغرب کا ذکر سنّتِ الٰہیہ ہے:

درود تاج میں دوسمتوں کا ذکر درحقیقت سنّتِ الٰہیہ ہے۔ قرآنِ کریم میں صرف ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار مشرق ومغرب کا ذکر ہے اس لیے یہ ذکر کرنا سنّتِ الٰہیہ ہے جیسا کہ درود پڑھنا بھی سنّتِ الٰہیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے اور صرف ایک بار نہیں بھیجا بلکہ بھیجتا رہتا ہے۔ درود کی تو بات ہی کیا ہے، یہ سنّتِ الٰہیہ بھی ہے سنّتِ ملایکہ بھی ہے۔ حضور ﷺ نے درود بھیجنے کی مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم دی (اس کی تفصیل صلوا علیہ وآلہٖ میں آئے گی) اس لیے سنّتِ محبوب ربّ ﷺ بھی ہے اور سنّتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہلِ بیت علیہ السلام واولیاء رحمۃ اللہ علیہ بھی ہے۔ مشرق ومغرب کا ذکر ثنائے حبیب ﷺ کے لیے مصنف **درود تاج** نے انھی مناسبات سے اختیار کیا۔

سورہ نور، سورہ بقرہ، سورہ کہف، سورہ شعراء، سورہ مزمل، سورہ رحمٰن میں ارشاد ہوا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا

''مالک ہے مشرق ومغرب کا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس بنائے رکھو اس کو اپنا کارساز۔''

اس کی ربوبیت مشرق ومغرب، ان ﷺ کی نبوّت مشرق ومغرب:

جب اللہ نے اپنی ربوبیت کے لیے مشرق ومغرب کہنا پسند کیا تو ہم اس کے محبوب ﷺ کے لیے کیوں نہ کہیں؟

محبوب ربّ تو آپ ﷺ ہیں ہی پھر مشرق ومغرب کی سمت بتانے کی مصنف **درود تاج** کو کیا ضرورت تھی؟ یہاں کوئی کج فہم یہ سوال کرسکتا ہے کہ اس ساری کائنات کا

مالک رب العالمین ہے، عالمین میں مشرق بھی آ گیا اور مغرب بھی اور یہ مشارق و مغارب تو ہمارے لیے ہیں۔ جب اللہ جل جلالہ کا وہ محبوب ﷺ ہے تو پھر مشرقین و مغربین کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا مشرق کا ربّ (نعوذ باللہ) کوئی اور ہے اور مغرب کا کوئی اور؟ اس لیے اس بات کی وضاحت کرتا ہوں کہ قرآنِ کریم میں مشرق و مغرب کا ذکر اس کی ربوبیت کے حوالے کے لیے آیا ہے جس کا حوالہ آغاز میں دیا گیا، مقصود یہ ہے کہ جہاں جہاں اس کی ربوبیت ہے اس کے محبوب ﷺ کا تذکرہ وہاں وہاں ہے۔ مشرق ہو یا مغرب رحمت للعالمین ﷺ پر درود ہر خطے میں، خواہ کسی سمت پر ہو، پڑھا جا رہا ہے۔ مشرق میں جس طرح ان کی ثناء ہو رہی ہے مغرب میں بھی ان کا چرچا زبان زد عام ہے۔ اس طرح حضور ﷺ تمام اہلِ ایمان کے لیے جو مشرق میں ہیں محبوب ہیں اور جو مغرب میں ہیں ان کلمہ گویان کے بھی محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب ﷺ کی اطاعت کا حکم مشرق والوں کو جس طرح دیتا ہے اسی طرح مغرب والوں کے لیے ہوتا ہے۔ وہ حکم تمام جہتوں کے لیے ہے اور کوئی سمت نہ اس کے حکم سے خالی ہے نہ اس کے محبوب ﷺ کے ذکر و ثناء سے خالی ہے۔ اگر سمت (مشرق و مغرب) پر اعتراض کیا جائے تو یہ مصنف درود تاج پر نہیں قرآن

طاق ہو۔ اس میں چراغ شیشے کے (ایک) فانوس میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ (یہ) نور ہی نور ہے۔"

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا۔

"اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے۔ (انھیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے۔"

(سورۃ الاعراف: آیت ۱۳۷)

ان آیات پہ غور فرمائیے۔ پہلی آیات میں فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ ہو رہا ہے۔ دربار میں فرعون کے امراء بیٹھے ہیں اور وہ علمی سوالات کر کے اللہ کے نبی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو زچ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو ہر بات کا معقول

پر ہوتا ہے۔ دیکھیے قرآن میں کس طرح مشرق و مغرب کا ذکر آیا ہے:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ

(سورہ شعراء: آیت ۲۸)

''آپ (موسیٰ علیہ السلام) نے (معاً) فرمایا: جو مشرق و مغرب کا ربّ ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔''

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ

(سورہ نور: آیت ۳۵)

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک

جواب دے رہے ہیں لیکن وہ ان کے جواب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے:

''میں ان سے کچھ کہتا ہوں یہ جواب کچھ دیتے ہیں، یہ تو مجنون ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تو اپنی چھوٹی اور مصر کی حدود میں مقید حکومت پر اترا رہا ہے، اگرچہ تیری حدود سے باہر تیرے حکم کی حیثیت گھاس کے تنکے کے برابر ہے یا اس کے برابر بھی نہ ہوگی لیکن جس ربّ کی میں بات کرتا ہوں وہ مشرق کا بھی ربّ ہے اور مغرب کا بھی اور ان دونوں سمتوں کے درمیان جتنا علاقہ اور اس میں جو کچھ ہے ان سب کا وہ مالکِ حقیقی ہے۔ اگر کچھ عقل رکھتے ہو تو اس پر (میری باتوں پر) غور کرو۔''

(بحوالہ ضیاء القرآن)

یہاں اللہ کی بڑائی اور شان بیان ہو رہی ہے۔ جن سورتوں کا قبل ازیں حوالہ دیا اور ان میں سے چند سورتیں مع ترجمے کے پیش کیں۔ اگر ان تمام کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو

معلوم ہوگا کہ اپنی بزرگی اور بڑائی کے بیان کرنے کے جتنے بھی انداز ہیں اللہ ربّ العزت کے ایک ان میں سے یہ انداز بھی ہے کہ وہ مشرق و مغرب کا ذکر فرما کر اپنی حاکمیت کی حدود کو متعارف کرا رہا ہے، اور یہ بات مکّے اور عرب کے لوگوں کو سمجھانے کے لیے زیادہ سہل اور آسان تھی کہ وہ سمت کے اعتبار سے مشرق و مغرب ہی سے واقف تھے یعنی اگر وہ اپنی بڑائی جتانے کے لیے کون ومکاں، عرش ولوح و کرسی، سات آسمانوں کا بیان کرتا تو ان کے لیے اس حاکمیت کی حدود کو سمجھنا محال تھا اس لیے حق تعالیٰ نے یہ آسان اور سہل انداز اختیار کیا اور اس طرح یہ اس کی ایک ادا بن گئی لہٰذا مصنف درود تاج نے اسی سنتِ الٰہیہ کو مدح و ثنائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا خوبصورت حصہ بنا لیا جو مشرق سے مغرب تک ان کی توصیف و تعریف کو لے کے پھیل گیا۔

پھلواروی صاحب نے یہاں بھی اعتراض کیا ہے:

خود ساختہ مجتہد العصر علامہ جعفر شاہ پھلواروی نے یہاں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں، ان کا اعتراض یہاں بھی ان کی کم مائیگیِ علم کا ماتم کر رہا ہے، فرماتے ہیں:

""محبوب کا لفظ لغۃً تو غلط ہو نہیں سکتا لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لفظ میری ناقص نگاہوں سے نہیں گزرا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ""خلیلی"" یا ""حبیبی"" تو کہتے تھے لیکن ""محبوبی"" یا ""معشوق"" کبھی نہیں کہا۔"" دیکھا آپ نے، کس قدر فتنہ پرور ذہن ہے معترض کا کہ محبوبی کے لفظ کے ساتھ اپنی جانب سے معشوق کے لفظ کا اضافہ کر کے معقول ذہنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایسی بات کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں باپ اور ماں کو ""ابی"" ""واُمّی"" کہا جاتا تھا اماں اور ابا سننے میں نہیں آیا۔

اس غیر معقول اعتراض کا جواب علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے پیش کرتا ہوں پھر اپنا خیال ظاہر کروں گا۔

علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

""پھلواروی صاحب کے آخری جملے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب کہنا اور معشوق کہنا دونوں کا ایک حکم ہے۔ لفظ معشوق کی بحث میں ہم کہہ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے حق میں یہ لفظ کہنا انتہائی بدتمیزی ہے۔ بجز کسی بے حواس کے کوئی مسلمان حضور ﷺ کو معشوق نہیں کہہ سکتا لیکن لفظ محبوب کو بھی اس کے ساتھ ملا دینا انتہائی جسارت ہے۔ کیا پھلواروی صاحب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ رسول ﷺ کی ثناء میں کوئی ایسا لفظ جایز نہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہ کہا ہو؟ (یہاں علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ ایک عنوان قایم کرتے ہیں) ''عدم ورود دلیل عدم جواز نہیں'' اور اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

''اگر واقعی وہ یہ سمجھتے ہیں تو بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہیں۔ متقدمین اور متاخرین علماء و صلحائے امت نے حضور ﷺ کی مدح وثناء میں بے شمار ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں، مثلاً: ''وسیلتی''، ''محسنِ اعظم''، ''امام الانبیاء ﷺ'' جن پر آج تک کسی نے انکار نہیں کیا اور وہ بلاشبہ جایز ہیں۔ ہاں ایسا کوئی لفظ، جو حضور ﷺ کے شایانِ شان نہ ہو، کسی کے نزدیک جایز نہیں اور نہ درود تاج میں ایسا کوئی لفظ وارد ہوا۔''

اس سے قبل آپ کی نظر سے پھلواروی صاحب کے کئی اعتراض گزرے اور ایک اعتراض آیندہ اوراق میں بھی آپ کی نظر سے گزرے گا۔ اگر قلب میں واقعی حُبِّ رسول ﷺ ہو تو اس طرح کے اعتراضات کے لیے، جو معقولیت سے خارج ہیں، دل کیسے گوارا کرتا ہے اور زبان کیسے کھلتی ہے؟ کیا محبت کا مفہوم بھی ان لوگوں کے لیے عنقا ہے؟ اور ان کے اعتراضات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے محبوب ہونے کا تصور پھلواروی صاحب کے لیے سوہانِ روح ہے۔ ایک پھلواروی پر ہی کیا موقوف ہے، اس راہِ تعصب پر نہ جانے کون کون گامزن ہے لیکن اس آئینۂ محبت کو غبار آلود نہ کر سکے اور نہ ہی کر سکیں گے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا کہ اعداء ہر زمانے کے مٹ گئے ہیں، جو ہیں وہ بھی مٹ رہے ہیں اور جو آیندہ ہوں گے وہ بھی مٹ جائیں گے لیکن حضور ﷺ کا یہ چرچا نہیں مٹے گا۔

جَدِّ الحَسَنِ علیہ السلام

وَالحُسَینِ علیہ السلام

ہمیں بھی اُن کی محبت کا جام بھر کے ملے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
جن پہ ہیں نازاں، درود تاج میں ہے

جَدِّ الحَسَنِ علیہ السلام وَالحُسَینِ علیہ السلام

بہر آں شہزادہ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیں صلی اللہ علیہ وسلم نعم الجمل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بیت علیہم السلام سے بے پناہ محبت:

امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت تاریخِ اسلام کا جتنا المناک واقعہ ہے اتنا ہی تابناک ہے۔ المناک اس لیے کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا، والدہ حسنین کریمین علیہم السلام سے جتنی محبت تھی تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورِ نظر صاحبزادی رضی اللہ عنہا کو اپنے سے زیادہ عرصہ تک جدا دیکھنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ آخر میں اپنی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے اور جب واپسی ہوتی تو پہلے مادرِ حسنین رضی اللہ عنہا کے گھر آتے۔ جدائی اور فراق کی کیفیت کا دوسری طرف یہ عالم ہوا کہ چھ ماہ بھی نہ گزرے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ گئیں۔

یہی حال حسنین کریمین علیہم السلام سے محبت کا تھا۔ محققین نے ان دونوں کے بچپن کے واقعات کو بڑی احتیاط کے ساتھ جمع کیا ہے، جو واقعات کتاب کی صورت میں ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا احوال تاریخ میں محفوظ ہے اور واقعات اس محبت کے گواہ ہیں۔ طریقت اور شریعت، دونوں جہانوں میں آپ کرّم اللہ

وجہہٗ کے ذکر کو جتنی قبولیت ہے کسی اور کو نہیں۔ اہل اللہ کے یہاں منزل معرفت تک رسائی کے لیے انھیں کا قرب تلاش کیا جاتا ہے۔ مصنف درود تاج نے اسی تعلق کو سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جدِّ الحسنِ والحسینِ علیہم السلام کا لقب پیش کیا۔ آپ خود بھی غور کریں کہ جب بھی یہ نام زبان پر آتا ہے تو کربلا کے تمام واقعات نہ جانے کیوں ایک ایک کر کے سامنے آجاتے ہیں اور ذہن اس عظیم مقصد کی طرف رجوع ہوتا ہے جس کے لیے اس گھرانے کے تمام جوانوں اور بچوں نے جان کے نذرانے پیش کیے۔ وہ کون سا دل ہے جو اہلِ بیت علیہم السلام کی محبت سے خالی ہے لیکن درود تاج کی مخالفت اور اندر چھپے ہوئے بغض نے یہاں بھی اعتراض کی راہ نکالی اور دولتِ ایمان سے یقیناً ہاتھ دھو بیٹھے۔

پھلواروی کا اعتراض: حسنین علیہم السلام کا نانا صلی اللہ علیہ وسلم ہونا کوئی شرف نہیں ہے:

”رسمِ دنیا کے مطابق چھوٹا اپنے بڑوں کے لیے باعثِ فخر ہو سکتا ہے لیکن صرف اس وقت جب کہ وہ مجموعی حیثیت سے یا کسی خاص امتیازی کارگزاری میں اپنے بزرگوں سے آگے نکل جائے یا کم از کم ان کے برابر ہو جائے یا کسی ایسے وصف کا مالک ہو جائے جو اس کے بڑوں کو حاصل نہ ہوا ہو۔ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا حضرات حسنین علیہم السلام کے لیے باعثِ فخر ہو سکتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حسنین علیہم السلام کا نانا ہونا قطعاً کوئی شرف نہیں۔ مہاجر و انصار کو چھوڑ کر کسی ایسے کو باعثِ فخر بنانا جو مہاجر ہے نہ انصار ہے یقیناً ایک ایسی غالیانہ ذہنیت کا غماز ہے جس کا اہلِ سنّت سے کوئی تعلق نہیں۔“

اعتراض کے الفاظ میں گستاخانہ جملے:

خود ساختہ امام الصوفیا اور مجتہد العصر جعفر شاہ پھلواروی کے روحانی فقدان کا عالم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حسنین کریمین علیہم السلام کے درمیان خون کے رشتوں سے کہیں زیادہ مضبوط روحانی رشتے نظر ہی نہیں آئے اور آغاز یوں کیا: ”رسمِ دنیا کے مطابق“۔ یعنی وہ ان تعلقات کو رسمِ دنیا کے مطابق غور کر رہا ہے۔ گستاخِ اہلِ بیت علیہم السلام کی اس سے بڑی اور بے ہودہ مثال اہلِ سنّت کی صفوں میں نہ کوئی تھی نہ کوئی ہے۔ جملہ دیکھیے: ”کسی ایسے کو“۔

کس قدر دریدہ دلیری اور اپنی حد سے تجاوز ہے جب کہ حسنین کریمین علیہم السلام امت کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ پھلواروی صاحب نے رسمِ دنیا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ دین کے کسی گوشے میں انھیں پناہ نہیں ملی، ذرا دین کے میدان میں آئیے، ہم آپ کو بتائیں گے کہ کسی کا باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ جس شخص کو باعثِ فخر کہا جائے وہ فخر کرنے والے سے افضل یا اس کے برابر ہو۔ علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس بے ہودہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گستاخانہ اعتراض کا جواب اور حوالے:

دیکھیے حدیث وارد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا: انی مکاثر بکم الانبیاء یوم القیامۃ۔ ''یعنی میں تمھاری کثرت کے باعث قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام پر فخر کروں گا۔''

(مسند احمد جلد سویم، ص ۲۴۵، طبع بیروت)

اور ترمذی شریف میں ہے: انی مکاثر بکم۔ ''میں تمھاری کثرت کے باعث فخر کروں گا۔'' (ترمذی جلد اول، ص ۲، طبع دہلی) اور ابوداؤد میں ہے: فانی مکاثر بکم۔ ''بے شک تمھاری کثرت کے سبب فخر کروں گا۔''

(ابوداؤد جلد اول، ص ۲۸۰، طبع اصح المطابع، کراچی، جلد دویم، ص ۵۹، طبع دہلی)

یہی الفاظ نسائی میں بھی ہیں۔

مسند احمد میں ایک اور جگہ وارد ہے ومکاثر بکم۔ ''میں تمھاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔'' (مسند احمد، ص ۳۵۱، جلد چہارم) اور ابنِ ماجہ میں ہے: وانی مکاثر بکم الامم۔ ''اور بے شک میں تمھارے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

(ابنِ ماجہ جلد دویم، ص ۲۹۱، اصح المطابع، کراچی)

کتبِ احادیث میں روایات منقولہ بتفاوتِ یسیر متعدد روایات متعدد مقامات پر مختلف صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مرفوعاً وارد ہیں جن کی دلالتِ قطعیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ فخر ہے۔ حسنین کریمین

علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ بھی ہیں، صرف صحابی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد، امجاد اور اہلِ بیت علیہم السلام ہونے کا شرف انھیں حاصل ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ فخر ہے تو حسنین کریمین علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطریقِ اولیٰ باعثِ فخر ہیں جب کہ امت کے کسی ایک فرد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہونا بھی ممکن نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً افضل الخلق ہیں۔ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حسنین کریمین علیہم السلام کا باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ (معاذ اللہ) وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں یا ان کے برابر ہیں۔

پھلواروی صاحب کی غلط فہمی یہی ہے کہ انھوں نے حسنین کریمین علیہم السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ فخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے افضل ہونے کو مستلزم سمجھ لیا اور یہ قطعاً غلط ہے۔ دیکھیے حدیث شریف میں ہے: ان اللہ عزّوجل یباھی بکم الملئکۃ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین! بے شک اللہ عزّوجل تمھارے باعث ملایکہ پر فخر کرتا ہے۔'' یہ حدیث مسلم شریف جلد دویم، ص ۲۴۶، طبع اصح المطابع، کراچی اور مسند امام احمد جلد دویم، ص ۱۸۶، طبع بیروت پر وارد ہے۔ نسائی اور ابنِ ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے لیے بھی باعثِ فخر ہے۔ کیا پھلواروی صاحب یہاں بھی اس التزام کو تسلیم کریں گے (العیاذ باللہ)؟ ذرا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر اللہ تعالیٰ کا فخر فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی علوئے شان کی دلیل ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضل وشرف عطا کیا کہ اللہ ان کے باعث ملایکہ پر فخر کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حسنین کریمین علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی امت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ فخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو مستلزم ہے کیونکہ ان حضرات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ فخر ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فیض اور نسبت کی وجہ سے ہے۔ اگر امت کی اضافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہوتی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے محروم ہوتے تو ان میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ فخر نہ ہوسکتا تھا۔

جس سے ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ ہی کی فضیلت ہے اور آپ ﷺ ہی کی ہر فضیلت اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کی دلیل ہے کہ اسی نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ فضیلت عطا فرمائی۔ اس کے بعد آگے چل کر جدِ الحسن والحسین علیہم السلام کے الفاظ کو پھلواروی صاحب غالیانہ ذہنیت کا غماز قرار دے رہے ہیں جب کہ حسنین کریمین علیہم السلام کے تمام فضایل ومناقب کو نظر انداز کر کے ان کے مہاجر وانصار نہ ہونے کا ذکر جس انداز میں پھلواروی صاحب نے کیا ہے وہ خود اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کے حق میں ان کی متعصبانہ ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ فیا للعجب۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو علم اور اس کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے پھلواروی صاحب کو بخشی اس کا حق ادا کرتے ہوئے بطور شکرانے کے، جن کے صدقے میں یہ سب کچھ انھیں میسر آیا اور جن کے ذکرِ جمیل کے طفیل ان کی روئے زمین پر عزت ومرتبہ ہے، ان کے نورِ نظر، لختِ جگر کے جتنے بھی فضایل تھے اس پر اپنا زورِ بیان ختم کر کے رحمت للعالمین ﷺ کے کرم کے امیدواروں میں ہو جاتے لیکن وائے نادانی کہ ان کے مراتب ودرجات کے درپے ہو گئے اور ان کے مہاجر وانصار نہ ہونے کا دعویٰ کر کے ان کی توقیر وعظمت پر حرف گیر ہو گئے۔ جدِ الحسن والحسین علیہم السلام کے الفاظ کو غالیانہ ذہنیت کا غماز قرار دیا۔ کاش پھلواروی صاحب کو اس گستاخانہ تحریر سے روکنے کے لیے کوئی انھیں سیدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کا حسنین کریمین علیہم السلام سے ان کی محبت کا واقعہ سنا دیتا۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پھلواروی نے بحیثیت ایک عالمِ دین کے یقیناً قرآن اور احادیثِ نبوی ﷺ کا مکمل مطالعہ کیا ہوگا لیکن، جیسا کہ ان کے گزشتہ اعتراض پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان کے علم کی حقیقت سامنے آ گئی ہے۔ البتہ حسنین کریمین علیہم السلام کی شان میں بے باک ہو کر بالخصوص اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کی عظمت، بزرگی، مراتب ودرجات کی بابت قرآنِ کریم کی آیات اور احادیثِ نبوی ﷺ میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر ان کی نگاہ ہی نہیں گئی۔ لیکن یہ ممکن ہے تو دوسری بات یقیناً یہی ہے کہ بدعقیدگی نے ان کے دل ودماغ کو معطل اور ان کی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو سلب کر لیا ہے۔ یہ بات میں کسی طرح بھی جوشِ عقیدت سے مغلوب ہو کر بغیر کسی سند یا دلیل کے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ قارئین کے مطالعۂ خاص کے لیے اہلِ بیت علیہم السلام کے مقام ومراتب پر قرآنی آیات، احادیثِ نبوی ﷺ اور تاریخی واقعات کی

چند ایک مثالیں پیش کر رہا ہوں۔ اگر پھلواروی اپنے اعتراضات اتنی بے باکی اور بے رحمی سے نہ کرتے تو قارئین کو جدِ الحسنِ و الحسین علیہم السلام ہی نہیں بلکہ جملہ سادات کرام کی عظمت پر اتنی دلیلیں نظر سے نہ گزرتیں جنھیں اب میں پیش کر رہا ہوں۔

سوچتا ہوں کہاں سے ابتداء کروں: قرآنی آیات و احادیث سے یا واقعاتِ عام سے؟ واقعات عام میں نسبت کا جو احترام سلف صالحین کی تحریروں میں آیا ہے ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب ایک عام صاحبِ نسبت کی شان میں ذرہ برابر بھی گستاخی اور بے ادبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناقابلِ برداشت ہے تو جن کا ذکر قرآن میں ہوا، جن کی عظمت و بزرگی حدیث میں ارشاد ہوئیں ان کے لیے پھلواروی کے یہ کلمات اس کی اس نادانی پر اسے کس مقام پر پہنچائیں گے؟ خوف آتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہو رہا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَ مَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا۔ (سورہ شوریٰ: آیت ۲۳)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) امت سے فرما دیجیے کہ میں تم سے تبلیغِ احکام الٰہی پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں خوبی اور زیادہ کریں گے۔“

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے دین کی تبلیغ کے لیے انعام و اکرام کا اعلان فرما رہا ہے کہ یہ اکرام اس وقت ملے گا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں (اہلِ بیت علیہم السلام) سے محبت کرو گے۔

اس آیت شریفہ میں لفظ قرابت دار آیا ہے تو کیا اس کا مطلب اہلِ بیت علیہم السلام ہی ہے؟ اس سوال کا جواب بھی پیشِ خدمت ہے۔ مفسرینِ کرام نے اس آیت پر اس طرح فرمایا:

عن ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لما نزلت هذه الآیة قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ قالوا یا رسول

الله (صلى الله عليه وآله وسلم) من قرابتک هولاء الذين وجبت علينا مودتهم قال علی وفاطمة و ولدا هما (رضی الله عنهم)۔

(اخرجه ابن المنذر وابن ابی حاتم وابنِ مردویه فی تفاسیرہم والطبرانی فی المعجم الکبیر)

''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کون سے رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے واجب فرمائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے رضی اللہ عنہم۔''

اس کے علاوہ آلِ عمران کی وہ آیت شریفہ، جس میں کفار سے مباہلے کے لیے کہا گیا تو وہ میدان چھوڑ کر فرار ہو گئے، اس مباہلے میں حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیّدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا، سیّدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ اور حسنین کریمین علیہم السلام ساتھ تھے۔

اہلِ بیت علیہم السلام کی تعریف:

اہلِ بیت تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱- اہلِ بیتِ سکنیٰ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سکونت رکھتی ہیں۔
۲- اہلِ بیتِ نسب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاشمی رشتے دار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔
۳- اہلِ بیتِ ولادت: یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک۔

(بحوالہ فضائلِ اہلِ بیتِ کرام، شیخ الحدیث علامہ فیض احمد اویسی)

بنو ہاشم کی تعریف بھی ملاحظہ فرمائیں:

''بیہقی وطبرانی نے 'اوسط' میں اور ابنِ عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا میں نے زمین کے مشرق ومغرب کو

چھان ڈالا لیکن محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو میں نے نہیں پایا، اور نہ کسی اولاد کو بنو ہاشم سے افضل۔"

(حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۹۹)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف "کتاب الشفاء" میں فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے قریش کی بے عزتی کی خدا اسے بے عزت کرے۔" حضور ﷺ نے قریش کے بارے میں فرمایا: "ان کو آگے بڑھاؤ لیکن خود ان سے آگے نہ بڑھو۔"

(بحوالہ کتاب الشفاء جلد دویم، ص ۹۹)

اندازہ کیجیے کہ اہلِ بیتِ نسب (قریش) کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جذبات کا یہ عالم ہے کہ ان کی بے عزتی پر بددعا فرمائی کہ خدا اسے بے عزت کرے تو اہلِ بیتِ ولادت کے لیے آپ ﷺ کے جذبات کا عالم کیا ہوگا؟

ایک مرتبہ پھر ان جملوں کو دہرا دوں جو پھلواروی نے کہے:

"مہاجر و انصار کو چھوڑ کر کسی ایسے کو باعثِ فخر بنانا جو نہ مہاجر ہے نہ انصار۔"

جن لوگوں کے سینے عشق سے خالی بلکہ عشق کو زورِ گندم کہیں ان کے دل میں اہلِ بیت علیہم السلام کی عظمت کا کوئی تصور ہو تو تحریر میں ادب شامل ہو۔ اب رسول اللہ ﷺ کیا فرماتے ہیں، چند ایک احادیث ملاحظہ کیجیے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال آخر ما تکلم به رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہ وسلم اخلفونی فی اهلِ بیتی۔

(اخرجہ الطبرانی فی الاوسط)

"حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی کہ (اے مسلمانو) میرے اہلِ بیت علیہم السلام کی پاسداری میں تم میرے نائب ہو جاؤ۔"

حدیثِ مبارک:

اخرج ابو احمد وابو يعلى عن ابى سعيدن الخدرى رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال انى اوشك ان ادعى فاجيب انى تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتى اهل بيتى وان اللطيف الخبير خبرنى انهما لن يتفرقا حتى يردا على الحوض فانظروا كيف تخلفونى فيها۔

"ابو احمد اور ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کی طرف سے مجھے عنقریب بلاوا آئے گا اور میں چلا جاؤں گا اور میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: قرآنِ پاک اور میری عترت یعنی اہلِ بیت علیہم السلام اور مجھے لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں آپس میں کبھی جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ دونوں حوضِ کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ لہٰذا سوچ سمجھ کر میری نیابت کا حق ان کے بارے میں ادا کرو۔"

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد بہت ہے لیکن میں صرف اس حدیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ طبرانی اور حاکم نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عبد المطلب کی اولاد! میں نے خداوند کریم سے تمھارے لیے تین باتوں کی دعا کی ہے کہ اللہ تمھارے دلوں کو ثابت ومضبوط بنائے، تمھارے ان پڑھ کو علم عطا فرمائے اور تمھارے گمراہ کو ہدایت بخشے اور تم کو سخی اور بہادر، رحم دل بنائے۔

(اب یہ جملے قابلِ غور ہیں) "تو اب اگر کوئی شخص ایسی عبادت کرے کہ ہر

وقت حرم کعبہ میں چمٹا ہوا، رکنِ یمانی اور مقام ابراہیم علیہ السلام میں، روزہ رکھے اور نماز پڑھے مگر ایسی حالت میں مرجائے کہ اہلِ بیتِ علیہم السلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتا ہو، وہ دوزخی ہوگا۔"

مندرجہ بالا حدیث میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمایئے۔

کچھ لوگ ایک ہی حدیث کو بار بار اپنی تقریروں میں بیان کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو نصیحت فرمائی کہ یہ خیال مت کرنا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہوں مگر انھیں یہ حدیث نظر نہیں آئی، فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے:

یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اھل الجنۃ او نساء المئومنین۔ (بخاری شریف)

"اے فاطمہ! کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ تو جنتی عورتوں یا مومنوں کی بیویوں کی سردار ہو۔" (بحوالہ فضایلِ اہلِ بیت علیہم السلام)

"حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے کہ وہ اپنے وقت کے مشہور پہلوان تھے۔ ایک سیّد زادے، جن پر فاقے کی نوبت آگئی تھی، وہ مزدوری نہ ملنے کے سبب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے انعامی کشتی پر آمادہ ہوگئے۔ کشتی سے قبل سیّد زادے نے اپنی مجبوریاں بیان کیں۔ پہلی مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ گر پڑے، بادشاہ کو حیرت ہوئی۔ دوبارہ کشتی ہوئی مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ پھر گر گئے، بادشاہ ناراض ہوگیا۔ تیسری مرتبہ ہارنے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو غصے میں شہر بدر کا حکم دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ رات ایک مسجد میں سو گئے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور زیارت سے مشرف کر کے فرمایا: ہم نے تمھیں سردارِ اولیاء بنایا۔"

بے شمار واقعات ساداتِ کرام کے ہیں، ایک آخری واقعے پر بات ختم کرتا ہوں۔

سمرقند میں ایک بیوہ سیّد زادی تھیں۔ ان کے چند بچے تھے۔ ایک دن وہ اپنے بچوں کو لے کر اس شہر کے رئیس کے پاس گئیں اور کہا کہ میں سیّد زادی ہوں اور یہ بچے بھوکے ہیں۔ رئیس نے کہا: اگر تم واقعی سیّد زادی ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔ سیّد زادی نے کہا: میں ایک غریب بیوہ ہوں، میری زبان پر اعتبار کرو۔ دلیل کیا پیش کروں؟ وہ بولا: میں زبانی جمع

خرچ کا قائل نہیں، دلیل پیش کر دیا جاؤ۔

سیّد زادی مایوس ہو کر واپس لوٹ گئیں۔ پھر وہ ایک مجوسی کے پاس گئیں اور اپنا حال بیان کیا۔ مجوسی نے کہا: اگر چہ میں مسلمان نہیں ہوں مگر آپ کی سیادت کی قدر کرتا ہوں، تعظیم کرتا ہوں، میرے یہاں قیام فرمائیں، میں روٹی کپڑے کا ضامن ہوں۔ اس مجوسی نے ان کی بہت خدمت کی۔

رات ہوئی تو زعمِ علم کے مریض، جہلِ علم کے رئیس نے حضور سیّد السادات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ایک بہت بڑے نورانی محل کے قریب دیکھا، دریافت کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کس کے لیے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے لیے۔ رئیس نے عرض کی کہ میں بھی مسلمان ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان ہے تو کوئی دلیل پیش کر۔ وہ سن کر گھبرا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری بیٹی تمھارے پاس آئے تو اس سے دلیل طلب کرتے ہو اور خود بے دلیل محل میں جانا چاہتے ہو، یہ ناممکن ہے۔

دلِ بینا سے محروم کی جب آنکھ کھلی تو بہت رویا، خوب گریہ وزاری کی اور اس سیّدہ کی تلاش میں نکلا۔ پتا چلا کہ وہ اس شہر کے ایک مجوسی کے یہاں ہیں، چنانچہ وہ وہاں پہنچا۔ اس کی منت خوشامد کی، رقم پیش کی کہ یہ لے لو اور سیّدوں کو میرے حوالے کر دو۔ مجوسی نے جواب میں کہا: کیا میں وہ نورانی محل اس رقم میں بیچ دوں، ناممکن ہے۔ جس ہستی نے تمھیں اس محل سے دور فرمادیا مجھے کلمہ پڑھا کر اس محل میں داخل فرمادیا۔ اب میں بیوی بچوں سمیت مشرف بہ اسلام ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت سے شادکام ہوں کہ ”تیرا سارا کنبہ جنتی ہے۔“

(نزہت المجالس جلد چہارم، ص ۱۹۴)

ساداتِ کرام کے ساتھ ہونے والے ایسے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، اگر زندگی نے وفا کی تو یہ فقیر اس موضوع پر ایک حوالہ تحریر کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔

مضمون طویل ضرور ہو گیا لیکن بنیادی بات یہ سمجھانی تھی کہ سیّد زادوں اور سیّد زادیوں کی یہ شان ہے کہ ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی سیّد السادات صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی ناراضگی کا سبب ہے تو حسنین کریمین علیہم السلام کی شان میں، جن کا حوالہ قرآن میں آیا، جن پر مسلسل احادیث وارد ہوئیں، ان کی قدر و قیمت کو خلیفۂ دوئم عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ سے کوئی

پوچھے، ان کے لیے پیکرِ جہل علم یہ کہے:

۱- حسنین علیہم السلام کا نانا ہونا کوئی شرف نہیں۔

۲- مہاجر و انصار کو چھوڑ کر "کسی ایسے کو"۔

۳- جو نہ مہاجر ہے نہ انصار۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور تعظیمِ اہلِ بیت علیہم السلام:

لیکن یہ تو علم کے نہیں عشق کے معاملات ہیں۔ "عشق" جسے پھلواروی صاحب "زورِ گندم" کہتے ہیں۔ یہ تو کوئی گرفتارِ عشق ہی بیان کر سکتا ہے۔ دیکھیے اقبال کیا کہتے ہیں:

آں امام عاشقاں، پور بتول رضی اللہ عنہا
سروِ آزادے ز بستانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ اللہ! بائے بسم اللہ پدر علیہ السلام
معنیِ ذبحِ عظیم آمد پسر
بہرِ آں شہزادہ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیں صلی اللہ علیہ وسلم نعم الجمل
سرخروِ عشقِ غیور از خونِ او
شوخیِ ایں مصرع از مضمونِ او
درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہم چو حرف قل ھو اللہ در کتاب
موسیٰ علیہ السلام و فرعون و شبیر علیہ السلام و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری علیہ السلام است
باطل آخر داغ حسرت میری است
تا قیامت قطع استبداد کرد

موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

سِرِّ اسمٰعیل علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر
مرگ پورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چیزے دگر

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست
ترکِ عالم، اختیار کوئے دوست

ترجمہ فارسی اشعار:

۱- حضرت خاتونِ جنت، سیّدۃ النساء، جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں وہ عاشقوں کے امام، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کے وہ سدا بہار درخت (حسین علیہ السلام ابنِ علی کرم اللہ وجہہٗ)۔

۲- اللہ اللہ اس پدرِ جلیل کے فرزند کے جس نے بسم اللہ کی تفسیر میں علم کے جوہر دکھائے اور ایسے باپ کے بیٹے جو بشارت ہیں ذبحِ عظیم کی۔

۳- اس شہزادہ والا تبار کے لیے، جو امتوں میں بہترین ہیں، یہ اعزاز ملا کہ وہ راکبِ دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوے۔

۴- ان کے مضمون میں اس مصرعے کو شوخی میسر آئی کہ عشقِ غیوران کے خون سے سرخرو ہو گیا۔

۵- آپ علیہ السلام کا مقام بلند امت کے درمیان ایسا ہی ہے جیسے سورہ اخلاص قرآنِ مجید میں۔

۶- فرعون کی اصلاح کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یزیدیت کے ابطال کے لیے جنابِ شبیر علیہ السلام، یہ دو قوتیں منصۂ شہود پر آئیں۔

۷- قوتِ شبیری علیہ السلام سے حق کا نام زندہ ہے اور موت حسرت و یاس کے عالم میں باطل ہی رہی۔ قوتِ شبیری علیہ السلام سے مراد جذبہ قربانی ہے اور یہ ایک عظیم قوت ہے۔

۸- آپ علیہ السلام نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر قیامت تک کے لیے ظلم کا خاتمہ فرما دیا۔ ان کے خون کی موج نے ایک چمن ایجاد کر دیا یعنی دین پر جان دینے کو ایک مستقل اور غیر متزلزل جذبہ عطا کر دیا۔

۹- امام حسین علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے محرم راز تھے یعنی

اس فلسفۂ قربانی کی تکمیل تھے جس کا آغاز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جذبے سے ہوا تھا، یعنی اس اجمال کی آپ علیہ السلام تفصیل تھے۔

۱۰- اگرچہ ہر مومن کی موت اس کے لیے قند و شکر کی طرح ہے کہ اس میں رضا کا تصور ہوتا ہے لیکن حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل علیہ السلام کی مرگ چیز ہی اور ہے۔

۱۱- مومن کی جنگ کیا ہے: دوست کی طرف جانا اور دوست کی گلی کی خاطر تمام دنیا کو چھوڑ دینا۔

مولٰنا و مولی الثقلین

یہ جن و انس بھی اُن کی پناہ گاہ میں ہیں
انھیں کا خود ہے یہ فرماں، درود تاج میں ہے

مولٰنا و مولی الثقلین

کیا جنّہ بھی رحمت کے سائبان میں ہیں؟

دائرہ عالمین کے اندر جتنی بھی مخلوق ہیں جنّہ ان سے باہر نہیں لہٰذا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے سائبان میں ان کا ہونا قدرتی امر تھا۔ جنّہ کے متعلق یہ بات اس لقب میں کہی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے جس طرح سردار ہیں، ولی اور مددگار ہیں اور رحمت ہیں اسی طرح وہ اللہ کی اس مخلوق کے لیے والی، مددگار اور سردار ہیں جنھیں جنّہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مخلوق ہے جو انسانوں سے علیحدہ ہے اور اس کا وجود آب و گل سے نہیں ہوا بلکہ آتش سے ہوا ہے اور یہ انسانوں سے پہلے بنائے گئے ہیں۔ ان میں نافرمان بھی ہیں، سرکش بھی، آپس میں فساد کرنے والے بھی اور وہ بھی ہیں جو حق کو پہچان کر حق کے ساتھ ہوگئے یعنی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا تفصیلی احوال، کہ ان کی تخلیق کس طرح ہوئی، لفظ جن کی لغوی اور اصطلاحی بحث، ان کے انسانوں کے حلیے میں آجانے اور انسانوں کے ساتھ ملنے جلنے، سورہ رحمٰن کی تلاوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اس پر جواب دینے، ان کے ماضی کی داستان، اختلافِ رائے، سر سیّد کا نظریہ اور اس کی تردید میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، ''تفسیرِ کبیر'' اور ''تفسیرِ حقانی'' کے حوالوں سے زیرِ عنوان ''سیّد الثقلین'' پیش کر چکا ہوں اس لیے ان تمام باتوں کا یہاں اعادہ نہیں ہوگا۔

یہ مخلوق تمام اعزازات سے محروم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نواز دیا:

جنّہ کو، بحیثیت ایک علیحدہ مخلوق کے، کوئی اعزاز اور شرف حاصل نہیں ہے لیکن جو جنّہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوگئے وہ اعزاز پا گئے۔ یہاں یہ بڑائی

اور بزرگی نبی کریم ﷺ کی بیان کی گئی کہ ایسی مخلوق، جو تمام اعزازات سے محروم تھی، آپ ﷺ کی نگاہ کرم نے انھیں بھی وہ مقام عطا کر دیا جو اس سے پہلے کسی نبی علیہ السلام نے انھیں نہیں بخشا تھا۔

مولیٰ کے ایک معنی آزاد کرنے والا بھی ہیں (لغت المنجد) اور ان معنی میں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ وہ کس مقام پر تھے لیکن آپ ﷺ نے انھیں مشرف بہ اسلام فرما کر اور قرآنِ کریم سنا کر اس حالت سے آزاد کر دیا جو اس سے پہلے تھی، جس طرح انسانوں کو، کہ باوجود اشرف المخلوقات تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے انسانیت کے اعزاز سے محروم، درندگی، بربریت، خون خرابے اور قتل و غارت گری میں صاحبِ اعزاز تھے اور اسی پر انھیں فخر بھی تھا، جس طرح رحمتِ عالم ﷺ نے ان عرب بدوؤں کو اور ان کے قبایل کو باہم شیر و شکر کر دیا، نفرتوں کو محبت میں تبدیل کر دیا اسی طرح آگ سے پیدا کی جانے والی مخلوق کو بھی ان کی برائیوں سے نکالا۔ اس لیے آپ ﷺ ان کے مولیٰ کہلائے کہ آپ ﷺ نے انھیں گرفتاری بلا سے رہائی دلائی۔ مصنف درود تاج یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک تو وہ مولٰنا ہیں یعنی، جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، ''نا'' کا لفظ ''ہمارے'' کا مفہوم رکھتا ہے، یعنی وہ جس طرح ہمارے سردار، ہمارے مددگار، ہمیں آزادی سے ہمکنار کرنے والے، ہم سے محبت کرنے والے، ہمارے بزرگ قوم ہیں اسی طرح اجنہ کے لیے بھی مددگار ہیں اور تاریخی واقعات اس کے گواہ ہیں جس کا مختصر حال زیرِ عنوان ''مولنا'' میں گزرا۔

جِنّہ سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے:

جنّوں کے متعلق سورہ النمل میں خاص ذکر ہوا ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ قرآن نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام جانشین بنے حضرت داؤد علیہ السلام کے تو اللہ کی نعمتوں کا شکر کیا اور فرمایا:

> ''اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں۔ بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی) اور فراہم کیے گئے سلیمان علیہ السلام کے لیے لشکر جنّوں، انسانوں اور پرندوں

سے۔ پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں۔'' (سورہ النمل: آیت ۱۷)

آیات قرآنی کا مذاق اڑانے والے لوگ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر قرآن میں ہو رہا ہے کہ وہ تین حصوں پر مشتمل تھا: جن، انسان اور پرندے۔ یہاں بھی بعض لوگوں نے اپنے خیالات کو قرآن کے مفہوم پر لباس پہنا کر اپنی رائے سے تفسیر کی ہے، مثلاً: وہ کہتے ہیں جن سے مراد جنات نہیں بلکہ وہ پہاڑی قبایل ہیں جو بدنی (جسمانی) لحاظ سے بہت قوی اور طاقتور تھے اور جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا باجگدار بنالیا تھا۔ آپ کو پڑھ کر انتہائی حیرت ہوگی کہ پرندوں کو بھی وہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو تیز رفتار گھوڑوں پر سوار فوجی دستے کہتے ہیں۔
قرآن کی آیت یہ ہے:

وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ

اب اس میں ایک لفظ جن، دوسرا لفظ انس اور تیسرا طیر ہے۔ اس حماقت کو ملاحظہ فرمایئے کہ جن کو انھوں نے کہہ دیا یہ انسان ہیں خواہ کیسے ہی ہوں مگر انسان بتایا۔ اب پرندوں کو کہا کہ وہ بھی گھوڑوں پر سوار انسان ہیں۔ تو پھر بتایئے انھوں نے انس کو کیوں چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیوں کیا اس صورت میں کہ ایک ان میں جن ہے دوسرا انسان ہے تیسرا پرندہ ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور اس مرتبے پر ہو کر قرآن کے ساتھ ان کا یہ مذاق ہے۔ اپنی عاقبت کا جو انجام وہ بنا رہے ہیں اللہ ان پر رحم کرے مگر دوسروں کے لیے تو ایسا نہ کریں کہ وہ گمراہ ہو جائیں۔

صاحبِ درود تاج نے اس لقب میں، جس کے دو حصے ہیں، پہلا ہے ''مولنا'' جس کے معنی ہمارے مددگار اور دوسرا حصہ ہے ''مولی الثقلین'' یعنی (ہمارے علاوہ) جنّہ کے بھی سردار و مددگار۔ گویا اتنی واضح بات کہہ دی کہ جنّہ اور انسانوں کے مددگار ــــ یہ ان کا کمال علم ہے۔

اَبِی الْقَاسِمِ

سلام کنیتِ سرورِ دو عالم ﷺ پر
بنا ادب کا جو عنواں، درود تاج میں ہے

اِبِی القَاسِمِ

ابی القاسم کا خاندانی پس منظر:

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی جن کے والد خویلد ابنِ اسد تھے، والدہ کا نام فاطمہ بنتِ زایدہ تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام لے کر ان کے والد خویلد بن اسد کے پاس گئے اور یہ نسبت کرادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد ہوگیا۔ مشہور تاریخ داں ابنِ ہشام نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مہر میں بیس جوان اونٹنیاں دیں، ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح (عقد) نہیں فرمایا، یہاں تک کہ وہ انتقال فرما گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی ہوئی یعنی قاسم رضی اللہ عنہ، جن کے نام سے آپ کنیت فرمایا کرتے تھے، طاہر رضی اللہ عنہ، طیب رضی اللہ عنہ، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، امِ کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی تھے۔ (سیرت ابنِ ہشام جلد اول، ص ۳۱۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں میں سب سے بڑے قاسم رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ان کے بعد طیب رضی اللہ عنہ، ان کے بعد طاہر رضی اللہ عنہ اور صاحبزادیوں میں سب سے بڑی رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے بعد زینب رضی اللہ عنہا، ان کے بعد کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ قاسم رضی اللہ عنہ، طیب رضی اللہ عنہ اور طاہر رضی اللہ عنہ کی وفات اسلام سے پہلے ہی ہوگئی تھی۔ صاحبزادیاں سب کی سب زمانہ اسلام تک رہیں، اسلام اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔

ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ہشام کہتے ہیں

کہ ہم سے عبداللہ بن وہب نے ابنِ لہیعہ کی حدیث بیان کی، کہا: ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواص ماریہ رضی اللہ عنہا تھیں جنھیں مقوقس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔

عربوں میں کنیت کا رواج:

عرب میں کنیت کا رواج عام تھا اور عام طور سے کنیت ہی سے پکارا کرتے تھے، مثلاً: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریش میں سب سے دلیر اور بہادر چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی کنیت ابو عمارہ تھی اور اس طرح مخاطب کیے جاتے: ''اے ابو عمارہ''۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابنِ خطاب کی کنیت ابو حفص تھی اور ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو اسی کنیت سے مخاطب فرمایا۔ ابو جہل دشمنِ اسلام کی کنیت ابوالحکم تھی۔ اسی طرح محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے فرزند کی نسبت سے تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت کوئی رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

اس بات پر اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کنیت دونوں کسی کو رکھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک محمد رکھے تو اس کے ساتھ یہ کنیت استعمال نہ کرے اور بعض اس کی اجازت بیان کرتے ہیں، میں دونوں نظریات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

پہلے بخاری شریف سے چند احادیث پیش کرتا ہوں جن میں اس بات کی صراحت ہے۔

بخاری سے حدیث کے حوالے:

''ہم سے حفص رضی اللہ عنہ بن عمر نے حدیث بیان کی، ان سے شعبہ نے حدیث بیان کی، ان سے حمید نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک صاحب کی آواز آئی: ''یا ابا القاسم!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے (معلوم ہوا کہ انھوں نے کسی اور کو پکارا تھا)۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔''

(تفہیم البخاری، شرح صحیح بخاری جلد دوئم، ص ۴۰۰)

ایک حدیث محمد بن کثیر کے حوالے سے ہے:

''ہم سے محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی۔ انھیں شعبہ نے خبر دی۔ انھیں منصور نے۔ انھیں سالم رضی اللہ عنہ نے اور انھیں جابر رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نام پر نام رکھا کرو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔''

(تفہیم البخاری جلد دویم، ص ۴۰۰)

ایک روایت علی بن عبداللہ کی بھی ہے:

''ہم سے علی بن عبداللہ نے روایت بیان کی کہ ان سے سفیان نے حدیث بیان کی ان سے ایوب نے ان سے ابن سیرین نے بیان کیا اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ نے بیان کیا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔'' (تفہیم البخاری جلد دویم، ص ۴۰۰)

علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت پر علمی بحث:

صحیح بخاری شریف کے ان حوالوں کے بعد کنیت پر ایک علمی بحث بھی پیش کرتا ہوں، یہ حضرت علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے جو محدّث ہیں اور گزشتہ اوراق میں ان کا تعارف دیا جا چکا ہے۔ آپ کی کئی تصانیف مختلف موضوعات پر ہیں جن میں سے ایک ''الوفاء بہ احوال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' اپنے نام ہی سے اپنے جذبہ عشق کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہ حوالہ اور بحث اسی کتاب سے دے رہا ہوں۔ آپ کا مقام علوم متداولہ میں بھی بہت بلند ہے لیکن جس علم نے انھیں ابدی اور آفاقی شہرت عطا کی وہ علمِ حدیث ہے جس پر ان کی محنت اور لگن کے لیے ان کا اپنا یہ جملہ کافی ہے کہ ''میرے زمانے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت شدہ کوئی بھی حدیث میرے سامنے بیان کی جائے تو میں بتا سکتا ہوں کہ یہ صحت و ضعف کے کس مقام پر ہے۔'' اور علمِ حدیث سے آپ کی محبت اور اس کے ذریعے اپنی نجات کا تصور کتنا حسین اور بلند، عشقِ حدیث میں ڈوبا ہوا ہے کہ حدیث لکھنے والے قلموں سے سیاہی چھڑا کر اپنی میت کے غسل کے پانی میں شامل کرایا۔ آپ نے اپنی کتاب ''الوفاء بہ احوالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں ''ذکرِ کنیتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء'' علیحدہ سے عنوان قایم کیا۔ آپ فرمارہے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیتِ مبارک ابوالقاسم ہے کیونکہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پہلے فرزند ہیں جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے نام پر کنیت رکھنے کا خیال آیا لیکن اس خیال سے پہلے ہی حضرت جبریلِ امین علیہ السلام اس کنیت کی اجازت کے ساتھ حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''السلام علیک یا ابا ابراہیم رضی اللہ عنہ۔'' (یہ امر ذہن میں رہے) کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت پر کوئی اپنے آپ کو کنیت نہیں دے سکتا، مثلاً: ابو القاسم یا ابو الابراہیم کہلائے تو یہ درست نہیں ہے۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور ہر دوسرا البقیع میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو یا ابا قاسم کہہ کر پکارا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نام پر اپنا یا اپنی اولاد کا نام رکھ سکتے ہو مگر میری کنیت کو اختیار نہیں کر سکتے۔''

ان روایات کی وجہ سے ائمہ میں اختلاف بھی ہے علی الخصوص امام احمد رضی اللہ عنہ سے۔ اس ضمن میں تین روایات ہیں: اول اسم اور کنیت کو جمع کرنا ممنوع ہے، فقط اسمِ مبارک یا کنیت کا استعمال درست ہے۔ دوئم کنیت و اسم ہر دو ممنوع ہیں اور مکروہ ہیں۔ نہ انفرادی طور پر درست ہیں اور نہ اجتماعی طور پر۔ سوئم یہ کہ ہر دو صورت یعنی اجتماع و افراد کنیت و اسم درست ہیں اور دلیل میں ایک روایت ہے جو اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ ایک عورت، جو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی، عرض کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بچہ عطا فرمایا ہے جس کا نام میں نے بطور تبرک محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا ہے اور اس کی کنیت ابو القاسم رکھی مگر پھر معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کو پسند نہیں فرماتے اس لیے حاضر ہوئی ہوں، جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے نام کو حلال اور میری کنیت کو حرام کس نے کیا؟'' یا یوں فرمایا: ''کنیت کو حرام کس نے کیا اور اسم حلال کس نے؟'' (یعنی دونوں برابر ہیں اور نام اقدس امت کے لیے درست ہے تو کنیتِ مبارک بھی درست ہوگی۔)

علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت عطا فرمائی تھی کیونکہ آپ (حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ) نے عرض کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ اقدس کے بعد میرا کوئی بیٹا پیدا ہو تو میں اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مقدس اور ابوالقاسم والی کنیت سے موسوم کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔"

اس بحث کا خلاصہ:

احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ظاہرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت غیر کے لیے ممنوع تھی تاکہ خطاب کی صورت میں التباس و اشتباہ پیدا نہ ہو اور کوئی شخص نادانستہ یا عمداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ پہنچائے لیکن وصال کے بعد اس میں کراہت نہیں سمجھی جاتی البتہ ان دونوں مخصوص واقعات کے علاوہ کنیتِ مبارک اور نام اقدس کا اجتماع درست نہیں۔

(الوفاء باحوال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۳۶)

حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ کا جو حوالہ اس میں آیا ہے وہ خصوصی اذن عطا ہوا ہے اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو اور کئی باتوں میں خصوصی اذن دیا گیا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی خصوصی اذن معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے اختیاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں کئی احادیث پیش کر چکا ہوں جس میں عدّت کے دن، خصوصی اجازت سے گھٹا کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن کر دیے۔ بین کرنے کی شریعت میں پابندی عاید تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی اذن دیا۔ اس طرح کے متعدد واقعات ہیں جو کچھ گزشتہ اوراق میں پیش ہوئے اور کچھ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں جو آپ کے ذوقِ مطالعہ کا انتظار کر رہے ہیں۔

ابوالقاسم رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ قلبی اس بات سے بخوبی عیاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو اپنی کنیت بنا لیا اور پھر کسی کو اس کی اجازت نہ دینا یہ بھی اس محبت کا مظہر ہے اسی لیے مصنف **درود تاج** نے اس نام کو شامل کر کے دریائے رحمت کا رخ اپنی جانب کر لیا ہے۔ یقیناً **درود تاج** میں حضرت ابوالقاسم رضی اللہ عنہ کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی میں اضافے کا سبب ہوگا۔

مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ

حضور ﷺ کے ابّ و جدّ سب نجات یافتہ تھے
ہے مومنوں کا یہ ایماں ، درود تاج میں ہے

مُحَمَّد بِن عَبدِ اللہ

خاندانِ بنی ہاشم کی پاک دامن ہستیاں:

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات، برکات اور اس نامِ اقدس سے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ تیسرے ہی عنوان ''سیدنا'' و ''مولنا'' کے بعد تحریر کر چکا ہوں۔ یہاں مصنف درود تاج نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ محترم کے لقب میں شامل کیا ہے، یقیناً ان کے علمی تبحر اور ان کے عشقِ بے نہایت کی کھلی نشانی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب کے حالات تمام کتبِ سیر میں ملتے ہیں۔ ایک مشہور تاریخ داں، جن کا تعلق مصر سے ہے، محمد حسین ہیکل اپنی تصنیف ''سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں حضرت عبداللہ کی ولادت کے واقعے کے ساتھ قرعہ اندازی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، اگرچہ اس کا تعلق حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی زندگی سے ہے لیکن جہاں اور بھی واقعات بیان کیے ہیں وہاں اسناد کا حوالہ ضروری تھا مگر انھوں نے کوئی سند پیش نہیں کی۔ ابنِ ہشام کی ''سیرت ابنِ ہشام'' بھی قدیم اور مشہور ہے جس کے بعض حوالے میں دیتا آ رہا ہوں اور ابنِ اسحاق اور ابنِ ہشام کی تاریخ میں حیثیت کا جو تعین مورخین و محققین نے کیا ہے وہ بھی گزشتہ اوراق میں بتا چکا ہوں۔ اس واقعے اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے متعلق محمد حسین ہیکل نے مقابلتاً تفصیل دی ہے لیکن وہاں بھی ایک اہم اور نازک مسئلے کو نظر انداز کر دیا ہے اور مسئلہ حالاتِ زندگی سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین صاحبانِ ایمان تھے:

حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی محققانہ تصنیف ''ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم''

میں اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے، میں نے اس سلسلے میں اور اس مسئلے کی جستجو میں جتنی بھی تصانیف میسر آئیں ان کا مطالعہ کیا لیکن قدیم و جدید تحقیقی کتابوں کا نچوڑ علامہ نے اپنی کتاب میں پیش کر دیا ہے۔

آپ نے اس نازک مسئلے سے بحث کی ہے کہ جو لوگ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے صاحبِ ایمان نہ ہونے کا یقین رکھتے ہیں وہ کچھ دلایل بھی پیش کرتے ہیں جو عام آدمی کو بڑی حد تک متاثر کرتے ہیں لیکن اہلِ سنت والجماعت کے علماء اور محققین کی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ سرکار مدینہ، تاجدار حرم، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نجات یافتہ ہیں۔

اس نازک مسئلے پر تین جدا جدا مسلک ہیں:

علامہ نے اس سلسلے میں علماء کے تین مسلک بیان کیے ہیں۔ میں ان تینوں مسالک کو تفصیل کے ساتھ اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے حالات زندگی پر تو ہر سیرت کی کتاب بتا دیتی ہے لیکن ان محترم ہستیوں (والدین کریمین) پر جو اعتراض ہے، یعنی وہ چونکہ حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے اس لیے عذاب کے مستحق ہیں (نعوذ باللہ)، اس پر کسی نے سیر حاصل تحقیق نہیں کی۔ میرے نزدیک یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اس کا تعلق بھی ایمان سے ہے۔ اگر غلطی سے کوئی ایسا خیال دل میں جاگزیں ہو گیا جو حقیقت کے برعکس ہو تو ایسا عقیدہ تمام اعمال کو اکارت کر دے گا۔ نہ جانے ان لوگوں کے کیا اغراض ہیں جو اس راہ پر گامزن ہیں۔ ایک طرف سادہ لوح صاحبانِ ایمان ہیں جو دامانِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے تھامے ہوئے ہیں کہ اپنی معصیت کا بوجھ اتار سکیں اور دوسری جانب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو بت پرست سمجھ کر یا محروم دولتِ ایمان سمجھ کر اپنے نامۂ اعمال میں از سرِ نو گناہوں کا اضافہ کر لیں۔ یہ بحث طویل ضرور ہے لیکن ایک انتہائی بنیادی مسئلے کا حل بھی ہے، علامہ کہتے ہیں:

پہلا مسلک: زمانۂ فترۃ سے تعلق تھا:

پہلا مسلک یہ ہے کہ ان کا تعلق زمانۂ فترۃ سے ہے۔ سب سے قریبی زمانے میں مبعوث ہونے والے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کے بعد چھ سو برس تک کا طویل عرصہ گزر گیا۔ اس عرصۂ دراز میں آپ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب انجیل میں طرح طرح کی

تحریفات راہ پا چکی تھیں۔ آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو عبداللہ ورسول اللہ کہنے کی بجائے ''ابن اللہ'' آپ علیہ السلام کی امت کہنے لگی۔ وہ گمراہی میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اب اس دور کے لوگ ہدایت حاصل کرتے تو کہاں سے، کلمۂ حق سنتے تو کس سے؟ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے تھے۔ حجاز کے صحرانشیں ان کی امتِ دعوت میں شامل ہی نہ تھے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو تبلیغ فرمائی کیونکہ ان کو دعوت دینا ان کی ذمے داری ہی نہ تھی اور نہ ان کے حواریوں نے یہ زحمت برداشت کی کہ ان حقایق کی روشنی میں اس ارشادِ الٰہی کا یہی لوگ مصداق ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ ''ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک ان میں رسول مبعوث نہ فرمائیں۔''

علامہ علی برہان الدین اپنی ''سیرت حلبیہ'' میں رقم طراز ہیں:

"ذكر العلامة ابن حجر الهيتمي حيث ذكر ان الحق الواضح الذى لا غبار عليه ـ ان اهل الفترة جميعهم ناجون وهم من لم يرسل لهم رسول يكلفهم بالايمان بالله عزّوجل فالعرب حتى فى زمن انبياء بنى اسرائيل اهل فترة لان تلك الرسل لم يومروا بدعايتهم الى الله تعالىٰ و تعليمهم الايمان ـ

''علامہ ابنِ حجر الہیتمی نے ذکر کیا کہ روشن حق یہ ہے جس پر کوئی گرد وغبار نہیں کہ اہلِ فترۃ سب کے سب نجات یافتہ ہیں اور اہلِ فترۃ وہ لوگ ہیں جن کی طرف کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو جو انھیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مکلف بنائے۔ پس اہلِ عرب بنی اسرائیل کے زمانے کے انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں اہلِ فترۃ تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے رسولوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اہلِ عرب کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ ان کا حلقۂ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا۔'' (سیرتِ حلبیہ جلد اول، ص ۱۰۳)

سابقہ آیت کی تائید اس دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، ارشاد ہے:

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا

''یعنی آپ کا ربّ بستیوں کو یونہی برباد نہیں کرتا یہاں تک کہ ان کے مرکزی شہر میں ایک رسول بھیجے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔''

علمائے کرام نے اہل فترۃ کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے۔جنھوں نے اپنے نورِ بصیرت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدے تک رسائی حاصل کر لی جیسے قیس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل اور قوم تبع کے بعض بادشاہ۔

دوسرا طبقہ وہ ہے۔جنھوں نے دینِ ابراہیمی علیہ السلام کو بگاڑا، بت پرستی کا آغاز کیا، اپنی قوم کو بڑی کوششوں سے شرک کا فاسد عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور اپنی طرف سے حلال اور حرام کے بارے میں قانون بنا کر رائج کیے جیسے عمرو بن لحیٰ الخزامی اور اس کے ہمنوا۔اس طبقے کے جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

تیسرا طبقہ جو اپنی غفلت اور بے خبری کی وجہ سے ہر قسم کے عقیدے سے بے نیاز رہا، نہ انھوں نے توحیدِ خداوندی کا عقیدہ اپنایا اور نہ وہ شرک اور اصنام پرستی کے مرتکب ہوئے، یہ وہ طبقہ ہے جسے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کا مصداق یہی طبقہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے بارے میں ایک مسلک تو یہ ہے کہ وہ اہلِ فترۃ میں سے تھے۔نہ ان کے پاس اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کوئی نبی آیا نہ کسی نبی کی دعوت انھیں پہنچی اور نہ انھوں نے اس نبی کے ساتھ کفر کیا نہ اس کی دعوت کو مسترد کیا اس لیے وہ نجات یافتہ ہیں۔

(یہ تھا مسلک جسے علامہ نے قرآن کی آیات اور محققین کی تحریروں کے حوالے سے سمجھایا۔)

دوسرا مسلک: ان کا دامن شرک اور کفر سے کبھی داغدار نہیں ہوا:

علمائے حق کا اس مسئلے کے بارے میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا دامن شرک و کفر سے کبھی داغ دار نہ ہوا۔وہ ساری عمر اپنے جدِّ کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ثابت قدم رہے۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یوم قیامت پر ان کا

پختہ یقین تھا۔ مکارم اخلاق کے زندہ پیکر تھے۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے، آپ لکھتے ہیں:

ان آباء الانبیاء ما کانوا کفارا لقوله تعالیٰ "الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین" قیل معناه انه کان ینقل نوره من ساجد الی ساجد دلالة علی ان جمیع آباء محمد صلی الله تعالیٰ علیه و آله وسلم کانوا مسلمین۔

"بے شک انبیائے کرام علیہم السلام کے آباء واجداد کافر نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میری وہ ذات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں منتقل ہوتے رہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ایک سجدہ کرنے والے کی پیشانی سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی پیشانی میں منتقل ہوتا رہا۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ آباء واجداد مسلمان تھے۔" (سیرت حلبیہ، ص ۱۰۳)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف "مسالک الحنفاء" میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ دلیل دو مقدموں پر قائم ہے:

یہ دو مقدموں پر مشتمل ہے۔ پہلا مقدمہ تو یہ ہے کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک اپنے ہم عصروں سے بہتر تھے، افضل تھے اور ان کے ہم عصروں میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان سے بہتر اور افضل ہو۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ احادیث اور آثار سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبیِ رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت تک کوئی ایسا دور نہیں آیا جس میں چند افراد دینِ فطرت پر نہ ہوں، جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوں، اسی کے لیے نماز پڑھتے ہوں اور انھی کی برکت سے زمین کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو زمین، اور جو کچھ اس کے اوپر ہے، تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اب اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضور

ﷺ کے آباء واجداد میں سے کوئی صاحب شرک وکفر کے مرتکب ہوتے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا وہ دوسرے ہم زمانوں سے افضل تھے یا نہیں؟ اگر افضل تھے تو لازم آئے گا کہ ایک کافر اور مشرک اہلِ ایمان سے افضل ہو۔ یہ امر قطعی قابلِ تسلیم نہیں۔

اور اگر کسی زمانے میں حضور ﷺ کے آباء واجداد سے ان کے ہم عصر افضل ہوں تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ احادیثِ صحیحہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور ﷺ کے آباء واجداد اپنے اپنے ہم عصروں سے افضل واعلیٰ تھے اس لیے یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ حضور ﷺ کے سارے آباء واجداد مومن اور موحد تھے اور اپنے تمام ہم عصروں سے اعلیٰ وارفع شان کے مالک تھے۔

احادیث کے حوالے سے حضور ﷺ کا خاندان ہر اعتبار سے بہترین خاندان تھا:

اخرج ابو نعیم فی دلایل النبوۃ عن طرق عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبہ الی الارحام الطاھرۃ مصفی مھذبا لا تنشعب شعبتان الا کنت فی خیر ھما۔

''ابونعیم نے ''دلایل النبوۃ'' میں کئی سندوں سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مجھے پاک پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا ہر آلایش سے پاک کر کے ہر آلودگی سے صاف کر کے۔ جہاں کہیں سے دو شاخیں پھوٹیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں منتقل کیا جو ان دونوں میں سے بہتر تھی۔''

اخرج الترمذی وحسنۃ والبیھقی عن العباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم ان اللہ تعالیٰ حین خلقنی جعلنی من خیر خلقہ ثم حین خلق القبایل جعلنی من خیرھم قبیلۃ وحین خلق الانفس جعلنی من خیر انفسھم ثم حین خلق البیوت جعلنی من خیر بیوتھم فانا خیرھم بیتاً وخیر ھم نفساً۔

''امام ترمذی نے اس روایت کو اپنی سنن میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے جب مجھے پیدا فرمایا تو مجھے بہترین مخلوق سے کیا۔ پھر جب قبایل کو پیدا فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر جب نفوس کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے کیا جن کے نفوس بہترین تھے۔ پھر جب خاندان کو پیدا کیا تو مجھے بہترین خاندان میں رکھا۔ پس میں ان سب سے بلحاظ خاندان بہتر ہوں۔''

اخرج الطبرانی الاوسط والبیھقی فی الدلایل عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قال لی جبریل قلبت الارض مشارقها و مغاربها ولم اجد رجلاً افضل من محمد (صلی الله علیه و آله وسلم) ولم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم۔

''طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلایل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، آپ کہتی ہیں: اللہ کے محبوب، رسول عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو کھنگالا، پس میں نے کسی مرد کو، اے جانِ جاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں پایا اور کسی خاندان کو بنی ہاشم کے خاندان سے افضل نہیں پایا۔''

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

قل الحافظ ابن حجر: ومن المعلوم ان الخیریة والاصطفاء والاختیار من الله والا فضلیة عنده لا یکون مع الشرک۔

''حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کسی سے بہتر ہونا، اللہ تعالیٰ کا کسی کو چننا اور کسی کو پسند کرنا اور اس کی بارگاہ میں کسی کی افضلیت

اس کے مشرک ہونے کے باوجود ہرگز نہیں ہوسکی۔"

(مسالک الحنفاء، ص ۲۲)

ان روایات سے اس دلیل کا پہلا مقدمہ ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے آباء و اجداد اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے ہم عصروں سے افضل اور اعلیٰ تھے اور یہ افضلیت اور یہ علوئے مرتبت اس وقت انھیں نصیب ہوسکتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہوں۔

تیسرا مسلک:

اس مسئلے میں علمائے کرام کا تیسرا مسلک یہ ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین آگ میں ہیں، وہ مردود ہے:

ان الله تعالیٰ احی له ابوین حتی امنا به وهذا المسلك مال اليه طائفة كبيرة من حفاظ المحدثين و غيرهم منهم ابن شاهين والحافظ ابو بكر الخطيب البغدادی والسهيلی والقرطبی والمحب الطبری والعلامه ناصر الدين ابن المنير وغيرهم۔

"اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ حفاظ محدثین میں سے ایک بہت بڑا گروہ اس مسلک کی طرف مایل ہوا ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں: ابنِ شاہین، حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی، ابوالقاسم سہیلی، ابوعبداللہ القرطبی، محب طبری، علامہ ناصرالدین ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم۔"

(مسالک الحنفاء، ص ۵۶)

اس مقام پر عصرِ حاضر کے مایہ ناز محقق امام محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ میں ان کی کتاب "خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم" سے اقتباس پیش کرتا ہوں، مجھے یقین ہے اس کا مطالعہ کرنے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی اور آپ کا دل مسرور ہوگا۔

ولا شک ان الخبر الذی يقول ان ابا محمد عليه الصلوٰة والسلام فی النار خبر غريب فی معناه كما هو غريب فی سنده

لان الله تعالیٰ یقول : ''وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً۔'' وقد کان ابو محمد علیه الصلوٰة والسلام وامه علی فترة من الرسل فکیف یعذّبون؟ ان هذا مخالف للحقایق الدینیة لقد مات احد هما قبل ان یبرز رسول الله إلی الوجود وماتت الاخریٰ وهو غلام لم یبعث رسولاً ولذلک کان الخبر الذی یقول انها فی النار مردوداً بغرابة سنده اولا، ولبعد معناه عن الحقیقة ثانیاً۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خبر، جس میں حضور ﷺ کے والد کے بارے میں کہا گیا ہے، معنی کے لحاظ سے بھی غریب ہے جس طرح سند کے لحاظ سے غریب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔'' ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں یہاں تک کہ ہم رسول علیہ السلام بھیجیں اور حضور ﷺ کے والدین کریمین نے فترۃ کا زمانہ پایا تو انھیں کیونکر عذاب دیا جا سکتا ہے۔ یہ بات دینی حقایق کے سراسر خلاف ہے۔ والدِ ماجد تو حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے وفات پا گئے اور والدہ ماجدہ نے جب وفات پائی تو حضور ﷺ ابھی بالکل چھوٹے تھے اور رسول کے طور پر مبعوث نہیں ہوئے تھے اس لیے وہ خبر، جس میں ان کے بارے میں ہے کہ وہ دونوں آگ میں ہیں، مردود ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس کی سند میں غرابت ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس کے معنی حقیقت سے بہت دور ہیں۔''

اس کے بعد امام موصوف اس قسم کی باتیں سن کر اپنی قلبی کیفیت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

وفی الحق انی ضرست فی سمعی وفهمی عند ما تصوّرت ان عبدالله وآمنه یتصور ان یدخلا النار لانه عبدالله الشاب الصبور الذی رضی بان یذبح لنذرابیه وتقدم راضیاً ولما افتدته قریش استقبل الفداء راضیاً وهو الذی کان عیوفاً عن اللهو واللعب وهو الذی برزت الیه المراة تقول هیت لک

فیقول لها اما الحرام فالممات دونه ولما ذا یعاقب فی النار وھو لم تبلغه دعوۃ رسول۔

''جب میں یہ تصور کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ اور سیّدنا آمنہ نار میں ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص میرے کان اور میرے فہم پر ہتھوڑے مار رہا ہے۔ کیونکہ عبداللہ وہ نوجوان تھے جن کا شعار صبر تھا۔ وہ اپنے باپ کی نذر کے مطابق ذبح ہونے پر راضی تھے اور اپنی رضا مندی سے آگے بڑھ کر اپنے سر کا نذرانہ پیش کیا، اور جب قریش نے سو اونٹ بطور فدیہ دینے کے لیے کہا تو اس پر بھی بخوشی رضا مند ہوگئے۔ وہ عبداللہ، جو اپنے بے پایاں حسن وشباب کے باوجود لہو ولعب سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور جب ایک دوشیزہ نے دعوت گناہ دی تو جھٹ اسے جواب دیا: اما الحرام فالممات دونه۔ (تم مجھے حرام کے ارتکاب کی دعوت دیتی ہو اس سے تو مرجانا بہتر ہے۔) ایسے پاکباز اور صدق شعار نوجوان کو آخر کیوں دوزخ میں پھینکا جائے گا؟ حالانکہ اسے کسی نبی نے دعوت بھی نہیں دی۔''

آگے لکھتے ہیں:

''رہیں حضور ﷺ کی والدہ، تو وہ خاتون، جس کو شادی کے فوراً بعد اپنے شوہر کی اچانک موت کا جانکاہ صدمہ پہنچا تو اس نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے بچے کو یتیم اور نادار پایا تو پھر بھی جزع فزع نہیں کی بلکہ صبر کو اپنا شعار بنایا، کیا کوئی شخص تصور کرسکتا ہے کہ ایسی حور شمائل خاتون کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اسے ہدایت دینے کے لیے نہیں آیا اور نہ کسی نے اسے توحید الٰہی کی دعوت دی ہے۔

آخر میں رقمطراز ہیں:

وخلاصة القول وھو ما انتھینا الیه بعد مراجعة الاخبار فی ھذہ المسئلة ان ابوی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم فی فترۃ وانھما کانا قریبین الی الھدیٰ والی الاخلاق الکریمة التی جاء

به شرعٍ ابنها من بعد وانهما كانا على فترة من الرسل ونعتقد انه بمراجعة النصوص القرآنية والاحاديث الصحيحة لا يمكن ان يكونا في النار فامه المجاهدة الصبور الحفية بولدها لا تمسها النار لانه لا دليل على استحقاقها بل الدليل قام على وجوب الثناء عليها هي و زوجها الذبيح الطاهر۔

''ہماری ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے، جس پر ہم اس مسئلے کے بارے میں احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے ہیں، کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ابوین کریمین نے وہ زمانہ پایا جس میں رسولوں کی آمد منقطع تھی اور وہ دونوں ہدایت اور اخلاق کریمہ کے بالکل قریب تھے جو بعد میں ان کے لختِ جگر ﷺ نے بطور شریعت دنیا کو پیش کی۔ اور قرآنی آیات اور احادیثِ صحیحہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں۔ آپ ﷺ کی والدہ وہ مجاہدہ ہیں جو سراپا صبر تھیں۔ اپنے فرزندِ ﷺ دل بند کے ساتھ بڑی شفیق تھیں۔ انھیں آگ کیسے چھوسکتی ہے؟ کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ آگ میں جلائے جانے کی مستحق ہیں۔ بلکہ دلیلیں تو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ ان پر اور ان کے شوہرِ نامدار پر، جو ذبیح اور طاہر کے لقب سے ملقب تھے، جی بھر کر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جائیں۔''

(خاتم النبیین جلد اول، ص ۱۳۲-۱۳۴)

علامہ مذکور نے اپنی یہ مدلل بحث ان جملوں پر ختم کی:

وما انتهينا الى هذا بحكم محبتنا لرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وان كنا نرجوها ونتمناها ولكن بحكم العقل والمنطق والقانون الخلقي المستقيم والادلة الشرعية القويمة ومقاصد الشريعة وغاياتها۔

''ہم اس نتیجے پر صرف اس لیے نہیں پہنچے کہ ہمارے دل میں اللہ کے

رسول ﷺ کی محبت ہے اور اس محبت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچیں، اگرچہ ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے محبوب ﷺ کی محبت سے سرشار رکھے لیکن ہم اس نتیجے پر اس لیے پہنچے ہیں کہ عقل، منطق اور خلقِ مستقیم کا قانون، شریعت کی مضبوط دلیلیں اور شریعت کے اغراض و مقاصد ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم اس بارے میں اس نتیجے پر پہنچیں۔''

آخر میں قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ابنِ عربی، جو مسلکِ مالکیہ کے جلیل القدر ائمہ میں سے ہوے ہیں اور جن کی تفسیر ''احکام القرآن'' ان کے علم و فضل کی بڑی دلیل ہے، کے ایک فتوے کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں:

سئل القاضی ابوبکر ابن العربی عن رجل قال ان اباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی النار فاجاب من قال ذلک فھو ملعون لقولہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ولا اذی اعظم من ان یقال عن ابیہ انہ کذا و کذا۔

''قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ابنِ عربی سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو حضور نبیِ کریم ﷺ کے آباء و اجداد کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ فی النار ہیں۔ آپ نے جواب دیا: جو شخص یہ کہتا ہے وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ لوگ، جو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، لعنت بھیجتا ہے ان پر اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں۔ پھر کہا: اس سے بڑی اذیت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں یہ کہا جائے!

نعوذ باللہ من غضبہ وغضب حبیبہ وزیغ القلوب عن الحق و حرمان العقول عن فھم الحقیقۃ اللھم اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝ آمین۔

نُورٌ مِّنْ نُّورِ اللهِ

ہر ایک راز سے پردہ اٹھا رہے ہو ادیبؔ
کوئی تو بات ہو پنہاں، درود تاج میں ہے

نُورٌ مِّنْ نُّورِ اللّٰہِ

وصلی اللہ علیٰ نورِ کزو شد نور ہا پیدا
زمیں از حبِّ اُو ساکن، فلک در عشقِ اُو شیدا

(جامی رحمۃ اللہ علیہ)

ذکر میں ان کے جو لکھا ہر سطر پُر نُور ہے:

نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کی ہی روشنی میں اہلِ محبت نے اپنی پُر نور تحریروں سے قلوب کو منور کیا۔ صوفیاء و مشائخ نے اپنے مخصوص متصوفانہ انداز میں، اولیائے عظام نے اسرار و رموز کے جملہ نورانی سے خبر نکال کر اور علماء و محققین نے حجت و دلیل قایم کر کے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا قیمتی سرمایہِ علم چھوڑا ہے کہ ہمارا خزینہِ علم مالا مال ہو گیا۔ مفسّرین، محدّثین، مؤرخین، اہل اللہ، عارفانِ باللہ کی صدیوں کی اس محنت، عقیدت، محبت اور جہدِ علمی کو قیاسی کہہ کر اس تمام ذخیرے کو دریا برد کرنے کی آرزو میں وہ بدقسمت لوگ، جو اس نور کی روشنی میں علم سے روشناس ہوے، جہلِ علم کا مظہر بن گئے، اور اسی وجہ سے "نور"، جو اوّل نور آخر نور ہے، بحث کا موضوع بن گیا لیکن میں سمجھتا ہوں، اور میری ناقص رائے میں، یہ بھی اللہ کی مصلحت ہے۔ چراغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور شرار بولہبی ازل سے ہے اور امروز بھی ہے، اس کے نتیجے میں معصوم اور بھولے بھالے صاحبانِ ایمان کو گمراہی سے بچنے اور حقیقتِ نور سے گہری وابستگی کے لیے اس بحث کا وجود میں آنا قیامت تک کے لیے نسل در نسل مفید ہو گیا کہ وہ تمام تاریخی مواد، جو نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا جایز ترجمان ہے، سامنے آ گیا۔ علمائے کرام و محققین کی عالمانہ بحث سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے مگر عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خود اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان کے نور سے متعلق جو فرماتے اور نور من نور اللہ خود اس کی تصدیق فرماتے اس کارڈ کوئی کیا کرے گا!

نُورٌ مِّن نُّورِ اللہ خالص علمی بحث ہے:

یہ موضوع علمی ہے اور مجھے اپنی کم مایگیِ علم کا بھی احساس ہے کہ اس نازک موضوع پر اپنی جانب سے کچھ کہنے کی بجائے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات اور ان پر محدثین کے تبصروں اور انھی کے حوالوں سے محققین کے مضامین پیش کروں۔ میرے نزدیک یہی بہتر طریقہ تھا۔

ان تحریروں کے نقوش، ان نفوسِ قدسیہ کی تحقیق، جن کا علم وتقویٰ اہلِ شریعت اور اہلِ طریقت دونوں کے نزدیک مسلّم ہے، پیش کرنے جا رہا ہوں۔ سب سے پہلے دل بے قرار کو قرار پہنچانے والا حوالہ پیش کرتا ہوں۔

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تمام افرادِ انسانی کی طرح نہیں، وہ حق تعالیٰ کے نُور سے پیدا ہوئے:

حضرت امام ربانی، مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ پیدائشِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تمام افرادِ انسانی کی طرح نہیں بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلقت من نور اللہ

کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے۔ ممکناتِ عالم کے صحیفے کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مشہود

نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقتِ امکان کا منشاء عالمِ ممکنات میں ہے ہی نہیں کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، نیز عالمِ شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں ان صلی اللہ علیہ وسلم سے لطیف کوئی نہیں پھر ان صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے؟''

(دفتر سویم ترجمہ مکتوب نمبر ۶۶۲، ص ۱۰۰)

اللہ نے سب سے پہلے نُور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا (حدیث):

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فخرِ موجودات علیہ، افضل الصلوٰۃ وطیّب التحیات سے پوچھا:

''یا رسول اللہ! بابی انت و امی اخبرنی عن اول شئی خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک۔'' (رواہ عبدالرزاق)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کون سی چیز پیدا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔ (ان احادیث کی تصدیق اور توثیق مولانا تھانوی نے ''نشر الطیب'' میں کی ہے۔)

علامہ پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات عالمِ امکان میں سب سے مقدم ہے۔ آدم و ابراہیم علیہم السلام بلکہ عرش و کرسی سے بھی بہت پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر صفات کی طرح نبوت اور بشریتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں ہیں۔ اہلِ معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے اور حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقۃ الحقایق ہے۔

''اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باپ کہا جاتا ہے۔''

(زرقانی)

''ترمذی کی حدیث ہے: ایک روز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! متی وجبت لک النبوۃ ۔ حضور ﷺ آپ کو خلعتِ نبوت سے کب سرفراز کیا گیا؟

حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: وآدم بین الروح والجسد ۔ مجھے اس وقت شرف نبوت سے مشرف کیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام کی نہ ابھی روح بنی تھی اور نہ جسم۔ نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے، اب آپ خود یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو موصوف اپنی صفتِ نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اس کی حقیقت کیا تھی؟

یہ بات ایمان و عرفان کی بھی ہے اور ذوق جستجو کی بھی تو آیئے ایک نظر سورہ نور پر ڈالیے اور دیکھیے کہ اس آیت کی تفسیر اور تشریح میں اکابر علمائے کرام کیا فرماتے ہیں۔

سورہ نُور میں نُورِ ثانی سے مراد نُورِ مصطفٰے ﷺ ہے:

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ روشن ہوتا ہے مبارک درخت زیتون سے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ ہدایت فرماتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے اور لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔''

(سورہ نور: آیت ۳۵)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''شفاء شریف'' میں سمجھاتے ہیں کہ اللہ کا نور اور اس کی مثال کیا ہے، وہ یہ حوالہ پیش کرتے ہیں:

نور کے متعلق حضرت کعب بن احبار اور ابنِ جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مثلِ نورٖ'' میں نورِ ثانی سے مراد نورِ مصطفٰی ﷺ ہے۔'' (شفاء شریف جلد اول، ص ۱۰)

آغاز میں یہ عرض کیا تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ ہستیاں ہیں جن کی صداقت اور جن کے فہم وادراک پر علم بھی ناز کرتا ہے اور ادراک کو بھی فخر ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ اہلِ ایمان تھے اور فصیح تھے۔ یہ خوبیاں بے شک ان کا طرّہ امتیاز تھیں لیکن غلامیِ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو نورِ بصیرت ملا تھا اس نے ہر معاملے میں قابلِ رشک بنا دیا تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوگا جب اس آیت کی تشریح میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر سے دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نورِ قلبِ ابراہیم علیہ السلام پر نورِ قلبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"طاق تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک ہے اور فانوس قلبِ مبارک ہے۔ چراغ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے۔ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی، یعنی نہ یہودی ہے نہ نصرانی۔ روشن ہے شجرہ مبارکہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔ نور پر نور ہے یعنی نورِ قلبِ ابراہیم علیہ السلام پر نورِ قلبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔" (تفسیرِ خازن جلد سویم، ص ۳۳۳)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت، احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تصدیق اس طرح فرماتے ہیں:

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے یہ سورہ نور کا

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبحرِ علمی کا چرچا پہلے بھی اور آج بھی عرب وعجم میں نمایاں ہے۔ اگر مندرجہ بالا روایت قابلِ اعتبار نہ ہوتی تو نہ صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کی تصدیق نہ فرماتے بلکہ غلط عقیدے کے رجحان کو مٹانے کے لیے ایک مقالہ تحریر فرما دیتے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد (پی ایچ ڈی) اٹھارہ برس سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تحقیقی خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ ان کی علوم پر دسترس کی بابت فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فکر کا ہر گوشہ تحقیق و تدقیق کا مقتضی ہے اور ایک الگ مقالے کا محتاج ہے۔ راقم کو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ پر تحقیقی کام کرتے ہوئے اٹھارہ سال گزر چکے ہیں مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ساحلِ سمندر تک رسائی نہ ہو سکی، شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے۔''

یعنی جس تحریر، جس واقعے اور جس بیان کی تصدیق اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے عرب و عجم میں کوئی ردّ نہیں کر سکا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں نہایت سادگی سے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد رحمۃ اللہ علیہ کا خواب:

دنیائے علم و ادب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کرانا چاہتا ہے تو جسے چاہے اس کی مدح سرائی پر اسے مامور فرما دیتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جو ان کے والد عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنانِ مصر نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بعض لوگ تو ان کو دیکھ کر قربان ہو جاتے (مر جاتے) تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایسا یعنی ایسی حالت کیوں نہیں ہوتی؟''

فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمالی مستور عن عین الناس غیرۃ من اللہ عزّوجل ولو ظہر لفعل الناس اکثر مما فعلوا حین رأو یوسفؑ۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے، اگر آشکارا ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔''

(درِ ثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم: شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

اے صلِ علیٰ نور شہِ جن و بشر، نور لب، نور دہن، نور سخن، نور نظر نور

سر نور، قدم نور، شکم نور، کمر نور، جس گھر میں تیرا ذکر کریں لوگ وہ گھر نور

(ادیبؔ)

اگر چہ یہ بحث قطعی ناتمام ہے لیکن اس کے باوجود اس کا خلاصہ یہی ہے کہ اپنے حسن و جمال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نور ہیں۔ نورٌ علیٰ نور ہیں، نور من نور اللہ ہیں، اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو خلق فرمایا۔ حسن و جمال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے آفاقہائے عالم میں جستجو کی، جملہ حسینانِ عالم کو دیکھا لیکن یہی فرمایا: ''لیکن تو چیزے دیگری۔'' جگر مراد آبادی بولے:

اے! مثلِ تو در جہاں نگارے

یزداں دگرے نہ آفریدہ

اور کس دعوے سے پھر یہ بھی کہا:

اے! پرتوِ حسنِ ذات از تو

یک شمہ بدیگراں رسیدہ

اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ کوشش مت کروان کی ذات کوان کے حسن و جمال کوان کے نُور کو سمجھنے کی یا سمجھانے کی، تمھاری عقلیں وہاں اپنی رسائی نہیں پاتیں، ایک عشق ہے جو رسائی پاتا ہے لیکن وہ بھی مجبور ہے:

کے عقل تواں رسد بہ پایاں

ہم عشق ہنوز نا رسیدہ

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تو منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ کہلوایا کہ اس جہانِ رنگ و بو کی خاک سے آرزو، عشق، تعمیر، تخلیق، قوتِ حیات، زندگی کا جو شرارہ پھوٹتا ہے اس کی رونق اور تابندگی یا تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کرشمہ ہے یا اگر اس میں کچھ کمی ہے تو پھر سمجھ لو کہ ہنوز وہ

نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ہے۔ یہ ہے وہ حقیقتِ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جسے اقبال رحمۃ اللہ علیہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے لہجے میں بیان کرتے ہیں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آن کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُو را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم است

يَا اَيُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ
بِنُوْرِ جَمَالِهٖ

یَاَیُّہَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِہٖ

ان آنکھوں کا ورنہ کوئی مصرف ہی نہیں ہے
سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تمھارا رخِ زیبا نظر آئے
(وقارؔ صدیقی اجمیری)

ان آنکھوں کا مصرف لقائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

درود تاج کے یہ اختتامی کلمات ہیں جن میں ان اہلِ محبت کو خطاب کیا گیا جو صرف اور صرف دیدار جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جی رہے ہیں۔ وہ ان آنکھوں کا کوئی اور مصرف ہی قرار نہیں دیتے کہ ان کے نزدیک ان آنکھوں کی نعمت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسّم کے رخِ انور کی دید کے لیے ہوتی ہے۔

حضرت زید عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بینائی واپس لوٹا دی:

حضرت زید عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ جب شہنشاہِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب سفر کر گئی تو آپ پر شدتِ غم اور فراق کا یہ عالم ہوا کہ آپ نے اپنے ربّ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگی: خداوند کریم، جو بینائی تو نے عطا کی تھی وہ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے کی تھی، جب وہ جمال جہاں آرا ہی نہ رہا تو اب میں ان آنکھوں کا کیا کروں؟ میری بینائی مجھ سے چھین لے۔ چونکہ حضرت زید عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا رواں رواں عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا تھا اور مجیب الدعوات بھی تھے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ دعا بارگاہ ایزدی میں شرفِ قبولیت پا گئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی۔ اس کیفیت کو جس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا ہے گویا یہ تمام واقعہ شعر میں

سمٹ کر آ گیا ہے:

آں تن کہ بکوئے اُو نہ شد خاک
زاں تن بداں کہ گور بہتر
چشمے کہ جمالِ تو نہ بیند
می داں بہ یقیں کہ کور بہتر

ان مقاماتِ عشق کا بیان اور اسے سمجھانا کوئی آسان بات نہیں۔ مصنف درود تاج کی آپ اسے علمیت کا کمال کہیے، ان کے عشق کی بلندی کہیے یا ان کے مقام روحانیت کی نگاہ کہیے کہ تکمیلِ درود تاج پر وہ انھیں عاشقوں کو مخاطب کر رہے ہیں جن کا ذکر اوپر کی سطور میں ہوا اور پھر دعوت دے رہے ہیں کہ اے نور جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشتاق دیوانو، پروانو، صلوا علیہ وآلہٖ! ان صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر درود بھیجو جن کا ذکر جن کے القاب ''سیّدنا و مولنا'' سے لے کر ''نور من نور اللّٰہ'' تک تمام سنتے، پڑھتے اور حرزِ جاں بناتے آئے ہو۔ ان عاشقوں کی حالت یہ ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار بھی کرنا چاہتے ہیں تو آئینۂ جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ وہ درمیان کے اس واسطے، اس وسیلے، اس نسبت اور اس تعلق کو اس لیے علیحدہ نہیں کرنا چاہتے کہ لقائے ربّ کا خیال، دیدار خدا کا تصور، قربِ الٰہی کی آرزو، یہ سب کا سب نتیجہ ہے اللّٰہ کا جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کی نظرِ کرم کا اسی لیے وہ اسی آئینے میں جمال حق تعالیٰ کے اشتیاق میں ہیں۔

حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بنما جمال خود را یک دم بہ من نگارا
تا در رخِ تو بینم نور خدا نما را
پردہ بر افگن از رخ، من یافتم ز رویت
در ذات تو ہویدا انوار کبریا را

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نُورِ خدا نما ہے:

یہ وہ کمال ہستیاں ہیں کہ ایک جانب جمال محبوب صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے اپنی مشتاق آنکھوں کی تشنہ لبی دور کرتے ہیں تو ساتھ ہی اس جمال کو آئینۂ جمال حق تعالیٰ بنا کر انوار کبریا

کا دیدار بھی کر لیتے ہیں۔ حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور خدا نما فرمایا ہے۔ اسی بات پر وہ ایک لمحے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روئے انور سے نقاب کشی کی التجا کر رہے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال ظاہری بھی ایسا ہے کہ جسے دیکھ کر نہ صرف خدا یاد آئے بلکہ خدا کا دیدار کرا دے اور وہ حسنِ کائنات، جو کائنات حسن بھی ہے، صرف ایسے ہی عاشقوں کی نگاہ کی تسکین فرماتا ہے ورنہ اس کی حقیقتِ حسن کو نہ کوئی دیکھ سکا نہ کوئی پا سکا۔ گزشتہ اوراق میں شمس الضحیٰ کے زیرِ عنوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا اور اس پر پڑے ہوئے حجاب کی بحث گزر چکی ہے۔ حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی دلیل اپنے اس شعر میں بھی دیتے ہیں کہ یہ آنکھیں صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے مشتاق ہیں:

عالم ز ماہ رویاں گر پُر شود نہ بینم

جز تو، بہ تو ز اوّل دارم رہ وفا را

یعنی یہ تو ازل یا روز اوّل سے طے ہے کہ رہ وفا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس لیے تمام عالم اگر ماہ رو چہروں سے پُر ہو جائے مجھے سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی جانب نظر نہیں اٹھانی ہے۔

ان مشتاقانِ جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کہیں مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان آنکھوں کا خیال فرماتے ہیں جو ساری کائنات کا مشاہدہ فرما رہی ہیں تو مازاغ البصر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفِ عنبریں کا دھیان آتا ہے تو والیل اذا یغشیٰ کا ورد کرتے ہیں۔

دو چشم نرگسینش را کہ مازاغ البصر خوانند

دو زلفِ عنبرینش را کہ والیل اذا یغشیٰ

جامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق اور تڑپ دیدار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے:

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام مشتاقانِ نور جمال میں عجیب ہے کہ ان کا محبوب انھیں اپنے قریب آنے سے بار بار روکتا ہے اور پھر یہ سعیِ بسیار اور التجائے اشکبار کے بعد جب روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں تو رو رو کر اپنا حال فراق عرض کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی

آرزو بیان کرتے ہیں کہ اہلِ علم اسے گستاخی و بے ادبی اور اہلِ عشق اسے کمال محبت اور عروجِ عشق بتاتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحّم یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ترحّم

اس میں آپ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرانور سے باہر تشریف لائیے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرق اقدس پر نوری عمامہ ہو، یمن کی چادر اوڑھے ہوئے ہوں (یمن کی چادر بہت مشہور تھی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین کے وقت یمن کی چادر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں رکھا گیا تھا۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

بروں آور سر از بردِ یمانی
کہ رُوئے تست صبحِ زندگانی

یمنی چادر سے باہر نکلیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور صبحِ زندگانی ہے ہم مشتاقانِ دید کے لیے۔ اس نعت میں اپنے جذب شوق اور عشق کے جذبے کو کمال انتہا تک لے جاتے ہیں:

ادیمِ طائفی نعلینِ پا کن
شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

تمام باتیں عرض کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلینِ مبارک طائف کے چمڑے کی ہو (طائف کا چمڑہ بہت خوبصورت اور رنگین ہوا کرتا تھا) اور اس کی ڈوری جو ہو وہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کی جان ہو۔

آپ مدینے تک رسائی کے لیے تڑپتے تھے اور اپنے ارمانوں کا ذکر اپنے اشعار میں کیا کرتے تھے کہ اگر مدینے پہنچا تو کیا کیا کروں گا۔ ایک شعر دیکھیے، اس میں وہ اپنے ارادے بتا رہے ہیں۔ مطلع میں یہ کہہ چکے ہیں: کے بود یارب کہ رُو در یثرب و بطحا کنم؟ آگے فرماتے ہیں:

بر کنارِ زمزم از دل بر کشم یک زمزمہ
وز دو چشمِ خوں فشاں آں چشمہ را دریا کنم

کنارِ زمزم پہنچ کر اپنے دل سے ایک زمزمہ برپا کروں گا اور ان دو خوں فشاں آنکھوں سے اس چشمے (زمزم) کو دریا کروں گا۔

قدسی رحمۃ اللہ علیہ اور عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی لقائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے قرار ہیں:

اِدھر جامی رحمۃ اللہ علیہ تڑپ رہے ہیں تو اُدھر خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا عالمِ ہجر عالمِ اضطراب بنا ہوا ہے، اسی عالم میں کہتے ہیں:

دیدہ جاں را لقائے تو بس است
ہر دو عالم را رضائے تو بس است
بیکساں را کس توئی در ہر نفس
من نہ دارم در دو عالم جز تو کس
یک نظر سوئے منِ غمخوار کن
چارہ کارِ منِ بے چار کن

قدسی رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے ہیں کہ میری پیاس حد سے بڑھ گئی ہے، اے آبِ حیات! بس اب رحم فرمایئے:

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
رحم فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلبِ دیدار میں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داستانوں کا اندازہ نہیں کہ کون کون اس راہ میں دیوانہ بنا ہوا ہے اور کتنے عاشق تڑپ رہے ہیں، اور کون کس حال میں ہے۔ اس میخانے سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا لیکن کچھ رندانِ نامراد اس میخانے کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ تو پہلے تو اس قیامت تک جاری رہنے والے میخانۂ معرفت میں میخانے کی توہین اور ساقی کی ہتک کے ارادہ سے داخل ہونے والوں کو اس میخانے کے آداب سکھانا بھی ضروری ہیں۔

یہ تعریف و توصیف اور مدح و ثناء کا میکدہ قیامت تک جاری رہے گا اور ہم اور آپ

یہاں آکر اپنی تشنہ لبی ساغرِ ثناء سے بجھاتے رہیں گے:

مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر دم ہے میخانہ کھلا
ان کے عاشق کام یہ کرتے ہیں رندانہ کھلا
جب کھلا روزِ قیامت نامۂ اعمالِ عشق
سب سے پہلے جو کھلا نعتوں کا نذرانہ کھلا (ادیب)

عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیتِ عشق تو صدیوں بعد کی ہے اور صدیوں بعد جب عشاق کا عالم یہ ہے تو جن آنکھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمہ وقت دیدار کیا ہو ان پر کیا گزری ہوگی جب وہ اس پیکرِ جمال کی دید سے محروم ہو گئے ہوں گے؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر کیا گزری:

شارح بخاری شریف امام کرمانی نقل کرتے ہیں کہ جب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے دل نہ لگنے کی وجہ سے شہرِ مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ارادے کا علم ہوا آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اپنے اس ارادے کو بدلنے کے لیے فرمایا اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جس طرح پہلے اذان دیا کرتے تھے اسی طرح اذان دیا کریں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عشق نے زبانِ حال سے یہ جواب دیا:

انی لا ارید المدینة بدون رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم ولا اتحمل مقام رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم خالیاً عنه۔

''اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مدینے میں میرا دل نہیں لگتا اور نہ مجھ میں ان خالی مقامات کو دیکھنے کی برداشت ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔''

(الکرمانی شرح البخاری، ۱۵-۲۴، بحوالہ ''پیکرِ جمال'' ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

بخاری شریف میں ایک روایت میں آپ رضی اللہ عنہ کا جواب یوں بھی ہے:

یا ابا بکر ان کنت انما اشتریتنی لنفسک فامسکنی وان کنت انما اشتریتنی للہ فدعنی۔

''اگر آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنے لیے خریدا تھا تو مجھے روک لیں اور اگر اللہ کی رضا کی خاطر خریدا تھا تو مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔''

(البخاری جلد دویم، ص ۵۳۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ ان کے قلب پر، ان کے جسم و جاں پر کیا گزر رہی تھی؟ مدینے کی گلیوں میں وہ لوگوں سے یہ دریافت کرتے پھرتے کہ اے لوگو! تم نے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دو۔ ساکنانِ مدینہ ویسے ہی غم میں ڈوبے ہوئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر گریہ طاری ہو جاتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کے شہر حلب ہجرت کر گئے۔ تقریباً چھ ماہ بعد اس عاشقِ صادق کے خواب میں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اپنی زیارت سے مشرف کیا اور پھر فرمایا:

''ما ھذہ الجفوۃ یا بلال رضی اللہ عنہ، اما آن لک ان تزورنی یا بلال رضی اللہ عنہ؟''

''اے بلال رضی اللہ عنہ! تو نے ہمیں ملنا چھوڑ دیا، کیا ہماری ملاقات کو تیرا جی نہیں چاہتا؟''

تمام زخم تازہ ہو گئے۔ اس ایک جملے سے کیا کیفیت گزری ہوگی حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر؟ خواب سے بیدار ہوتے ہی اونٹنی پر سوار ہو کر لبیک یا سیّدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب شہرِ مدینہ میں داخل ہوئے تو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے۔ کبھی مسجد اور کبھی حجروں میں ڈھونڈتے ہوئے قبرِ انور پر پہنچے اور سر رکھ کر رونا شروع کر دیا اور عرض کی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آ کر مل جاؤ، غلام حلب سے حاضر ہوا ہے۔''

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان:

یہ جملہ زبان سے ادا کیا، بے ہوش ہو کر مزارِ اقدس کے قریب گر پڑے۔ تمام مدینے

میں یہ خبر خوشبو کی طرح پھیل گئی کہ مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگئے ہیں۔
اس عاشقِ صادق کو دیکھنے کے لیے مدینہ منورہ کے بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور بچے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہوگئے۔ سب نے مل کر عرض کی کہ ایک مرتبہ وہ اذان سنادو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں ایسا نہ کرسکوں گا، اس لیے کہ جب اذان پڑھتا تھا تو اشھد ان محمداً رسول اللہ کہتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا، اب کسے دیکھوں گا؟ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لوگ راضی نہ کرسکے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مشورہ دیا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے عرض کریں، بلال رضی اللہ عنہ ان کے کہنے پر انکار نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو لایا گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر فرمایا:

یا بلال نشتھی ان نسمع اذانک الذی کنت توذن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فی المسجد۔

''بلال رضی اللہ عنہ! آج ہمیں وہی اذان سناؤ جو ہمارے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے۔''

اب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یارا نہ رہا، ان شہزادوں کے حکم کو یہ عاشق کیسے رد کرتا؟ لہٰذا اسی خاص مقام پر کھڑے ہوکر آپ رضی اللہ عنہ نے اذان دی جہاں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اذان دیا کرتے تھے۔

جب آپ رضی اللہ عنہ نے بہ آوازِ بلند اذان کے ابتدائی کلمات ادا کرنے شروع کیے تو اہلِ مدینہ سسکیاں لے لے کر رونے لگے۔ جیسے جیسے کلماتِ اذان میں آگے بڑھتے گئے جذبات شدید ہونے لگے۔ جب اشھد ان محمداً رسول اللہ کے کلمات پر پہنچے تو تمام حاضرین حتیٰ کہ پردہ نشین خواتین بھی گھروں سے باہر نکل آئیں۔ سبھی یوں تصور کرنے لگے جیسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اہلِ مدینہ پر اس دن سے بڑھ کر کبھی رقت طاری نہیں ہوئی۔ (ابنِ عساکر)

یہ اشتیاقِ دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ان کے عشاق میں آج بھی ہے جو تڑپاتا ہے

اور تڑپا تا رہتا ہے۔ انھی عاشقوں اور طالبانِ دیدار کو درود تاج میں دعوت دی گئی اور یا ایھا المشتاقون کہہ کر مخاطب کیا اور کیا خوب کیا۔ جمالِ یار کی جلوہ گری سے محروم جب ایک سوکھا ہوا درخت ''حنانہ'' اور ایک اونٹنی زار و قطار رو رو کر جان دے دیں تو ان صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا حال کیا نہیں ہوتا ہوگا؟

ہجر میں ان صلی اللہ علیہ وسلم کے گئے جان سے جانے والے:

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد فراق کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وناقۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علف نمی خورد و آب نمی نوشید تا آنکہ مرد۔''

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی نے مرتے دم تک نہ کچھ کھایا اور نہ ہی پیا۔'' (مدارج النبوت جلد دویم، ص ۴۴۴)

پھر لکھتے ہیں:

از جملہ آیاتی کہ ظاہر شد بعد از موت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آن حماری کہ آنحضرت گاہی برآں سوار میشد چنداں حزن کرد کہ خود را در چاہی انداخت۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جو عجیب کیفیات رونما ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس گوش دراز (خچر) پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری فرماتے تھے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں اتنا رنج و ملال کیا کہ کنویں میں چھلانگ لگا دی اور شہید ہو گیا۔'' (مدارج النبوت جلد دویم، ص ۴۴۴)

اس آخری حوالے پر ان واقعات کو مختصر کرتا ہوں ورنہ بے شمار حوالے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے آئی اور مجھ سے کہا:

اکشفی لی قبر رسول اللہ علیہ فکشفتہ لھا فبکت حتی ماتت۔

''حجرہ انور کھول دیں، میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے) حجرے کا دروازہ کھول دیا، وہ عورت آپ ﷺ کے مزار اقدس کو دیکھ کر اتنا اشک بار ہوئی کہ روتے روتے شہید ہوگئی۔'' (الشفاء جلد دویم، ص ۵۷)

ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری نے اپنی تصنیف ''پیکرِ جمال'' میں ''استن حنانہ'' کا ذکر کیا ہے۔ اسی استن حنانہ کا جو ڈاکٹر برق کی عقل میں نہیں آیا، جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں کر چکا ہوں کہ ڈاکٹر برق نظام تنفس اور پھیپھڑوں اور نرخرے کی ساخت میں الجھ کر رہ گئے۔ علامہ طاہر القادری نے ''استن حنانہ کا شوق دیدار'' کے زیرِ عنوان تحریر کیا ہے۔

اس واقعے کی تصدیق میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر کا قول، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی روایت اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کا بیان بخاری شریف سے تحریر فرما کر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پیش کیے ہیں جو قارئین کی دلچسپی کے لیے مع ترجمہ پیش ہیں:

استن حنانہ در ہجرِ رسول ﷺ
نالہ می زد ہمچو ارباب عقول

رسول اللہ ﷺ کے فراق میں کھجور کا ستون انسانوں کی طرح رویا۔

درمیانِ مجلسِ وعظ آنچناں
کزوے آگہ گشت ہم پیر و جواں

وہ اس مجلس کے درمیان اس طرح رویا کہ تمام اہلِ مجلس اس پر مطلع ہوگئے۔

در تحیر ماند اصحاب رسول ﷺ
کز چہ می نالد ستوں با عرض و طول

تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حیران ہوے کہ یہ ستون کس سبب سے سرتاپا محوِ گریہ ہے۔

گفت پیغمبر ﷺ: چہ خواہی اے ستون؟
گفت: جانم از فراقش گشت خون

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا: میری جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں خون ہوگئی۔

از فراقِ تو مرا چوں سوخت جاں
چوں ننالم بے تو اے جانِ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں؟

اے جانِ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں تو میری جان نکل گئی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں کیوں نہ روؤں؟

مسندت من بودم از من تاختی
بر سرِ منبر تو مسند ساختی

پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند تھا، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کنارہ کش ہو کر منبر کو مسند بنالیا۔

پس رسولش گفت، اے نیکو درخت
اے شدہ با سرِ تو ہمراز بخت
گر ہمی خواہی ترا نخلے کنند
شرقی و غربی ز تو میوہ چنند

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے وہ درخت، جس کے باطن میں خوش بختی ہے، اگر تو چاہے تجھ کو پھر ہری بھری کھجور بنادیں حتیٰ کہ مشرق ومغرب کے لوگ تیرا پھل کھائیں۔

یا در آں عالم حقت سروے کند
تا تر و تازہ بمانی تا ابد

یا پھر اللہ تعالیٰ تجھے اگلے جہان بہشت کا سرو بنادے اور تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تروتازہ رہے۔

گفت آں خواہم کہ دایم شد بقاش
بشنو اے غافل، کم از چوبے مباش

اس نے عرض کیا میں وہ بننا چاہتا ہوں جو ہمیشہ رہے، اے غافل تو بیدار ہو۔

آں ستوں را دفن کرد اندر زمیں

کو چو مردم حشر گردد یوم دیں

اس ستون کو زمین میں دفن کردیا گیا۔ قیامت کے دن اسے انسانوں کی طرح اٹھایا جائے گا۔

(مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مع شرح مفتاح العلوم جلد سویم، ص ۷۸ تا ۸۰)

مندرجہ بالا آخری شعر سے پہلے شعر میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ''بشنو اے غافل کم از چوبے مباش'' کہا ہے، یعنی اے حضرت انسان! اس لکڑی کے جذبے سے تو تجھے آگے ہی ہونا چاہیے کیونکہ وہ لکڑی ہے اور تو انسان ہے، اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یقیناً اپنی اعلیٰ فکر کے باوجود سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے استفادہ کیا ہوگا جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان اور سلام ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کھجور کے تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ کثرتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیشِ نظر منبر بنوایا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تنے کو چھوڑ کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو اس نے سسکیاں لے کر رونا شروع کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دستِ شفقت رکھا تو وہ خاموش ہوگیا۔''

جب کھجور کے اس بے جان تنے کا یہ حال ہے تو اس امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق پر نالۂ شوق کا حق زیادہ ہے۔''

(بحوالہ: ''الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' للدکتور عبدالحلیم محمود، شیخ الازہر، ص ۲۲-۲۳)

ان تمام واقعات وحقائق کی روشنی میں درود تاج میں مؤلف درود تاج کا یا ایھا المشتاقون بنورِ جمالہٖ کہہ کر عشاق کے شوقِ دیدار کی جانب اشارہ کس درجہ حاصلِ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یا ایھا المشتاقون پھلواروی کی نظر میں بھونڈی غلطی ہے:

اس لقب پر بھی اعتراض اور اسی بندے (پھلواروی) کا اعتراض جس کے اول تا آخر تمام اعتراضات ردّ ہو چکے ہیں اور خودساختہ مجتہد العصر اور امام الصوفیاء اپنی کم مائگی علم

سے ہی اب پہچانے جائیں گے۔ پھلواروی صاحب یہاں بھی لغت کا سہارا لے کر فنی گرفت کرنا چاہتے ہیں اور "یا ایها المشتاقون بنورِ جمالهٖ" کو وہ غلطی ہی نہیں بھونڈی غلطی قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''کس مبتدی طالب علم کو یہ نہیں معلوم کہ ''مشتاق'' کا صلہ ''الیٰ'' ہوتا ہے ''ب'' نہیں ہوتا۔ اتنی بھونڈی غلطیاں کوئی اہلِ علم نہیں کرسکتا۔''

(جعفر شاہ پھلواروی)

اگر میں ہی ان کو یہ سمجھادوں کہ بھونڈی غلطی درود تاج میں نہیں آپ کے دماغ میں ہے تو یہ اردو محاورے میں چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی اور انھیں مزید خجالت اس پر ہوگی کہ مجھ سے ناچیز طالب علم نے ''امام الصوفیاء، مجتہد العصر علامہ'' کو بھونڈا اعتراض ثابت کر دیا۔ چونکہ غزالیِ دوراں اس کا جواب دے چکے ہیں لہٰذا میں انھیں کے جواب سے اس اعتراض کا ردّ کرتا ہوں۔

بھونڈے اعتراض کا جواب:

یہ اعتراض علامہ صاحب کی لاعلمی پر مبنی ہے کہ یہاں ''المشتاقون'' العاشقون کے معنی پر متضمن ہے اور عشق کا صلہ ''ب'' آتا ہے ''الیٰ'' نہیں۔ ''قاموس'' (لغت کی کتاب) میں ہے کہ ''عشق بہٖ'' (قاموس جلد سویم، ص ۲۶۵) نیز لغت کی مشہور کتاب (تاج العروس جلد ہفتم، ص ۱۳) اور ''اقرب الموارد'' (جلد دویم، ص ۷۸۶) ان سب میں بھی عشق کا صلہ ''ب'' ہے۔ اب علامہ فرماتے ہیں:

شاید پھلواروی صاحب اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جب کوئی لفظ دوسرے کسی لفظ کے معنی کو متضمن ہو تو اس کے صلے میں وہی حرف آئے گا جو اس دوسرے لفظ کے صلے میں آتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ (سورۃ البقرہ)

کس مبتدی طالب علم کو معلوم نہیں کہ رفث کا صلہ ''ب'' آتا ہے ''الیٰ'' نہیں آتا؟ ''لسان العرب'' (لغت کی کتاب) میں ہے: وقد رفث بها (لسان العرب جلد دویم، ص ۱۵۴)، چونکہ آیت کریمہ میں لفظ ''رفث'' افضاء کے معنی کو متضمن ہے جس کا صلہ ''الیٰ'' آتا

ہے۔ ''لسان العرب'' میں ہے: افضیت الی المراۃ (جلد دویم، ص ۱۵۴) اس لیے آیت کریمہ میں رفث کا صلہ ''الیٰ'' وارد ہوا۔

حدیث شریف میں وارد ہے: صرف قلبی علیٰ طاعتک (مشکوٰۃ، ص ۲۱)۔ کس طالب علم مبتدی کو معلوم نہیں کہ صرف کا صلہ ''الیٰ'' آتا ہے علیٰ نہیں آتا مگر چونکہ یہ لفظ ''ثبت'' کے معنیٰ کو متضمن ہے جس کا صلہ علیٰ ہے اس لیے حدیثِ پاک میں ''الیٰ'' کی بجائے ''علیٰ'' وارد ہوا۔

علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کیا پھلواروی صاحب قرآن اور حدیث کے الفاظ کو بھی معاذ اللہ بھونڈی غلطیاں قرار دیں گے؟ اگر نہیں تو انھوں نے مشتاقون کے صلے کو جو بھونڈی غلطی قرار دیا ہے تسلیم کر لیں کہ درود تاج کی بجائے یہ ان کی اپنی بھونڈی غلطی ہے۔ ایک پھلواروی صاحب جیسے خود ساختہ مجتہد العصر اور امام الصوفیاء ہی نہیں شرار بولہبی سے وابستہ نہ جانے کتنے بدقسمت مدعیانِ علم چراغ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ستیزہ کار ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن حق آیا تو باطل فرار ہو گیا۔

درود تاج میں جتنے بھی القابات ہیں ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن پر دل کھول کر اور بڑی فیاضی سے اعتراض کیے گئے۔ اس طرح وہ چھپا ہوا غبار، جو بغض و عداوت کے سینوں سے اٹھا تھا، وہ سامنے آ گیا اور توفیقِ الٰہی نے اس فقیر پر کرم فرمایا کہ اس غبار کو چھانٹنے کے لیے میرے ناتواں ہاتھوں کو قلم بخشا اور درود تاج کی تمام عبارت اول تا آخر بے غبار کرنے میں مصروف رہا۔ یہ اسی کا فضل ہے اور میں شکر گزار ہوں فضل کرنے والے کا کہ ہیچمداں کو اتنا شرف، اتنا اعزاز بخشا۔

صَلّوا عَلَیہِ وَاٰلِہٖ
وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلِّمُوا
تَسۡلِیمًا

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

درود شریف پڑھنے کا حکم کب آیا؟

مختلف اقوال پیشِ نظر ہیں لیکن میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کرتا ہوں۔ سورہ احزاب کی آیات میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، یہ مدنی آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

ایک قول کے مطابق دو ہجری میں یہ حکم آیا۔ ابنِ ابی الصیف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابنِ ابی الصیف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ماہ شعبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا مہینہ ہے کیونکہ درود والی آیت اسی مہینے میں نازل ہوئی۔

درود شریف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

(۱) صلوٰۃ دو معنی میں آتا ہے: ایک صلوٰۃ (یعنی درود) دعا کے معنی میں ہے اور دوسرے تبریک، مثلاً: **الصلوۃ علی الجنازۃ** یعنی میت کے لیے دعا کرنا، جس طرح سورہ توبہ میں ارشاد ہوا:

وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ یعنی ''دعا کر ان کے لیے، بے شک دعا ان کے لیے تسکین ہے۔'' (سورہ توبہ: آیت ۱۰۳)

اسی سورہ توبہ کی آیت ۹۹ میں ہے: وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ''اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔'' سورہ توبہ کی آیت ۸۴ میں ارشاد ہوا:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ یعنی ''اور نہ پڑھ نماز ان میں سے کسی پر۔''

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دعا کو صلوٰۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا تمام نیک مقاصد اور بلند ترین سنتوں کو اوّل و آخر، ظاہر و باطن اور دین و دنیا میں حاصل کر لیتا ہے۔

اس لیے بقول امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ بمعنی دعا میں جامعیت ہے۔ یہ صلوٰۃ کے پہلے معنی ہیں۔

(۲) صلوٰۃ (درود شریف) کے دوسرے معنی عبادت کے ہیں (یعنی ایک معنی دعا کے اور دوسرے معنی عبادت کے)۔ غور فرمائیے کہ عابد (عبادت کرنے والا) تو دعا کرنے والا ہی ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی عالمانہ اقوال اور باریکیاں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک نکتہ پیشِ خدمت ہے۔ صلوٰۃ کے شرعی معنوں میں دعا، عبادت بھی ہے اور دعا، سوال بھی۔ اس اعتبار سے صلوٰۃ بمعنی نماز شرعی اور حقیقی معنی میں کہی جاتی ہے اور مخصوص ہیئت میں ہوتی ہے مجازی یا منقولی نہیں۔

اس لفظ کے لغوی معنی بہت ہیں جس کے لیے لغت دیکھی جا سکتی ہے۔ موصوف نے خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کہ درود بھیجنے کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مراد رحمت، مغفرت اور شفقت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ سے یہی مطلب ہے اور جب ہم اللّٰھم صل علیٰ محمد کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ ہوتا کہ اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا میں عظیم المرتبہ بنا دیجیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غالب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو باقی رہنے والی بنا دیجیے۔

درود تاج پر ایک بڑا اعتراض اور جواب:

درود تاج پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ درود ابراہیمی کے ہوتے ہوئے کسی اور درود کی کیا ضرورت ہے جب کہ درود ابراہیمی عبادت کے دوران تشہد میں پڑھا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے؟

یہ کم مائیگیِ علم کا اعتراف ہے ورنہ اگر ان معترضین نے اپنے مطالعے کو تعصب کی عینک اتار کر وسعت دی ہوتی تو نتیجہ یہ نہ نکلتا بلکہ اس کے برعکس ہوتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں درود شریف کے

پڑھنے کے طریقوں کی دریافت کے لیے سوال کیا کرتے۔ اس سلسلے میں مختلف اور متعدد احادیث مختلف و متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وقتاً فوقتاً جس طرح درود شریف پڑھنے کا طریقہ بتایا اور بعض حضرات نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے ان کی تعداد بہت ہے۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق کے ذریعے اکتالیس درود شریف نقل فرمائے ہیں جن میں بعض طویل ہیں۔ ان میں سب سے طویل درود شریف حضرت زین العابدین بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا ہے جسے آپ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔

قارئینِ کرام! یقیناً اہلِ محبت کا تقاضا تو یہی ہوگا کہ وہ تمام درود مع اپنے فضایل کے ان صفحات پر نقل کردوں۔ ان کی تعداد اکتالیس ہے۔ اگر دل ان کی زیارت کا طالب اور ان کے ورد کا متمنی ہے تو حضرت امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع صلی اللہ علیہ وسلم'' کا مطالعہ فرمائیں۔ ناچیز یہاں ان بزرگانِ امت کے اسمائے گرامی پیش کر رہا ہے جو ان اکتالیس درود کے راوی ہیں۔ بعض سے یہ روایات مروی ہے اور بعض کا یہ وظیفہ رہا ہے، ان میں:

حضرت سیّدنا امام زین العابدین علیہ السلام بن حسین ابنِ علی کرّم اللہ وجہہٗ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، ابنِ ابی عاصم رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بن الحصیب الاسلمی، حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر، طبری بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی ابنِ ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ، حضرت یونس رحمۃ اللہ علیہ بن خباب، ابو داؤد شریف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رویفع بن ثابت الانصاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری، حضرت ابوالحسن کرخی، حضرت واثلہ بن الاسقع، حضرت ابنِ مسعود، حضرت ابوعمارہ بن زید المدنی، محمد بن اسحاق مطلبی رضوان اللہ علیہم اجمعین، ابوالحسن البکری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ (آپ رحمۃ اللہ علیہ پر درود الہام کیا گیا)۔

مندرجہ بالا اسمائے گرامی میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کا نام شامل ہے اور جو درود ان کے حوالے سے پیش ہوا ہے موصوف کی یہ روایت ہے کہ یہ وہ درود شریف ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ، حضرت

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ایک چادر کے نیچے جمع فرمایا تو یہ دعا پڑھی۔ میں اس درود کو نقل کر رہا ہوں:

اللھم قد جعلت صلوٰتک ورحمتک و مغفرتک و رضوانک علیٰ ابراھیم وآلِ ابراھیم اللھم انّھم منی وانا منھم فاجعل صلوٰتک ورحمتک ومغفرتک و رضوانک علیّ و علیھم۔

"اے اللہ! آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحم فرمایا اور رحمت ومغفرت فرمائی اور ان سے آپ راضی ہوئے۔"

(پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا):

"اے اللہ! یہ سب مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں لہٰذا آپ مجھ پر اور ان سب پر رحم فرمائیے، مغفرت فرمائیے اور راضی ہو جائیے۔"

(بحوالہ: القول البدیع، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں اکتالیس درود شریف انھیں حاصل ہوئے لیکن اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ اقسام درود کی یہ کل تعداد ہے۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اولیائے کرام کے درود مزید ہیں جن میں امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا درود بھی شامل ہے۔ ان حوالوں کا مقصد اس اعتراض کا مدلل جواب دینا تھا جو درود ابراہیمی کے علاوہ کسی اور درود شریف کو تسلیم نہیں کرتے۔ خیر یہ ان کے اپنے ایمان کا مسئلہ ہے لیکن وہ درود تاج کا وظیفہ کرنے والوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرتے ہیں، یہ اس کا مکمل تدارک ہے۔

یہاں درود شریف کا ورد کرنے والے عاشقوں کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ ایسا نہیں ہے کہ درود کی اقسام اور تعداد پر کسی نے تحقیقی کام نہیں کیا۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا اور ہو سکتا تھا کہ جس درود کے پڑھنے کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ دیں، خود بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اور ملائکہ کو بھی اس میں شامل کر لیں پھر تمام ایمان والوں کو درود بھیجنے کا پابند فرما دیں، وہ عاشقوں کا

وظیفہ ہو جائے اور پھر ان عاشقوں کی زبانیں اسے سجا سجا کر، خوب بنا بنا کر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ بھیجیں، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی تعداد نے مختلف انداز میں درود شریف کے نذرانے پیش کیے جن میں سے اکتالیس کے حوالے مندرجہ بالا سطور میں گزرے لیکن اللہ تعالیٰ کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے وہ اس خوش نصیب سے لے لیا کرتا ہے۔ آغازِ کتاب میں جو پیغامات شرح درود تاج پر شامل ہیں ان میں ایک تبصرہ میرے انتہائی واجب الاحترام اور کرم فرما دوست ڈاکٹر پروفیسر ریاض مجید کا ہے جو فیصل آباد کالج میں ہیں اور جنھوں نے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ آپ نے ایک چونکا دینے والی خبر اپنے تبصرے میں دی ہے جو عاشقوں کے لیے روح پرور اور ایمان افروز ہے، جس میں ایک ایسی تحقیقی تصنیفِ درود شریف کا ذکر ہے جو بارہ برس کی انتھک محنت کے بعد منظرِ عام پر آئی ہے۔ یہ نہایت ضخیم کتاب ہے جس کا نام "مجموعہ صلوٰۃ الرسول فی صلوٰتہ وسلامہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہے جسے علامہ عبدالرحمٰن ساکن چھوہر شریف، ضلع ہزارہ نے قرآنِ کریم کے پاروں کی طرز پر تیس جزوں میں مرتب کیا ہے اور ہر جزو اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس تصنیف کی ایک بہت نمایاں خوبی یہ ہے کہ اڑتالیس صفحہ کے ایک جزو (ایک پارہ) کا عنوان دوسرے جزو سے مختلف ہے یعنی اگر جزو تیس ہیں تو عنوانات بھی تیس ہی ہیں اور ان اڑتالیس صفحات میں اسی ایک عنوان پر درود شریف جمع کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کی مثال قارئین بلکہ عاشقانِ درود کے لیے دی ہے، مثلاً: پہلا جزو: فی نورہ وظہورہ۔ دوسرا جزو: فی صلوٰتہ وسلامہ۔ تیسرا جزو: فی بدنہ واعضائہ۔ چوتھا جزو: فی لباسہ وملبسہ۔ پانچواں جزو: فی نسبہ وحسبہ۔ چھٹا جزو: فی شرفہ وشرافتہ۔ ساتواں جزو: فی اسمائہ وصفاتہ۔ یعنی اسی طرح تسلسل کے ساتھ ایک تا تیس جزو کے تیس ہی عنوانات ہیں، آخر کے دو جزو کچھ اس طرح ہیں:

انتیسواں جزو: فی لواء الحمد ومقام محمودہ۔ تیسواں جزو: فی خیر خلقہ وامتہ۔ اور اس کی تالیف میں بارہ سال، آٹھ مہینے اور بیس دن صرف ہوے۔ اس کے مرتب نے یہ وصیت بھی فرمائی کہ روزانہ ایک جزو ایک بار تلاوت کیا جائے۔ فرصت کم ہو تو نصف یا چوتھائی ضرور ورد کیا جائے۔ یقیناً بارہ سال اس تحقیق و ترتیب میں صرف ہونا بھی تھوڑا ہے کہ یہ کام اپنی

نوعیت کا درود کے موضوع پر منفرد ہے اور ہر منفرد نادرہ کاری کے لیے ایک عمر چاہیے کہ ہر کام صرف قلم اور روشنائی سے ہی نہیں خونِ جگر بہانے سے ہوتا ہے۔ میری تمام تصانیف یعنی ''مدارج النعت''، ''مشکوٰۃ النعت'' اور ''شرح درود تاج''، جو اس وقت آپ کے مطالعے میں ہے، ہر ایک تصنیف تین تین سال کی مدت میں ترتیب پائی ہیں۔ میری نظر سے ایک اور نایاب کتاب ''بشریٰ'' گزری ہے، اس کے مصنف نے دس سال میں اسے ترتیب دیا تھا، اس کا موضوع بھی رسول اللہ ﷺ کی وہ بشارتیں ہیں جو انجیلِ مقدس (صحیفۂ آسمانی) کے اس نسخے سے لی گئی ہیں جو عبرانی زبان میں تھا اور مخالفینِ اسلام نے ان تمام بشارتوں کو اس مقدس آسمانی کتاب سے نکال دیا تھا۔ مصنف نے اس کی جستجو اور تلاش میں اپنا جو خونِ جگر بہایا وہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ انھیں عبرانی زبان نہ آتی تھی، وہ کلکتہ گئے، وہاں ایک عبرانی زبان کے ماہر کے گھر نوکری کر لی اور اس کے خدمت گار بن گئے۔ وہاں عبرانی زبان سیکھی، پھر اس صحیفے کے عبرانی نسخوں کو تلاش کیا اور پھر اس پر یہ تحقیق مرتب کی۔ بظاہر یہ افسوس کا مقام ہے کہ اس کی اشاعت سے پہلے ان کا وصال ہو گیا لیکن جو مقام اور مرتبہ انھیں بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوا ہو گا وہ بلا شبہ بہت بلند ہو گا۔ ساتھ ہی وہ دنیائے تحقیق کے رہ نوردوں کے لیے ایسا نصاب تحقیق دے گئے کہ اس نصاب کے بغیر تحقیق کا حق ادا نہیں ہوتا۔ یہ ایک ہی مثال نہیں ہے، اور بھی مثالیں ہیں جن میں اس سے بھی زیادہ طویل مدت میں صرف ایک کتاب ہی منظرِ عام پر آئی۔ ''بشریٰ'' کے محقق و مصنف علامہ غلام رسول چڑیا کوٹی تھے۔

درود تاج کا اختتام قرآن کی ہی آیات پر ہوا ہے، یعنی قرآن کی آیت اَللّٰھُمَّ سے **درود تاج** کا آغاز ہوا اور قرآنِ کریم کی آیات صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پر ختم ہو رہا ہے۔ قربان جایئے اس حسنِ ترتیب کے جو خاص کرم ہے مرتب **درود تاج** پر حق سبحانہ وتعالیٰ کا اور اس فقیر کو بھی جس نے اپنے آغوشِ کرم میں جگہ مرحمت فرما دی۔

مآخذِ کتاب

(الف)

البرہان فی علوم القرآن	علامہ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ
البحر المحیط	علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ
الاتقان	حافظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
ابنِ ماجہ	محمد بن یزید بن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ
ارشاد الساری شرح بخاری	امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ
البدایہ والنہایہ	علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ
اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
الملل والنحل	امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ
المنہاج	ابوعبداللہ حسین بن حسن حلیمی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ
المنجد (لغت)	
المصاحف ابنِ اشتہ	محمد بن عبداللہ بن محمد بن اشتہ رحمۃ اللہ علیہ
انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ
الوفا باحوالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ
المدائح النبویہ فی الادب العربی	ڈاکٹر ذکی مبارک رحمۃ اللہ علیہ
اقرب الموارد (لغت)	
ابوداؤد (حدیث)	سلیمان بن اشعث ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ
انجیل مرقس	

انجیل لوقا	
انسائیکلوپیڈیا بری ٹانیکا	
انساب الاشراف	احمد بن یحییٰ البغدادی رحمۃ اللہ علیہ
السیدۃ النبویہ	احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ
المنقذ من الضلال	حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
القول البدیع	امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ
النحو الوافی	بحوالہ علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ
المفردات القرآن (لغت)	علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ
المستدرک للحاکم	امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ
استیعاب	امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ بن عبدالصمد بن عبدالبر القرطبی رحمۃ اللہ علیہ
البیان	علی القیروانی العابر رحمۃ اللہ علیہ
احیاء علوم الدین	حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
اتحاف السنبلاء	نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ
الہلال (اخبار)	مولانا ابوالکلام آزاد
المصاحف	لابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ
اصل الاشیاء الاباحۃ	علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ
الامن والعلیٰ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ
الوفاء الوفاء	علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ
اختیاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ
انوار الاولیاء	رئیس احمد جعفری
اقبال اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	رئیس احمد جعفری
ادب المفرد	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

التبیان — امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ
المعجم الاوسط — امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ

(ب)

بالِ جبریل — علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(ت)

تفسیر ابنِ کثیر — حافظ ابنِ کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ
تفسیر روح البیان — علامہ محمد اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ
تفسیرِ بیہقی — امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ
تفسیرِ خازن — علاء الدین علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ
تفسیرِ حقانی — عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ
تفسیرِ مظہری — قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
تفسیرِ عزیزی — مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
تہذیب الاسماء واللغات — امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ
تفہیم البخاری شرح بخاری — مولانا ظہور الباری اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
تاج العروس (لغت)
تاریخ الخلفاء — امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
تذکرۃ الاولیاء — شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ
تصانیفِ احمدیہ — سر سیّد احمد خاں
تفسیر ضیاء القرآن — پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

(ج)

جذب القلوب — شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
جلاء الافہام — حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ
جاربردی شرح شافیہ